



مَآثِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّادِقِينَ
وَأَثَارُ الشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ

مُلَقَّبٌ

اقوال سلف

حصه سوم

مؤلف

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الدین صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

مکتبہ دارالمعارف
اور معارف فیض الالبیت



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ

وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءَ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا (نار ۶۹)

مَا ثَرُ الْأَنْبِيَاءِ وَالصِّدِّيقِينَ وَإِنَّا أَرَأَى الشُّهَدَاءَ وَالصَّالِحِينَ

مُلَاقًا

اقوال السلف

حصہ شوم

جسین پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے نصف اول کا ولیا کرام
کے احوال و اقوال مختصراً ذکر کئے گئے ہیں -

مُتَبَيَّنٌ

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الابدائی دامت برکاتہم

مَاشِیَانِ

مکتبہ دارالمعارف والابا

ادارہ معارف مصلح الامم الیہ آباد

کتاب متعلق ضروری معلومات

نام کتاب: مَا تَرَاكَ الْبُكِّيَاءُ وَالصِّدِّيقِينَ وَأَثَارُ الشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ

مُلَقَّبَ بِهِ اقوال سلف حصہ ستوم

مرتب: شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

صفحات: ۶۰۸ تعداد اشاعت ۱۱۰۰

ناشران: مکتبہ دارالمعارف الہ آباد

ادارہ معارف مصلح الامت الہ آباد

باہتمام: مولوی محمد عبد اللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

سند اشاعت: یارسوم، صفر ۱۳۳۳ھ مطابق جنوری ۲۰۱۲ء

کتابت: قربان خلی و مولوی شمیم احمد قاسمی الہ آبادی

قیمت:

ملنے کے پتے

مکتبہ دارالمعارف الہ آباد۔ بی/۶۳۹ وصی آباد، الہ آباد (یو پی) ۲۱۱۰۰۳

مکتبہ فیضان قرآن ٹائم ٹائم دوکان کے ایس ٹی چال، بہرام باغ روڈ۔ جوگیشوری۔ ممبئی

مکتبہ رحمانیہ۔ دارالعلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ۔ محمود نگر کنٹھاریہ۔ بھروچ (گجرات)

قاضی بک ٹپو، بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رانی تلاء۔ سورت (گجرات) ۳۹۵۰۰۳

کتب خانہ انجمن ترقی اردو۔ جامع مسجد۔ دہلی

مکتبہ البلاغ، دیوبند مسعود پبلشنگ ہاؤس، دیوبند

مکتبہ نفیس جعفر نگر، نزد مسجد محمد۔ مایگاؤں (ناک) الفرقان بک ٹپو ۱۱۴/۳۱ نظیر آباد۔ لکھنؤ

مکتبہ النہالی۔ مدینہ چوک۔ سرینگر۔ کشمیر ۱۹۰۰۰۱

فہرست

مَا ثَرُ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّادِقِينَ وَآثَارُ الشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ

مُلَقَّبَةٌ "أَقْوَالُ سَلَفٍ" حِصَّةٌ سَوِيَّةٌ

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
	عرض ناشر محمد عبداللہ قرمان قاسمی الرآبادی		۸
	پیش لفظ مؤلف عفی عنہ		۹
	تأثر حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی	م ۱۳۱۸ھ	۱۷
	تأثر حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم اجپوری صاحب قادیان	م ۱۳۲۲ھ	۱۸
	تأثر حضرت مولانا عبد القیوم حقانی زید مجدہ ہوبیرہ پاکستان		۱۹
	اولیاء مقربین و علماء ربانین (پانچویں صدی جری)		۲۰
۱	حضرت ابو علی محمد دقاق	۴۰۵ھ	۲۱
۲	حضرت بابا ربیعان بھروچی	۴۲۰ھ	۲۳
۳	حضرت ابو نصر عبید اللہ بن سعید سجری	۴۲۲ھ	۲۷
۴	حضرت ابو عمرو الدانی	۴۲۲ھ	۲۹
۵	حضرت امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی	۴۲۸ھ	۳۱
۶	حضرت حسن ابو علی الجوزجانی	۴۶۰ھ	۳۳
۷	حضرت علی بن عثمان ہجویری	۴۶۰ھ	۳۷
۸	حضرت ابو بکر خطیب بغدادی	۴۶۳ھ	۴۱
۹	حضرت امام تصوف ابو القاسم القشیری	۴۶۵ھ	۴۵
۱۰	حضرت ابو الحجاج الاقصیری	تحتی پانچویں صدی	۴۹

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سہ وفات	صفحہ نمبر
۱۱	حضرت سید سالار سعید و عسائی	۵۲۸ھ	۵۳
۱۲	حضرت وزیر بن وزیر ابو شجاع ابی یعلیٰ	۵۲۸ھ	۵۵
۱۳	حضرت ابو نصر ابن ابو جعفر الہروی	۵۵۰ھ	۵۷
	اولیاء کرام چھٹی صدی ہجری		
۱۴	حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی	۵۵۰ھ	۵۹
۱۵	حضرت ابو الوفاء بن عقیل حبلی	۵۱۳ھ	۷۸
۱۶	حضرت قاضی ابوبکر محمد بن عبد الباقی	۵۵۲ھ	۸۲
۱۷	حضرت یوسف بن ایوب ہمدانی	۵۵۲ھ	۸۲
۱۸	حضرت علامہ محمود جارا اللہ ز مخشری	۵۳۸ھ	۸۶
۱۹	حضرت ابوبکر بن ہوار بطاحی	چھٹی صدی	۹۲
۲۰	حضرت ابو محمد الشبکی	۵۵۲ھ کے بعد	۹۳
۲۱	حضرت منصور بطاحی	۵۵۲ھ	۹۵
۲۲	حضرت رسلان دمشق	۵۵۰ھ	۹۸
۲۳	حضرت بقار بن بطور	۵۵۳ھ	۱۰۰
۲۴	حضرت ابو سعید القلوری	۵۵۷ھ	۱۰۲
۲۵	حضرت مطر الباذرائی	تاریخ و قانیہ	۱۰۳
۲۶	حضرت حماد بن مسلم دباس	۵۵۷ھ	۱۰۴
۲۷	حضرت ابو یزید مغربی	چھٹی یا ساتویں	۱۰۵
۲۸	حضرت عدی بن مسافر الاموی	۵۵۸ھ	۱۰۷
۲۹	حضرت علی بن وہب بخاری	تاریخ و قانیہ	۱۱۳
۳۰	حضرت ابو محمد ماجد کردی	۵۶۱ھ	۱۱۴
۳۱	حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی	۵۶۱ھ	۱۱۶
۳۲	حضرت ابو انجیب عبد القادر سرمدی	۵۶۲ھ	۱۳۸
۳۳	حضرت ابو عمرو عثمان بن مرزوق القرشی	۵۶۴ھ	۱۴۲

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سند و فوات	صفحہ نمبر
۳۴	حضرت علی بن ہبیتی ؓ	۵۶۲ھ	۱۲۵
۳۵	حضرت سلطان نور الدین زنگی ؓ	۵۶۹ھ	۱۲۸
۳۶	حضرت حافظ ابن العساکر ؓ	۵۷۱ھ	۱۵۸
۳۷	حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی ؓ	۵۷۵ھ	۱۶۰
۳۸	حضرت سیدنا احمد کبیر رفاعی ؓ	۵۷۸ھ	۱۶۹
۳۹	حضرت ابو محمد القاسم بن عبد اللہ البصری ؓ	۵۸۰ھ	۱۹۰
۴۰	حضرت حیاة بن قیس الحمدانی ؓ	۵۸۱ھ	۱۹۱
۴۱	حضرت الامام ابو بکر الکاسانی ؓ	۵۸۷ھ	۱۹۴
۴۲	حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی ؓ	۵۸۹ھ	۱۹۶
۴۳	حضرت محمد بن جریر ؓ	تاریخ دکنیہ	۲۱۰
۴۴	حضرت الشیخ ابو مدین مغربی ؓ	۵۹۰ھ	۲۱۳
۴۵	حضرت علامہ عبد الرحمن بن جوزی ؓ	۵۹۷ھ	۲۱۶
۴۶	حضرت ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم القرشی ؓ	۵۹۹ھ	۲۳۰
۴۷	حضرت ابو العباس احمد الملم ؓ	۶۰۰ھ	۲۳۱
	اولیاء کرام سقاویں صدی ہجری		
۴۸	حضرت امام فخر الدین رازی ؓ	۶۰۶ھ	۲۳۳
۴۹	حضرت نجم الدین کبریٰ ؓ	۶۱۰ھ	۲۴۴
۵۰	حضرت مجد الدین بغدادی ؓ	۶۱۶ھ	۲۵۰
۵۱	حضرت فرید الدین عطار ؓ	۶۲۷ھ	۲۵۸
۵۲	حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ؓ	۶۳۳-۶۲۷ھ	۲۶۳
۵۳	حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ؓ	۶۳۳ھ	۲۸۰
۵۴	سلطان شمس الدین التمش ؓ	۶۳۴ھ	۲۹۲
۵۵	سلطان ناصر الدین محمود ؓ	۶۴۴ھ	۲۹۴
۵۶	حضرت تاج العرفاء شہاب الدین سہروردی ؓ	۶۳۳ھ	۲۹۶

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۵۷	حضرت الشیخ الاکبر محی الدین ابن العربیؒ	۶۳۸ھ	۳۰۷
۵۸	حضرت عبدالرحمن طغوسنجیؒ	ساتویں صدی	۳۲۳
۵۹	حضرت داؤد البکیر بن خالدؒ	آٹھویں صدی	۳۲۵
۶۰	حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ	۶۴۱ھ	۳۲۸
۶۱	حضرت ابوالسعود ابوالعشائرؒ	۶۴۲ھ	۳۳۲
۶۲	حضرت ابوالحسن الشاذلیؒ	۶۵۴ھ	۳۳۲
۶۳	حضرت شیخ علی ابوالحسن مغربیؒ	۶۵۴ھ	۳۳۵
۶۴	حضرت جمال الدین احمد ہاشمیؒ	۶۵۹ھ	۳۴۶
۶۵	حضرت شیخ الاسلام عزالدین عبدالسلامؒ	۶۶۰ھ	۳۴۹
۶۶	حضرت فرید الدین مسعود گنج شکرؒ	۶۶۴ھ	۳۶۰
۶۷	حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ	۶۶۶ھ	۳۸۲
۶۸	حضرت عبدالغفار القوسیؒ	۶۷۰ھ	۳۹۲
۶۹	حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ	۶۷۲ھ	۳۹۳
۷۰	حضرت شیخ حمید الدین صوفیؒ	۶۷۳ھ	۴۲۰
۷۱	حضرت ابوالعباس احمد البدوی الشریفؒ	۶۷۵ھ	۴۲۲
۷۲	حضرت شیخ الاسلام محی الدین امام نوویؒ	۶۷۶ھ	۴۲۶
۷۳	حضرت ابراہیم وسوقی قرشیؒ	۶۷۶ھ	۴۳۶
۷۴	حضرت ابوالشیخ عبداللہ القرشیؒ	۶۷۸ھ	۴۴۳
۷۵	حضرت شیخ صدر الدینؒ	۶۸۴ھ	۴۴۵
۷۶	حضرت احمد ابوالعباس المرسیؒ	۶۸۶ھ	۴۴۹
۷۷	حضرت ابراہیم البعیریؒ	۶۸۶ھ	۴۵۳
۷۸	حضرت رکن الدین ابوالفتحؒ	۶۹۰ھ	۴۵۴
۷۹	حضرت علاؤ الدین علی احمد صابریؒ	۶۹۰ھ	۴۵۹
۸۰	حضرت مصلح الدین سعدی شیرازیؒ	۶۹۱ھ	۴۶۴

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
	اولیاء کرامؑ اٹھویں صدی ہجری		
۸۱	حضرت ابراہیم بن احمد کینعیؒ	۴۱۳ھ	۲۸۶
۸۲	حضرت خواجہ علی رامیتنیؒ	۴۲۱ھ	۲۸۷
۸۳	حضرت ابو علی قلندر پانی پتیؒ	۴۲۲ھ	۲۹۲
۸۴	حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ	۴۲۵ھ	۵۰۰
۸۵	حضرت امیر خسرو دہلویؒ	۴۲۵ھ	۵۱۹
۸۶	حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ	۴۲۸ھ	۵۲۶
۸۷	حضرت حسین الہامیؒ	۴۳۰ھ	۵۴۷
۸۸	حضرت یوسف حسینی المعروف شاہ راجو قہارؒ	۴۳۱ھ	۵۴۸
۸۹	حضرت ابوالبرکات امین بن محمدؒ	۴۳۴ھ	۵۵۰
۹۰	حضرت علاؤ الدولہ سہنانیؒ	۴۳۶ھ	۵۵۲
۹۱	حضرت حسام الدین ملتانیؒ	۴۳۶ھ	۵۵۶
۹۲	حضرت برہان الدین غریبؒ	۴۳۸ھ	۵۶۰
۹۳	حضرت قاضی شرف الدین ہارزیؒ	۴۳۸ھ	۵۷۶
۹۴	حضرت صاحب کمالات ظاہرہ محمد رشدیؒ	۴۳۸ھ	۵۷۷
۹۵	حضرت حافظ شمس الدین ذہبیؒ	۴۴۸ھ	۵۸۰
۹۶	حضرت مولانا فخر الدین زراویؒ	۴۴۸ھ	۵۸۲
۹۷	حضرت ضیاء الدین نخشبیؒ	۴۵۱ھ	۵۸۶
۹۸	حضرت محمد بابا سماسیؒ	۴۵۵ھ	۵۹۲
۹۹	حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلویؒ	۴۵۷ھ	۵۹۴
	مصادر و مراجع		۶۰۶

عرض ناشر

آپ حضرات کی خدمت میں "اقوال سلف" حصہ سوم کثیر اضافات کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جس پر اولاً ہم اللہ تعالیٰ کا بیحد و حساب شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مقبول فرمائے۔ آمین!

ثانیاً ان تمام حضرات علمی و مالی معاونین کا جن کی عنایت و جدوجہد اور مشقت سے یہ جلد پایہ تکمیل کو پہنچی، خصوصاً مشفق المکرم مولانا مقصود احمد صاحب قاسمی اُستاد حدیث مدرسہ عربیہ بیت المعارف الہ آباد۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

حسب سابق مشفق المکرم حضرت والد صاحب اطال اللہ ظلالہ علینا نے اس حصہ سوم میں بھی متعدد قابل قدر علم و مشائخ کے تذکروں کا اضافہ فرمایا ہے۔ نیز جن حضرات کے احوال اقوال کم مذکور تھے یا نہ کے برابر تھے، اس میں بھی مزید اقوال و احوال کا اضافہ فرمایا جس سے الحمد للہ اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مکرم والد صاحب مدظلہ کو صحت و قوت کے ساتھ بقیہ حصوں کو بھی اسی طرح ترتیب دینے کی توفیق اور فرصت مرحمت فرمائے۔ آمین!

الحمد للہ حسب معمول مکتبہ دارالمعارف الہ آباد سے نوع بنوع کتب کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی ایک معرکہ الاراء تصنیف "دینی اداروں و جماعتوں کی ذمہ داریاں" کے نام سے طباعت کا شرف حاصل کرنے کی سعادت حاصل کریگا، جو انشاء اللہ تعالیٰ اُمت کے عوام و خواص سب کیلئے بیحد مفید ہوگی۔ وَ مَا ذَالِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ۔

محمد عبد اللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

پیش لفظ

الحمد لله رب العلمین والصلاة والسلام علی راس الصالحین
وعلی آلہ واصحابہ الطاہرین۔

امّا بعد! الحمد للہ! آج قلب میں لامتناہی فرح و سرور محسوس
کر رہا ہوں کہ ”اقوال سلف“ کا حصّہ سوم پیش کرنے کی سعادت حاصل
ہو رہی ہے۔ جس میں پانچویں صدی سے لے کر آٹھویں صدی ہجری کے نصف اول
تک کے علماء و صلحاء کے احوال رفیعہ اور اقوال مفیدہ مذکور ہیں۔
اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائے اور مثل اصل مآخذ و مصادر کے
اس کو بھی امت کے لئے مفید بنائے۔ آمین!

حسب معمول اس جلد میں ولادت و وفات کے سنین کو لکھنے کی سعی
کی گئی ہے، نیز جا بجا افادات کے لکھنے کا بھی معمول رہا اور آئندہ بھی
انشار اللہ تعالیٰ اہتمام کرنے کا عزم ہے۔

یوں ماشار اللہ اس جلد میں حسب سابق بہت سے سلف صالحین
کے تذکروں کا اضافہ ہوا ہے اور انشار اللہ تعالیٰ آنے والے ہر حصّہ میں
ایسا ہوتا رہے گا۔ اس طرح اب یہ سلسلہ انشار اللہ تعالیٰ آٹھ حصّوں
میں پایہ تکمیل کو پہنچے گا، اور امید ہے کہ ہر حصّہ چھ سو صفحات پر مشتمل ہوگا۔
اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!
بفضلہ تعالیٰ اس جلد کی تکمیل و تنقیم میں بھی عزیز مولوی کمال احمد سید

اور مولوی صابر علی جٹا اور مولوی فیروز عالم سلمہ نے بہت ہی جدوجہد کی۔ مگر اصل کارنامہ تو مولانا مقصود احمد صاحب گورکھپوری سلمہ کا ہے کہ بیحد جانفشانی سے ولادت و ممات کی تاریخوں کو ثبت کیا۔ اور اس کی مناسب و موزوں ترتیب سے کتاب کو محقق و مرزین کیا۔ مزید آخر میں عظیم قاری ناظر حسین سلمہ استاد فلاح دارین ترکیسر (گجرات) نے بھی نظر ثانی کیا۔ فخر اہم اللہ تعالیٰ احسن العزائم۔

اس جلد میں اس مختصر سے دیباچہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جلد چہارم میں مزید ضروری باتیں لکھنے کی سعی کروں گا۔

اس وقت دلی تقاضا ہوا کہ علامہ ابن الجوزیؒ کے مضمون کو جو اولیاء و صلحا کرام کے فضائل و کمالات علمیہ و عملیہ کے ذکر پر مشتمل ہے نقل کروں، جیسا کہ پہلی طباعت کے حصہ اول کے مقدمہ میں دلچ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی نافع و مفید بنائے۔ آمین! محمد الزمان آبادی

اولیاء و صلحا کی فضیلت

اولیاء اور صلحا ہی مقصود کائنات ہیں اور یہی حضرات حصول علم کے بعد اُس کی حقیقت پر عامل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی تو میں اُس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ اور میرے بندے نے میرے فرض کی ادائیگی سے زیادہ کسی اور چیز کے ذریعہ میرا قرب نہیں حاصل کیا اور میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے

لگتا ہوں۔ پس جب میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اُس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے، اور اُس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اُس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اُس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور اُس کو دوں اور اگر مجھ سے پنا مانگے تو میں ضرور اُس کو پناہ دوں۔ اور میں کسی چیز میں جس کو کرنے والا ہوتا ہوں تردد نہیں کرتا جیسا کہ مومن کی جان (قبض کرنے) میں تردد کرتا ہوں جبکہ وہ موت کو ناگوار سمجھتا ہے اور میں اُسکی تکلیف پسند نہیں کرتا۔ (بخاری شریف ۹۶۳۲ باب التواضع)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور آپ حضرت جبریلؑ سے اور وہ اپنے پروردگار عز وجل سے، کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے کسی ولی کی اہانت کی تو اُس نے مجھے جنگ کا جلیغ دیا، اور میں کسی چیز میں جسکو کرنے والا ہوتا ہوں تردد نہیں کرتا جیسا کہ مومن کی جان قبض کرنے میں، کہ میں اُس کی تکلیف کو پسند نہیں کرتا اور اس سے کوئی چارہ بھی نہیں۔ اور میرے بعض مومن بندے ایک نوع کی عبادت کرنا چاہتے ہیں، لیکن میں اُن کو اُس سے روک دیتا ہوں تاکہ اُن کے اندر عجب نہ داخل ہو جائے! اور وہ اُن کو تباہ کر دے۔ اور میرے بندے نے میرے فرض کی ادائیگی کے برابر کسی اور چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کیا اور ہمیشہ میرا بندہ نفل ادا کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور میں جس سے محبت کرتا ہوں تو اُس کا کان اور اُسکی آنکھ اور اُس کا ہاتھ اور اُس کا مددگار ہو جاتا ہوں، وہ مجھ کو پکارتا ہے تو میں اُس کی پکار کو قبول کرتا ہوں اور وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اُس کو دیتا ہوں اور وہ میرے ساتھ خلوص

اختیار کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ خیر کا معاملہ کرتا ہوں۔ اور میرے بعض مومن بندے ایسے ہیں کہ اُن کے ایمان کو فقر و افلاس ہی درست رکھ سکتا ہے، اور اگر میں اُس کو کُشا دگی عطا کر دوں تو وہ اُس کو تباہ کر دے۔ اور میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ جن کے ایمان کو غنا اور تو نگر ہی درست رکھ سکتا ہے، اور اگر میں اُس کو مفلس کر دوں تو وہ اُس کو تباہ کر دے۔ اور میرے بعض مومن بندے ایسے ہیں کہ جس کے ایمان کو بیماری ہی درست رکھ سکتی ہے، اور اگر میں اُس کو صحت عطا کر دوں تو وہ اُس کو تباہ کر دے۔ چونکہ میں اپنے بندوں کے احوالِ قلوب کا علم رکھتا ہوں اسی لئے اُس کے مطابق اُن کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔ یقیناً میں علیم اور خبیر ہوں۔

نیز اسی روایت کو عبد الکریم جزری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقولاً روایت کیا ہے۔ جس میں یہ ہے کہ میں اپنے اولیاء کی مدد کرنے میں سب سے زیادہ جلدی کرتا ہوں۔ میں اُس کے واسطے غضبناک شیر سے بھی زیادہ غضبناک ہوں۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”إِنَّ مِنْ حِبَادِ اللَّهِ مَنْ لَوْ أَشْتَمَ عَلَى اللَّهِ لَا يَبْرَأَ“ (بیشک اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ اُس کو ضرور پورا کر دے)۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد)

عطار ابن یسار سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار! وہ لوگ کون ہیں جو تیرے اہل ہیں، جن کو تو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ، وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھ بے گناہ ہیں، جن کے دل پاک ہیں، جو میرے جلال کے سبب باہم محبت کرتے ہیں۔ وہ وہ لوگ ہیں کہ جب میرا ذکر

کیا جاتا ہے تو اُن کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، اور جب اُن کا ذکر کیا جاتا ہے تو میرا بھی ذکر کیا جاتا ہے، اور ہم اُن کا ذکر کرتے ہیں، اور وہ وہ لوگ ہیں جو باوجود تکلیف کے پوری طرح وضو کرتے ہیں، میرے ذکر کی طرف ایسے ہی جمع کرتے ہیں جس طرح گدھا اپنے گھونسلوں کی طرف، میری محبت پر ایسے ہی فریفتہ ہوتے ہیں جیسے بچہ لوگوں کی محبت پر، اور میرے محارم (حرام کی ہوئی چیزوں) کو جب حلال سمجھا جانے لگتا ہے تو وہ ایسے ہی غضب ناک ہوتے ہیں جس طرح جنگ کے وقت چیتا۔

دہب بن منبہؓ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ اور اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو فرمایا کہ اُس کی زینت اور ساز و سامان تم لوگوں کو تعجب میں ڈالے اور تم دونوں اُس کی طرف اپنی آنکھیں نہ اٹھانا، اس لئے کہ وہ دنیوی زندگی کی رونق اور دنیا دار خوشحالوں کی آرائش ہے۔ اور اگر میں تم دونوں کو دُنیوی زینت سے آراستہ کرنا چاہوں، تاکہ فرعون اُس کو دیکھ کر یقین کر لے کہ اُس کی قدرت اس سے بالکل عاجز ہے جو تم دونوں کو عطا کی گئی ہے، تو ضرور آراستہ کر دوں۔ لیکن میں تم کو اس سے روکتا ہوں اور اس کو تم سے پھیرتا ہوں۔ اور میں اپنے اولیاء کے ساتھ اسی طرح کیا کرتا ہوں۔ اور پہلے ہی میں نے اُن کے لئے خیر مقرر کر رکھی ہے، پس میں اُن کو دنیا کی نعمت و آسائش سے ہٹاتا ہوں، جس طرح مہربان چڑواہا اپنی بکریوں کو ہلاکت والی چراگاہوں سے ہٹاتا ہے۔ اور میں ان کو اس کی خوشحالی اور عیش سے اس طرح بچاتا ہوں جس طرح مہربان چڑواہا اپنے اونٹوں کو گندی جگہوں سے بچاتا ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ میں اُن کو کم درجہ کا

سمجھتا ہوں، بلکہ اس لئے تاکہ وہ میرے اعزاز میں سے اپنا حصہ صحیح و سالم رکھ پورا پورا حاصل کر لیں، اور دنیا اُن کو کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے اور نہ خواہش نفسانی اُن پر کوئی زیادتی کر سکے۔

اور جان لو کہ زہد فی الدنیا سے بڑھ کر کسی اور زہدیت سے بندے آراستہ نہیں ہوتے، اس لئے کہ وہ متقیوں کی زہدیت ہے، ان کے اوپر تقویٰ کا لباس ہے جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں، یعنی سکیکنہ اور خشوع، سجدہ کے اثر سے اُن کے چہروں میں نشانی ہے۔ یقیناً یہی میرے اولیا ہیں، جب تم اُن سے ملو تو اُن کے سامنے تواضع اختیار کرو۔ اور اپنے قلبِ بابران کو اُن کے تابع رکھو۔ اور جان لو کہ جس نے میرے کسی ولی کی اہانت کی یا اُس کو خوفزدہ کیا، تو اُس نے مجھ کو جنگ کا چیلنج دیا اور مجھ سے مقابلہ کیا اور میرے سامنے اپنی ذات پیش کی اور مجھ کو اُس کی طرف بلایا۔ اور میں اپنے اولیا کی مدد کے لئے سب سے زیادہ جلدی کرتا ہوں۔ کیا مجھ سے جنگ کے نیوالا گمان کرتا ہے کہ میرے مقابلہ میں کھڑا ہو سکتا ہے؟ یا مجھ سے دشمنی کرنے والا گمان کرتا ہے کہ مجھ کو عاجز کر دے گا؟ یا میرے مقابلہ پر آنے والا گمان کرتا ہے کہ مجھ سے آگے بڑھ جائے گا، یا مجھ سے گزر جائے گا؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے جبکہ میں خود اُن کا بدلہ لینے والا ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اُن کی نصرت دوسرے کے سپرد نہ کروں گا۔

اور وہب ابن منبہؓ ہی سے روایت ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ! اللہ کے وہ اولیا کون ہیں جن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کے باطل کو

دیکھا، جبکہ لوگوں نے دنیا کے ظاہر کو دیکھا۔ اور جنہوں نے دنیا کے آجل (انجام) کو دیکھا، جبکہ لوگوں نے اس کے عاجل (نقد اور فوری نفع) کو دیکھا۔ پھر اُس سے اُس حصہ کو فٹ کر دیا جس سے اُن کو خوف ہوا کہ وہ اُن کو ہلاک کر دے گا، اور اُس حصہ کو چھوڑ دیا جس کو اُنہوں نے جانا کہ وہ اُن کو چھوڑ دے گا۔ پس وہ جس کو زیادہ سمجھے تھے وہ کم کھلا، اور جس کو وہ محفوظ کئے ہوئے تھے وہ فوت ہو گیا۔ اور جس کو پکار وہ خوش ہوئے وہ رنج و غم کا سبب ہو گیا۔ پھر اس دنیا سے حاصل شدہ چیز میں سے جس نے اُن کا مقابلہ کیا اُس کو اُنہوں نے چھوڑ دیا، اور جو ناحق بلند ہوئی اُس کو اُنہوں نے بےست کر دیا۔ دنیا اُن کے پاس پرانی ہو گئی تو وہ اس کو نئی نہیں بناتے اور دنیا اُن کے درمیان دیران و برباد ہو گئی، تو وہ اُس کو آباد نہیں کرتے۔ اور دنیا اُن کے سینوں میں مگر گئی، تو وہ اس کو زندہ نہیں کرتے۔ وہ دنیا کو منہدم کر کے اس سے اپنی آخرت کی تعمیر کرتے ہیں۔ اور وہ اس کو بیچ کر اُس سے وہ چیز خریدتے ہیں جو ہمیشہ باقی رہے، اُنہوں نے اُس کو چھوڑ دیا اور اس کے چھوڑنے پر وہ خوش ہیں۔ اور اُنہوں نے اُس کو فروخت کر دیا اور اس میں نفع میں ہیں۔ اُنہوں نے دنیا داروں کو دیکھا کہ وہ پھاٹے پڑے ہوئے ہیں اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہیں، تو اُنہوں نے موت کے ذکر کو زندہ کیا اور حیات کے ذکر کو مرہ کر دیا۔ وہ اللہ سے اور اللہ کے ذکر سے محبت کرتے ہیں اور اُس کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ اُن کا عجیب حال ہے اور اُن کے پاس جو علم ہے وہ بھی عجیب ہے۔ اُن کے ساتھ کتاب قائم ہے اور وہ کتاب کے ساتھ قائم ہیں۔ اُن کے ساتھ کتاب ناطق ہے اور وہ کتاب کے ساتھ ناطق ہیں۔ انہی سے کتاب علم ہے اور وہی کتاب کے عالم ہیں۔ اُنہوں نے جو کچھ حاصل کر لیا ہے اُس کے علاوہ کسی چیز کو وہ لائق تحصیل نہیں سمجھتے۔ اور جس کے امیدوار ہیں اُس کے علاوہ کسی چیز کو امان نہیں دیتے۔

اور جس سکوہ ڈرتے ہیں اُس کے علاوہ کسی چیز کو خوف کی چیز نہیں سمجھتے۔ (احمد)

حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ، لوح علیہ السلام کے بعد ہمیشہ دنیا میں چودہ حضرات ایسے رہیں گے جنکے سبب عذاب ہٹایا جائے گا۔ (احمد)

اور سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا کہ، ”عَنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِينَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ“ (صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے) محمد بن یونسؒ کہتے ہیں کہ میں نے صالحین کے ذکر سے زیادہ قلب کیلئے نفع بخش کوئی چیز نہیں دیکھی۔ (مصنف الصفوة ج ۱ ص ۳۱ تا ۳۲)

ف: دیکھئے علامہ ابن جوزیؒ جن کو عموماً خشک کہا جاتا ہے وہ کتنے شہر و مدینے اوپار کی صفت و فضیلت اور اُن کے ذکر کی اہمیت و ضرورت کو بیان فرما رہے ہیں جو آپ زور سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ اب بھی ہم تسلیم نہ کریں تو محل تعجب ہے۔

اظہار مسرت: میرے لئے بہت ہی مسرت و سعادت کی بات ہے کہ بکثرت علماء و مشائخ نے اقوال سلفؒ کے اس زریں سلسلہ کو پسند فرمایا اور اسکی افادیت کا تقریراً و تحریراً اظہار فرمایا۔ جن میں سے چند کو حصہ اول و دوم میں نقل کر چکا ہوں اب مزید چند اکابر کے تاثرات و تقریفات درج کر رہا ہوں۔ بقیہ حضرات کے تاثرات بعد کے حصوں میں شائع کئے جائیں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

محمد قسم الزمان الہ آبادی

۱۵ ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ

۱۲ نومبر ۲۰۱۱ء

مدرسہ عربیہ بیت المعارف، بخشی بازار الہ آباد

(ریو پنی)

تَاثِر

(المؤلف: ۱۳۸۵ھ)

مخدومی المکرم مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی قدس سرہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ

اہل اللہ کو حق تعالیٰ کی ذات سے تعلق خاص کی جو نسبت حاصل ہوتی ہے اس کا ایک ادنیٰ کرشمہ اور ثمرہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جیسے اُن کی موجودگی میں اُن کی مجلس اور ہمنشینی سے روح کو غذا ملتی ہے، مریض باطن کو دوا ملتی ہے، بے چین دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے، اسی طرح اُن کی غیر موجودگی میں ان کے کلام اور اقوال سے روح کو تازگی ملتی ہے، امراض کے ازالہ کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

اشد پاک جزائے خیر عطا فرمائے مجھے و مکرمی جناب مولانا قمر الزمان صاحب مدظلہ العالی کو کہ انھوں نے اس سلسلہ کو جاری فرمایا۔

اقوال سلف کا یہ تیسرا حصہ ناظرین کرام کے سامنے ہے۔ اشد پاک موصوف کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

صدیق احمد عفی عنہ

خادم جامعہ عربیہ ہتورہ۔ باندرا

رجب ۱۴۱۰ھ

ناشر

از مفتی شہیر حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب قدس سرہ (المتوفی ۱۳۲۲ھ)

(صاحب فتاویٰ رحیمیہ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

محترم مکرم حضرت اقدس مولانا قمر الزمان صاحب دامت فیوضہم

السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَکَاتُہُ

بندہ پڑھنے لکھنے سے معذور ہے۔ لیکن ہمارے مجاہدین نے مختلف مقامات سے اکابر کے ملفوظات کتاب "اقوال سلف" حصہ پنجم بششم سے سنایا۔ سن کر دل بے حد مسرور ہوا۔

مؤلف عزیز نے بہت سی جگہ اُمت کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھلے ہیں۔ اسوجہ سے کہ "اقوال سلف" ظاہری و باطنی امراض کا بہترین علاج ہے۔ اس پرفتن دور میں تو ان باتوں کی اشد ضرورت ہے، حق تعالیٰ اس بیش قیمت تحفہ کو شرف قبولیت عطا فرما کر اُس کی برکات عام و تمام فرمائیں۔ اور آپ کو دین کی خدمت میں تادم حیات مشغول رکھیں۔ اور میرے لئے حق تعالیٰ سے خوب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ کامل رضامندی نصیب کرے اور مرتے وقت حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔

مفتی عبد الرحیم لاچپوری

بقلم صادق محمد پٹیل دیولوی

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ

تاثر حضرت محترم مولانا عبد القیوم صاحب حقانی زید مجدہم

سرپرست اعلیٰ "جامعہ ابوہریرہ" خالق آباد، نوشہرہ، صوبہ سرحد (پاکستان)

شیخ المشائخ العارف باللہ مجمع البحرین پیر طریقت سیدی والدی الکریم حضرت
العلامہ مولانا الحاج قمر الزمان حصا دامت برکاتہم العالیہ کی وقیع اور گرانقدر تالیف لطیف
"اقوال سلف" مخدوم محترم حضرت مولانا محمد اسماعیل بھٹو مظلّمہ کی وساطت سے موصول ہوئی۔
جلد اول کے ششم تک علی الترتیب استفادہ کیا۔ شیخ کامل کی صحبت، ولی کامل کی نظر
عنایت اور ارباب قلوب کی مجالست کا حظ وافر حاصل ہوا۔

"اقوال سلف" تالیف دعوت و عزیمت کا اچھوتا نمونہ، اصلاح انقلاب امت کی
جانب کامیاب پیش رفت اور اکابر علماء دیوبند کے مسلک اعتدال کی این ہے مولف نے
بڑے حزم و احتیاط سے شریعت طریقت کو ساتھ ساتھ رکھ کر اپنے اکابر اور مشائخ کے
دامن رشد و ہدایت کے ساتھ قارئین کو جوڑ دیا ہے۔ اور اب ادارۃ العلم و التحقيق
جامعہ ابوہریرہ کے خدام نے فیصلہ کیا ہے کہ حضرت کی اجازت کے بعد اسے جدید
عمدہ کتابت اور شاندار زیر طباعت سے آراستہ کر کے پاکستان اور دنیا بھر میں
سبھی علمی و دینی اور مطالعاتی حلقوں کو "اقوال سلف" کے نور معرفت سے منور
کیا جائے۔

عبد القیوم حقانی

۲۹ صفر ۱۴۲۰ھ

عہدہ اشار اللہ آپ بہت سی علمی و تحقیقی کتابوں کے مصنف ہیں مثلاً "توضیح السنن شرح آثار السنن للنیوی"
دفاع البصیغۃ، صحیحۃ، اہل حق، ارباب علم و کمال اور بیشمار رزق حلال، غنیمت۔ (مرتب)

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى

الْآنَ أُولِيَآءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (روم)

تَذَكُّرٌ

أُولِيَآءَ مُقَرَّبِينَ عُلَمَاءَ رَبَّانِيَّينَ

رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى

الحمد للہ علی احسانہ، اب ہم اصل کتاب کو شروع کرتے ہیں۔ قارئین کی معلومات کیلئے عرض ہے کہ اقوال سلف و آل میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ و صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین اور متعدد تابعین کے احوال و اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

”اقوال سلف دوم“ میں متعدد تابعین و تابعات، تبع تابعین اور چوتھی صدی ہجری تک کے اولیاء و مشائخ کرام رحمہم اللہ کے احوال و اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

اب بفضلہ تعالیٰ و توفیقہ اس حصہ سوم میں پانچویں، چھٹی، ساتویں و آٹھویں صدی ہجری کے نصف اول کے اکابر امت و اولیاء عظام کے احوال و اقوال درج کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اس حصہ کا اختتام محضر شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی المتوفی ۱۰۵۷ھ پر ہو رہا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی فیض سے مستفیض فرمائے۔ آمین!

اس کے بعد حصہ چہارم میں انشاء اللہ تعالیٰ دسویں صدی ہجری تک کے اکابر علماء و مشائخ و سلاطین ہند کے مختصر احوال و ارشادات نقل کئے جائیں گے۔ واللہ و لا التوفیق۔

حضرت ابو علی محمد دقاق رحمہ اللہ المتوفی ۴۲۵ھ

نام و نسب | نام حسن، کنیت ابو علی، والد کا نام محمد ہے۔

تعارف | آپ اپنے عہد میں نیشاپور کی زبان، اپنے وقت کے امام اور یکتائے زمانہ تھے۔ بہت ہی فصیح و بلیغ تقریر کرتے تھے۔ آپ نے بہت سے مشائخ کو دیکھا۔ آپ شیخ نصر آبادی (ابو القاسم) کے مرید تھے اور وعظ فرمایا کرتے تھے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ ہر سال سفر کرتے اور کسی نئے شہر میں قیام کرتے اور کچھ عرصہ رہنے کے بعد واپس آجاتے۔ مشہور زمانہ صوفی استاد ابو القاسم قشیریؒ آپ کے داماد اور شاگرد تھے۔ شیخ ابو القاسم قشیریؒ نے آپ کی مجلس کے مضامین کو جمع کیا تھا۔

شیخ ابو علی دقاق صاحب قال ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب حال بھی تھے۔ اور طبیعت میں شورش اور حرارت تھی۔ ان کا معمول تھا کہ انکی مجلس میں جو کوئی لغو مارتا تو یہ بھی انکے ساتھ لغو مارتے۔

ارشادات | فرماتے تھے کہ خود رو درخت جس کی کسی نے تربیت نہ کی ہو پتے تو نکال لیتا ہے لیکن اس میں پھل نہیں آتا۔

اگر اس میں پھل ابھی جاتا ہے تو بد ذائقہ ہوتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے طریقہ شیخ نصر آبادیؒ سے سیکھا ہے اور انہوں نے شیخ شبلیؒ اور شیخ شبلیؒ نے شیخ جیند سے۔

ف: اس مسئلہ کو سالک کسی مربی کی تربیت سے ہی باطنی ثمرہ سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

ورنہ اس سے محروم رہتا ہے حضرت مصلح الامۃ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب بھی یہ فرماتے تھے:

ایک روز ایک شیخ تشریف لائے۔ حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے ان کو پہچان لیا اور کہا کہ شیخ ابو علی دقاق کے مرشد ہیں۔ یہ سُننے ہی بہت سے مشائخ جمع ہو گئے اور ان سے درس طریقت کی درخواست کی گئی، لیکن انہوں نے قبول نہیں فرمایا مگر لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو کر وہ منبر پر تشریف لے گئے اور دائیں طرف اشارہ کر کے کہا ”اللہ اکبر“ پھر قبلہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا ”وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ“ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی بہت بڑی ہے۔ اس کے بعد دائیں طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ”فَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰی“ (پس اللہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے) یہ سن کر لوگوں پر کیفیت طاری ہو گئی، چند لوگوں نے اسی وقت دم توڑ دیا، یعنی وفات ہو گئی۔ وجہ اور کیفیت کا یہ شور مبرپا تھا کہ استاد منبر سے اترے اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد ان کی بہت جستجو کی گئی، لیکن وہ نہیں ملے۔

آپ فرماتے تھے الہی ہم نے گناہوں سے اپنا نامہ اعمال سیاہ کر ڈالا ہے اور تو نے زمانے میں ہی سارے بال سفید کر دیے پس اس خالقِ سیاہ و سفید اپنا لطف و کرم فرما اور جو کچھ سیاہ ہے اس کو سفیدی سے بدل دے۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے (اخیر عمر) میں وہ ایسی باتیں کرنے لگے تھے کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں اور کسی میں یہ طاقت نہیں تھی کہ انکو سمجھے چنانچہ ان کی مجلس میں حاضرین کی تعداد بس ۱۷-۱۸ افراد ہوتی تھی شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ جب شیخ ابو علی دقاق کا کلام اس بلندی پر پہنچا تو ان کی مجلس لوگوں سے خالی ہو گئی تھی۔

وفات | نیشاپور میں بمابہ ذیقعدہ ۱۲۵۷ھ میں آپ نے وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت بابا ریحان بھروچیؒ المتوفی

(مرتبہ مولانا اقبال حبیب ٹیکاروی سلمہ)

نام و نسب

آپ کا پورا نام و نسب حوالہ میں مذکور کتابوں میں نہیں مل سکا۔ البتہ "اکابرین گجرات" میں آپ کا نام سید علی عرف بابا ریحان اور اور بعضوں نے بابا گنج ریحان ذکر کیا ہے۔

تعارف

آپ شیوخ ماوراء النہر میں سے ہیں۔ کچھ لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ بغداد سے آئے تھے۔ بعضوں نے مزید وضاحت کی کہ بغداد میں "ریحان" نامی جگہ سے آئے تھے۔ کچھ لوگ انکو خراسانی مانتے ہیں۔ گجرات میں سورت اور بڑودہ کے درمیان واقع قدیم شہر بھروچ میں پانچویں صدی عیسوی کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ البتہ وہ کس سنہ میں آئے تھے؟ اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بمبئی گزیٹ کے مطابق ۲۹۲ھ میں انکی آمد ہوئی۔ لیکن یہ قول درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت کی وفات کا سال ۴۳۰ھ کے بعد ہے۔ جبکہ ایک قدیم قلمی نسخہ کے مطابق ۲۰۸ھ میں ان کا ورود ہوا۔ تذکرہ قاریان ہند میں آپ کی آمد کا سال ۲۰۸ھ لکھا ہے۔

آپ کے رفقاء میں سید محمد مکی عرف نقیب، سید موسیٰ چرخ جی حسین سید عیسیٰ چرخ جی، آپ کے بھائی بابا روحان واحد، سید شرف الدین کے نام ملتے ہیں۔

بھروچ کے راجہ سے جنگ | اُنھوں نے بھروچ شہر میں سکونت اختیار کی۔ لوگوں کی خدمت میں

مشغول رہتے، ان کو علم سکھاتے، اُن کے اخلاق کی اصلاح کرتے۔ کسی سے کوئی معاوضہ نہ لیتے۔ آہستہ آہستہ حاجت مندوں کا ہجوم بڑھنے لگا تو درباریوں نے بھیل راجہ سے جو اس وقت حکمراں تھا، شکایت کی کہ یہ فقیر اپنا بڑا بڑھا رہا ہے، اس کا وجود آپ کے لئے مضر ثابت ہوگا۔ چنانچہ بھیل راجہ نے ایک وفد دریافت حال کے لئے مقرر کیا، جس کا صدر بھیل راجہ کا لڑکا کران تھا۔

اُس وفد نے بابا صاحب کے پاس جا کر اُن کے حالات معلوم کئے، اس کے بعد ارکان وفد حضرت اور ان کے ساتھیوں سے ملے، اُن پر حضرت کے اخلاق اور شخصیت کا اتنا اثر ہوا کہ راجکار کرن تو وہیں ٹھہر گیا اور وفد کے دوسرے ارکان واپس آئے اور راجہ سے واقعات بیان کئے کہ بابا صاحب کی شخصیت بڑی زبردست ہے، بہر صورت حکومت کو خطرہ ہے، ان کو نکال دینا ہی مناسب ہے۔ اس پر راجہ نے حکم دیا کہ بابا صاحب بھروچ سے نکل جائیں۔ اس پر بابا صاحب نے انکار کیا۔ آخر فوج بھیجی گئی۔

درویشوں سے لڑائی ہوئی۔ طرفین سے لوگ مارے گئے۔ بابا صاحب کے بھائی سید احمد اور دوسرے ساتھی سید مکی نقیب، سید حسین اور بہت سے ساتھی شہید ہوئے۔ مگر راجہ کی فوج کا بہت زیادہ نقصان ہوا اس پر راجہ نے مرعوب ہو کر صلح کر لی اور بابا صاحب کو رہنے کی اجازت دے دی۔

بابا صاحبؒ نے پھر خدمتِ خلق شروع کر دی۔ بھیل راجہ کی بیٹی رانی بھاگا بھی مسلمان ہو گئی۔ اُس کا نام زیب النساء رکھا گیا۔ یہ دونوں بابا صاحبؒ کے احاطہ میں مدفون ہیں۔

قیامِ مدرسہ | بابا صاحبؒ نے ۱۳۳۳ھ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں علومِ قرآنی پڑھائے جاتے تھے۔ اس عمارت پر مندرِ فہیل عبارتِ کندہ ہے:-

هذه العمارة القديمة في شهر ثلاثين وارب مائه
اس بابرکت عمارت میں اُس وقت سے لیکر اب تک تعلیم کا سلسلہ جاری ہے
درمیان میں یہ مدرسہ چند روز کے لئے جینوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ نواب
مرتضیٰ خاں نے پھر سے مرمت کرائی۔ اس کا سن مرمت ”مسجد قاضی (۹۱۱ھ)
سے نکلتا ہے۔ اس میں صندل کے موٹے موٹے چار ستون ہیں، اور فرش
سنگ مرمر کا ہے۔

کچھ مدت کے بعد اُن کے مقبرہ پر لکڑی کی چھت بنائی گئی۔ اُن کے
قریب ہی غربی سمت میں ان کے بھائی سید احمد کی قبر ہے اور ان کی
قبر سے قریب ہی مشرقی سمت میں گیارہ (۱۱) قبریں ہیں۔ اور دروازہ کے
قریب شمال میں تین قبریں ہیں، جن میں ایک قبر سید موسیٰ، دوسری سید حسین
اور تیسری سید عیسیٰ کی ہے۔ اور جنوبی سمت میں نچلے حصہ میں کچھ پرانی قبریں
ہیں، جن میں ایک ملک محمد (راجہ مار کرن) کی قبر ہے۔

تاریخِ وفات | کچھ لوگوں نے آپؒ کا سنہ وفات تخمیناً ۱۶ شعبان
۱۳۳۳ھ ذکر کیا ہے۔ جبکہ ”اولیائے گجرات“ میں

آپ کا سنہ وفات ۴ شعبان ۱۰۳۹ھ مطابق ۱۰۳۹ء ذکر ہے: "تذکرۃ الاولیاء"
میں آپ کی تاریخ وفات ۶ شعبان ہے۔

آپ کا مدفن بھروج سے جمبوسر کی شاہراہ کے درمیان طاق ویکل پول
ریلوے اسٹیشن سے تھوڑے فاصلہ پر ایک خوبصورت ٹیلے پر واقع ہے۔

"تذکرہ قاریان ہند کے ہامش میں ذکر کیا ہے کہ جہاں بابا ریحان کے ساتھی
جنگ میں شہید ہو کر دفن ہوئے تھے وہیں بابا ریحان کو دفن کیا گیا۔ یہ مقام
بھروج سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ عماد الملک نے قبروں کو پختہ بنا کر
اپنے لئے ایک گنبد حضرت کی مزار سے نچلے حصہ میں تعمیر کرایا تھا وہیں دفن ہوئے۔

(تذکرہ قاریان ہند، ترجمہ نمبر ۱۰۳ ص ۱۱۹ - تاریخ اولیائے گجرات ص ۱۳۸،

اکابرین گجرات، ۲۷۸ - اولیائے گجرات ۱۰۸ -

سے اب شہر کے درمیان میں آگیا ہے اور اسی نام کی ایک کالونی بھی ہے۔ الحمد للہ
بابا ریحانؒ کی مزار پر حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی برکات عام و تمام فرمائے۔
آمین! محمد قمر الزمان عفی عنہ

حضرت ابو نصر عبید اللہ بن سعید سجری المتوفی ۴۴۲ھ

نام و نسب نام عبید اللہ، والد کا نام سعید، دادا کا نام حاتم، کنیت ابو نصر۔

تعارف آپ امام العلماء اور قوی الحافظہ حافظ الحدیث اور شیخ السنۃ اور شیخ الحرم تھے۔ بختان کے ایک گاؤں وائل کے رہنے والے تھے۔

حصول علم کے لئے سفر شہنہ کے بعد طلب علم کی نیت سے وطن کو

مصر میں حدیث کا علم حاصل کیا۔ اس کے بعد حرم مکہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ جہاں کا بیان ہے کہ ایک دن میں ان کی خدمت میں تھا، کہ

کسی نے دروازہ پر دستک دی، میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو ایک عورت داخل ہوئی اور دس ہزار دینار کی تھیلی شیخ کے سامنے رکھ کر

کہا کہ آپ اس کو جس طرح مناسب سمجھیں خرچ کریں۔ شیخ نے پوچھا تمہاری تمنا کیا ہے؟ اس نے کہا میری تمنا ہے کہ آپ مجھ سے عقد

کر لیں اور یہ تمنا صرف اس واسطے ہے کہ میں آپ کی خدمت کر سکوں ورنہ مجھ کو شادی کی قطعاً خواہش نہیں ہے۔ شیخ نے اس سے کہا تھیلی

اٹھا لو اور سمجھا بجھا کر اس کو رخصت کرنے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ میں بختان سے تحصیل علم (طالب علمی) کی نیت کر کے نکلا ہوں، اگر شادی

کر لوں تو طالب علم کی فہرست سے میرا نام خارج ہو جائے گا۔ اور میں طلب علم

کے ثواب پر کسی دوسری چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا۔
 ف: سبحان اللہ! طلبِ علم کے لئے اجر و ثواب پر کس قدر حرصیں
 تھے اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر قیمتی چیز ہے کیا؟ اور اللہ تعالیٰ
 ہم سب کو یہ دولت نصیب فرمائے۔ آمین (رتب)

مسئلہ قرآن میں ان کی کتاب ”الابانة الكبرى“ ان کی
 امامت فن پر شاہدِ عدل ہے۔ حبال کا قول ہے کہ ابوالنضر حافظِ صحیح
 جیسے پچاس حافظوں پر بھاری ہیں۔ محدثین میں ایک حدیث مسلسل
 بالادویت کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔ اس کے راوی بھی محدث ابوالنضر
 ہی ہیں۔ جتنے لوگوں نے اس حدیث کی سند لی ہے۔ اکثر کی سندوں میں
 آپ کا نام آتا ہے۔ (ایمان المجاہ ص ۳۶)

آپ فرماتے تھے کہ جب مال و زر کی خاطر نکاح کیا جائے تو
ارشادات اس کا اثر و ثواب کم ہو جائے گا ہاں اگر اس کے علاوہ
 یعنی مال و زر کے حصول کی نیت نہ ہو تو بہتر ہوگا۔

ف: یعنی اتباعِ سنت اور حصولِ عفت اور صالح اولاد کی
 ولادت اور امتِ محمدیہ کی کثرت کی نیت سے ہو تو موجبِ اجر و ثواب (رتب)
وفات آپ کی وفات مکہ معظمہ میں ماہِ محرم الحرام ۴۴۴ھ میں
 ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۶۵۴)

حضرت ابو عمر والدانی رحمہ اللہ

نام و نسب نام عثمان ، والد کا نام سعید دادا کا نام عثمان
کنیت ابو عمر ہے۔

ولادت و تعارف آپ امام حفاظ اور عمدہ ترین قاری اور اندلس
کے عالم تھے۔

آپ فرماتے تھے کہ میرے والد نے بتلایا کہ میری پیدائش ۳۸۲ھ
میں ہوئی اور میں نے تحصیل علم ۳۸۶ھ کے شروع میں شروع کیا۔ اور
۳۹۴ھ میں مشرق کا سفر کیا۔ توقیروان میں چار ماہ قیام کیا۔ اس کے بعد
مصر کا رخ کیا اور اس سال ماہ شوال میں مصر میں داخل ہوا۔

منابنی (مؤرخ) فرماتے ہیں کہ ابو عمرو مالکی مذہب کے پیرو تھے، اور
مستجاب الدعوات تھے۔

اور حمیدی فرماتے ہیں کہ ابو عمرو احادیث کے بہت ہی زیادہ
بیان کرنے والے تھے۔ اور متقدمین قراء میں سے تھے۔ آپ نے اندلس اور
مشرق میں علم حدیث حاصل کیا۔

ابو القاسم بن شکوال فرماتے ہیں کہ ابو عمرو علم قرآن اور اس کی
روایت اور تفسیر اور معانی کے امام تھے اور ساتھ ہی اس کے طرق
اور اعراب کے بھی ماہر تھے۔

تصانیف آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں ان میں چند مشہور
کتابیں یہ ہیں، جامع البیان فی السبع، کتاب التیسیر،

کتاب الاقتصاد، ايجاز البيان، التلخيص وغيره، ایسے تو آپ کی کل تصانیف ایک سو پچیس ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۷۷۷)

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب الاعظمیؒ آپ کے فضل و کمال

بن سید نام، اور قرطبہ (اسپین) وطن تھا۔ وائیم میں سکونت کی وجہ سے دانی کہلاتے تھے۔ ۳۹۶ھ میں انھوں نے مشرق کا سفر شروع کیا چار ماہ قیروان میں رہ کر مصر پہنچے۔ وہاں ایک سال قیام کرنے کے بعد حج کیا اور حج کے بعد ذی قعدہ ۳۹۹ھ میں اندلس واپس آ گئے۔ اس سفر میں ہر جگہ انہوں نے حدیث اور قرأت کا علم حاصل کیا تا آنکہ اللہ نے ان کو اس مرتبہ پر پہنچایا کہ ان کے زمانہ سے لے کر آج تک کے تمام قراء ان کے مرہونِ منت اور سب کی گزریں ان کے آگے خم ہیں۔ ذہبی نے سچ کہا ہے الی ابی عمر والمنتھی فی القان القرائت۔ یعنی قراء توں کا مضبوط و مستحکم علم ابو عمرو دانی پر ختم ہے۔ (ایمان الحجاج ص ۳۶)

آپ کی وفات نصف شوال ۴۴۴ھ میں ہوئی اور اسی دن بعد نماز عصر وائیم کے قبرستان میں دفن کئے گئے اور اس وقت اس شہر کا بادشاہ آپ کے جنازے میں شریک ہوا اور ایک جم غفیر نے آپ کے جنازے میں شرکت کی۔ نور اللہ مرقدہ۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۷۷۷)

حضرت امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب | نام احمد، والد کا نام حسین
کنیت ابو بکر۔

ولادت | آپ ماہ شعبان ۳۸۴ھ میں بیہق میں پیدا ہوئے۔

تعارف | آپ نے فقہ اپنے زمانے کے مشہور فقیہ و عالم ابو سہل اصفہانی اور ابو الفتح ناصر بن محمد عمری مروزی سے حاصل کیا، آپ کو اپنے اساتذہ میں سے ابو الحسن محمد بن حسین علویؒ اور ابو عبد اللہ حاکمؒ سے استفادہ کا زیادہ موقع ملا اور آپ خاص طور پر حاکم کے حلیل القدر تلامذہ میں سے شمار کئے جاتے تھے۔ اور ایک طویل عرصہ تک آپ کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔

تلامذہ | آپ کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔ اس وقت کے بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا ان میں سے آپ کے فرزند اسمعیل بن احمد، حسین بن احمد بن علی، ابو القاسم زاہر بن طاہر سبحانی وغیرہم ہیں۔ شیخ الاسلام ابو اسمعیل الفزاری کو بھی امام بیہقی سے اجازت حاصل تھی۔

طلب حدیث کیلئے سفر | آپ یحییٰ بن علیؒ سے ہی حدیث کے مبارک علم کی تحصیل و تکمیل اور اس کی جمع و تحریر میں مشغول ہو گئے تھے۔ آپ نے اس کے لئے متعدد مقامات اور علمی مراکز کا سفر

بھی کیا تھا۔

فضل و کمال آپ کے حفظ اور ضبط اور ثقاہت اور اتقان پر ائمہ
فن اور محدثین کا اتفاق ہے۔ ابو الحسن عبدالخافر

فاری فرماتے ہیں کہ آپ اپنے زمانے میں حفظ میں یکتا اور اپنے تمام
معاصرین میں ضبط و اتقان کے اعتبار سے یگانہ تھے۔

ظہیر الدین بیہقی لکھتے ہیں کہ فن حدیث میں آپ کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔
امام بیہقی کو فقہ اور اصول میں پورا ادراک حاصل تھا۔ فقیہ جلیل اور

اصولی ان کے نام کا جزیں گیا تھا۔ آپ کی تصنیفات حدیث میں گونا گوں
فقہی معلومات و مسائل موجود ہیں۔ اسی لئے انکو علم حدیث و فقہ کا جامع کہا جاتا ہے۔

تحقیق و انصاف پسندی آپ کی ایک خصوصیت نیک نیتی اور انصاف
پسندی بھی ہے۔ مؤرخین اور اصحاب سیر نے

علمی و فنی مباحث میں امام صاحب کی غیر معمولی تحقیق و تدقیق اور انصاف
پسندی کا ذکر کیا ہے۔

مسلک آپ مسلک شافعی المذہب تھے اور آپ کو اس مذہب سے
غیر معمولی تعلق اور لگاؤ تھا۔ اور آپ نے اس کی نشر و

اشاعت اور تہذیب و تنقیح میں اہم کردار ادا کیا۔ اور اس مسلک
کو آپ سے بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔ کوئی شافعی المسلک آپ کی تصنیفات
سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے۔

زہد و ورع آپ زہد و ورع میں ممتاز تھے۔ تذکرہ نگاروں نے
آپ کو دربار صاحب ورع زاہد قانت اور عقیف

وغیرہ لکھا ہے۔ آپ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وفات سے تین سال پہلے سے مسلسل روزے رکھنا شروع کر دیئے تھے۔ (زکوة المحرمین ص ۲۱۵)
حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے آپ کے تذکرے میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس کو بعینہ نقل کرتا ہوں۔

احمد بن حسین نام ابو بکر کنیت تھے، بیہق (بہار) وطن تھا، فقیہ، محدث اصولی اور مشہور مصنف و حافظ حدیث ہیں۔ حاکم صاحب مستدرک کے شاگرد تھے، بڑے عابد و پیر، ہر گار تھے اور زاهدانہ زندگی گزارتے تھے سنن کبریٰ، معرفة السنن والآثار، دلائل النبوة اور شعب الایمان کے ناموں سے کون واقف نہیں ہے۔ یہ انہیں کی تصنیفات ہیں۔ امام الحرمین (شافعی) کا قول ہے کہ شافعی کا ہر شافعی پر احسان ہے اور بیہقی کا امام شافعی پر احسان ہے۔ اور امام الحرمین کا یہ قول ان کتابوں کے پیش نظر ہے جو بیہقی نے امام شافعی کی تائید و حمایت میں لکھی ہیں۔ آخر عمر میں ائمہ علم کی درخواست پر بیہقی سے نیشاپور آگئے، وہاں ان کے لئے ایک خاص مجلس درس قائم ہوئی اور انہوں نے اپنی تصنیفات سنائیں۔ اس مجلس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوتے تھے۔

آپ کا سفر حج بڑا ممتاز سفر تھا اس لئے کہ اس سفر میں شیخ الصوفیہ امام ابو القاسم ششیریؒ اور امام الحرمین بھی ساتھ تھے۔ (ایمان الحج ص ۳۳)
آپ کی وفات ۱۰ جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ میں نیشاپور میں ہوئی اور بیہقی میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (زکوة المحرمین ص ۲۱۵)
اور ایمان الحج میں سال وفات ۴۵۸ھ درج ہے۔ (ایمان الحج ص ۳۳)

وفات

حضرت حسن ابوعلی الجوزجانی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب | نام حسن، والد کا نام علی، کینت ابوعلی۔

آپ اپنے دور میں خراسان کے کبار علماء میں سے تھے۔ اور آپ کا بیان مناسب مکمل و مدلل ہوتا تھا۔ آپ طبقہ دوم کے مشائخ میں شمار کئے جاتے ہیں اور اپنے وقت کے بے نظیر صوفی اور شیخ طریقت تھے۔ آپ شیخ محمد بن علی الترمذی اور شیخ محمد بلخی کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ آپ کی تصانیف بھی ہیں۔ (نفحات الانس ص ۳۰)

ارشادات | آپ فرماتے تھے کہ تین چیزیں توحید کے ستون ہیں (۱) خوف و خشیت (۲) رجاء و امید (۳) محبت۔

- ۱۔ خوف کی زیادتی گناہوں کی وعید کی زیادتی کیوجہ سے ہوتی ہے۔
- ۲۔ امید کی زیادتی نیک اعمال پر اللہ کے وعدوں کی زیادتی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

۳۔ اللہ کی محبت کی زیادتی ان کے ذکر کی زیادتی پر اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان کی وجہ سے ہوتی ہے۔

خائف (ڈرنے والا) محبوب کے ذکر سے غافل نہیں ہوتا۔ خوف روشن کرنے والی نار و آگ ہے۔

رجاء۔ (امید) روشن کرنے والا نور و روشنی ہے۔ اور محبت نور الانوار یعنی نوروں کا نور ہے۔

ف : سبحان اللہ ان حقائق کی کیا ہی خوب تشریح فرمائی ہے جو

قلوب پر لکھے جانے کے قابل ہیں۔ (مرتب)

بخل کے بارے میں آپ کا قول ہے کہ بخل میں تین لفظ ہیں۔

۱۔ "ب" جس سے مراد بلا ہے۔ ۲۔ "خ" جس سے مقصود خسران ہے

۳۔ "ل" جس کے معنی لوم کے ہیں یعنی ملامت۔

پس بخل اپنے بخل کی وجہ سے بلا، و مصیبت میں گرفتار ہے اور اپنی کوشش میں خاسر و ناکام ہے نیز صفت بخل کی بناء پر اس کی ملامت کی جاتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۳۷)

ف: اس سے بخل کی کیسی مذمت ثابت ہوئی۔ اس لئے علماء، راہبین نے اس کو صفات مذمومہ میں شمار فرمایا ہے جس کی اصلاح کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ برے نتائج سے حفاظت لے۔ (مرتب)

آپ کے کلام سے یہ بات ہے کہ منجملہ علامات سعادت کے یہ ہے کہ بندے پر طاعات کا کرنا آسان ہو۔ اور افعال میں سنت کی متابعت نصیب ہو، اور صالحین سے محبت ہو، بھائیوں کے ساتھ حسن خلق کا معاملہ ہو، عام مخلوق کے ساتھ جود و سخا ہو، امور مسلمین کا خیال ہو، اور اپنے اوقات کی حفاظت کا التزام ہو۔ اور شقاوت کی علامت ان صفات کے برعکس ہے۔

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے درست اور آباد اور شک و شبہ سے دور والا راستہ قول و فعل، عزم اور قصد میں اتباع سنت کا طریقہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **وَإِنْ تَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ** (اگر ان کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یاب ہو جاؤ گے)۔

ف: سبحان اللہ کس قدر جامع و نافع ارشادات ہیں جن کو پیش نظر

رکھنا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو پہنچنے کا سب سے درست اور یقینی راستہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کی متابعت ہے۔ (مرتب)

آپ سے دریافت کیا گیا کہ اتباع سنت تک پہنچنے کا کیا ذریعہ ہے؟ تو فرمایا کہ: اس کا طریقہ یہ ہے کہ بدعات سے اجتناب کریں۔ صدر اول کے علمائے جن چیزوں پر اتفاق کر لیا ہے اس کی اتباع کریں۔ علم کلام کی مجالس اور اصحاب کلام سے احتراز کریں۔ اور ملف صالحین کے طریقہ کو لازم پکڑیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (سو تم ملت ابراہیم کا اتباع کرو جس میں ذرا کجی نہیں۔) (طبقات ج ۱ ص ۷)

ف: اسی طرح قرن اول کے علماء کے متفقہ مسائل میں ان کی اتباع کو ضروری قرار دیا ہے اس لئے کہ جمہور امت کے طریقہ سے سزا و نفاق نہ کرنے میں ہی عافیت ہے اس لئے کہ جن علماء اعلام نے جمہور کے مسلک کی مخالفت کی آخر میں ان کو بعد از خرابی بسیار جمہور کے مسلک کی طرف رجوع کرنا ہی پڑا ہے، اس لئے سیرت سلف اور مسلک جمہور سلف کو لازم سمجھنا چاہئے۔ خوب سمجھ لیں۔ (مرتب)

آپ کا انتقال ۳۶۰ھ میں ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

وفات

(سیر اعلام النبلاء ص ۱۷۸)

حضرت علی ابن عثمان ہجویری المتوسلؒ

نام و نسب نام علی کنیت ابو الحسن، والد کا نام عثمان بن ابی علی ہجویری ہے۔ داتا گنج کے نام سے مشہور ہیں۔

تعارف آپ اپنے زمانہ کے بڑے شیخ، عالم، محدث اور زاہد تھے۔ آپ نے اپنے زمانہ کے مشائخ کبار اور علماء محدثین سے علوم کی تحصیل کی۔ ہجویر اور حلاب غزنین کے دو گاؤں ہیں۔ شروع میں آپ کا قیام وہیں رہا اس لئے ہجویری اور حلابی کہلائے۔ آخر میں لاہور تشریف لائے اسی لئے لاہوری کہلاتے ہیں۔

ولادت آپ کی ولادت تئیسویں میں ہوئی۔

تصنیف آپ کی مشہور تصنیف کشف المحجوب ہے جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے۔ فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے باطنی دولت مل جائے گی۔

حضرت شرف الدین محمد امینیؒ اپنے مکتوبات میں اس کتاب کا جابجا ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت جہانگیر شرف سمنانی کے ملفوظات لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے۔ ملا جامی رقمطراز ہیں کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہورہ در ایں فن است لطائف و حقائق در اں کتاب جمع کردہ است۔ چنانچہ آپ نے ارقام فرمایا ہے کہ ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر ظاہر کے زندہ ہے علم باطن حقیقت اور علم ظاہر بشریعت ہے۔ علم حقیقت کے تین ارکان ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کی ذات

کا علم یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں۔ اس کا کوئی مثل نہیں (۲) اللہ تعالیٰ کے صفات کا علم یعنی وہ عالم ہے اور ہر چیز کو جانتا دیکھتا اور سنتا ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کے افعال کا علم یعنی وہ تمام خلایق کا پیدا کرنے والا ہے۔ (بزم صوفیہ ص ۱۷)

حضرت شیخ ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں مختلف ابواب میں سالک کے طریق و آداب پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ

یہ ہے کہ (۱) سالک ہر حال میں حق کی اتباع کرتا ہو۔ (۲) بندوں کا بھی حق ادا کرتا ہو۔ (۳) اس کے لئے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے کیونکہ تنہائی اسکے لئے آفت ہے۔ (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے تو عزت کے ساتھ استقبال کرے۔ (۵) سفر کرے تو اللہ کے لئے کمرے یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کیلئے ہو۔

(۶) اس کا کھانا پینا بیماروں کے کھانے پینے کی طرح ہو یعنی زیادہ تکلف نہ ہو، اور حلال ہو اور وہ دنیا دار کی دعوت قبول نہ کرنے (۷) چلے تو خاکسار ہو تو اسے چلے، تکبر و رعوت اختیار نہ کرے۔ (۸) اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو (۹) خاموش رہے کیونکہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے۔

لیکن گفتار کے ساتھ حق ہو تو خاموشی سے بہتر ہے۔ (۱۰) کسی چیز کی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ سے کرے۔ (۱۱) تجربہ کی زندگی سنت کے خلاف ہے اس کے علاوہ تجربہ میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے لیکن اگر سالک خلق سے دور رہنا چاہتا ہو تو مجرور رہنا اس کے لئے زینت ہے۔ (بزم صوفیہ ص ۱۸)

ف: سبحان اللہ کیا ہی خوب آداب تحریر فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین واللہ الموفق۔ (در شب)

ایثار کا واقعہ | آپ فرماتے ہیں کہ خواجہ احمد حامد خیرؒ کی رفاقت میں میں نے بہت سے عجائبات کا مشاہدہ کیا۔ ایک دن میں نے خواجہ احمدؒ سے پوچھا کہ آپ کا ابتدائی حال کیسا تھا تو کہا کہ میں خیر سے روانہ ہوا اور جنگل میں اونٹوں کی نگہداشت کرنے لگا۔ مجھے بھوکا رہنا بہت پسند تھا۔ اپنے حصہ کا کھانا دوسروں کو کھلا دیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش نظر رہتا۔ **يُؤْتِرُونَ عَلَىٰ اَنْفُسِهِمْ وَكُلُوا مِنْ بَرِيءٍ** **خَصَاصَةً** (یعنی خود کو جھینڈ رہتے ہوئے دوسروں پر ایثار کرتے ہیں) ایک دن ایک شیر جنگل سے نکل کر میرے ایک اونٹ کو دبوچ کر ٹیلے پر لے گیا اور وہاں جا کر دھاڑا۔ جنگل کے تمام دوسرے جانور اس کی دھاڑ سن کر اکٹھے ہو گئے۔ شیر نے اونٹ کو پھاڑ دیا اور چلا گیا۔ خود کچھ نہیں کھایا، دوسری جگہ جا کر بیٹھ گیا۔ تمام درندوں اور دوسرے جنگلی جانوروں نے مل کر اونٹ کو کھایا اور سیر ہو کر چلے گئے۔ جب سب جانور چلے گئے تو پھر شیر آیا اور اس میں سے کچھ کھانا چا ہا اسی وقت دور سے ایک لومڑی نظر آئی شیر سمجھ ٹیلے پر چلا گیا۔ لومڑی آئی اور کھا کر چلی گئی، پھر شیر اتر کر آیا اور کچھ اس میں سے کھایا۔ میں دور سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے چلتے وقت مجھ سے کہا اے احمد لقمہ کا دے دینا کتوں کا کام ہے اور مرد و کلام یہ ہے کہ اپنی جان دوسروں پر قربان کر دیں جب میں نے شیر سے یہ پختہ دلیل سنی میں نے تمام مشاغل چھوڑ دیئے اور یہیں سے میرے توبہ کی ابتدا ہوئی۔ (نفحات الانس ص ۵۵)

فت: غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے خواجہ احمد خیرؒ کی تربیت کیلئے کیسا عجیب و غریب طریقہ اختیار فرمایا کہ ایک درندہ شیر کی زبان سے نہایت اہم حقیقت کو آشکارہ فرمایا کہ جو انحراد کی حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کو

کھلا کر خود کھائے۔ اس لئے سالکین راہ کو تو کم از کم اسے اختیار کرنا چاہئے بلکہ ہر مسلمان کا یہ جذبہ ہونا چاہئے کہ کھانا ہی نہیں بلکہ اپنی تمام ضروریات پس پشت ڈال کر اپنے بھائیوں کی ضروریات پوری کرے۔ یعنی ایثار و ہمدردی کو اپنا شعار بنائے۔ پس اس کے خلاف طریق اختیار کرنا مردان حق کا شیوہ نہیں۔ اسی کو کسی بزرگ نے ذرا سخت الفاظ میں یوں فرمایا ہے۔

ہر حر لیصہ ناسزا ئے ترک دنیا کے کند

شیر مردے باید و دریا دے مردانہ

یعنی ترک دنیا ہر حر لیصہ و نالائق کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے شیر مرد اور دریا دل ہونے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مردان راہ کی صفات سے متصف فرمائے۔ آمین! واللہ الموفق۔ (مرتب)

آپ کا انتقال ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ میں لاہور میں

وفات

ہوا وہاں اُن کی قبر آن بھی زیارت گاہ خاص و عام بنی ہوئی ہے۔ (نزہۃ الخواطر ص ۶۷)

عہ : نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ یہ عرض ہے کہ یکم جولائی ۱۲۶۷ء بروز

جمعرات حضرت ابوالحسن، مجددی کے درگاہ میں دو شخص داخل ہو گئے اور خود کو کم سے

اڑا دیا اور بینتالیس مسلمانوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ ان اللہ دانا الیہ راجعون۔ اس درگاہ

کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر وقت کلام اللہ کی تلاوت ہوتی رہتی ہے مگر ان کو ان عبادت گزاروں

در تلاوت کرنے والوں پر ذرا ترس نہ آیا۔ فیادیلہ و مسرتاہ (مرتب)

حضرت ابوبکر خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب نام احمد، والد کا نام علی، دادا کا نام ثابت، کنیت ابوبکر، لقب خطیب۔

ولادت آپ کی ولادت پچیسویں دن ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۲۶۳ھ کو عراق کے قریب درزیجاں میں ہوئی۔ یہ بغداد کے قریب سکے مغرب جانب دریائے دجلہ کے کنارے ایک بڑا گاؤں ہے لیکن چونکہ پرورش دار السلام بغداد میں ہوئی، اسی وجہ سے آپ بغدادی کہلاتے ہیں۔

فضل و کمال اپنے صاحب علم و کمال باپ کی وجہ سے ابوبکر خطیب پچپن ہی سے علم و فن کی تحصیل میں منہمک ہو گئے تھے۔

آپ کے اساتذہ میں مختلف اسلامی ملکوں اور مراکز حدیث کے فضلاء شامل ہیں۔

حدیث آپ جب گیارہ سال کے ہوئے تو آپ کے والد مکرم نے باقاعدہ حدیث کا سماع شروع کرایا اس کے بعد بیس سال کی عمر

تک وہ اپنے وطن ہی کے علماء، اعلام اور اساطین فن سے استفادہ کرتے رہے۔ چنانچہ حضرت عطاء بن یوفی حدیث میں کمال رکھتے تھے انہوں نے آپ کے

ضبط محفوظ، ثقاہت، القان اور روایت میں اہمیت کا اعتراف کیا ہے (تاریخ الحمدین ص ۲۶۲)

خطیب بغدادی اپنے عہد میں حدیث کے بے نظیر عالم تھے اور خاتمہ الحفاظ تھے۔ مؤمن ساجی نے صحیح لکھا ہے کہ دارقطنی کے بعد خطیب جیسا محدث بغداد

میں پیدا نہیں ہوا۔ آپ میں مذکورہ بالا کمالات کے علاوہ یہ بھی کمال تھا کہ آپ دمشق کی جامع اموی میں اتنی بلند آواز سے حدیث پڑھتے تھے کہ ان کی آواز جامع کے آخری حصے تک پہنچتی تھی اور پورے اعراب کے ساتھ نہایت صحیح پڑھتے تھے۔

ان کمالات کے باوجود ان میں بڑوں کا احترام اور تواضع بھی اس درجہ تھی کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ابو بکر حافظ حدیث آپ ہی ہیں انھوں نے کہا کہ میں احمد بن علی خطیب ہوں۔ حفظ حدیث کا تودار قطنی پر خاتمہ ہو چکا ہے۔ (ایمان الحجاج ص ۳۵)

ف: یقیناً تواضع وانکسار کمال علم کا ثمرہ ہے۔ اگر کسی کے اندر نہ ہو تو اس کے پیدا کرنے کی فکر و سعی کرنی چاہئے۔ اور اللہ رب العزت سے اس کے لئے خوب دعائیں کرنی چاہئے۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

آپ نامور اور ممتاز فقیہ بھی تھے۔ علامہ ابن خلدان لکھتے ہیں کہ وہ اصلاً فقیہ تھے۔ لیکن فن حدیث و تاریخ سے ان کو زیادہ سروکار رہا اسی لئے ان علوم کا ان پر غلبہ رہا۔

قرأت و علم قرآن | فن قرأت و تجوید اور علوم قرآنیہ میں آپ ممتاز تھے۔ بڑے خوش الحان تھے اور قرآن پاک نہایت ترتیل سے پڑھتے تھے۔ آپ کے حسن قرأت اور لب لہجہ کا خاص طور پر تذکرہ ملتا ہے۔

زہد و تقویٰ | آپ زہد و تقویٰ میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے اتفاقاً فی سبیل اللہ کا ذوق آپ کے اندر بہت زیادہ تھا۔ تصنیف

تالیف اور درس و تدریس اور مطالعہ حدیث سے جو وقت بچتا تھا وہ عبادت اور تلاوت قرآن میں صرف ہوتا تھا۔ اور دن دوپہنے سے قبل قرآن ختم کر لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد لوگ سواری کی حالت ہی میں ان کے گرد اکٹھا ہو جاتے اور حدیث سنانے کی درخواست کرتے تھے، وہ سنانا شروع کر دیتے تھے۔ (تذکرۃ المحدثین ص ۲۶۲)

تاریخ | حدیث، فقہ، کی طرح تذکرہ، تراجم اور تاریخ بھی آپ کا خاص موضوع تھا۔ چنانچہ آپ کی شہرہ آفاق تصانیف میں تاریخ بغداد کو عالمگیر شہرت حاصل ہے جو چودہ جلدوں میں مصر میں شائع ہو چکی ہے۔ اصول حدیث میں ان کی کتاب الکفایہ حیدر آباد میں چھپی ہے۔ ان کے علاوہ تقریباً سو کتابوں کے وہ مصنف ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ فقہ میں ابو طالب طبری کے شاگرد تھے۔ نیشاپور و اصفہان اور شام و حجاز وغیرہ میں انہوں نے حدیثیں سنیں، ۵۵۰ھ میں انہوں نے دمشق کا سفر کیا تھا، اسی سال حج کیا۔ حج میں اس سال قضاعی محدث بھی آئے ہوئے تھے۔ خطیب نے مکہ میں ان سے حدیثیں سنیں اور وہیں کرمیہ بنت احمد کے پاس جو صیغ بخاری کی مشہور روایتیں پانچ دن میں صیغ بخاری سنا کر ختم کی

ف: سبحان اللہ! ایک عورت حضرت کرمیہ کو اللہ تعالیٰ نے کتنا شرف عطا فرمایا تھا کہ خطیب بغدادی نے ان کو صیغ بخاری سنائی (مرتب)

ارشادات | خطیب بغدادی فرماتے تھے، میں نے آپ زمزم پیتے وقت نیت کی تھی کہ میں پہنچ کر اپنی تاریخ بغداد لوگوں کو سنادوں اور یہ کہ میں بغداد ہی میں مروں اور مرنے کے بعد بصرہ جانی کے پاس جھکوں

جنگہ لے۔ دو باتیں تو پوری ہو چکیں کہ بغداد پہنچ گیا اور تاریخ منادی
امید کرتا ہوں کہ تیسری بات بھی پوری ہوگی۔ اے ابوالفرح اسفراینی کا بیان
ہے کہ سفر حج میں ہم خطیب بغدادی کے ساتھ تھے۔ اس سفر میں ہم نے
ان کو دیکھا ہے کہ روزانہ ایک ختم قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔ ترتیل کے
ساتھ پڑھتے تھے۔ (ایمان الحجاج ص ۲۴)

وفات آپ رمضان المبارک ۳۶۳ھ میں بیمار ہوئے اور ذی الحجہ
کی ابتدائی تاریخ میں آپ کی حالت زیادہ خراب ہو گئی
اور بالآخر، ذی الحجہ بروز دوشنبہ اکہتر (۱۷) سال کی عمر میں داعی اجل
کو لبیک کہا اور دوسرے روز آپ کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔
رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (مذکرۃ الحشین)

لے اس واقعہ میں ذہبی کا بیان ابن ابی حوزی کے بیان سے مختلف ہے۔ ذہبی نے تین باتوں
میں سے ایک بات جان منصور میں حدیث سننے کی تمنا نقل کی ہے۔ ۱۲۔

حضرت امام تصوف ابوالقاسم القشیری ^{رحمۃ اللہ علیہ} المتوفی ۳۶۵ھ

نام و نسب نام عبد اللکریم، کنیت ابوالقاسم، والد کا نام ہوازن القشیری۔ استاذ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔
ولادت آپ کی ولادت ۳۳۷ھ میں ہوئی۔

تعارف حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے اپنی مکتبہ النور کتاب ایمان الحجاج جلد دوم میں آپ کے متعلق مختصر مگر نہایت جامع تذکرہ تحریر فرمایا ہے۔ اس سے ہم اقتباسات نقل کرتے ہیں عبد اللکریم بن ہوازن نے ابو علی دقاق کی صحبت میں رہ کر تصوف اور ابوبکر طوسی سے فقہ شافعی اور ابوبکر بن زورک سے علم کلام حاصل کیا۔ مشائخ تصوف میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ان کی کتاب الرسالة القشیریہ حقانی تصوف کی بہترین شرح اور نیک دل صوفیوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

آپ کا تاریخی رجحان آپ کا سفر رجحان شیخ ابو محمد حویسی امام الحرمین اور امام بیہقی کی معیت میں ہوا ہے۔ اس اہم سفر میں بیہقی و امام الحرمین کے ساتھ بغداد و حجاز میں حدیث بھی سنی ہیں۔ ایمان الحجاج جلد دوم

وعظ و نصیحت حضرت ابو علی دقاق کی حیات ہی میں ان کی اجازت سے آپ نے مسجد میں وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ آپ کے مواعظ اتنے بہ تاثیر ہوتے تھے کہ قلوب کو گھملا دیتے تھے۔ مجالس میں مریدوں کے سوالات کا جواب دیکر ان کے قلوب کو منشرح فرماتے تھے

قرآن پاک سے زبردست استدلال فرماتے اور مشائخ کے کلام سے حوالہ پیش فرماتے تھے۔

آپ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے ہوئے **ارشادات** سنا کہ ہر یدرائی کی ابتدا مخالفت سے ہوتی ہے اس کا مطلب

یہ ہے کہ جس کسی نے اپنے شیخ کی مخالفت کی تو اس کے طریقہ پر نہیں رہا اور ان دونوں کے درمیان کا رشتہ ٹوٹ گیا خواہ ایک ہی علاقہ میں کیوں نہ ہوں۔ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی شیخ کی صحبت اختیار کرتا ہے پھر اس پر دل سے اعتراض کرتا ہے۔ تو اس نے صحبت کا عہد توڑ دیا۔

آپ فرماتے تھے کہ جب مرید اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اپنے عہد مضبوط کر چکے تو اس پر لازم ہے کہ وہ شریعت کا اتنا علم حاصل کرے جس سے اسلامی فرائض کو ادا کر سکے۔

آپ فرماتے تھے کہ مرید پر لازم ہے کہ وہ کسی شیخ سے ادب حاصل کرے اس لئے کہ اگر اس کا کوئی استاد نہ ہوگا تو وہ کامیاب نہ ہو سکے گا۔ چونکہ میں نے

اپنے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے ہوئے سنا کہ درخت جب بغیر کسی لگانے والے کے خود بخود اکتا ہے تو اس پر پتے تو لگتے ہیں لیکن پھل نہیں دیتا۔

ف: سبحان اللہ اس باطنی حقیقت کو ظاہری وحسی مثال سے کس قدر فہم کے قریب کر دیا۔ (مرحب)

آپ فرماتے تھے کہ مشائخ کے قلوب میں قبولیت، کسی مرید کی سعادت کی سب سے سچی شہادت ہے۔ اور جسے مشائخ میں سے کسی شیخ کے قلب نے ٹھکرا دیا وہ لاحالہ اس کا انجام دیکھے گا۔ خواہ کچھ عرصہ بعد ہی ہوں۔

مرید کو نو عمر لڑکوں کی ہم نشینی اور ان کے ساتھ اختلاط طے پینا چاہئے
اس لئے کہ اس کا تقوڑا صاحبہ بھی رسوائی کے دروازے کے کھلنے اور اللہ تعالیٰ
سے جدائی کی حالت کا آغاز ہے۔

فرماتے تھے کہ اے شخص! جیسے تو دیکھ کہ حق تعالیٰ نے اس کے مرتبہ کو
تجہ پر مقدم کیا ہے تو تجھے اس کا خادم بن جانا چاہئے۔ کیونکہ اہل سلوک
میں سمجھدار لوگوں کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ مریدوں کے
آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کو بڑا بننے اور اپنے کو صدارت کے مواقع
سے بچائیں۔ بلکہ ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے کو مشائخ کے شاگردوں اور
مریدوں میں شمار کریں۔ کیونکہ مرید اگر نفس کے آفات کے غم میں ہونے سے پہلے ہی
مراد ہو جائے گا تو وہ حقیقت سے محروم ہو جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا اس
کے ارشادات اور تعلیمات سے کسی کو فیض نہ ہوگا۔ (روح لقون ترجمہ الرسالۃ القیومیہ)
نوٹ: مذکورہ بالا تمام نصائح آپ ہی کی شہرہ آفاق کتاب الرسالۃ القیومیہ
کے اردو ترجمہ ”روح لقون“ سے نقل کیا ہے اب چند اہم نصائح اسی کتاب
کے ایک باب ”الوصیۃ للمریدین“ کے اردو ترجمہ ”النصیحة
للمستترشدین“ سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جس کا
ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے حضرت خواجہ
عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ اور مصلح الامت حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب
سے کرایا ہے۔

نصیحت: پہلا قدم مرید کا اس طریق میں صدق یعنی خلوص پر ہونا
چاہئے۔ بقول حضرت مولانا فرید الدین عطار رحمہ اللہ

در ارادت باش صادق اے فرید تابیا بی گنج عرفاں را کلید
یعنی اے فرید ارادت میں ہے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ کے معرفت کی گنجی پا جاؤ۔
تاکہ اصل صحیح پر مبنی ہو کر بنائے صحیح قائم ہو ورنہ یہ شعر صادق ہو گا۔
خشت اول چوں ہند معمار کج تاثیر می رود دیوار کج
یعنی جب راجگیہ پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھتا ہے تو اثر یا تک دیوار ٹیڑھی ہی جاتی
اسی لئے مشائخ نے فرمایا ہے کہ لوگ اصداغ اصول کے سبب دولت وصول
سے محروم رہتے ہیں۔ (مرتب)

نصیحت: احکام مریدین سے یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے جائے قیام پر کوئی شیخ درویش
نہ پائے تو اس کو ایسے شخص کی جانب ہجرت کرنی چاہئے جو اسکے زمانہ میں ارشاد مریدین
کے منصب پر بنجانب اللہ مامور ہو اور اسکے پاس جا کر قیام کرے اور اسکی چوکھٹ
سے تا وقت اجازت جدا نہ ہو۔

نصیحت: اس طریق کی بناء اور مدار آداب شریعت کی حفاظت پر ہے اور ہاتھ
کو حرام و مشتبہ کی طرف بڑھنے سے محفوظ رکھنے پر اور جو اس کو ممنوعات شرعیہ سے بچانے
پر اور انھاس کو غفلتوں سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کرنے پر ہے اور اس پر کہ
ایک ادنیٰ عمل کو جس میں شبہ ہو ضرورتوں کے وقت بھی حلال نہ سمجھے اور عدم اضطراب
اور راحتوں کے وقت کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

سبحان اللہ! کس قدر بصیرت سے بھرے ہوئے نصائح ہیں ان کو بار بار پڑھا
جائے اور خوب سمجھ کر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ واللہ الموفق (مرتب)
(معارف صوفیہ ص ۳۰۵ بحوالہ النصیحة للمستشرقین)

ربیع الآخر ۱۲۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ
وفات (نفات الانس ۵۳۵)

حضرت شیخ ابو الحجاج الاقصی المتوفی چوتھی پانچویں صدی

تعارف | آپ کے شیخ جن کی مزار اسکندریہ میں ہے، شیخ ابو مدین کے معزز اصحاب میں سے تھے۔ طریقت میں آپ کا کلام بلند تھا۔ آپ جلیل القدر کبیر الشان بزرگ تھے۔

سبق آموز واقعہ | لوگوں نے ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا کہ آپ کا پیر کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا پیر گبریل ہے۔ لوگوں نے خیال کیا کہ شاید شیخ مذاق میں یہ کہہ رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ مذاق میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ تو لوگوں نے سوال کیا کہ گبریل ہے کیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں جاڑوں کی راتوں میں سے ایک رات جاگ رہا تھا کہ اچانک میری نظر ایک گبریل پر پڑی جو چراغ دان پر چڑھ رہا تھا اور برابر گوشش کر رہا تھا لیکن چڑھنے میں اسے کامیابی نہیں مل پا رہی تھی، بار بار گر جاتا تھا۔ تو میں نے اُس کی ناکامی کو شمار کیا، تو وہ سات سو پہنچ گئی۔ لیکن پھر بھی اُس نے ہمت نہ ہاری اور فجر کا وقت ہو گیا، اور میں نماز فجر کیلئے باہر آگیا۔ اور نماز سے فالغ ہو کر جب اندر گیا تو دیکھا کہ گبریل چراغ دان کے اوپر چراغ کے بازو میں جلوہ افروز ہے۔ تو جو کچھ میں نے سیکھا اسی سے سیکھا۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ اس طریق میں ہمت نہ ہارنی چاہئے۔ طالب اگر جدوجہد جاری رکھے گا تو ایک نہ ایک دن منزل مقصود تک پہنچ ہی جائے گا۔ (مرتب)

نفس سے مکالمہ | آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ابتدائی دور میں

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا ذکر کیا کرتا تھا اور اس سے کبھی بھی غافل نہ ہوتا تھا، تو ایک بار میرے نفس نے مجھ سے سوال کیا کہ تیرا رب کون ہے؟ اُس کے جواب میں میں نے کہا کہ میرا رب اللہ ہے۔ تو نفس نے کہا کہ میرے سوا تیرا رب کوئی نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ حقیقت میں رب وہی ہے جسکی بندگی کی جائے اور اس کا حکم بجالایا جائے۔ اور تم میرا حکم بجاتے ہو، اس وجہ سے میں ہی تمہارا رب ہوں۔ کیونکہ جب میں تم سے کھانا کھلانے کو کہتا ہوں تو تم مجھ کو کھانا کھلاتے ہو، اور سونے کو کہتا ہوں تو سوتے ہو اور اُٹھنے کو کہتا ہوں تو اُٹھتے ہو، چلنے کو کہتا ہوں تو چلتے ہو، سُننے کو کہتا ہوں تو سُنتے ہو، اور کپڑے کو کہتا ہوں تو کپڑتے ہو۔ تم میرے سارے حکموں کو بجاتے ہو، اس وجہ سے میں ہی تمہارا رب ہوں اور تم میرے بندے ہو۔

تو آپ فرماتے ہیں کہ میں کافی دنوں تک اس میں متفکر رہا۔ پھر میرے لئے (من جانب اللہ) شریعت کا ایک چشمہ ظاہر ہوا، اور اُس نے مجھ سے کہا کہ تو نفس سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ذریعہ جنگ کر، یعنی جب وہ تم سے کہے کہ سو رہو، تو اُس سے کہو کہ ”كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ“ رات کو بہت ہی کم سوتے تھے اور جب تم سے کہے کہ کھاؤ، تو تم اُس سے کہو کہ ”كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا“ (کھاؤ، پیو اور فضول خرچیاں نہ کرو) اور جب کہے کہ چلو، تو کہو ”وَلَا تَمْسَسْ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا“ (زمین پر اڑھ کر نہ چلو) اور جب تم سے کسی چیز کو کپڑنے کے لئے کہے تو اُس سے کہ دو ”وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ“ (اپنے ہاتھ کو نہ گردن میں بندھا رکھو، اور نہ پوری طرح پھیلاؤ) تو میں نے

اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہا کہ ان کاموں کی حقیقت یہ ہے، تو پھر مجھے کیا ملیگا، اگر میں ان کاموں کو اس سمجھ کے ساتھ کروں؛ تو اُس نے کہا کہ تب تو میں تجھ کو پرہیزگاروں کی خلعت پہنا دوں گا اور عارفوں کے تاج سے سرفراز کروں گا، اور صدیقیوں کا پٹکا تیرے زیرِ کمر کر دوں گا، اور تجھ کو محققوں کا ہار پہنا دوں گا اور عاشقوں کے بازار میں "التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ" کا اشتہار تیری نسبت کر دوں گا۔ (طبقات کبریٰ ص ۵۸)

ف: سبحان اللہ، کیا خوب مکالمہ ہے جو سب کے لئے بصیرت افزا ہے۔ (مرتب)

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ جس شخص کو اس راہ کا طالب پاؤ، میرے پاس لاؤ، اگر وہ سچا طالب ہوگا تو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کی میری ذمہ داری ہوگی۔ اور اگر غافل ہوگا تو اس کو دور کر دوں گا تاکہ وہ مریدوں کو ضائع نہ کرے۔

فرماتے تھے کہ میں اور میرے پیر بھائی ابوالحسن ابن الصالح اپنے شیخ کے پاس اسکندریہ میں حاضر ہوتے تھے تو مجھے اپنا مقام ان سے اعلیٰ معلوم ہوتا تھا، تو میں دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! ان کے درجہ کو میرے درجہ سے بلند فرمائے۔ اسی طرح میرے بھائی جب اپنے رُتبہ کو مجھ سے بلند پاتے تو ایسے ہی دعا کرتے تھے۔ ایسے ہی تمام بھائیوں کا حال تھا کہ آپس میں حسد و کینہ بالکل نہیں رکھتے تھے۔ (طبقات ص ۵۹)

ف: کاش آج کل کے انخوان الطریق اس کو سمجھ لیتے اور عمل کرتے تو بہت سے نزاعات و فسادات کا خاتمہ ہو جاتا۔ اب تو حسد و کینہ کا بازار گرم

گرم ہے۔ تاہم اپنے کو اہل طریق ہی کہے جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (ربنا)
 آپ فرماتے تھے کہ کسی شیخ سے ملاقات کا نہ ہونا اس کی محبت میں قاج
 نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہؓ و تابعینؓ سے
 محبت رکھتے ہیں حالانکہ ہم نے ان کو دیکھا نہیں ہے۔ اس لئے کہ معقولات
 کی صورت جیب ظاہر ہو تو پھر اشخاص کے دیکھنے کی حاجت نہیں رہتی
 بخلاف اشخاص کی صورتوں کے کہ ان کے ظہور کے باوجود معقولات کی صورتوں
 کی ضرورت باقی رہتی ہے (جیسا کہ کفار عرب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کی ذات کو دیکھا مگر وہ ان کے لئے کافی نہ ہوا۔ اس لئے کہ اعتقاد کا ظہور نہ ہوا)
 ہاں اگر دونوں جمع ہو جائیں تو بڑی نعمت ہے۔ (طبقات ص ۱۵۶)

تلاش بسیار کے باوجود آپ کی وفات کی تاریخ متعین نہ ہو سکی
وفات مگر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی یا پانچویں صدی میں وفات ہوئی۔
 رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت سید سالار مسعود غازی بہرائچ رحمۃ اللہ المتوفی ۱۲۸۵ھ

نام و نسب | نام سالار مسعود، والد کا نام ساہو، دادا کا نام عطار اللہ تھا۔ آپ کے والد ماجد سلطان محمود کی طرف سے اجیر میں بڑے عہدے پر فائز تھے۔ آپ سلطان محمود غزنوی کے بھانجے ہیں۔
ولادت | آپ کی ولادت ۲۱ شعبان ۵۸۷ھ میں اجیر میں ہوئی۔

تعارف | آپ مجاہد فی سبیل اللہ اور ہندوستان کے مشہور شہیدوں میں سے ہیں۔ آپ محمد بن حنفیہ علویؒ کی نسل سے ہیں۔ (نزہۃ الخواطر ص ۱۳)

مفتی عبدالباطن نعمانی بنارس سی سلطنت نے مشائخ بنارس کے حاشیہ پر آپ کے حالات یوں لکھا ہے :-

آپ نہایت بہادر اور نیک صفات کے حامل تھے۔ جہاد اور اعلا رکلمۃ اللہ کا جذبہ ایام طفولیت ہی سے غالب تھا۔ چنانچہ محمود غزنوی جب سومنا تھ کی مشہور مہم پر ہندوستان آئے تو آپ کے والد سالار ساہو نے آپ کو بھی اسی جذبہ کی بنیاد پر اس مہم میں شرکت کا حکم دیا۔ جبکہ آپ کی عمر اس وقت صرف نو سال تھی۔ سید سالار مسعود غازیؒ اس مہم کے بعد محمود غزنوی کے ہمراہ غزنی چلے گئے۔ لیکن وہاں کے سیاسی حالات کے ناموافق ہونے کے باعث محمود غزنوی سے اجازت لیکر نیم تبلیغی نیم فوجی جماعت کے ساتھ اشاعت اسلام و دین حق کی خدمت کی غرض سے غزنی سے ہندوستان تشریف لائے۔ غزنی سے پہلے اجیر آئے، اور اپنے والد سالار ساہو سے ملاقات کے بعد اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اپنے مشن پر چل پڑے۔ ہندوستان کے جن جن علاقوں میں آپ تشریف لے گئے انہیں شیو پور، ملتان، اوچھ، اجودھن، دہلی، میرٹھ، گڑھ، کمتیشتر، سنبھل، قنوج، کڑا، انپکپور، بلگرام، سترکھ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آخر میں بہرائچ تشریف لائے۔

آپ کا فیض بنارس میں | پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں جب سلطان محمود غزنوی

کو شمالی ہند کی فتح نصیب ہوئی تو آپ نے اُس وقت بنارس میں ایک تبلیغی قافلہ بھیجا جس کا مقصد اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی نوآبادی قائم کرنا تھا۔ اس لئے کہ بنارس اب تک اسلام کی نورانی کرنوں سے منور نہ ہو سکا تھا، اور یہاں کی فضا صدائے ناقوس سے گونج رہی تھی۔ اور ہر طرف رام و بھمن کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔ یہ حضرت سید سالار مسعود غازی کا فیض ہے کہ ملک افضل علوی کو بنارس کے علاقے کی خدمت سپرد کر کے اسلام کی تبلیغ کے لئے بنارس بھیجا۔ (مشائخ بنارس ص ۱۹)

اظہار حقیقت مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ”تقویۃ الایمان“ کے حاشیہ پر رقمطراز ہیں :-

آپ ہندوستان کے مشہور و معروف بزرگ ہیں، ان کے بالے میں بہت سے قصے بلا سند مشہور چلے آ رہے ہیں۔ ان کی شخصیت پر علمی و تاریخی اعتبار سے کچھ زیادہ روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔ ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے اس نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے بیشتر حصہ کو انھوں نے ہی فتح کیا۔

صاحب ”نزہۃ النخاطر“ نے لکھا ہے کہ: آنے والوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے شادی نہیں کی تھی، اس لئے ہر سال زائرین ان کی شادی کراتے ہیں، ان کا عرس کرتے ہیں۔ (تقویۃ الایمان ص ۲۵)

شہادت

آپ کی شہادت ۸۸ھ میں ضلع بہرائچ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔

(مشائخ بنارس)

ہندوستان کے بادشاہوں نے آپ کی مزار پر عالیشان عمارت تعمیر کی ہے۔ تاریخ شہادت میں متعدد دوسرے اقوال بھی ملتے ہیں۔ حمد اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت وزیر بن وزیر ابو شجاع ابی علی المتوفی ۳۸۰ھ

نام و نسب محمد بن حسین نام تھا، یہ ایران کے یاپ دو نوں دولت عباسیہ کے وزیر تھے اسی وجہ سے وزیر سے مشہور ہیں۔

اخلاق و عادات یہ نہایت نیک نام وزیر تھے، ان میں لالچ بالکل نہیں تھی۔ جب وزیر ہوئے تو چھ لاکھ دینار کے مالک تھے،

سب کو خیرات و صدقات میں خرچ کر دیا انہوں نے بہت سی جائیدادیں وقف کیں، متعدد مسجدیں بنوائیں اور مکتبوں اور بیواؤں پر انعامات کی خوب بارش کی۔ ایک مرتبہ شہر میں کوئی بیماری پھیل گئی تو نہایت کثیر مقدار میں دوائیں اور شربت تیار کر کے سارے شہر میں مفت تقسیم کر لئے۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ ایک عورت اور اسکے چار بچے بھوکے اور ننگے ہیں۔ وزیر نے بہت کھانا اور کپڑا اور نقدی دیکر اس کو بھیجا اور اپنے کپڑے اتار کر کہا کہ جب تک آکر یہ خبر نہ کر دے کہ تم نے ان کو کھلا پہنا کر خوش کر دیا، اس وقت تک میں سردی میں یوں ہی ٹھٹھرتا رہوں گا۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو وزیر سردی سے کانپ رہا تھا، اس نے جب خبر دی کہ ان سب نے کھا پین لیا تو وزیر نے کپڑے پہنے۔ خاکساری اس میں اتنی تھی کہ اس نے دربان نہیں رکھے تھے۔ عورت بچے اور عوام بے روک ٹوک اس کے پاس پہنچتے تھے۔ اور وہ سب سے باتیں کرتا تھا۔ اپنے دربار میں وہ علماء و فقہاء کو ساتھ بٹھا کر کام کرتا تھا۔ ایران کے مشورہ کے مطابق فیصلے اور احکام نافذ کرتا تھا۔ اس نے اپنے وزارت میں ہر قسم کے ٹیکس معاف کر دیئے تھے۔

حج کا واقعہ | اس نے شکستہ میں جب وہ منصب وزارت پر تھما حج کیا تو راستہ میں تمام اہل قافلہ پر دوایں اور کھانے پینے کی

چیزیں خرچ کرتا ہوا گیا اور حرمین میں بلا امتیاز روپے وغیرہ بلٹے اور فقراء وغیرہ کے دمشق بدوش مساویانہ حیثیت سے تمام مناسک و اعمال حج ادا کئے اس عروج کے بعد زمانہ نے پلٹا کھایا اور وہ وزارت کی کرسی سے ہٹا دیا گیا۔ پھر اس کو بغداد سے نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ تب اس نے حج کے لئے جانے کی اجازت مانگی جو اس کو مل گئی اور حج کے لئے چلا گیا۔

ایک صاحب کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں میری اس کی ملاقات مدینہ منورہ میں ہوئی تو اس نے میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ میں نے اس پر بڑا تعجب کا اظہار کیا تو اس نے کہا کہ تم زمانہ وزارت میں میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے تو میں نے چاہا کہ اس کی مکافات کر دوں۔

وفات | بہر حال وہ مدینہ میں مجاور ہو گیا جب آخری دفعہ بیمار ہوا تو اس نے اپنے کو اٹھوا کر وہاں پہنچوایا جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس

کی زیارت کی جاتی ہے اور سلام پڑھا جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر وزیر کھڑا ہوا اور دو کمرہ کیا یا رسول اللہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَوْ اَنَّهُمْ اَدَّوْا اَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاسْتَغْفِرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ"

تو میں حاضر ہو گیا ہوں اور اپنے جبرائیل اور گناہوں کا اقرار کرتا ہوں اور امید دار ہوں آپ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش فرمائیں گے۔ یہ کہہ کر پھر رو دیا اور روتا ہوا واپس ہوا۔ اسی دن اس کی وفات ہوئی یہ شکستہ کا واقعہ ہے۔

(ابن الجوزی وابن کثیر مختصراً) (ایمان الحجاج ج ۲ ص ۴۳)

حضرت ابوالنضر بن ابوالجعفر ہروی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب | نام ابوالنضر۔ والد کا نام ابوالجعفر ہے۔

تعارف | آپ کرمان کے رہنے والے تھے بعد میں ہرات کی طرف منتقل ہو گئے۔ اسی لئے ہروی کہلاتے ہیں۔ آپ ظاہر و

باطن کے عالم اور فقیہ زمانہ تھے۔ تین سو مشائخ کی صحبت سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت میں بھی وقت گزارنے کا موقع ملا۔ حرم شریف مسجد نبوی اور بیت المقدس میں عرصہ تک مجاہدے اور عبادت میں مصروف رہے۔

عبرت ناک واقعہ | اپنے آیا۔ فتویٰ کا مضمون یہ تھا کہ ایک شخص نے اپنی جوانی

میں چند ڈنڈے ایک دراز گوشہ مارے۔ اس وقت دراز گوشہ نے کہا کہ اے خواجہ تو اس وقت مجھ عاجز پر اپنا غصہ اتار رہا ہے اتار لے لیکن قیامت کے دن اُسکے غصے کی سزا سے کیونکر بچ سکے گا۔ اب بیس سال ہو گئے ہیں، وہ شخص ہر وقت روتا رہتا ہے۔ اس کی آنکھوں کا پانی خون سے بدل گیا ہے۔ اسکی طہارت و نماز کے متعلق کیا حکم ہے۔

جب ابوالنضر نے اس مضمون کو پڑھا تو حیرت سے بیہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے کے بعد اس شخص سے ملنے کے لئے چل پڑے۔ پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔ جب اندر پہنچے تو دیکھا کہ اُن کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے بہنے والا خون چہرے پر جم گیا ہے۔

پھر کبھی چہرہ نورانی ہے اور وہ سنس رہے ہیں۔ آپ کو اس وقت سخت
 تعجب ہوا۔ بہر حال تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر روتے ہوئے آپ چل پڑے
 راستہ میں ایک پیر مرد سے آپ کی ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے جوان
 کیوں روتے ہو۔ شاید تو نے قرآن کی کوئی آیت سنی اور اس پر عمل نہ کر سکا
 لیکن تیرا یہ روناد امن جلے لوگوں کا رونا ہے، دل جلے لوگوں کا رونا نہیں
 ہے۔ یہ کہہ کر وہ پیر مرد چلے گئے۔ ابو نصر نے جوٹ پر چوٹ کھائی اور درد پر
 ورد۔ آپ گھر آئے اور جو کچھ مال و متاع تھا سب سے دستبردار ہو کر اللہ کے لئے
 سیر و سفر میں نکل پڑے۔

وفات | آپ کا انتقال ایک سو بیس سال کی عمر میں شہید ہوئے
 ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (نفحات الانس ص ۵۹)

حضرت حجة الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۵۰۵ھ

نام و نسب | نام محمد، کنیت ابو حامد، والد کا نام بھی محمد تھا۔

ولادت و تعلیم | طوس کے ضلع طاہران میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے والد کی وصیت کے مطابق جو ایک مخلص، علم دوست اور غریب مسلمان تھے ان کے ایک صوفی دوست نے تعلیم کا انتظام کرنے سے معذرت کی اور کسی مدرسہ میں داخل ہو جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ وہ ایک مدرسہ میں داخل ہو کر تعلیم میں مشغول ہو گئے۔

امام غزالی نے اپنے وطن میں شیخ احمد الراذکانی سے فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی۔ پھر جرجان میں امام ابو نصر اسماعیلی سے پڑھا۔ اس کے بعد نیشاپور جہاں امام الحرمین کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ اور تھوڑی ہی مدت میں اپنے رفقاء میں جو چار سو کی تعداد میں تھے ممتاز ہو گئے اور اپنے نامور استاذ کے نائب (معیب) بن گئے۔ امام الحرمین ان کی تعریف میں فرماتے تھے کہ غزالی بحرِ ذخا ہے امام الحرمین کے انتقال کے بعد نیشاپور سے نکلے۔ اُس وقت ان کی عمر اٹھائیس (۲۸) سال کی تھی، لیکن بڑے بڑے کبار السن علمائے وہ زیادہ ممتاز اور باکمال سمجھے جاتے تھے۔

مجلس تدریس | درس سے فارغ ہونے کے بعد امام غزالی نظام الملک کے دربار میں پہنچے۔ نظام الملک نے ان کی شہرت اور ممتاز قابلیت کی بنا پر بڑے اعزاز و اکرام سے دربار میں ان کو لایا، یہاں

اہل کمال کا مجمع تھا، علمی مباحثے اور دینی مناظرے درباروں اور مجلسوں یہاں تک کہ تقریبات شادی وغنی کا ایک ضروری عنصر تھے۔ امام غزالی جو ان مباحث میں سب پر غالب رہتے تھے۔ ان کی نمایاں قابلیت دیکھ کر نظام الملک نے ان کو مدرسہ نظامیہ کی صدارت کے لئے منتخب کیا، جو اُس وقت ایک عالم کے لئے سب سے بڑا اعزاز اور منتہی کمال تھا، اُس وقت اُنکی عمر چونتیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ ۴۸۴ھ میں وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ بغداد میں داخل ہوئے اور مدرسہ نظامیہ میں درس شروع کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ان کے درس، حسن تقریر اور تبحر علمی کی بغداد میں دھوم مچ گئی۔ طلبہ و علمائے استفادہ کے لئے ہر طرف سے جوم کیا۔ اُن کی مجلس درس مرجع خلایق بن گئی۔ تین تین سو منتفی طالب علم اور سو سو اُمراء و رؤسا اُس میں شرکت کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اُنھوں نے اپنی عالی دماغی، علمی فضیلت اور بلند شخصیت سے بغداد میں ایسا اثر و رسوخ پیدا کر لیا کہ ارکان سلطنت کے ہمسر بن گئے اور بقول ایک معاصر (شیخ عبدالغافر فارسی) کے ان کے جاہ و جلال کے سامنے اُمراء، وزراء اور خود بارگاہ خلافت کی شان و شوکت ماند پڑ گئی۔ یہاں تک کہ ۵۸۵ھ میں ان کو خلیفہ عباسی (مقتدی باللہ) نے ملک شاہ سلجوقی کی بیگم ترکان خاتون کے پاس (جو اُس وقت سلطنت کی مالک تھی) اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ خلیفہ مستظہر جو مقتدی باللہ کا جانشین تھا امام سے خاص ربط و ارادت رکھتا تھا۔ اسی کی فرمائش سے امام غزالی نے باطنیہ کے رد میں کتاب لکھی، اور اس کا نام خلیفہ کی نسبت سے ”مستظہری“ رکھا۔

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد اول ص ۱۳)

مؤلف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (رحمہ اللہ)

گیارہ سال کی رہ نوردی اور اس کے تجربات | اس انتہائی عروج کا جو کسی علمی و دینی شخصیت

کو حاصل ہو سکتا ہے تقاضا تھا کہ امام غزالی جو اس پر قناعت کریں اور اسی کے دائرہ کے اندر پوری زندگی گزادیں، جیسا کہ اُن کے بعض اساتذہ نے کیا، اور لوگ عموماً کیا کرتے ہیں۔ مگر اُن کی بے چین طبیعت اور بلند حوصلہ طاہر ہمت اس بلندی پر راضی نہ تھا۔ اور دراصل اسی بلند مہمتی نے اُن کو امام اور حجۃ الاسلام بنادیا۔ دنیا میں جاہ و اعزاز کی قربانی اور مقصد کی دھن اور سچی لگن کی ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ امام غزالی جو نے خود اُن حالات و اسباب کو بیان کیا ہے جنہوں نے اُن کو ایسا قدم اُٹھانے پر آمادہ کیا، اور ان کو تعلیم و تدریس کے کام کا نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ وہ اقلیم علم کی بادشاہی چھوڑ کر یقینی علم اور دولت باطن کی تلاش میں نکل گئے، اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر پلٹے جس کی تفصیل خود امام غزالی نے اپنی تصنیف ”المنقذ عن الضلال“ میں تحریر فرمائی ہے، جو قابل مطالعہ ہے جس کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:-

صوفیاء ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں | ان تنہائیوں میں مجھے جو انکشافات ہوئے اور جو

یکچھ مجھے حاصل ہوا، اُس کی تفصیل اور اُس کا استقصاء تو ممکن نہیں لیکن ناظرین کے نفع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیاء ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں۔ اُن کی سیرت بہترین سیرت، اُن کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور اُن کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔ اگر عقلاء کی عقل حکماء کی حکمت، اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے

بہتر لانا چاہیے تو ممکن نہیں۔ اُن کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت ص ۱۳۳)

ف: سبحان اللہ، صوفیہ صافیہ کی سیرت کے متعلق کیسی تحقیقی بات ارشاد فرمائی جو امام غزالی وہی کا حق تھا۔ (مرتب)

خلوت سے جلوت کی طرف | ممکن تھا کہ امام غزالی اس خلوت و عزیمت کی حالت میں رہ جاتے اور یقیناً

کو خیر باد کہنا تصویریں نہیں آتا تھا، لیکن اللہ کے حکم سے وہ سب آسان ہو گیا، اسی طرح سے اس عزالت کے زمانہ میں خلوت سے جلوت کی طرف دوبارہ آنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن وقت پر اس کا بھی سامان ہو گیا۔

غرض ذیقعدہ ۱۲۹۹ھ میں امام صاحب نے پھر نیشاپور کا رخ کیا اور ستر نظامیہ کی سند درس کو زینت دی اور دوبارہ تدریس و افادہ کا کام شروع کیا۔ لیکن اب امام غزالی کے درس و تدریس اور اصلاح و ارشاد اور اس انقلاب سے پہلے کے تدریسی مشاغل اور وعظ و ارشاد میں فرق تھا۔ پہلے وہ نفس کے تقاضے اور طبیعت کے جذبہ سے کرتے تھے، اب وہ اپنے کو مامور اور آلہ کار سمجھتے تھے۔ چنانچہ خود پوری صاف گوئی سے لکھتے ہیں :-

”مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ علم کی نشر و اشاعت کی طرف میں نے پھر رجوع کیا ہے لیکن درحقیقت اس کو پہلی حالت کی طرف بازگشت کہنا صحیح نہیں ہے۔ میری اس پہلی اور دوسری حالت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ میں پہلے اُس علم کی اشاعت کرتا تھا جو حصولِ اعلا کا ذریعہ ہے۔ اور میں اپنے قول و عمل سے اُسی کی دعوت دیتا تھا اور یہی میرا مقصود و نیت تھی۔ لیکن اب میں اُس علم کی دعوت دیتا ہوں جس سے جاہ و جلال سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اب میں اپنی اور دوسرے کی اصلاح چاہتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں اپنے مقصود تک پہنچوں گا یا اُس سے پہلے میرا کام تمام ہو جائے گا۔ لیکن اپنے یقین و مشاہدہ کی بنا پر میرا ایمان ہے کہ اصل طاقت اللہ کی طاقت ہے، اسی سے آدمی گر اہی اور شر سے

بچ سکتا ہے اور ہدایت و طاعت کی طاقت حاصل کر سکتا ہے۔
 دراصل میں نے اپنی طرف سے حرکت نہیں کی، اللہ مجھے حرکت میں
 لایا ہے، میں نے خود کام نہیں شروع کیا ہے، اللہ نے مجھے کام میں
 لگایا ہے۔ میری دعا ہے کہ پہلے اللہ میری اصلاح فرمائے، پھر
 مجھ سے دوسروں کی اصلاح ہو۔ پہلے مجھے راہ پر لگائے پھر مجھ سے
 دوسروں کی رہنمائی فرمائے۔ حق مجھ پر منکشف ہو جائے اور اس کے
 فضل سے مجھے اتباع کی توفیق ہو، باطل مجھ پر واضح کر دے اور
 مجھے اس کی پیروی سے بچائے۔ (دعوت و عزیمت ص ۱۲)

امام غزالی کا تجدیدی کام | امام غزالیؒ نے اس کے بعد جو مجددانہ
 کام انجام دیا، اس کو دو حصوں میں
 تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) فلسفہ اور باطنیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ
 اور اسلام کی طرف سے ان کی بنیادوں پر حملہ (۲) زندگی و معاشرت کا اسلامی
 و اخلاقی جائزہ اور انکی تنقید و اصلاح۔

(۱) پہلے تجدیدی کارنامہ پر حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ نے کسی قدر تفصیل
 سے تحریر فرمایا ہے۔ مگر ہم بغرض اختصار اس کو یہاں نقل نہیں کر رہے ہیں۔ ہاں
 دوسرے کارنامہ کا ابتدائی حصہ نقل کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ کا دوسرا اصلاحی کارنامہ، زندگی و معاشرت کا اسلامی جائزہ
 اور اس کی اصلاح و تجدید کی کوشش تھی۔ ان کی اس کوشش کا نمونہ اور
 کامیاب نتیجہ ان کی زندہ جاوید تصنیف ”احیاء علوم الدین“ ہے۔

احیاء علوم الدین | تاریخ اسلام میں جن چند کتابوں نے مسلمانوں کے

دل و دماغ اور ان کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ڈال رہے اور جن سے اسلامی حلقے طویل عرصہ تک متاثر رہے ہیں ان میں ”احیاء علوم الدین“ کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ حافظ زین الدین العراقي صاحب ”الفیہ“ (مستطیع) جنہوں نے ”احیاء“ کی احادیث کی تخریج کی ہے کہتے ہیں کہ ”امام غزالیؒ کی احیاء العلوم اسلام کی اعلیٰ ترین تصنیفات سے ہے۔“ عبد الغافر فارسی جو امام غزالیؒ کے معاصر اور امام الحرمین کے شاگرد ہیں، کہتے ہیں کہ ”احیاء العلوم کے مثل کوئی کتاب اس سے پہلے تصنیف نہیں ہوئی“ شیخ محمد گزرونیؒ کا دعویٰ تھا کہ ”اگر دنیا کے تمام علوم مٹا دیئے جائیں تو میں ”احیاء العلوم“ سے ان کو دوبارہ زندہ کر دوں گا۔“ حافظ ابن جوزی نے بھی بعض باتوں سے اختلاف کے باوجود اس کتاب کی تاثیر اور مقبولیت کا اعتراف کیا ہے اور اس کا خلاصہ ”منہاج القاصدین“ کے نام سے لکھا ہے۔

یہ کتاب خاص حالات و کیفیات اور خاص جذبہ کے ساتھ لکھی گئی ہے بغداد سے انھوں نے طلب حق اور تلاش یقین کا جو سفر شروع کیا تھا، اور جو دس برس کے مجاہدات اور بادیہ پیمائی کے بعد کامیابی پر ختم ہوا، ”احیاء العلوم“ اس سفر کی سوغات تھی، جو امام غزالیؒ اہل وطن کے لئے لائے، یہ اُن کے قلبی تاثرات، علمی تجربات، اصلاحی خیالات اور وجدانی کیفیات کا ایسے سند ہے۔

اس طرح یہ کتاب اسلام میں پہلی مفصل و مدلل کتاب ہے جس میں پوری زندگی اور گزرے ہوئے اسلامی معاشرہ کا قوت کے ساتھ احتساب کیا گیا ہے اور اخلاقی بیماریوں کے عوارض و اسباب اور ان کا طریق علاج بتایا گیا ہے۔

علم و اہل دین | امام غزالیؒ کے نزدیک اس عالمگیر فساد، دینی و اخلاقی انحطاط کی سب سے بڑی ذمہ داری علماء پر ہے۔

ان کے نزدیک اُمت کا نمک ہیں۔ اگر نمک بگڑ جائے تو اُس کو کون سی چیز درست کر سکتی ہے۔ بقول شاعر

یا معشر القراء یا ملہ البلد ما یصلح المالح اذا المالح فسد
(ترجمہ) اے جماعتِ علماء، اے وہ جو شہر کا نمک ہے! بھلا یہ بتلاؤ کہ جب نمک ہی بگڑ جائے تو پھر اس کی اصلاح کس سے کی جائے؟

ایک جگہ امراضِ قلب کی کثرت اور عام غفلت کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

الثالثہ وهو الداء العضال تیسرا سبب اور وہ لاعلاج مرض کی حیثیت
فقد الطیب فان الاطباء رکھتا ہے یہ ہے کہ مریض موجود ہیں اور طبیب
هم العلماء وقد مرضوا فی مفقود۔ طبیب علمائیں اور وہ خود اس
هذه الاعصار مرضا شدیداً زمانہ میں بُری طرح بیمار ہیں اور علاج
وعجزوا عن علاجه عاجز ہیں۔

ان کے نزدیک سلاطین و حکام کی خرابی کا سبب بھی علماء کی کمزوری اور اپنے فرائض سے غفلت ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

وبالجملة انما فسدت خلاصہ یہ کہ رعیت کی خرابی کا سبب سلاطین
الرعية بفساد الملوك و کی خرابی ہے، اور سلاطین کی خرابی کا سبب
فساد الملوك بفساد العلماء علماء کی خرابی ہے۔ اس لئے کہ اگر خدا تا ترس
فلولا القضاء السوء والعلماء قاضی اور علماء سو نہ ہوتے تو علماء کے

السوء لقل فساد الملوئ خوفًا انكار کے خوف سے سلاطین کا فساد
من انکادھم۔ (احیاء علوم الدین ۳/۱۳۶) کم ہو جاتا۔

ان کو علماء وقت سے شکایت ہے کہ وہ علماء سلف کی طرح امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر اور کلمۃ حق عند سلطان جائزہ کا فریضہ انجام نہیں دیتے۔ انکے
نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ خود بہت سے علماء دنیا طلبی اور جاہ طلبی کا
شکار ہو گئے ہیں۔ وہ سلاطین وقت اور ارباب حکومت کے سامنے علماء حق
کی جرأت و بیباکی اور احتساب و انکار کے مؤثر واقعات نقل کرنے کے بعد
ارشاد فرماتے ہیں:-

یہ تھا علماء کا طرز عمل اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی
شان، ان کو سلاطین کی شان و شوکت کی ذرا پرواہ نہ تھی، وہ
اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد رکھتے تھے۔ اور ان کو اطمینان تھا کہ
اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس
فیصلہ پر بھی راضی تھے کہ اُن کو شہادت نصیب ہو۔ چونکہ ان کی
نیت خالص تھی اس لئے اُن کے کلام سے پتھر موم ہو جاتے تھے
اور بڑے سے بڑے سنگدل متاثر ہوتے تھے۔ اب تو حالت یہ
ہے کہ طمع دنیا نے علماء کی زبانیں گنگ کر رکھی ہیں اور وہ خاموش
ہیں، اگر بولتے بھی ہیں تو ان کے اقوال و حالات میں مطابقت
نہیں ہوتی۔ اس لئے کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اگر آج بھی وہ خلوص و
صداقت سے کام لیں اور علم کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں تو
ان کو ضرور کامیابی ہو، کیونکہ رعیت کی خرابی سلاطین کی خرابی کا نتیجہ

ہے، اور سلاطین کی خرابی علماء کی خرابی کا نتیجہ ہے۔ اور علماء کی خرابی کی وجہ دولت اور جاہ کی محبت کا غلبہ ہے اور جس پر دنیا کی محبت غالب آجائے وہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں پر بھی احتساب کرو کر لوگ نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ سلاطین و اکابر (ایضاً العلوم ج ۲ ص ۳۱۲)

امام غزالیؒ کے زمانہ میں ایک عالم کا عالم فقہ کی جزئیات اور اختلافی مسائل میں مشغول تھا، مباحثہ و مناظرہ کا بازار گھر گھر اور ملک کے چپہ چپہ پر گرم تھا، مجالس و تقریبات اور بادشاہوں کے درباروں کی رونق بھی انہی بڑی و فقیہ مباحثوں اور مناظروں سے تھی۔ اس بائے میر علماء و طلبہ کا انہماک و غلو اتنا بڑھ گیا تھا کہ تمام دوسرے علوم و مشاغل اور خدمت دین کے شعبے نظر انداز ہوتے جا رہے تھے، حدیث ہے کہ اصلاح نفس، تہذیب خلاق اور سعادت اخروی کا جس علم اور کوشش پر انحصار تھا اُس سے بھی توجہ ہٹ گئی تھی۔ امام غزالیؒ اس صورت حال کی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”اگر کسی فقیہ سے ان مضامین (صبر و شکر، خوف ورجاء وغیرہ یا بغض و حسد و کینہ، ناشکری، دغا، فریب وغیرہ) میں سے کسی کی بابت حتیٰ کہ اخلاص و توکل اور ریا سے بچنے کے طریقوں کے متعلق سوال کیا جائے جس کا جاننا اُس کے لئے فرض عین ہے۔ اور اس کی طرف سے غفلت کرنے میں آخرت کی تباہی کا خطرہ ہے تو وہ جواب نہ دے سکیگا۔ اور اگر آپ لعان و ظہار، سبق و رمی کو دریافت کریں تو وہ ایسی ایسی باریک جزئیات کے دفتر کے دفتر سناڑے کا جس کی ضرورت مدتوں پیش نہیں آتی، اور اگر کبھی ضرورت پیش آجائے تو شہر

میں ان کے متعلق فتویٰ دینے والا اور بتانے والا ہر وقت موجود ہے۔ لیکن یہ عالم دن رات انہی چیزیات کے سلسلہ میں محنت کرتا رہے گا اور ان کے حفظ و درس میں مشغول رہے گا۔ اور اس چیز سے غفلت برتنے کا جو دینی حیثیت سے اُس کے لئے ضروری ہے اگر اس سے کبھی اس بارے میں سوال ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں اس علم میں اس لئے مشغول ہوں کہ وہ علم دین ہے اور فرض کفایہ ہے۔ اور وہ اس کے تعلیم و تعلم کے بارے میں اپنے کو بھی مغالطہ دیتا ہے اور دوسروں کو بھی، حالانکہ سمجھدار آدمی خوب جانتا ہے کہ اگر اس کا مقصد فرض کفایہ کے حق کو ادا کرنا ہوتا اور اپنی ذمہ داری سے عمدہ برآ ہونا ہوتا، تو وہ اس فرض کفایہ پر فرض عین کو مقدم رکھتا۔ بلکہ دوسرے فرض کفایہ بھی ہیں جن کو مقدم ہونا چاہئے مثلاً کتنے شہر ہیں جن میں صرف غیر مسلم طبیب ہیں، جن کی شہادت احکام فقہ میں قبول نہیں کی جاسکتی، لیکن ہم نہیں دیکھتے کہ کوئی عالم (اس کی اور ضرورت کو محسوس کر کے) علم طب کی طرف توجہ کرتا ہو، اس کے بالمقابل علم فقہ بالخصوص خلافیات و جدلیات پر طلبہ لٹ پڑتے ہیں۔ حالانکہ شہر ایسے علماء سے بھرا ہوا ہے جن کا مشغلہ فتویٰ نویسی اور مسئلہ بتلانا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ علماء دین ایسے فرض کفایہ میں مشغول ہونے کو کیسے درست سمجھتے ہیں، جس کو ایک جماعت کی جماعت سنبھالے ہوئے ہے، اور ایسے فرض کو انھوں نے کیسے چھوڑ رکھا ہے جسکی

طرف کوئی توجہ کرنے والا نہیں۔ کیا اس کا سبب اس کے علاوہ اور کچھ ہے؟ کطب کے ذریعہ سے اوقاف کی تولیت، وصیتوں کی تنفیذ اور یتیموں کے مال کی نگرانی و انتظام اور منصب قضا و افتا پر تقرر اور محضروں اور جمجموں میں فوقیت و امتیاز، اور دشمنوں اور حریفوں پر حکومت و غلبہ حاصل ہونے کا امکان نہیں۔ (احیاء علوم الدین ص ۱۹) (دعوت و عزیمت ص ۱۲۲)

اہل دولت بد نکیر | اہل دولت اور اغنیاء پر بھی اُنھوں نے بڑی صحیح گرفت کی ہے اور اس سلسلہ میں ان کے قلم سے حقائق نکل گئے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:-

”ان دولت مندوں میں بہت سے لوگوں کو حج پر روپیہ صرف کرنے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ وہ بار بار حج کرتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا چھوڑ دیتے ہیں اور حج کرنے چلے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صحیح فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں بلا ضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی۔ سفر اُن کو بہت آسان معلوم ہوگا، روپیہ کی اُن کے پاس کمی نہ ہوگی۔ وہ حج سے محسروم و تہی دست واپس آئیں گے، وہ خود ریتوں اور چٹیل میدانوں کے درمیان سفر کرتے ہوں گے، اور اُن کا ہمسایہ ان کے پہلو میں گرفتار بلا ہوگا، اُس کے ساتھ کوئی سلوک اور غمخواری نہیں کریں گے۔

ابو نصر تمنا کہتے ہیں کہ ایک شخص بشر بن الحارث کے پاس آئے اور کہا کہ میرا قصد حج کا ہے۔ آپ کا کچھ کام ہے؟ اُنھوں نے فرمایا کہ

تم نے خرچ کے لئے کیا رکھا ہے؟ اس نے کہا، دو ہزار درہم، بشر
 نے کہا کہ تمہارا حج سے مقصد کیا ہے؟ اظہارِ زہد، یا شوقِ کعبہ یا
 طلبِ رضا؟ اُس نے کہا، طلبِ رضا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ اچھا اگر
 میں تمہیں ایسی تدبیر بتلا دوں کہ تم گھر بیٹھے اللہ کی رضا حاصل کر لو، او
 تم یہ دو ہزار درہم خرچ کر دو، اور تم کو یقین ہو کہ اللہ کی رضا حاصل
 ہو گئی، تو کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟ اُس نے کہا بخوشی، فرمایا کہ اچھا
 پھر جاؤ، اس مال کو ایسے دس آدمیوں کو دے آؤ جو مقروض ہیں،
 وہ اس سے اپنا قرض ادا کر دیں، فقیر اپنی حالت درست کرے،
 صاحبِ عیال اپنے بال بچوں کا سامان کرے، یتیم کا منتظم یتیم کو کچھ
 دے کر اس کا دل خوش کرے اور اگر تمہاری طبیعت گوارا کرے تو
 ایک ہی کو پورا مال دے آؤ۔ اس لئے کہ مسلمان کے دل کو خوش کرنا، بیکس
 کی امداد، کسی کی مصیبت دور کرنا، کمزور کی اعانت سو نفلی حجوں سے
 افضل ہے۔ جیسا میں نے تم سے کہا ہے ویسا ہی کر کے آؤ، ورنہ اپنے
 دل کی بات ہم سے کہہ دو۔ اُس نے کہا کہ شیخ! سچی بات یہ ہے کہ سفر
 کا رجحان غالب ہے۔ بشر سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ مال جب گندا
 اور مشتبہ ہوتا ہے تو نفس تقاضا کرتا ہے کہ اس سے اس کی خواہش
 پوری کی جائے۔ اور وہ اس وقت اعمالِ صالحہ کو سامنے لاتا ہے حالانکہ
 اللہ تعالیٰ نے عہد فرمایا ہے کہ صرف متقین کے عمل کو قبول فرمائے گا۔
 دولت مندوں کا ایک گروہ بربنائے بخل دولت کی حفاظت
 میں مشغول رہتا ہے اور ایسی بدنی عبادات سے اس کو دلچسپی ہوتی

ہے جس میں کچھ خرچ نہیں، مثلاً دن کا روزہ، رات کی عبادت اور ختم قرآن۔ وہ بھی فریب میں مبتلا ہیں۔ اس لئے کہ مہلک نخل اُن کے باطن پر مستولی ہے اور اس کے ازالہ کے لئے مال کے خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ ایسے اعمال میں مشغول ہیں جن کی ان کو کوئی خاص ضرورت نہیں۔ اُن کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کے کپڑے کے اندر سانپ گھس گیا ہے اور اُس کا کام تمام ہونے والا ہے اور وہ سکنجبین کے تیار کرنے میں مشغول ہے تاکہ صفرا کو تسکین ہو، حالانکہ جو سانپ کا مارا ہے اُس کو سکنجبین کی ضرورت کب پڑے گی؟ بشرے کسی نے کہا کہ فلاں دولت مند کثرت سے روزہ رکھتا ہے اور نمازیں پڑھتا ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ بیچارہ اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کے کام میں مشغول ہے۔ اُس کے مناسب حال تو یہ تھا کہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا، مساکین پر خرچ کرتا، یہ اس سے افضل تھا کہ اپنے نفس کو بھوکا رکھتا ہے اور اپنے لئے (نفلی) نمازیں پڑھتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دنیا بھی سمیٹنے میں مشغول ہے اور فقیر کو محروم رکھتا ہے۔

(احیاء علوم الدین ۵۲-۲۵۱ ج ۲، تاریخ دعوت و عمر بیت ۱۶۵ ج ۱)

کتاب کا مؤثر ترین حصہ وہ ہے جہاں امام غزالیؒ نے نصیحت

محاسبہ نفس

اور ترغیب و ترہیب پر تسلیم اُٹھاتے ہیں اور دنیا کی بے ثباتی آخرت کی عظمت، ایمان و عمل صالح کی ضرورت، اصلاح و تہذیب نفس کی اہمیت اور اراض قلبی و نفسانی کی مضرت کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جہاں اُنھوں نے نفس کو زبرد و توجیح کی ہے اور پڑھنے والوں کو تعلیم دی ہے کہ ان کو اپنے نفس سے

کس طرح مکالمہ کرنا چاہئے اور منزلِ آخرت کے لئے کس طرح اسکو تیار کرنا چاہئے۔
 ”المرباطة السادسة في توبيخ النفس ومعاذتها“ عنوان کے تحت
 نفس سے مکالمہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”اے نفس! ذرا انصاف کر، اگر ایک یہودی تجھ سے کہہ دیتا
 ہے کہ فلاں لذیذ ترین کھانا تیرے لئے مضر ہے، تو تو صبر کرتا ہے اور اسے
 چھوڑ دیتا ہے اور اس کی خاطر تکلیف اٹھاتا ہے۔ کیا حضراتِ انبیاء
 علیہم السلام کا قول جن کو معجزات کی تائید حاصل ہوتی ہے اور فرمانِ الہی
 اور صحفِ سماوی کا مضمون تیرے لئے اس سے بھی کم اثر رکھتا ہے جتنا
 کہ اُس یہودی کا قیاس و اندازہ؟ اگر ایک بچہ کہتا ہے کہ تیرے کپڑوں
 میں بچھو ہے، تو بغیر دلیل طلب کئے اور سوچے سمجھے اپنے کپڑے
 اتار چھینا کرتا ہے۔ کیا حضراتِ انبیاء اور علماء، اولیاء اور حکماء کی متفقہ
 بات تیرے نزدیک اُس بچہ کی بات سے بھی کم وقعت رکھتی ہے؟
 یا جہنم کی آگ، اُس کی بیڑیاں، اُس کے گرز، اس کا عذاب، اس
 کا زقوم اور اُس کے آنکڑے، اُس کے سانپ بچھو اور زہریلی چیزیں
 تیرے لئے ایک بچھو سے کم تکلیف دہ ہیں، جس کی تکلیفِ یاد سے زیادہ
 ایک دن یا اس سے کم رہتی ہے۔ یہ عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔

پس اے نفس! اگر یہ سب چیزیں تجھ کو معلوم ہیں اور ان پر
 تیرا ایمان ہے، تو کیا بات ہے کہ تو عمل میں تساہل اور ڈال ٹول سے کام
 لیتا ہے؟ حالانکہ موت کیس گاہ میں منتظر ہے کہ بغیر مہلت کے تجھے
 اُچک لے جائے۔ اے نفس! تیرا کیا خیال ہے اُس مریض کے بارے

میں جس کو طیب نے صرف تین روز کے لئے ٹھنڈے پانی سے پرہیز
 بتایا ہو، تاکہ وہ صحت حاصل کر سکے پھر زندگی بھر ٹھنڈے پانی کا لطفت
 اٹھائے، اُس نے اُس کو خبردار کر دیا ہو کہ ٹھنڈا پانی اس حالت میں
 اُس کے لئے سخت مضر ہے۔ اگر اُس نے بد پرہیزی کی تو زندگی بھر
 اُس ٹھنڈے پانی سے اُس کو ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اس وقت سچ
 سچ بتا، عقل کا تقاضا کیا ہے؟ کیا اُس کو تین دن صبر کر لینا چاہیے،
 تاکہ زندگی آرام سے گزرے، یا اپنی خواہش پوری کر لینی چاہیے۔ پھر
 تین سو دن یا تین ہزار دن اس نعمت سے محروم رہے؟ تین دن کی
 پوری عمر کے مقابلے میں وہ حقیقت نہیں، جو تیری پوری عمر کی ابدال آباد
 کی زندگی کے مقابلے میں ہے (جو اہل جنت اور اہل جہنم کی مدت ہے)
 کیا تو کہہ سکتا ہے کہ خواہشات نفسانی کے ضبط کرنے کی تکلیف
 طبقات جہنم میں عذابِ نار سے زیادہ سخت اور طویل ہے؟ جو شخص
 ایک معمولی تکلیف بھی نہیں برداشت کر سکتا، وہ عذابِ الہی کو
 کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ میں دیکھتا ہوں تو دو وجہ سے اپنے نفس
 کو ڈھیل دیتا ہے۔ ایک کفر خفی دوسرے صریح حماقت۔ کفر خفی یہ ہے
 کہ یوم حساب پر تیرا ایمان کمزور ہے۔ اور ثواب و عقاب سے تو ناواقف ہے
 اور صریح حماقت، اللہ تعالیٰ کی تدبیر مخفی اور اس کے استدراج کا خیال
 کے بغیر اُس کے عفو و کرم پر اعتماد ہے۔ اس کے باوجود کہ تو رونی ٹاکے ایک
 ٹکڑے، غلہ کے ایک دانہ اور زبان سے نکلے ہوئے ایک کلمہ کے لئے
 اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، بلکہ اس کے حصول

کیلئے ہزار جتن کرتا ہے۔ اور اسی جہالت کی وجہ سے تو آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق ہے کہ "الکیس من
دان نفسه وعمل لما بعد الموت والاحق من اتبع
نفسه هو اها وتبعنی علی اللہ الامانی (احیاء العلوم ص ۳۸)
یعنی ہوشیار اور عقلمند وہ شخص ہے جو نفس کا محاسبہ کرے اور مورت کے
بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے، اور احق وہ ہے جو اپنے نفس کو اسکی
خواہشات کے پیچھے لگا دے اور اللہ تعالیٰ پر آرزوئیں باندھتا ہے۔

اے نفس! تجھ کو زندگی کے دام ہرنگ زمین سے ہوشیار رہنا چاہئے
اور شیطان سے فریب نہیں کھانا چاہئے، تجھے اپنے اوپر ترس کھانا چاہئے
تجھے اپنی ہی فکر کا علم دیا گیا ہے۔ دیکھ! تو اپنے اوقات کو ضائع نہ کر
تیرے پاس گنی چنی سانس ہیں۔ اگر تیری ایک سانس بھی رائیگاں
گئی تو گویا تیرے سرمایہ کا ایک حصہ ضائع ہو گیا۔ پس غنیمت سمجھ
صحت کو مرض سے پہلے، فراغت کو مہر و فیت سے پہلے، دولت کو
غربت سے پہلے، شباب کو ضعیفی سے پہلے، زندگی کو بلاکت سے پہلے اور
آخرت کے لئے تیاری کر اسی لحاظ سے جتن لگائے وہاں
رہنا ہے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۱۱)

ف: سبحان اللہ، کیسا موشر مضمون ہے جو ہر مومن کو پیش نظر رکھنے کے
لائق ہے! (مرتب)

بقیہ زندگی اور وفات | امام غزالیؒ نے یہ زمانہ علمی و دینی اشتغال میں گزارا
ان میں اب بھی طالب علمانہ روح تھی۔ وہ حدیث

کی طرف ایسی توجہ نہیں کر سکے تھے جیسی انھوں نے علوم عقلیہ اور بعض علوم نقلیہ کی طرف کی تھی۔ اُس زمانہ میں ان کو اپنی اس کمی کو پورا کرنے کا خیال ہوا۔ چنانچہ ایک مشہور محدث حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی کو اپنے یہاں مہمان رکھ کر اُن سے صحیح بخاری و صحیح مسلم کا درس لیا اور اس کی سند حاصل کی۔ یہ اخیر زمانہ انکا حدیث کے مطالعہ اور اشتغال میں گزرا۔ ابن عساکر کہتے ہیں :-

”وكانت خاتمة امره اقبالا ان کی زندگی کا آخری کام یہ تھا کہ وہ حدیث
حلی حدیث المصطفیٰ ﷺ نبویؐ کی طرف پوری طرح متوجہ ہوئے اور
و مجالسة اهلہ ومطالعة الصحیحین علماء حدیث کی مہنشیخی اختیار کی اور صحیحین
البخاری ومسلو الذین هما (بخاری و مسلم) کا مطالعہ شروع کیا جو اسلام میں
حجة الاسلام (تبيين كذب المفتري) سند کا درجہ رکھتی ہیں۔

اتصال سے ایک سال پہلے ۷۵۵ھ میں انھوں نے ”المستصفیٰ“ لکھی جو
اصول فقہ کے ارکان ثلاثہ میں شمار کی جاتی ہے۔ اور علماء نے اس کے ساتھ بڑی اعتناء
کی ہے۔ یہ اُن کی آخری تصنیف ہے۔

عمل کے سلسلہ میں سعی و ریاضت | عمل کے سلسلہ میں اپنی ذہنی، علمی، اخلاقی
اور روحانی ترقی و تکمیل کا انھوں نے
کوئی گوشہ فروگزاشت نہیں کیا۔ علمی تبحر اور جامعیت و کمال کے ساتھ اپنے وقت
کے ایک مخلص و مبصر شیخ طریقت شیخ ابو علی فارمدی (م ۷۷۷ھ) سے بیعت
کی اور تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ پھر اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر کے اسکے
مقاصد و غایات کو پہنچنے اور اذواق صحیحہ سے لذت آشنا ہوئے۔

ف: غور فرمائیے کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے خاص و مخلص

بندے کو کس قدر احوال رفیعہ و ازواق لطیفہ سے نوازا تھا، جسکی برکت سے صرف پچپن (۵۵) سال کی عمر میں علاوہ درس و تدریس کے ایسی نادر و نافع تصانیف فرمائیں، جن کے فیض سے اُمت مسلمہ فیضیاب ہوئی اور ہو رہی ہے
 فَحَظَّاهُمْ اللَّهُ تَعَالَى أَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔ اللہ تعالیٰ اس اُسی سال کے بوڑھے کو بھی اُس کا عشرِ عشر ہی سہی خدمتِ دین کی توفیق مرحمت فرما کر اپنے قرب و قبول سے مشرف فرمائے۔ آمین! (مُرتَّب)

امام غزالیؒ نے طبران میں ۱۲ جمادی الاخریٰ ۵۰۵ھ کو پچپن

وفات سال کی عمر میں انتقال کیا اور یہ گنج گرانمایہ اسی خاک میں ودیعت ہوا۔ ابن جوزیؒ نے ان کے انتقال کا واقعہ ان کے بھائی احمد غزالیؒ کی روایت سے اس طرح بیان کیا ہے:-

دوشنبہ کے دن وہ صبح کے وقت بسترِ خواب سے اُٹھے۔ وضو کر کے نماز پڑھی پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا ”آقا کا حکم سر آنکھوں پر“ یہ کہہ کر پاؤں پھیٹا دیئے۔ لوگوں نے دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی۔ رَحِمَهُ اللَّهُ وَتَوَكَّلْ اللَّهُ مَقَرَّةً
 (منقول از ”دعوت و غزلیت“) (اتحاد السادة المتقين (شرح احیاء العلوم) ص ۱۱۷)

حضرت ابو الوفاء ابن عقیل حنبلی رحمہ اللہ المتوفی ۳۵۳ھ

نام و نسب، ولادت نام علی، کنیت ابو الوفاء، والد کا نام عقیل ہے۔ آپ کی ولادت ۳۳۱ھ میں ہوئی۔

تعارف آپ اسلام کے عظیم ترین شخص تھے، نہایت ذکی تھے۔ شیخ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ آپ ہمیشہ علم میں مشغول رہتے تھے اور مدہ خیالات رکھتے تھے۔ مشکل اور دقیق مسائل کی جستجو میں رہتے تھے حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ ابن عقیل کی مختلف علوم میں بہت سی تصانیف ہیں جنکی تعداد تقریباً بیس ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی کتاب آپ کی سب سے بڑی تصنیف "کتاب الفنون" ہے۔ اس میں معظا

تفسیر، فقہ، اصول فقہ، اصول دین، نحو، لغت، شعر، تاریخ اور حکایات وغیرہ علوم کے عظیم فوائد ہیں۔ اس میں انھوں نے اپنے خواطر وارده اور نتائج فکر کو جمع کیا ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ دنیا میں اس سے بڑی کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی۔ مجھے یہ بات اس شخص نے کہی جس نے اس کتاب کی چار سو کے بعد فلاں جلد لکھی تھی۔ ابن رجب فرماتے ہیں کہ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ کتاب آٹھ سو جلدوں میں تھی۔

مختلف علوم و فنون کے جامع تھے۔ مدرس، مفتی، مناظر، مختلف علوم و فنون کے جامع تھے۔ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ "كَانَ إِمَامَ دَهْرِهِ وَفِرِيدَ عَصَرِهِ" (یعنی اپنے وقت کے امام اور اپنے زمانہ کی منفرد

شخصیت کے مالک تھے۔ (نصیحت المسلمین ص ۲۵۴)

نصیحت آموز واقعہ

ابن عقیلؒ نے اپنی کتاب الفنون میں لکھا ہے کہ ایک سال جب میں حج کو گیا تھا تو ایک دن حرم میں مجھ کو ایک حکمتی ہونی چیز نظر آئی۔ میں نے جو اس کو ہاتھ میں لیا تو وہ موتیوں کا ایک بہت قیمتی ہار تھا، جو ایک سُرخ دھاگے میں گنڈھا ہوا تھا۔ میں اس کو الٹ پلٹ کر دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک نابینا بوڑھے کو میں نے یہ آواز لگاتے سنا کہ ”جس نے ہمارا موتیوں کا ہار پایا ہو وہ دیدے اس کو سو دینار انعام میں ملیں گے۔“ میں نے اس سے کہا کہ اس کی پہچان کیلئے اس نے کہا، وہ سُرخ دھاگے میں گنڈھا ہوا ہے۔ میں نے ہار اُسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، یہ لو اپنا ہار، تو اس نے کہا، تم یہ سو دینار انعام کے لو! میں نے کہا خدا کی قسم! میں نہ لوں گا۔

اس کے بعد اتفاق سے میرا شام جانا ہوا۔ میں بیت المقدس کی زیارت کر کے دمشق آیا، اُس وقت میری والدہ زندہ تھیں، اس لئے دمشق سے میں بغداد روانہ ہو گیا۔ راستہ میں حلب کی طرف سے میرا گزر ہوا، وہاں میں شام کے وقت پہنچا اور ایک مسجد میں پناہ لی، بھوک اور سردی سے میرا بڑھال تھا۔ جب نماز کا وقت ہوا تو مسجد کے متولی نے مجھ سے امامت کرنے کو کہا، میں نے نماز پڑھا دی۔ اُن لوگوں نے مجھے کھانا کھلایا۔ وہ رمضان کا مہینہ تھا، ان لوگوں نے مجھ سے کہا، یہاں کے امام صاحب بہت بزرگ شخص تھے، چند دن ہوئے ان کا انتقال ہو گیا ہے، ہماری درخواست ہے کہ آپ یہاں مہینہ بھر رہ جائیں۔ میں نے بھی منظور کر لیا اور نماز

پڑھانے لگا۔ ایک دن لوگوں نے کہا کہ سابق امام کی ایک لڑکی ہے، ہمارا خیال ہے کہ آپ کا اس سے نکاح کر دیں، میں نے اسکو بھی قبول کیا۔ اسکے بعد میں وہاں سال بھر رہا اور میرا ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اور اسی کی پیدائش کے سلسلہ میں میری بیوی بیمار ہو گئی۔ ایک دن میں اس کو دیکھ رہا تھا تو اس کے گلے میں ایک سرخ دھاگہ نظر آیا، غور کیا تو وہی ہار تھا جو میں نے مکہ میں پایا تھا۔

میں نے اس کا پورا قصہ اپنی بیوی کو سنایا تو وہ رونے لگی اور کہا، تم وہی شخص ہو؟ بخدا میرے والد دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! میری لڑکی کو ویسا ہی شوہر دے جیسا ہار واپس کرنے والا تھا۔ اللہ نے اُن کی دعا سُن لی۔ اُس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا، میں وہ ہار اور اس کے دوسرے متر و کات لے کر بغداد چلا آیا۔ (ابن جوزی و مرآة)

(منقول از اعیان الحجاج ص ۴۷)

ف: محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ نے "اعیان الحجاج" میں اسی قسم کا ایک واقعہ قاضی محمد بن عبدالباقیؒ کے متعلق بھی نقل فرمایا ہے۔ اسے اختصار کی غرض سے میں نے حذف کر دیا ہے۔ (مرتب)

ارشادات

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو عورتیں رونے لگیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے پچاس سال تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیا بستہ فتاویٰ پر دستخط کیا ہے۔ اس لئے مجھے چھوڑ دو تاکہ

میں اُس کی ملاقات سے خوشی حاصل کروں۔ انھوں نے اپنے کپڑے اور کتابوں کے علاوہ کوئی ترکہ نہیں چھوڑا۔

آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نفس کا خرچ کرنا تمھیں بھاری نہ معلوم ہو، جبکہ دوسرے کاموں میں صرف کرنے سے بار محسوس نہیں کرتے۔

آپ فرماتے تھے کہ میرے لئے جائز نہیں ہے کہ میں اپنی عمر کی ایک گھڑی بھی برباد کروں۔ یہاں تک کہ جب میری زبان مذاکرہ و مناظرہ سے معطل رہتی ہے اور میری آنکھ مطالعہ سے بند رہتی ہے تب راحت کے وقت بھی میں اپنی فکر کو کام میں لاتا ہوں، حالانکہ میں لیٹا رہتا ہوں۔

آپ فرماتے تھے کہ میں انتہائی محنت سے اپنے کھانے کے اوقات کو مختصر کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ روٹی کا کھانے پر کعک کا سفوف پھانکنا اور پانی کے ساتھ اس کے نگلنے کو پسند کرتا ہوں، تاکہ مطالعہ کا وقت مل سکے یا کوئی فائدہ کی بات تحریر کر سکوں۔

ف: معلوم ہوا کہ اپنے اوقات کی قدر کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ ان قیمتی لمحات کی کوئی قضا نہیں۔ لہذا ہم سب کو خصوصاً طلبہ اور علماء کو اسکا بہت لحاظ رکھنا چاہئے کہ ضیاع وقت کے شکار نہ ہوں۔ (مرتب)

وفات

آپ کا انتقال ۵۱۳ھ میں ہوا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(نصیحة المسلمین ترجمہ رسالۃ المسترشدین ص ۲۵۴-۲۵۵)

حضرت قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی المتوفی ۵۳۵ھ

نام و نسب، تعارف نام محمد، کنیت ابوبکر، والد کا نام عبدالباقی ہے

آپ شیخ، امام، عالم کامل اور عادل سند عصر تھے۔ آپ بغداد کے محلہ نصیریہ کے رہنے والے تھے، اسی وجہ سے آپ نصیری کہے جاتے تھے۔ اور آپ نسباً انصاری (انصار مدینہ) تھے، آپ مسلک حنبلی تھے اور قاضی اعتران سے مشہور و معروف تھے۔

ولادت آپ کی ولادت ۱۰ صفر ۵۳۲ھ میں ہوئی۔

تعلیم و تصنیف آپ کی تصنیف ”مشیختہ“ تین جلدوں میں

ہے۔ ابوالقاسم تنوخیؒ نے آپ کو اجازت دی تھی۔ اور آپ نے قاضی ابویعلیٰؒ سے بعض فقہی مسائل حاصل کئے تھے آپ نے خطیب کے زمانہ میں احادیث کی روایت شروع کر دی تھی۔ اور اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔ اور علو را اسناد آپ پر ختم ہوتی ہے۔

ابوموسیٰ مدینیؒ کہتے ہیں کہ آپ فنون و علوم میں امام تھے آپ نے فرمایا کہ میں نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا اور کوئی بھی علم نہیں تھا مگر میں نے اس میں غور و فکر کیا۔ یا تو میں نے اُس علم کو پورا کا پورا حاصل کر لیا، یا اس کا کچھ حصہ حاصل کیا سوائے علم نحو کے۔

اور آپ، فرماتے تھے کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اپنا قیمتی وقت

کچھ دیر کے لئے بھی کھیل کود میں ضائع کیا ہو۔

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ خود اُنھوں نے اپنا واقعہ بتایا کہ میری پیدائش کے وقت دو نجومی آئے اور ان دونوں نے کہا کہ میری عمر باون^{۵۲} سال ہوگی۔ اور میں اب بھی موجود ہوں جبکہ میری عمر اس وقت نوٹے سال سے بھی زیادہ ہے۔

ف: معلوم ہوا کہ نجومی لوگ غلط خبر بھی دیتے ہیں۔ اعاذنا اللہ عنہ (مرتب)

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ آپ حسین و جمیل، شیریں کلام اور عمدہ معاملہ والے تھے۔ اور آپ جامع منصور میں نماز ادا کرتے تھے۔ آپ ثقہ، ذکی اور فہیم تھے۔ اور علم فرائض میں آپ کا کوئی نظیر اور مثیل نہ تھا۔

وفات

۲۲ رجب ۵۳۵ھ میں ظہر سے پہلے اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ رَحِمَهُ اللہُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۲۳۶)

شیخ ابو یعقوب یوسف بن ایوب ہمدانی ^{رحمۃ اللہ علیہ}

ولادت و تعارف

آپ کی ولادت ^{رحمۃ اللہ علیہ} کے قریب ہوئی۔ آپ کا شمار یگانہ روزگار اماموں میں ہوتا تھا۔ آپ کو خراسان میں مریدین کی تربیت میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی خانقاہ میں علماء و صلحاء کی کثیر جماعت موجود رہتی تھی۔ آپ سے اور آپ کے کلام سے نفع اٹھاتی تھی۔

آپ نے سماع سے متعلق کلام کیلئے لیکن ہم نے اس کو مصلحتاً نقل نہیں کیا اس میں انھوں نے سماع کی مدح و منقبت اور اہل سماع کے حالات و کیفیات کو بخوبی واضح کیلئے۔ جو چاہے اصل کتاب کا مطالعہ کرے۔

شیخ کی کرامات | ابراہیم بن حوفی بیان کرتے ہیں کہ شیخ یوسف

ہمدانی لوگوں کے سامنے وعظ فرما رہے تھے کہ دو مولویوں نے جو اس مجلس میں موجود تھے نہایت بے ادبی سے کہا کہ تم چپ رہو، اس لئے کہ تم بدعتی ہو۔ اس پر شیخ نے ان دونوں سے کہا، تم لوگ خاموش رہو تم لوگ زندہ رہنے کے لائق نہیں ہو۔ چنانچہ وہ لوگ اسی جگہ فوت ہو گئے۔

آپ کے پاس ہمدان سے ایک عورت روتی ہوئی آئی اور اس نے ان سے کہا کہ میرے بیٹے کو فرنگیوں نے قید کر لیا ہے۔ آپ نے اس کو صبر کی تلقین فرمائی، مگر اسے صبر نہ آیا۔ آخر آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! اس کی بڑی کھول دے

اور جلد اس کو نجات دے۔ اس کے بعد اس عورت سے کہا کہ اپنے گھر جا
 تجھ کو تیرا بیٹا وہیں ملے گا۔ چنانچہ وہ عورت اپنے گھر آئی تو اس کا بیٹا وہیں موجود
 تھا۔ اس کو تعجب ہوا اور اس نے اپنے بیٹے سے حالات پوچھے۔ اس نے
 کہا کہ میں ابھی قسطنطنیہ میں پاؤں میں بیڑیاں پہنے تھا کہ مجھ پر نگہبان مقرر
 تھے کہ میرے پاس ایک شخص پہنچا اور مجھے اٹھا کر پلٹ چھٹکتے یہاں لے آیا۔
 ف: سبحان اللہ! کیسی کرامت ظاہر ہوئی۔ اس لئے کہ جب آدمی
 سنت کی متابعت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کرامات سے نوازتے
 ہیں۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۵۳۵ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت علامہ محمود جارا اللہ زرخشتری المتوفی ۱۳۵۳ھ

نام و نسب | محمود نام، والد کا نام عمر ابو القاسم جارا اللہ، دادا کا نام محمد ہے۔

ولادت | ماہ رجب ۱۲۹۷ھ میں زرخشتری میں پیدا ہوئے۔ زرخشتری خوارزم کا ایک گاؤں ہے جو مثل شہر کہے۔

تعلیم | آپ خوارزم سے بغداد تشریف لے آئے اور وہاں کبار علماء سے ملاقات کی اور اُن سے استفادہ کیا۔ اور اس دوران

آپ کئی بار خراسان بھی تشریف لے گئے۔ آپ جس شہر میں بھی جاتے تھے وہاں کے علماء اور دوسرے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی شاگردی اختیار کرتے تھے۔ جس سے بھی آپ نے بحث و مباحثہ کیا اُس نے آپ کی بڑائی و عظمت کو تسلیم کر لیا۔ اس طرح آپ کی شہرت بہت زیادہ ہو گئی اور آپ اپنے دور کے امام ہو گئے۔ آپ تفسیر اور حدیث، نحو و ادب کے امام تھے۔ اور آپ کی بہت سی عمدہ اور متمم یا نشان کتابیں مختلف علوم و فنون میں ہیں۔ جیسے کشاف علم تفسیر میں، مفصل علم نجومیں اساس البلاغۃ لغت میں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں آپ نے تصنیف فرمائی ہیں۔

اب ہم ”الاکلیل علی مدارک التنزیل“ سے بعض باتیں نقل کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ :-

۱۔ یہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب (المتوفی ۱۲۵۲ھ ساکن نیوان متصل شہر آباد جو کنگا ندی (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

مرض | ان کے پاؤں میں ایک خطرناک مرض ہو گیا تھا جس کے سبب ان کا ایک پاؤں کاٹا گیا، پھر اُس کی جگہ لکڑی کا ایک پاؤں بنا کر لگایا گیا۔ آپ جب چلتے تو اُس پر ایک لمبا کپڑا ڈال لیتے تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ پاؤں سے لنگڑے ہیں۔

علامہ زرخشری کی اعتراض ال سے توبہ | قال العلامة اُمل الدین
في حاشية الكشاف انه قد تاب من مذهب الاعتزال وصنف النصائح الصغار
والنصائح الكبار بعد توبته من الاعتزال۔

(الاکلیل علی مدارک التنزیل ص ۳۱۶ سورۃ اعراف)

(ترجمہ: علامہ اُمل الدین نے کشاف کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ صاحب کشاف نے مذہب اعتراض ال سے توبہ کر لی تھی اور اعتراض ال سے توبہ کے بعد ”نصائح صغرا“ و ”نصائح کبار“ بھی تصنیف فرمائی ہے۔

کشاف کی اہمیت | ایسی تفسیر ہے کہ اس سے پہلے اس جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، جیسا کہ

دقیقہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کے کنا لے ایک موضع ہے) انھوں نے ”مدارک التنزیل“ کا حاشیہ ”الاکلیل“ کے نام سے لکھا ہے۔ اُس میں جب حضرت صلح الامت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے امام زرخشریؒ کے اعتراض ال سے توبہ کے متعلق پڑھا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ نا تو توئی نہایت تعجب و تحسّر سے فرماتے تھے کہ کشاف جیسی تفسیر لکھنے والے علامہ زرخشریؒ ج کو اللہ تعالیٰ کیسے عذاب دیں گے؟ اس لئے انکی توبہ کو معلوم کر کے بہت مسرور ہوئے۔

الحمد للہ اس حقیر نے ”کشاف“ اور ”مدارک“ کے کچھ حصے حضرت صلح الامت سے

سبقاً سبقاً پڑھا ہے۔ فلنلہ الحمد والمنہ۔ (مرتب)

صاحب کشف نے خود اپنی اس کتاب کے بارے میں یوں لکھا ہے:
 فالکتاب واحد فی بابہ وعلم شائع فی نظر
 علماء التفسیر وطلابه ولقد اعترف له
 خصوصاً بالبراعة وحسن الصناعة۔

(ترجمہ: یہ کتاب اپنے باب میں وحید و فرید ہے، علماء تفسیر و طلباء تفسیر
 کی نظر میں یہ کتاب علوم تفسیر کی جامع ہے۔ اور ان لوگوں نے بھی اس
 کتاب کی اچھائی اور حسن تصنیف کی تعریف کی ہے جو مخالف تھے
 فَأَرْضُ مَكَّةَ نَدَى الدَّمْعِ مَقْلَتُهَا
 حُرْنًا لِفُرْقَةِ جَارِ اللَّهِ مُحَمَّدٍ
 (ترجمہ: مکہ کی زمین نے آپ کی وفات پر آنسو بہائے محمود جارا اللہ کی جدائی کے غم میں)

(از: کتاب التفسیر والمفسرین ص ۳۳)

علامہ کا علمی لطیفہ | ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ عمر نسفیؒ (صاحب
 عقائد نسفیہ) علامہ کی خدمت میں مکہ مکرمہ سے
 ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ کیونکہ ع

بہار عمر ملاقات دوستال باشد

دروازے پر دستک دی، علامہ جارا اللہ نے اندر سے پوچھا، کون؟
 موصوف نے جواب دیا۔ عمر! علامہ زرخشریؒ نے کہا: ”انصرف“
 یعنی منصرف ہو جا (لوٹ جا) آپ نے فرمایا ”عمر کا ینصرف“ یعنی
 عمر منصرف نہیں ہوتا۔ علامہ زرخشریؒ نے جواب میں کہا: ”اذا انکوصرفت“
 یعنی جب نکرہ کر دیا جاتا ہے تو وہ منصرف ہو جاتا ہے۔ (نظر المصلین ص ۲۹۴)

مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر حضرت علامہ مخشری رحمہ اللہ کے

تحت یوں رقمطراز ہیں :-

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ
قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ
جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي
خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ

جو اللہ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور
اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں
اور زمین و آسمان کی پیدائش میں
غور و فکر کرتے ہیں۔

وعن سفیان الثوري

حضرت سفیان ثوری سے مروی

انه صلى خلف المقام ركعتين

ہے کہ انھوں نے مقام ابراہیم کے پیچھے

ثم رفع راسه الى السماء

دو رکعت نماز ادا کی، اُس کے بعد اپنے

فلما راى الكوكب غشى

سر کو آسمان کی طرف اٹھایا تو ستاروں

عليه وكان يبول الدم

کو دیکھ کر ان پر غشی طاری ہو گئی اور مسلسل

من طول حزنه وفكرته

حزن و غم کی وجہ سے خون کا پیشاب ہونے لگا۔

وعن النبي صلى الله عليه وسلم

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

بينما رجل مستلق على فراشه

روایت ہے کہ اس دوران کہ ایک آدمی

ان رفع راسه فنظر الى النجوم

اپنے بستر پر چیت لیٹا ہوا تھا کہ اپنا سر

والى السماء فقال اشهد

آسمان کی طرف اٹھایا، تو تاروں

ان لك رباً وخالقا اللهم

اور آسمان کو دیکھ کر کہا، میں شہادت

اغفر لي فنظر الله اليه

دیتا ہوں کہ تمھارے لئے کوئی رب

فغفر له۔

اور خالق ہے۔ اے اللہ میری مغفرت

وفات النبي

فرمادے! تو اللہ تعالیٰ اُس کی طرف

نظر رحمت فرمائی اور مغفرت فرمادی۔
 نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تفکر کی
 طرح کوئی عبادت نہیں ہے۔ نیز کہا گیا
 ہے کہ فکر غفلت کو دور کر دیتا ہے اور قلب
 میں خشیت کو پیدا کرتا ہے جیسا کہ پانی کھیت
 کو پودوں سے آباد و شاداب کرتا ہے اور
 حزن سے بڑھ کر کسی خیر سے قلوب کو جلا
 نصیب نہیں ہوتا اور نہ فکر کی طرح کسی چیز
 سے نورانیت حاصل ہوتی ہے۔

اور مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یونس بن متی علیہ السلام
 پر فضیلت زدو۔ کیونکہ ان کے لئے پوری
 زمین کے لوگوں کے مثل تنہا ان کا عمل
 آسمان تک پہنچتا ہے۔

تو اسکی توضیح میں علماء اکابر نے فرمایا کہ
 یونس علیہ السلام کا وہ عمل اللہ کے امر میں
 تفکر ہے جو عمل قلب ہے اس لئے کہ کوئی شخص
 اس بات پر قادر نہیں ہے کہ اپنے ظاہری
 اعضاء سے ایک دن میں زمین والوں کے عمل جیسا
 عمل کرے۔ (سوائے اعمال قلب کے)

صلی اللہ علیہ وسلم لا عبادة
 كال تفكر وقيل الفكرة تذهب
 الغفلة وتحدث للقلب
 الخشية كما يحدث الماء
 للزراع النبات وما جللت القلوب
 بمثل الاحزان ولا استنارت
 بمثل الفكرة۔

وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 لا تفضلونی علی یونس بن متی
 فانہ کان یرفع له فی کل یوم
 مثل عمل اهل الارض۔

قالوا وانما کان ذالک
 التفکر فی امر اللہ الذی
 هو عمل القلب لان احدا
 لا یقدر ان یعمل بحوارحه
 فی الیوم مثل عمل اهل الارض۔
 (الکشاف ص ۴۸۸ ج ۱)

ف: مندرجہ بالا عبارت کا اکثر حصہ دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین ص ۲۵ میں مسطور ہے، جبکہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نے بہت پسند فرمایا۔ خصوصاً یہ حصہ: مَا جَلِيتَ الْقُلُوبَ بِمَثَلِ الْحُزَنِ يَعْنِي قَلْبُكَ كِي جَلَاءٍ وَصْفًا مَثَلِ حُزْنٍ وَغَمٍّ كَيْ شَيْءٍ سَے نہیں ہوتی۔

اور اس پسندیدگی کی وجہ میری ناقص رائے میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی صفات میں ایک نمایاں صفت حزن و فکر بھی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسب روایت صحیحہ متواصل الاحزان رہتے تھے۔ اس لئے حضرت مصلح الامت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری سنتوں کے متبع تو تھے ہی باطنی سنتوں سے بھی متصف تھے۔ اس لئے آپ بھی اس صفت حزن و فکر آخرت کی بنا پر برابر حزين و فکرمند رہتے تھے۔ لہذا اپنے متبعین و سالکین کے اندر بھی اس صفت کو دیکھنا چاہتے تھے بلکہ بسا اوقات فعل قول سے ایسی تدبیر اختیار فرماتے تھے جس سے سالکین راہ میں حزن کی صفت پیدا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اصلاح و تربیت کے باب میں حضرت مصلح الامت کی یہ امتیازی شان تھی، جسکو علماء و مشائخ نے بھی حسن قبول سے نوازا۔ فَلَمَّا أَحْمَدُ وَالْمَنَّةُ اس لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے اندر اس عالم میں حزن و خوف کی صفات نواز کر آخرت کے خوف و حزن سے، مومن و محفوظ رکھے، جیسا کہ اپنے اولیاء کا حال بیان فرمایا ہے کہ اَخَوْفُ عَلَيْهِمْ وَلَا يُمْحِزُونُ یعنی وہ لوگ آخرت کے غم سے محفوظ رہیں گے۔

وفات | خوارزم کے جراحانیہ میں عرفہ کی رات ۵۳۸ھ میں وفات ہوئی۔

(رحمہ اللہ رحمة واسعة) (التقریر والمفردون ص ۳۱)

سہ شامل ترمذی کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متواصل الاحزان و دائم الفکر تھے (یعنی ہمیشہ غم میں رہتے اور ہمیشہ فکر کرنے والے تھے)۔ (انوار محمدی) ترجمہ شامل ترمذی، از حضرت مولانا کرامت علی چغتوی (۲)

حضرت ابو بکر بن ہوار البطاحی علیہ رضی اللہ عنہ

تعارف

پہلے آپ ڈاکو تھے۔ رات میں ان کو ایک غیبی آواز سنائی دی اَمَّا اَنْ لَّكَ اَنْ تَخَافَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی (یعنی کیا تمہارے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو) یہ سن کر فوراً ہی تائب ہو گئے۔ ان کے ہم عصر مشائخ نے ان کے علوم مقام و جلالت شان پر اجماع کیا ہے۔

ف: ایسے ہی حضرت فضیل بن عیاضؒ نے یہ آیت ”الْمَيَّانُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (الحمد للہ) سُن کر ڈاکہ زنی سے تائب ہو گئے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے ایسی ہی تدبیر سے راہ راست پر لے آتا ہے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلٰی اللّٰهِ بِعَزِيزٍ (مرتب)

ارشادات

فرماتے تھے کہ: خوفِ تم کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے گا۔ اور خوف یہ ہے کہ ہر سانس کے آنے جانے کے وقت اس کی گرفت و مواخذہ سے مامون نہ ہو۔ نیز فرماتے تھے کہ لوگوں کو بنظر حقارت دیکھنا ایسا مرض ہے کہ جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ (طبقات ص ۱۳۲)

وفات | باوجود تلاشِ بسیار کے تاریخ وفات نہ مل سکی۔ لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ چھٹی صدی کے ہوں گے۔ چونکہ آپ کے ہاتھ پر حضرت ابو محمد شنبکیؒ نے توبہ کی ہے۔ (رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ (دستخط)

حضرت الشیخ ابو محمد الشنبلی علیہ السلام رحمۃ اللہ المتوفی ۵۵۲ھ کے بعد

تعارف

آپ شریف الاخلاق، کامل الادب، وافر العقل اور نہایت متواضع شخص تھے۔ آپ بھی ابتداً قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر بن ہوار بطائنی کے ہاتھ پر ایسی توبہ کی کہ ان کی دعا سے مادر زاد اندھے، جذامی اور مجنون اچھے ہو جاتے تھے۔

کرامت | سیدنا امام رفاعی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ماموں شیخ منصور بطائنی (المتوفی ۵۵۵ھ) کی والدہ صاحبہ جب حالت حمل میں آپ کی زیارت کیلئے آئیں تو شیخ تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔ جب یہ کیفیت بار بار ہوئی تو لوگوں نے دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ یہ خاتون ایک ولی کامل کا حمل رکھتی ہیں، (جس کا عند اللہ بڑا مرتبہ ہے) اس بچہ کی تعظیم کر رہا ہوں۔

ارشادات

فرماتے تھے کہ جس نے اپنے نفس کو ادب کے ذریعہ مغلوب کر لیا تو وہی اللہ تعالیٰ کی عبادت خلوص سے کر سکتا ہے۔ فرماتے تھے کہ سچوں کی خواہش تو مجاہدہ اور ریاضت کی ہوتی ہے۔ مگر جھوٹے تو بس سونے اور سست پڑے رہنے کے ہی طالب رہتے ہیں، یعنی ذرا محنت نہیں کرنا چاہتے مگر یہ لوگ بھی عموماً احوال و کیفیات کے طالب رہتے ہیں۔ حالانکہ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ:-
الاحوال نتائج الاعمال (احوال و کیفیات، اوراد و اعمال ثمرات ہیں)

پس جب عمل ہی نہیں تو پھر حال کیسے میسر ہوگا۔ (مرتب)
 فرماتے تھے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی سرور از کامدعی ہو مگر اس کے
 صدق پر اس کی ظاہری حالت شاہد نہ ہو، تو اس کو دین کے معاملہ میں متہم قرار
 دیا جاسکتا ہے۔ فرماتے تھے کہ علم میں اخلاص کے ساتھ مشغول ہونا صلاح قلبی ہے
 اور ریاء و سمعہ کے ساتھ اشتغال فساد قلب ہے۔ (طبقات ص ۱۳۳)

وفات

باوجود تلاش بسیار کے تاریخ وفات نہ مل سکی۔ لیکن اتنا محقق ہے کہ
 حضرت منصور بطاحیؒ (المتوفی ۵۴۰ھ) کے ولادت کے وقت آپ
 بقید حیات تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت شیخ منصور البطارچی رحمۃ اللہ علیہ

تعارف | آپ حضرت شیخ احمد رفاعیؒ کے ماموں ہیں۔ آپ اجلہ عارفین، کبار محققین میں سے ہیں۔ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ حالتِ حُل میں جب آپ کی والدہ صاحبہ اپنے شیخ عارف جلیل ابو محمد شنبکیؒ کی خدمت میں زیارت کے لئے حاضر ہوئیں تو شیخ تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ یہ خاتون ایک ولی کامل (جس کا عند اللہ بڑا مرتبہ ہے) کا حمل رکھتی ہیں، اس جنین (بچہ) کی تعظیم کر رہا ہوں۔ شیخ منصور نہر و قلی میں مقیم تھے۔

بشارت نبوی | حضرت منصور البطارچیؒ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں یہ بشارت سنائی تھی کہ اے منصور! چالیس روز کے بعد تیری بہن کو ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اس کا نام احمد رکھنا۔ اولیاء میں وہ ایسا ہی سردار ہوگا جس طرح میں انبیاء کا سردار ہوں۔ (یہی بعد میں حضرت سیدنا احمد رفاعیؒ کے نام سے مشہور ہوئے) اور جب وہ ہوشیار ہو جائے تو شیخ علی قاری واسطی کے پاس تعلیم کے لئے بھیج دینا۔

جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ کی اہلیہ نے عرض کیا کہ اپنے لڑکے کو اپنے بعد کے لئے وصی بنادیکجئے۔ تو فرمایا کہ نہیں، اپنے بھانجے احمد کو وصی بناؤں گا۔ مگر اہلیہ محترمہ اپنی رائے پر مصر رہیں۔ تو اپنے صاحبزادے اور بھانجے کو بلا کر فرمایا کہ فلاں زمین سے ایک ایک ٹھکڑا پلوداؤ تو ان صاحبزادے

نے جا کر بہت سے پودے لاکر پیش کر دیے۔ مگر بھانجے احمد ایک بھی پودا نہ لائے۔ تو فرمایا، اے احمد! تم کیوں نہیں لائے؟ تو عرض کیا کہ ہر پودے کو میں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول پایا۔ اس لئے قادر نہ ہوا کہ کوئی پودا اکھاڑ کر لاؤں۔ یہ سن کر شیخ کی اہلیہ خاموش ہو گئیں (یعنی سمجھ گئیں کہ بھانجے کی استعداد عالی اور صلاحیت کامل ہے۔ اس لئے وصی بنائے جانے کے یہی لائق ہیں۔) (طبقات ص ۳۳)

فرماتے تھے کہ جو دنیا کو پہچان لے گا وہ زاہد ہو جائے گا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کو پہچان لے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو ہر چیز پر مقدم رکھے گا۔ اور جو اپنے ہی کو نہ پہچانے گا تو وہ زبردست غرور اور دھوکے میں مبتلا رہے گا۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آزمائش غفلت اور کسل سے بڑھ کر کسی چیز سے نہ فرمائی۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو غفلت اور نیند سے پناہ دیتا ہے۔

فرماتے تھے کہ تمہارے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ تم اس کو سمجھو کہ تین خصلتیں اولیاء اللہ کی ہیں۔ اول ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر وثوق و اعتماد کرنا۔ دوم، ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے فناء کا اختیار کرنا۔ سوم، ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا۔

فرماتے تھے کہ بے قراری پر صبر کرنا تو شہ راہ ہے اور رضا بالقضائر عاروں کا درجہ ہے۔ پس جو شخص صبر کرے یقیناً وہ نیکوکار ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ دُنیا کی جو چیزیں تمہارے دنیا سے زہد اختیار کرنے میں معین و مددگار ثابت نہ ہوں وہ تمہارے لئے نقصان دہ ہیں، مفید نہیں۔

ف: سبحان اللہ کیا ہی معرفت کی باتیں ارشاد فرمائیں۔ فخر اہم اللہ تعالیٰ۔
اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

آپ فرماتے ہیں: جس شخص کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں انسیت حاصل کر لیتا ہے تو پھر ہر چیز سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور اُس کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہر طرح کی خوشی و تسکین کو پاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جو شخص عبودیت کی صفائی کو اپنا کمال سمجھا اس کو ربوبیت کے نسیان نے گھیر لیا۔ اور جس نے عبودیت کی پابندی میں ربوبیت کی صفت کا مشاہدہ کیا بس وہی اپنے نفس سے الگ ہوا۔ اور اپنے رب سے قریب ہوا اور وہ استدراج سے سلامت رہا۔ (طبقات کبریٰ ص ۱۳۴)

ف: اللہ تعالیٰ ہم کو صفت عبودیت میں رسوخ عطا فرمائے تاکہ استدراج سے محفوظ رہیں۔ (مرتب)

وفات

صاحب رموز لکھتے ہیں کہ آپ کا انتقال نہروقلی میں ۱۲۵۴ھ میں ہوا
مزار زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔ رحمہ اللہ رحمتاً واسعاً۔
(تذکرہ حضرت رفاعی ص ۱۳۹)

حضرت الشیخ رسلان دمشقی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۵۰ھ

نام و نسب نام رسلان ، والد کا نام یعقوب ، دادا کا نام عبد الرحمن ہے۔

تعارف آپ اپنے دور کے زاہد و عابد اور کبار مشائخ میں سے ہیں۔ آپ کے اجداد قلعہ جبر کے (جو کہ ریائے فرات کے کنارے واقع ہے) رہنے والے تھے اور وہ دمشق منتقل ہو گئے تھے۔

آپ شام کے مشائخ کبار میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ ابو عامر مودب کی صحبت میں رہے جو آپ کے ساتھ باب تو مابین آپ کے قبہ میں مدفون ہیں۔ اور اسی قبہ میں شیخ کے خادم ابو المجد بھی مدفون ہیں۔

عبادت آپ باب تو مابین مسجد میں جو آپ کے گھر کی جانب میں ہے عبادت کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ مسجد رب الحجر میں اس کے مشرقی حصہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اور شیخ ابوالبیان اسی مسجد کے مغربی حصہ میں تھے۔ تو آپ نے اُس مسجد میں ایک مدت تک عبادت کی۔ اور آپ دونوں کے ساتھ ایک جماعت اس مسجد میں مقیم تھی اس کے بعد شیخ اپنے اصحاب کے ساتھ اس مسجد سے نکل کر مسجد خالد بن ولید میں قیام پذیر ہوئے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے۔

(سیہ اعلام النبلاء ص ۲۹ ج ۲۰)

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ ہر شر کی کنجی تیزی ہے۔ اور غصہ تم کو عذر اور درگزر کرنے کی طلب میں مقامِ ذلت میں کھڑا کر دے گا (یعنی غصہ میں کسی کو ناحق کوئی بات کہہ دو گے تو پھر اس کے بعد عذر کرنا پڑے گا، جس سے بڑھ کر ذلت کیا ہوگی۔)

فرماتے تھے کہ مکارمِ اخلاق یہ ہیں: قدرت کے باوجود عفو۔ ذلت میں تواضع۔ بغیر کسی کے احسان سابق کے اس کو عطا کرنا۔

ف: ذلت میں تواضع کا مطلب شاید یہ ہے کہ کسی نے اسکو ذلت آمیز بات کہی مگر اس نے اپنے کو جھکا دیا اور یستی اختیار کر لی۔ تو یہ یقیناً منجملہ مکارمِ اخلاق کے ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ کریم وہ ہے جو اذیتوں کو برداشت کرے اور مصیبت کے وقت شکوہ شکایت نہ کرے۔ فرماتے تھے کہ منجملہ مکارمِ اخلاق کے صاحبِ قدرت کا معاف کر دینا اور محتج کا جو دو بخشش کرنا ہے۔ (طبقات ص ۱۵۳)

وفات

آپ کا انتقال ۵۵ھ کے قریب یا اس کے بعد ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔
(سیر اعلام النبلاء ص ۲۷۹)

حضرت الشیخ بقار بن بطو رحمۃ اللہ علیہ ^{۵۵۳ھ} المتوفی

نام، نسب و تعارف | نام بقا، والد کا نام بطو ہے۔
آپ اپنے دور کے اکابر میں سے تھے اور احوال
نفیسہ، مقامات جلیلہ و کرامات باہرہ رکھتے تھے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلیؒ آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ تمام مشائخ
کو ناپ تول کر ملا ہے، مگر شیخ بقا بن بطو کو بغیر ناپ تول کے ملا ہے۔
بہت سے علماء و صلحاء آپ کے مرید ہوئے اور کافی لوگ آپ کی زیارت
کے لئے آیا کرتے تھے۔

ارشادات

آپ فرماتے ہیں کہ فقیری دل کے علائق سے خالی اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ
کے ساتھ مستقل ہونا ہے۔ اور املاک سے خالی ہونا تو فقیری کی ایک صفت
ہے، اس وجہ سے کہ جو بندہ اپنے دل سے ان چیزوں میں پھنسا رہے گا اُس
کے لئے یہ اللہ سے روکنے والی اور قطع کرنے والی ہیں۔ اور املاک سے مجرد
ہونے کی علامت یہ ہے کہ اسباب کے وجود و عدم سے اس کا حال نہ بدلے،
زقوت میں اور نہ ضعف میں، نہ سکون میں اور نہ بیقراری میں، بلکہ مملکت
بھی اُس پر اثر انداز نہ ہوں۔ جب یہ صفت اس کے اندر پیدا ہو جائے
تو وہ فقیر ہے۔ اُس وقت نہ تو اس کو اسباب کی غلامی مفقید کرے گی اور نہ

ان کا وجود اس کو توش و خرم رکھے گا۔ اور نہ ہی اس کا نہ ہونا اس کو رنجیدہ کرے گا۔ اگر صاحب مال ہوا، تو ایسا ہے گویا وہ صاحب مال نہ ہوا۔ یعنی اس پر اُس کے ہونے نہ ہونے کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔

آپ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کے اندر جھڑکنے والا ناصح نہ پایا اُس کا دل خراب ہے۔ اور جس شخص نے اپنے نفس کے مقابلہ میں اللہ سے مدد نہ چاہی یعنی اپنی قوت پر بھروسہ کیا تو اُس کو اُس کے نفس نے ہلاک کر دیا۔

آپ فرماتے تھے کہ لوگوں کے ساتھ اپنے معاملہ میں انصاف کیا کرو اور اپنے چھوٹوں سے بھی نصیحت قبول کیا کرو تو شرف منازل تک پہنچ جاؤ گے۔

فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی ذات میں کوئی زجر کرنے والا نہ پائے تو وہ سمجھ لے کہ وہ خراب ہے۔ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے نفس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب نہ کرے گا تو اس کو اس کا نفس زیر کر دے گا۔

ف: مطلب یہ کہ سالک کو اپنی ریاضت و مجاہدہ پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ نفس کی اصلاح و تزکیہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگنی چاہئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا فرما رہے ہیں: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ نَفْسِیْ تَقْوِیْہَا وَزَكَّیْہَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ رَزَقْہَا اَنْتَ وَلِیْہَا وَمَوْلِیْہَا (ترجمہ: اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ کی توفیق عطا فرما اور اس کا تزکیہ فرما تو ہی بہترین تزکیہ کرنے والا ہے، تو ہی میرے نفس کا ولی اور اس کا مربی ہے۔)

وفات

آپ کی وفات ۵۵۳ھ کے قریب ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ

(طبقات ص ۱۲۶ ج ۱)

حضرت الشیخ ابوسعید القلوری علیہ رحمۃ اللہ المتوفی ۵۵۵ھ

تعارف

آپ صاحب انعام صادق اور افعال خارقہ اور صاحب کرامات معارف تھے اور اپنے شہر میں فتوے دیا کرتے تھے۔ آپ قلوریہ میں اپنے تحت پر علوم و شریعہ و حقائق پر گفتگو فرماتے تھے اور اطراف کے لوگ آپ سے ملاقات کے لئے آتے رہتے تھے۔ آپ اکابر عارفین اور ائمہ محققین میں سے تھے۔

ارشادات

آپ فرماتے ہیں کہ فقیر کی شرط یہ ہے کہ نہ وہ کسی چیز کا مالک ہو اور نہ اس کی کوئی چیز مالک ہو، اُس کا دل تمام آلائشوں سے صاف ہو اور اُس کا سینہ ہر شخص کے لئے بے کینہ ہو اور اپنی جان کو بخشش اور ایثار کر دے۔ تصرف حق کے سوا سے بیزار ہو۔

ف: سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ ہم فقیروں کو فقر کے شرائط سے آگاہ فرمائے اور ان سے آراستہ فرمائے، تاکہ نام کے نہیں بلکہ کام کے فقیر ہو جائیں۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ تصوف یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے تبری اختیار کرے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ **فَاَنْهَوْا عِدْوِيَّ اِلَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ**۔ (ترجمہ: بیشک لوگ میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے)

فرماتے تھے کہ توحید یہ ہے کہ خالق کائنات کے مشاہدہ کی وجہ سے پوری کائنات سے نظر پھیر لے۔ **ف:** اللہ تعالیٰ اس توحید کی نعمت سے نوازے۔ (کین! مرتب)

وفات

آپ کی وفات تقریباً ۵۵۵ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت الشیخ مطر باذرائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

تعارف آپ عراق کے اصل مشائخ اور عارفین کے سردار تھے۔ آپ کی جلالتِ شان زہد اور بزرگی پر علماء کا اتفاق تھا۔ آپ کے شیخ تاج العارفین ابو الوفاءؒ فرماتے تھے کہ شیخ مطر میرے حال و مال کے وارث ہیں۔ آپ تاج العارفین کے خادم خاص تھے۔ آپ پر سکرم کی حالت طاری رہتی تھی۔

ارشادات افراتے تھے کہ نفس کی باگ ڈور عقل کے ہاتھ میں ہے۔ نفس عقل کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ اور عقل انوارِ الہیہ سے مدد طلب کرتی ہے اور اسی سے وہ حکمت ظہور پذیر ہوتی ہے جو حکمتِ علوم کی سردار ہے، عدل کا ترازو ہے، ایمان کی زبان ہے، بیان کا سرچشمہ ہے، روحوں کا گلشن ہے، صورتوں کا نور ہے، حقائق کی میزان ہے، وحشت زدوں کا انس ہے، راغبوں کا مالِ تجارت ہے اور مشتاقوں کی آرزو ہے۔

فرماتے تھے کہ حق کو حاصل کرنا حکمت ہے۔ لہذا جب حکمت قلب میں پیوست ہوتی ہے تو دل کے گوشوں میں پوشیدہ عشق کا سراغ لگاتی ہے، قلوب کے زنگ کو صاف کرتی ہے اور باطن کے عیوب کو نیست و نابود کرتی ہے۔
ف؛ اشارۃً کتنے بصیرت افروز ملفوظات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح عقل و حکمت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین! (مرتب)

وفات آپ گردی تھے۔ عراق کے شہر نجف میں باذرائی جگہ پر سکوناً اختیار کی۔ یہیں وفات پائی۔ آپ کی قبر موجود ہے اور زیارت گاہ ہے۔ لیکن تاریخ وفات کی تعیین نہیں ہو سکی۔ (طبقات ص ۱۴۲)

حضرت الشیخ حماد ابن مسلم دباس رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۵۷ھ

تعارف

آپ کا شمار علوم حقائق کے علماء راہِ حق میں ہوتا ہے۔ آپ کو مریدین کی تربیت میں انتہائی درجہ کمال حاصل تھا۔ آپ کے صاحب کشف ہونے پر اجماع منقول ہے۔ آپ کے دور میں موجود بغداد کے مشائخ و صوفیاء آپ کی جانب منسوب تھے۔ آپ ان حضرات میں سے ہیں جنہوں نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے فیض صحبت حاصل کیا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مدح کی اور انکی کرامات نقل کیں۔

ارشادات

فرماتے تھے کہ: اپنے قلب کو یقین کے ذریعہ پاک و صاف کرو، تاکہ اسمیں اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کے احکام جاری ہوں اور وہ برضا و رغبت قبول کرے۔
ف: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسرار و احکام اسی قلب میں جاری ہوتے ہیں جو صفت یقین کے ذریعہ پاک و صاف ہو چکے ہوں۔ (مرتب)
 فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ اس کی محبت اور عشق ہے۔ یہ محبت اُس وقت تک خالص نہیں ہو سکتی جب تک کہ محبت کی روح شرکت نفس سے پاک نہ ہو جائے۔ اور جب تک اس میں نفس کی شرکت رہے گی وہ محب کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔ (طبقات ۳)
وفات: آپ کی وفات ۵۵۷ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(العبر فی خبر من غیب اللہ ص ۱۲)

حضرت الشیخ ابو یعزى المغربی رحمۃ اللہ علیہ

تعارف

ملک مغرب میں صادقین کی تربیت میں آپ کو نہایت کمال حاصل تھا آپ کی صحبت سے بڑے بڑے مشائخ اور مشہور و معروف زاہدین کمال حاصل کر کے نکلے۔ اہل مغرب آپ کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے تھے تو بارش ہوتی تھی۔

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ احوال مبتدیوں کے مالک ہوتے ہیں، انھیں جس طرح چاہتے ہیں پھیرتے ہیں۔ اور منتہیوں کے ملوک ہوتے ہیں، منتہی جس طرح چاہتے ہیں احوال کو پھیرتے ہیں۔

ف: یعنی منتہی حضرات احوال سے مغلوب نہیں ہوتے، بلکہ خود ان پر غالب رہتے ہیں۔ (مرتب)
فرماتے تھے: جو حقیقت بندہ کی رسمی چیزوں اور علامتوں کو نہ مٹائے وہ حقیقت نہیں ہے۔

ف: یعنی حقیقت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ حقیقت رسوم سے نکال کر حقائق تک پہنچا دیتی ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ: جس نے حق کو اللہ کے فضل کے راستہ سے طلب کیا تو وہ حق تک پہنچ گیا۔ نیز فرماتے تھے کہ: جو اللہ واحد کو نہ ہو اور کسی کا نہ ہو گا۔
ف: اس کے بالمقابل جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے، کائنات کی سب

چیزیں اس کے تابع ہو جاتی ہیں۔ من کان اللہ کان اللہ لہ۔ (مرتب)
 ابو محمد افریقی فرماتے ہیں کہ شیخ ابو یزیدی اپنے ابتدائے سلوک میں
 پندرہ سال جنگل میں رہے، جہاں وہ محض جنگلی درختوں کے پھلوں کے سوا کچھ
 نہیں کھاتے تھے، شیران کی پناہ میں آکر رہتے تھے، پرندے انکے ارد گرد
 جمع رہتے تھے۔ جب آپ شیروں سے کہتے کہ یہاں نہ رہو تو شیر اپنے بچوں
 کو لے کر تمام کے تمام وہاں سے چلے جاتے۔

ف: سبحان اللہ، شیخ ابو یزیدی کا جو مقام تھا وہ ظاہر ہے اسی
 کو شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے ۵
 تو ہم گردن از حکم داور پیچ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو بیچ
 (یعنی تم بھی اللہ کے حکم سے گردن نہ موڑو۔ تاکہ کوئی مخلوق تمہارے حکم سے
 گردن نہ موڑے۔) (مرتب)

شیخ ابو مدینؒ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ان سے میدان میں ملا۔ آپ کے
 ارد گرد شیر اور درندہ پرند موجود تھے اور اپنے احوال کے متعلق آپ سے مشورہ
 کر رہے تھے، اور وہ خشک سالی کا دور تھا۔ آپ ان وحشی جانوروں سے
 کہتے تم فلاں جگہ جاؤ، تم فلاں مقام پر جاؤ، تمہاری روزی وہیں ہے۔ پرندوں
 سے بھی یہی کہتے۔ وہ سب آپ کا حکم مانتے تھے اور جہاں جانے کا حکم دیتے تھے
 وہاں چلے جاتے تھے۔ (الطبقات ج ۱ ص ۱۳۶)

وفات تاریخ وفات نہیں ملی، البتہ حضرت ابو مدین مغربی (متوفی ۵۹۰ھ) نے
 آپ کی زیارت کی ہے، اس لئے قیاس ہے کہ چھٹی یا ساتویں صدی میں وفات ہوئی۔
 رحمۃ اللہ علیہ حرۃ واسعۃ۔

حضرت عدی بن مسافر الاموی رحمۃ اللہ المتوفی ۵۵ھ

نام و نسب نام عدی، والد کا نام مسافر الاموی، اور کینت ابو محمد ہے۔

فضل و کمال آپ طریقہ سلوک کے منجملہ ارکان کے ایک اہم رکن ہیں اور اس کے زبردست عالم ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رُآن کی تعریف فرماتے تھے۔ اور اُن کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اگر نبوت مجاہدہ سے حاصل ہوتی تو شیخ عدی اپنے مجاہدات سے اسکو حاصل کر لیتے۔ (طبقات) آپ نے متعدد شیوخ کی صحبت اختیار کی اور اللہ کی راہ میں کافی مجاہدات کئے۔ آپ نے موصل کے بعض پہاڑوں میں سکونت اختیار کی، جہاں آپ بالکل تنہا تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے اُس ویران جگہ کو آباد و مانوس کر دیا۔ آپ راہ طریقت کے طے کرنے کے بعد کسی سے بھی نہیں ڈرتے تھے۔ اور آپ کی برکت سے کردیوں کی ایک جماعت نے راہ راست کو اختیار کر لیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو طویل عمر عطا فرمائی، تاکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق آپ سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرے۔ آپ خیر (بھلائی) کے معلم تھے اور لوگوں کے انتہائی خیر خواہ تھے، مگر امور دینیہ میں سخت گیر تھے (یعنی منکرات پر نیکہ فرماتے تھے)۔ آپ نے کبھی خرید و فروخت نہیں کی اور نہ دُنیاوی اُمور میں اُبھے۔ آپ کی پہاڑوں میں کھیتی تھی، جس کو کدال سے آپ کوڑتے تھے اور پھر اس میں بیج

ڈالتے تھے۔ پھر (تیار ہونے پر) اُس کو کاٹتے تھے اور اسی سے اپنا گز بسرتے تھے۔

قدر و منزلت

حافظ عبدالقادرؒ کہتے ہیں کہ میں موصل میں آپ کے ساتھ تھا، تو آپ عشاء کی نماز ہمارے ساتھ ادا کرتے تھے، پھر

اُس کے بعد صبح تک آپ کو کوئی نہیں دیکھتا تھا۔ اور جب آپ کسی گاؤں کا رخ کرتے، تو وہاں کے لوگ خواہ مرد ہوں یا عورتیں آپ کی باتیں سننے کے بعد تائب ہو جاتے تھے، مگر جس کو اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق نہ عطا فرمائیں۔

فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے ہمراہ دور راہوں (پادریوں) کے پاس آئے اور اُن سے ملے، تو اُن دونوں نے آپ کی قدم بوسی کی اور آپ سے دعا کی درخواست کی کہ ہم تو صرف آپ کی برکت کی وجہ سے ہیں۔ پھر اُن دونوں نے روٹی اور شہد نکالی تو سب لوگوں نے اُسے کھایا۔ اور میں پہلی بار شیخ کی زیارت کے لئے نکلا، تو ہم سے محبت سے بات کرنے لگے اور حاضرین کو اپنی باتوں سے مانوس فرمانے لگے۔

عزلیت نشینی

آپ کے بارے میں مشہور ہوا کہ آپ کچھ کھاتے نہیں ہیں، تو اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے آپ نے بھرے مجمع میں کچھ

لے کر تناول فرمایا۔ آپ اصلاً بعلبک کے شہر بیت غار کے رہنے والے تھے لیکن آپ جیل ہکاریہ کی طرف منتقل ہو کر بالکل کیسہ ہو گئے اور اپنا ایک ٹھکانہ بنالیا تو شہر والے آپ کی طرف اس طرح مائل ہوئے کہ اسکی نظیر نہیں ملتی، اور اس وقت بہت ہی زیادہ مشہور ہو گئے۔ اور ایک خلق عظیم نے آپ کی اتباع کی۔

آپ کی کرامات اور بزرگی کے نشانات ظاہر و باہر تھے۔ آپ کے مریدوں میں سے ایک مرید نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ مخلوق سے الگ تھک رہ جائے

کرامت

اور کہا، کاش کہ اس جنگل میں پانی ہوتا اور کچھ کھانے کو مل جاتا تو میرے جسم کی توانائی باقی رہتی۔ تو شیخ اٹھے اور وہاں پر جو دو بڑے پتھر پڑے تھے اُن میں سے ایک پر اپنا پاؤں مارا، اُسی دم چشمہ جاری ہو گیا، پھر دوسرے پر پاؤں مارا تو انار کا درخت نمودار ہو گیا، اور آپ نے اُس درخت سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے درخت! ہر روز اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک دن میٹھا انار اور ایک دن ترش انار اس کو دے دیا کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (نفحات الانس ص ۷۷)

ارشادات

فرماتے تھے کہ جب تک تم کو اپنے شیخ کے ساتھ غایت درجہ کا اعتقاد نہ ہوگا اس وقت تک تم کو اس سے فیض حاصل نہ ہوگا۔ فرماتے تھے کہ خوش اخلاق وہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ اس کو بجائے وحشت کے اُنس پیدا ہو پس علماء کی صحبت میں رہے تو ان کی باتوں کو بغور سُنئے۔ اگرچہ اس کا مقام اعلیٰ ہی کیوں نہ ہو۔ اور اہل معرفت کے سامنے سکون و انکسار کے ساتھ بیٹھے۔ اور اہل توحید کے ساتھ تسلیم و انقیاد کو لازم پکڑے۔

فرماتے تھے کہ جب تم دیکھو کہ کسی سے خوارق و کرامات کا ظہور ہو رہا ہے تو اس سے دھوکے میں نہ پڑو، جب تک اس کو امر و نہی کے موقع پر نہ دیکھ لو۔

ف : اس لئے کہ خوارق کا ظہور تو جو گیوں تک سے بھی ہوتا ہے مگر یہ انکی ولایت و مقبولیت کی دلیل نہیں۔ پس کرامت وہی ہوگی جو تبلیغ سنت کے ساتھ مقرون ہو۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جس نے کسی مؤدب سے ادب نہ سیکھا (اس کے باوجود متبع

و مقتدا ہو جائے تو وہ اپنے متبعین کو فاسد کر دے گا۔ اس لئے ایسے شخص کے ساتھ بیٹھنے سے پرہیز کرو، تاکہ اس کی نحوست بمقتاری طرف عود نہ کرے۔ اگرچہ کچھ دنوں بعد ہی سہی۔ ف: اس لئے کہ جب شیخ خود ہی باادب نہیں تو دوسروں کو کیا ادب سکھائے گا۔ پھر اس کی صحبت میں رہنے سے سوائے فساد کے اور کیا ہوگا۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جس نے علم کے سلسلہ میں صرف کلام پر اکتفا کیا اور اسکی حقیقت سے متصف نہ ہوا، تو وہ منقطع ہو گیا۔ اور جس نے بغیر فقہ کے صرف عبادت پر قناعت کیا تو وہ طریق سے خارج ہو گیا۔ اور جس نے فقہ کو بغیر دین کے حاصل کیا تو وہ دھوکے میں پڑ گیا۔ اور جس نے احکام واجبہ پر اقامت اختیار کی تو وہ نجات پا گیا۔ فرماتے تھے کہ توحید باری تعالیٰ کی حقیقت کسی کلام میں سما نہیں سکتی۔ اور اس کی کیفیت کسی دل میں آ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ مثالوں اور شطلوں سے بالاتر ہے۔ ان کی صفات مثل ان کی ذات کے قدیم ہے۔ اپنی صفات میں وہ جسم نہیں ہے۔ وہ اس سے بلند ہے کہ اس کو اپنی ایجاب کردہ و گلاہی ہوئی اشیاء سے تشبیہ دی جائے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ زمین و آسمان میں کوئی اس کے ہم رتبہ نہیں اور ان کے حکم و ارادہ میں کوئی ان کے برابر نہیں۔ عقلوں پر حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثال بیان کرے اور اوہام پر حرام ہے کہ اس کو محدود کرنے کی سعی کرے۔ اسی طرح ظنون کیلئے حرام ہے کہ ان کے متعلق قطعی فیصلہ کرے۔ ضنائر کے لئے حرام ہے کہ اسکی گتہ میں داخل ہو۔ نفوس کے لئے حرام ہے کہ غور و فکر کرے اور افکار کیلئے حرام ہے کہ اس کا احاطہ کرے۔ اور عقول پر حرام ہے کہ اس کا تصور کرے، مگر اسی قدر کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنی ذات کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ یا اپنے رسول کی زبان سے بیان کر دیا ہے۔

فرماتے تھے کہ ہمارے طریقہ کے سالکین کا اولین فریضہ یہ ہے کہ جھوٹے دعووں کو ترک کریں۔ اور سچے معافی و حقائق کا انخار کریں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اس لئے کہ معافی صادقہ انوار ہیں۔ پس جب یکے بعد دیگرے قلب عبد میں نور آئیں گے تو وہ مستقر و متمکن ہوتے جائیں گے۔ اور اس کی استعداد قوی ہوتی جائے گی۔ پس جب معنی اول کو ظاہر کیا تو اس کا نور اولاً نکل گیا۔ پھر جب دوسرا معنی ظاہر کیا تو اس کا نور بھی نکل گیا۔ ایسے ہی یکے بعد دیگرے سب انوار رخصت ہوتے جائیں گے۔ جس کی وجہ سے اس کا قدم طریق میں جم نہ سکے گا۔ واللہ اعلم۔

(طبقات ص ۳۱)

وفات

آپ کی وفات ۵۵۵ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

(طبقات ص ۱۳۴)

حضرت الشیخ علی بن حبیب سنجاری رحمۃ اللہ علیہ

تعارف

سنجار اور اس کے اطراف و جوانب کے علاقوں میں آپ کو مریدین کی تربیت کا خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ اکابر کی ایک جماعت نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ مثلاً شیخ سوید سنجاری، شیخ ابو بکر جاری اور شیخ سعد آپ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ کے چالیس مریدین تھے جو سب کے سب اصحاب احوال رفیعہ تھے۔

فضل و کمال

آپ کہتے ہیں کہ میں نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کے بعد علم کی تحصیل میں مصروف ہوا۔ میں جنگل کے اندر ایک مسجد میں عبادت میں مصروف رہا کرتا تھا۔ اسی دوران جبکہ میں ایک شب سو رہا تھا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اے علی! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ یہ ٹوپی تمہیں پہناؤں، اور آپ نے اپنی آستین سے ٹوپی نکال کر مجھے پہنادی۔ چند دنوں کے بعد میرے پاس خضر علیہ السلام تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا، اے علی! لوگوں کے پاس جاؤ تا کہ وہ تم سے نفع حاصل کریں۔ لیکن میں اپنے عمل پر جا رہا۔ پھر میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خواب میں زیارت کی۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی مجھ سے وہی فرمایا جو حضرت خضرؑ کہہ چکے تھے۔ میں بیدار ہوا۔ اور اپنے ذکر و شغل پر استقلال سے ڈٹا رہا۔ پھر تیسری

رات میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے بھی مجھ سے وہی فرمایا جو حضرت صدیقؓ نے کہا تھا۔ میں بیدار ہوا اور وہاں سے جانے کا عزیمت مصمم کر لیا۔ اور جب اسی رات کے آخری حصہ میں سویا تو اللہ جل جلالہ کی زیارت پر عظمت سے مشرف ہوا۔ اللہ عز و جل نے مجھ سے ارشاد فرمایا اے میرے بندے! میں نے تجھے اپنی زمین میں اپنا برگزیدہ بنایا اور تیرے جمیع احوال میں اپنی روح کے ذریعہ تیری تائید و نصرت کی اور اپنی مخلوق کے لئے تجھے رحمت بنایا۔ اب ان کے پاس جا اور جو حکمتیں میں نے تجھے سکھائی ہیں انکے ذریعہ ان کے درمیان حکمرانی کر (فیصلے کر) اور جن نشانیوں کے ذریعہ میں نے تیری مدد و نصرت کی ہے ان کے درمیان ظاہر کر۔ میں بیدار ہوا اور لوگوں کے پاس گیا تو لوگ ہر جانب و ہر سمت سے میری طرف دوڑتے ہوئے آئے۔

ف: اللہ کی طرف سے جب عزت و وجاہت آسمان سے نازل ہوتی ہے تو اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ اسی کو موفق من اللہ کہا جاتا ہے۔

وفات | آپ نے بخارہی میں اپنے حبیب جل جلالہ کی پکار پر لبیک کہا اور وہیں آپ کی قبر زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ (طبقات ج ۱ ص ۱۳۷)

تاریخ وفات کی تعیین کتابوں میں نہیں ہے۔ تو سر اللہ مرقدا۔

حضرت شیخ ابو محمد ماجد کرمدی علیہ السلام

تعارف | آپ شیخ عراق کے سرداروں، مقربین کے صدر یتیموں اور محققین اماموں میں سے ایک امام تھے۔ آپ کے احترام و تعظیم پر مشائخ کا اجماع ہے۔

ارشادات | آپ فرماتے تھے کہ طالبین کے قلوب اللہ عزوجل کے نور سے منور ہوتے ہیں۔ جب قلب میں شوق ابھرتا ہے تو زمین و آسمان کے درمیان کی تمام چیزیں

منور ہو جاتی ہیں۔ اس وقت اللہ عزوجل فرشتوں کے سامنے ان حضرات پر فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم لوگ گواہ رہو، بلاشبہ میں بھی ان کا مشتاق ہوں۔

ف؛ کیا خوب ارشاد ہے جو صاحب باطن ہی کہہ سکتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی تسبیح و تقدیس کی خبر دینے والے ملائکہ پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم لوگ تو کہہ رہے تھے کہ یہ لوگ فساد و خوریزی کریں گے

میں نے کہا تھا اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) تو دیکھو تم ہی لوگ ان بندوں کے متعلق خبر دے رہے ہو کہ وہ زمین پر آپ

کی حمد و ثنا کر رہے تھے۔ اسی طرح کا معاملہ یہاں پر بھی ہے کہ فرشتوں کو اللہ نے نور سے پیدا فرمایا ہے اور یہ بنی آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں مگر اپنی ریاضت و عبادت سے اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان کے قلوب منور ہو گئے، جس سے زمین

و آسمان کے درمیان روشنی ہی روشنی ہو گئی۔ تو یہ کتنے کمال کی بات ہے کہ خاکی مخلوق کے اندر نوری مخلوق کی صفات پیدا ہو گئیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ

ملائکہ کے روبرو ایسے بندوں پر فخر فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو اس نور سے منور فرمائے۔ اور ہم کو اپنی لقا کا مشتاق بنائے اور اللہ تعالیٰ

ہماری لقار کا مشتاق ہو جائے۔ آمین! (مرتب)
 فرماتے تھے کہ آدمی کے لئے اتنا علم کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے
 اور اس کے حمل کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ خود پسندی کے مرض میں مبتلا ہو۔ اور
 خود پسندی حماقت کا فضلہ ہے کہ جس سے عیب والا اپنے عیوب پر پردہ ڈالنا
 چاہتا ہے، لیکن عیوب چھپتے نہیں ہیں۔

حکومت | ایک شخص جو تنہا سا بان سفر کے بغیر بلا کسی ہمسفر کے حج کو جا رہا تھا، شیخ
 سے الوداعی ملاقات کیلئے آیا تو شیخ نے اسے ایک مشکیزہ نکال کر دیا اور فرمایا
 کہ جب تم وضو کرنا چاہو گے تو اس میں سے پانی نکلے گا۔ اور اگر پیاس لگے گی
 تو اس میں دودھ موجود پائے گا اور اگر بھوک محسوس ہوگی تو اس میں ستو لے گا
 اس کے بعد عراق کے حرمین پہاڑ سے مکہ مکرمہ تک پھر حجاز سے واپس عراق تک
 کے طویل سفر، مزید حجاز کے قیام کے دوران اس شخص کو جب وضو کرنا ہوتا تو
 اس میں سے کھار پانی نکلتا، جب کچھ پینے کی ضرورت محسوس ہوتی تو اس میں
 میٹھا پانی ہوتا، اور جب کھانے کو دل چاہتا تو اس میں دودھ شہد اور شکر
 سے زیادہ میٹھا ستوتا۔

وفات | یہ شیخ کی کرامت تھی جو بالکل حق اور صواب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
 معجزہ کا پرتو ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت متابعت کرتا ہے
 تو اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں اسے کرامات سے مشرف فرماتے ہیں۔ (مرتب)

وفات | سرزمین عراق میں واقع جبال حرمین کو آپ نے وطن بنایا اور آخری دم
 وہیں رہے۔ ۵۹۱ھ میں آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کی۔ آپ کی قبر موجود ہے
 اور زائرین زیارت کیلئے وہاں جلتے ہیں۔ (طبقات ص ۱۲۲)

سیرِ حلقہ سلسلہ قادریہ

حضرت شیخ المیشائخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ

نام و نسب نام عبد القادر، لقب محی الدین، کینت ابو محمد، والد کا نام ابو صلح عبداللہ، والدہ کا نام ام الخیر فاطمہ۔ آپ اہل بیت میں کامل ولی اور سادات حسینہ میں بڑی بزرگی کے مالک ہیں۔ نسبى اعتبار سے آپ حضرت حسن بن علیؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ قصیدہ "بلی" کی طرف جسے جیلان یا گیلان بھی کہتے ہیں آپ کی نسبت ہے۔

ولادت : آپ کی ولادت ۳۷۰ھ میں ہوئی۔

ابتدائی حالات ۳۸۰ھ میں جبکہ آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی آپ بغداد میں تشریف لائے اور اُس وقت کے شیوخ، امّہ، بزرگان دین اور محدثین کی خدمت کا قصد فرمایا۔ اول قرآن کریم کو روایت درایت اور تجوید و قرأت کے اسرار و رموز کے ساتھ حاصل کیا۔ اور زمانہ کے بڑے محدثین اور اہل فضل و کمال و مستند علماء کرام سے سماع حدیث فرما کر علوم کی تکمیل فرمائی حتیٰ کہ تمام اصولی فروعی مذہبی اور اختلافی علوم میں علماء بغداد سے ہی نہیں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے علماء سے سبقت لے گئے۔ اور آپ کو تمام علماء پر فوقیت حاصل ہو گئی اور سب نے آپ کو اپنا مرجع بنا لیا۔ (اخبار الانبیاء ص ۳۱)

عہ جیلان یا گیلان کو دہلی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایران کے شمالی مغربی حصہ کا ایک صوبہ ہے۔ اس کے شمال میں روسی سرزمین تالیس واقع ہے، جنوب میں بزرگ کا پہاڑی سلسلہ ہے جو اس کو آذربائیجان اور عراقِ عجم سے علیحدہ کرتا ہے۔ جنوب میں بازنطین کا مشرقی حصہ ہے اور شمال میں بحرِ قرہ وین کا مغربی حصہ، وہ ایران کے بہت خوبصورت علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔ (دائرة المعارف) (تاریخ دعوت و علمیت)

اساتذہ | آپ کے اساتذہ میں ابو الوفاء، ابن عقیل، محمد بن الحسن الباقی، ابو
ابوزکریا تبریزی جیسے نامور علماء و ائمہ فن کا نام نظر آتا ہے۔ طریقت
کی تعلیم شیخ ابو الخیر حماد بن مسلم الدباس سے حاصل کی۔ اور قاضی ابو سعید محرمی سے
تکمیل کی اور اجازت حاصل کی۔ (تاریخ دعوت و عربیت ص ۱۹)

آپ کے صدق گوئی کی برکت | آپ اپنی والدہ کے پاس آئے اور اُن
سے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں
حصول علم کے لئے بغداد جاؤں اور تحصیل علم کروں، وہاں بزرگوں کی خدمت میں
جاؤں۔ والدہ محترمہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں؟ میں نے
اپنا مقصد بتا دیا۔ وہ سن کر رونے لگیں، پھر اٹھ کر گئیں اور اسٹی دینار نکال کر لائیں
اور مجھ سے کہا یہ تمہارے والد کی میراث ہیں، چالیس دینار تو تمہارے بڑے
بھائی کے ہیں اور وہ انھوں نے نکال لئے، باقی چالیس دینار میرے جامہ بغل
کے نیچے سی دیئے اور مجھ کو سفر کی اجازت دے دی اور مجھ سے عہد لیا کہ ہر حال
میں بیچ بولوں گا۔ وہ مجھے رخصت کرنے کے لئے دروازے تک تشریف لائیں اور فرمایا
کہ لے فرزند! جاؤ، اللہ کے لئے میں تم سے تعلق منقطع کرتی ہوں۔ اب قیامت
تک میری تمہاری ملاقات نہیں ہو سکے گی۔

میں نے ایک چھوٹے سے قافلہ کے ساتھ گیلان سے بغداد کی طرف سفر شروع کیا
ہم لوگ جب ہمدان سے آگے بڑھے تو ساٹھ سواروں کا ایک گروہ کمیں گاہ سے
نکل آیا اور انھوں نے ہمارے قافلے کو گھیر لیا۔ وہ لوگ لوٹ مار کرتے رہے، لیکن مجھ
سے کسی نے تعرض نہ کیا۔ آخر میں ایک ڈاکو نے مجھ سے کہا کہ اے فقیر! میرے پاس
کیا ہے؟ میں نے کہا، میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ اُس نے پوچھا، کہاں ہیں؟

میں نے کہا کہ میرے کپڑے میں میری بغل کے نیچے سے ہوئے ہیں۔ وہ یہ سمجھا کہ میں بلی نہی
تقریباً گم رہا ہوں، وہ مجھے چھوڑ کر دوسرے شخص کے پاس چلا گیا۔ پھر دوسرا ڈاکو آیا،
اُس نے بھی یہی سوال کیا اور میں نے پھر وہی جواب دیا، وہ بھی میری بات کو ہنسی سمجھا
جب وہ دونوں اپنے سردار کے پاس گئے تو مجھ سے جو سنا تھا اُس سے کہا، ڈاکوؤں
کے سردار نے مجھ کو بلایا اور مجھے اُس ٹیلہ پر لے گئے جہاں لوٹ کا مال تقسیم ہو رہا تھا،
اُس نے مجھے دیکھ کر مجھ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ میں نے کہا، ہاں ایسے
پاس چالیس دینار ہیں۔ پوچھا، وہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا، وہ میری بغل کے نیچے
کپڑے میں سے ہوئے ہیں۔ تب اُس کے حکم سے میرا لباس پھاڑا گیا، تو جیسا میں نے
کہا تھا ویسا ہی پایا (چالیس دینار وہاں سے نکلے)۔

سردار نے مجھ سے کہا، ایسی کیا وجہ تھی کہ تم نے اس مال کا اقرار کیا؟ میں نے
کہا، میری والدہ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ سچ بولنا، اس لئے میں نے اُس عہد میں
خیانت نہیں کی (اور سچ بات تم کو بتادی)۔ یہ سن کر وہ سردار رونے لگا کہ (افسوس!)
میں اتنی مدت سے اپنے پروردگار سے خیانت کرتا رہا ہوں۔ پھر اُس سردار نے میرے
ہاتھ پر توبہ کی۔ یہ دیکھ کر اُس کے ساتھیوں نے کہا کہ تم اس لوٹ مار میں بھی سردار
تھے، اب اس توبہ میں بھی ہمارے سردار ہو، چنانچہ سب نے میرے ہاتھ پر توبہ کی
اور قافلہ والوں کا جو سامان لوٹا تھا سب ان کو واپس کر دیا۔ یہ لوگ توبہ کرنے
والوں میں سب سے پہلے لوگ تھے۔

اصلاح و ارشاد اور رجوع عام | ظاہری و باطنی تکمیل کے بعد اصلاح
دارشاد کی طرف متوجہ ہوئے مسند
درس اور مسند ارشاد کو بیک وقت زینت دی۔ اپنے استاد و شیخ شیخ محمد جی کے

مدرسہ میں تدریس اور وعظ کا سلسلہ شروع کیا، بہت جلد مدرسہ کی توسیع کی ضرورت پیش آگئی۔ مخلصین نے عمارت میں اضافہ کر کے اسکو آپ کی مجالس کے قابل بنادیا۔ لوگوں کا استقامت و ہجوم ہوا کہ مدرسہ میں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ سارا بغداد آپ کے مواعظ پر ٹوٹ پڑا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی وجاہت و قبولیت عطا فرمائی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہیں۔

شیخ موفق الدین ابن قدامہ صاحب ”مغنی“ کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو آپ سے بڑھ کر دین کی وجہ سے تعظیم ہوتے نہیں دیکھی۔ بادشاہ اور وزیر آپ کی مجالس میں نیاز مندانہ حاضر ہوتے اور ادب سے بیٹھ جاتے۔ علماء و فقہاء کا کچھ شمار نہ تھا۔ ایک ایک مجلس میں چار چار سو دوا تیس شمار کی گئی ہیں جو آپ کے ارشادات قلب بند کرنے کے لئے لائی جاتیں۔

محکمہ اخلاق | بایں رفعت و منزلت حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ایک بچہ اور ایک لڑکی بھی بات کرنے لگتی تو کھڑے ہو کر سنتے اور اس کا کام کرتے، غریبوں اور فقراء کے پاس بیٹھتے اور ان کے کپڑوں کو صاف کرتے، جوں نکالتے۔ لیکن اس کے برخلاف کسی معزز آدمی اور ارکان سلطنت کی تعظیم میں کھڑے نہ ہوتے۔ خلیفہ کی آمد ہوتی تو قصداً دولت خانہ میں تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ خلیفہ آکر بیٹھ جاتا، پھر براہ آمد ہوتے تاکہ تعظیماً کھڑا نہ ہونا پڑے۔ کبھی کسی سلطان کے دروازہ پر نہیں گئے۔

مردہ دلوں کی مسیحائی | سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامت کی کثرت پر مورخین کا اتفاق ہے۔ شیخ الاسلام عز الدین بن عبدالسلام اور امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ شیخ کی کرامات حد تو اترا کو پہنچ گئی ہیں ان میں سب سے بڑی کرامت ”مردہ دلوں کی مسیحائی“ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے

قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی ایمانی زندگی عطا فرمائی، آپ کا وجود اسلام کے لئے ایک باد بہاری تھا، جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی جان ڈال دی، اور عالم اسلام میں ایمان و روحانیت کی ایک نئی لہر پیدا کر دی۔ شیخ عمر کیسانی کہتے ہیں کہ کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہودی اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں۔ اور رہن، خونی اور جرائم پیشہ توبہ سے مشرف نہ ہوتے ہوں، فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں۔

جبانی کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت شیخ نے ایک روز فرمایا کہ میری تمنا ہوتی ہے کہ زمانہ سابق کی طرح صحراؤں اور جنگلوں میں رہوں، نہ مخلوق مجھے دیکھے نہ میں اُس کو دیکھوں، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودی اور عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں۔ عیاروں اور جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک لاکھ سے زائد توبہ کر چکے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔

مورخین کا بیان ہے کہ بغداد کی آبادی کا بڑا حصہ حضرت کے ہاتھ پر توبہ سے مشرف ہوا، اور بکثرت یہودی، عیسائی اور اہل ذمہ سلمان ہوئے۔ (تاریخ دعوت و تربیت) ^{۲۰۲}

اعلیٰ مراتب ولایت پر فائز ہونے اور نفوس تعلیمی مشاغل و خدمات

و اخلاق کی اصلاح و تربیت میں ہمہ تن مشغول ہونے کے ساتھ آپ درس و تدریس، افتاء اور تصحیح اعتقاد اور مذہب اہل سنت کی نصرت و حمایت سے غافل نہ تھے۔ عقائد و اصول میں امام احمد اور محدثین کے مسلک پر تھے۔ مذہب اہل سنت اور سلف کے مسلک کو

عہ جلاء العینین ص ۱۳۱ سے وہ قلائد الجواہر و مختلف کتب تذکرہ (تاریخ دعوت و تربیت)

آپ سے بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ اور اس کے مقابلہ میں اعتقادی و عملی بدعات کا بازار سرد ہو گیا۔ ابن السمعانی کہتے ہیں کہ متبعین سنت کی شان آپ کی وجہ سے بڑھ گئی اور ان کا پیرا بھاری ہو گیا۔

مدرسہ میں ایک سبق تفسیر کا، ایک حدیث کا، ایک فقہ کا اور ایک اختلافات ائمہ اور اُن کے دلائل کا پڑھاتے تھے۔ صبح شام تفسیر، حدیث، فقہ، مذاہب ائمہ، اصول فقہ اور نحو کے اسباق ہوتے۔ ظہر کے بعد تجوید کی تعلیم ہوتی۔ اس کے علاوہ افتاء کی مشغولیت تھی۔ بالعموم مذہب شافعی اور مذہب حنبلی کے مطابق فتویٰ دیتے۔ علماء عراق آپ کے فتاویٰ سے بڑے متعجب ہوتے اور بڑی تعریف کرتے۔

ایک مرتبہ استقار آیا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ کوئی ایسی عبادت کرے گا جس میں عبادت کے وقت کوئی دوسرا شریک نہیں ہوگا، اگر اُس نے قسم پوری نہیں کی تو اس کی بیوی کو تین طلاق۔ علماء یہ استقار سن کر حیرت میں پڑ گئے، کہ ایسی کونسی عبادت ہو سکتی ہے جس میں وہ بالکل تنہا ہو اور رُئے زمین پر کوئی شخص بھی اُس وقت وہ عبادت نہ کر رہا ہو۔ حضرت شیخ جکے پاس استقار آیا تو بے تکلف فرمایا کہ مطاف اُس کے لئے خالی کر دیا جائے اور وہ سات چکر کے خانہ کعبہ کا طواف تنہا مکمل کرے۔ علماء نے یہ جواب سن کر بے ساختہ داد تحسین دی اور کہا کہ یہی ایک صورت ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے عبادت کرے اور اپنی قسم پوری کرے۔ اس لئے کہ طواف بیت اللہ پر موقوف ہے اور مطاف اس شخص کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اب اس عبادت میں کہیں بھی شرکت کا امکان نہیں۔ (منقول از دعوت و حریت ص ۲۱)

عہ الطبقات الکبریٰ للشمسانی ص ۱۲۶ و طبقات الخبائہ ابن رجب

استقامت و تحقیق

حضرت شیخ استقامت کا پہلا طبقہ۔ اتباع کامل،

علم را سخ اور تائید غیبی نے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا کہ حق و باطل، نور و ظلمت، الہام صبیح اور کید شیطانی میں پورا امتیاز پیدا ہو گیا تھا۔ آپ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو گئی تھی کہ شریعت محمدی کے احکام اور حلال و حرام میں قیامت تک کیلئے تغیر و تبدل کا امکان نہیں، جو اس کے خلاف دعویٰ کرے وہ شیطان ہے۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بڑی عظیم الشان روشنی ظاہر ہوئی جس سے آسمان کے کنارے بھر گئے، اس سے ایک صورت ظاہر ہوئی، اس نے مجھ سے خطاب کر کے کہا کہ اے عبدالقادر! میں تمھارا رب ہوں، میں نے تمھارے لئے سب محرمات حلال کر دیئے ہیں۔ میں نے کہا، دور ہو مردود! یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت میں بدل گئی اور وہ صورت دھواں بن گئی۔ اور ایک آواز آئی کہ عبدالقادر! خدائے تم کو تمھارے علم و تفقہ کی وجہ سے بچا لیا، ورنہ اس طرح میں ستر صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔ میں نے کہا کہ اللہ کی مہربانی ہے۔

کسی نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کیسے سمجھے کہ یہ شیطان ہے؟ فرمایا، اس کے کہنے سے کہ میں نے حرام چیزوں کو تمھارے لئے حلال کر دیا ہے۔ (دعوت و عزیمت ص ۱۴۴)

ف: یعنی شریعت قیامت تک کیلئے مکمل ہو چکی ہے اسلئے اب تبدیلی ممکن نہیں ہے، تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی کیلئے خاص طور پر حرام چیزوں کو حلال کر دیا جائے۔ اس سے میں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہو سکتا بلکہ ضال و مضل شیطان ہی کا ہو سکتا ہے۔ (مرتب)

یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ اگر حدود الہی (احکام شرعی) میں سے کوئی حد

ٹوٹتی ہو تو سمجھ لو کہ تم فتنہ میں پڑ گئے ہو، اور شیطان تم سے کھیل رہا ہے، فوراً شریعت کی طرف رجوع کرو۔ اس کو مضبوط تھام لو، نفس کی خواہشات کو جواب دو۔ اس لئے کہ ہر وہ حقیقت جس کی شریعت تائید نہیں کرتی، باطل ہے۔

دنیا کی صحیح حیثیت | حضرت شیخ کے یہاں رہبانیت کی تعلیم نہیں، وہ دنیا کے استعمال اور اس سے بقدر ضرورت انقطاع سے منع نہیں فرماتے۔ البتہ اس کی پرستش اور غلامی اور اس سے قلبی تعلق اور عشق سے منع فرماتے ہیں۔ ان کے مواعظ درحقیقت حدیث نبویؐ ”اِنَّ الدُّنْيَا خُلْفَةٌ لَكُمْ وَاَنْتُمْ خُلَفَاءُ لِلْآخِرَةِ“ (دیشک دنیا تمھارے لئے پیدا کی گئی ہے یعنی تمھاری لونڈی ہے) اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ کی تفسیر ہیں۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں:-

”دنیا میں سے اپنا مقصود اس طرح مت کھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور تو کھڑا ہو، بلکہ اس کو بادشاہ کے دروازہ پر اس طرح کھا کہ تو بیٹھا ہو اور وہ طباق اپنے سر پر رکھے ہوئے کھڑی ہو۔ دنیا خدمت کرتی ہے اُس کی جو حق تعالیٰ کے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے، اور جو دنیا کے دروازہ پر کھڑا ہوا ہوتا ہے اس کو ذلیل کرتی ہے۔ کھا حق تعالیٰ کے ساتھ عزت و تونگری کے قلم پر“ (فیوضِ دانی، مجلس ۲۱ ص ۱۲۵)

ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوتا ہے:-

”دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز، کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز، باقی قلب میں رکھنا جائز نہیں (کہ دل سے بھی محبوب سمجھنے لگے) دروازہ پر اس کا کھڑا ہونا جائز،

باقی دروازہ سے آگے گھسنا نہ جائز ہے نہ تیرے لئے عزت ہے۔“

خلفاء اور حکام وقت پر تنقید

حضرت شیخ و صرف مواعظ، پند و نصیحت اور ترغیب و تشویق ہی

پر اکتفا نہیں فرماتے تھے، بلکہ جہاں ضرورت سمجھتے تھے بڑی صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے۔ حکام و سلاطین اور اور خلیفہ وقت پر بھی تنقید اور ان کے غلط افعال اور فیصلوں کی مذمت سے بھی باز نہیں رہتے تھے۔ اور اس بارے میں کسی کی وجاہت اور اثر و نفوذ کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:-

کان یا امر بالمعروف وینہی عن المنکر للخلفاء والوزراء والسلاطین، قضاة او خواص وعوام سب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے اور بڑی صفائی اور جرأت کے ساتھ ان کو بھرپور مجمع میں اور برسر منبر علی الاعلان ٹوک دیتے (اسی طرح) جو کسی ظالم کو حاکم بناتا اس پر اعتراض کرتے اور خدا کے معاملہ میں کسی طامت کرنے والے کی لومۃ لائتم۔ (قلائد الجواہر ص ۳۶۳)

صاحب ”قلائد الجواہر“ لکھتے ہیں کہ جب خلیفہ مقتدی لارائشہ نے قاضی ابو الوفاء یحییٰ بن سعید بن یحییٰ بن المظفر کو قاضی بنایا جو ابن المرجم الظالم کے لقب سے مشہور تھا تو حضرتؒ نے برسر منبر خلیفہ کو مخاطب کر کے فرمایا:-

ولیت علی المسلمین اظلم تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو
الظالمین ما جو ابك خدا حاکم بنایا ہے جو اظلم الظالمین ہے، کل کو
عند رب العالمین ارحم قیامت کے دن تم اُس رب العالمین کو جو
الراحمین۔ ارحم الراحمین ہے، کیا جواب دو گے؟

مورخ موصوف کا بیان ہے کہ خلیفہ یہ سن کر لرزہ بر اندام ہو گیا اور اس پر
گریہ طاری ہو گیا اور اُس نے اُسی وقت قاضی کو اُس عمدہ سے ہٹا دیا۔

حضرت شیخ اُن ”در باری سرکاری“
علماء و مشائخ پر تردید و تنبیہ علماء اور مشائخ کی بھی پُر زور

تردید اور پردہ درمی فرماتے تھے جنہوں نے سلاطین اور ناخدا ترس حکام کی محض
اختیار کی تھی اور ان کی ہاں میں ہاں ملانا اُن کا شعار تھا، جن کی وجہ سے ان سلاطین
وحکام کو زیادہ جرأت اور بے خوفی پیدا ہو گئی تھی۔ ایک موقع پر اسی طبقہ کو
خطاب کر کے فرماتے ہیں:-

”اے علم و عمل میں خیانت کرنے والو! تم کو ان سے کیا نسبت، اے
اللہ اور اس کے رسول کے دشمنو! اے بندگانِ خدا کے ڈاکو! تم کھلے ظلم
اور کھلے نفاق میں (مبتلا) ہو، یہ نفاق کب تک لپے گا؟ اے عالمو، اور اے
زاہدو! شاہان و سلاطین کے لئے کب تک منافق بنے رہو گے کہ اُن سے
دنیا کا زرو مال اور اس کی شہوات و لذات لیتے رہو؟ تم اور اکثر بادشاہ
اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے مال اور اُس کے بندوں کے متعلق ظالم اور
خائن بنے ہوئے ہو۔ بار اہبا! منافقوں کی شوکت تو طوڑے اور ان کو
ذلیل فرما، یا ان کو توبہ کی توفیق دے، اور ظالموں کا قلع قمع فرما۔ اور زمین

ان سے پاک کر دے، یا ان کی اصلاح فرما۔ (فیض یزدانی، مجلس ۱۵ ص ۳۳۳)
 ایک دوسرے موقع پر اسی طبقہ کے ایک فرد کو اپنا مخاطب بناتے ہوئے فرماتے ہیں:-
 ”تجھے شرم نہیں آتی کہ تیری حرص نے تجھ کو ظالموں کی خدمتگاری
 اور حرام خوری پر آمادہ کر دیا۔ تو کب تک حرام کھاتا اور دنیا کے ان (ظالم)
 بادشاہوں کا خدمت گار بن رہا ہے گا۔ جن کی خدمت میں لگا ہوا ہے انکی
 بادشاہت غمگین مٹ جائے گی۔ اور تجھے حق تعالیٰ کی خدمت میں
 آنا پڑے گا، جس کی ذات کو کبھی زوال نہیں۔“ (دعوت وعزیت ص ۱۲)

دین کیلئے دلسوزی اور فکر مندی

حضرت شیخ رحمہ اللہ دینی اور اخلاقی انحطاط
 کو (جس کا سب سے بڑا مرکز خود بغداد
 تھا) دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے۔ اور عالم اسلام میں جو ایک عام دینی زوال رونما تھا
 اُس کے آثار دیکھ کر اُن کے سینہ میں حمیت اسلامی اور غیرت دینی کا جوش اُٹھتا تھا
 وہ اپنے اس قلبی احساس اور درد کو بعض اوقات چھپا نہیں سکتے، اور یہ دریا اُنکے
 خطبات اور مواظف میں اُمنڈا آتا ہے۔

ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:-

”جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے درپے
 گر رہی ہیں اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہے۔ اے باشندگان زمین آؤ اور جو گر گیا ہے
 اس کو مضبوط کر دیں اور جو ڈھے گیا ہے اس کو درست کر دیں۔ یہ چیز ایک سے
 پوری نہیں ہو سکتی سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہئے۔ اے سورج! اے چاند!
 اور اے دن! تم سب آؤ۔“

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:-

اسلام رو رہا ہے اور ان فاسقوں اور بدعتیوں، گمراہوں، مکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں (کے ظلم) سے جو ان میں موجود نہیں ہیں اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد کر رہا ہے۔ اپنے متقدمین اور فطر کے سامنے والوں کی طرف غور کرو کہ امر و نہی بھی کرتے تھے، کھاتے پیتے بھی تھے (اور دفعۃً انتقال پا کر ایسے ہو گئے) گویا ہوئے ہی نہ تھے۔ تیرا دل کس قدر سخت ہے؟ کتنا بھی شکار کرنے اور کھیتی اور مویشی کی نگہبانی اور مالک کی حفاظت کرنے میں اپنے مالک کی خیر خواہی کرتا ہے اور اسے دیکھ کر (خوشی کے مارے) کھلاریاں کرتا ہے، حالانکہ اس کو شام کے وقت صرف دو لقمے یا ذرا سی مقدار کھانا دیا کرتا ہے۔ اور تو ہر وقت اللہ کی قسم قسم کی نعمتیں شکم سیر ہو کر کھاتا رہتا ہے مگر ان نعمتوں کے دینے سے جو اس کو مقصود ہے نہ تو اس کو پورا کرتا اور نہ اس کا حق ادا کرتا ہے (بلکہ اس کے برعکس) اس کا حکم رد کرتا ہے اور اس کی حدود و سرایت کی حفاظت نہیں کرتا۔ (دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۲۱۸)

بیعت و تربیت | ان پر تاثیر اور انقلاب آفریں مواعظ سے اگرچہ اہل بغداد کو عظیم الشان روحانی اور اخلاقی نفع پہنچا اور ہزار ہا انسانوں کی زندگی میں اس سے تبدیلی پیدا ہو گئی، لیکن زندگی کے گہرے تغیرات، ہمہ گیر اصلاح اور مستقل تربیت کے لئے صاحب دعوت سے مستقل اور گہرے تعلق اور مسلسل اصلاح و تربیت کی ضرورت تھی، مجالس دعوت و ارشاد مدارس کی طرح منضبط اور مستقل تربیت گاہیں نہیں ہوتیں جہاں طالبین کی تسلسلہ انضباط کے ساتھ تعلیم و تربیت اور نگرانی کی جائے۔ ان مجالس کے شرکاء و سامعین آزاد ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ وعظ سن کر چلے جائیں، پھر کبھی نہ آئیں۔ یا ہمیشہ آتے رہیں لیکن

اپنی حالت پر قائم رہیں اور اُن کی زندگی میں بدستور بڑے بڑے خلاء اور دینی و اخلاقی شکاف باقی رہیں۔

بیعت کی ضرورت | ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نظم و ضبط اور نئے عہدے سے حرکت و عمل پیدا کرنے کیلئے

اسکے علاوہ کیا مشکل تھی کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت کے طریقہ پر ایمان و عمل اور اتباع و سرِ ولایت کیلئے بیعت لے اور مسلمان اُسکے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں، اور پھر وہ نائبِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اُنکی دینی نگرانی اور تربیت کرے، اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلہٴ محبت، اپنی استقامت اور اپنے نفسِ گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمیِ محبت، خلوص و لہیت، جذبہٴ اتباعِ سنت اور شوقِ آخرت پیدا کر دے۔ اُن کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک زندگی سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے۔ اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے۔ دوسری طرف وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے اور اس محبت و اعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہو گیا ہے،

پھر اپنے تجربہ و اجتہاد اور کتاب و سنت کے اصول و تعلیمات کے مطابق اُن میں صحیح روحانیت و تقویٰ اور اُن کی زندگی میں ایمان و احتساب و اخلاص اور اُن کے اعمال و عبادات میں کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ یہی حقیقت ہے اس بیعت و تربیت کی، جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء و تجدید دین اور اصلاحِ مسلمین کا کام لیا ہے۔ اور لاکھوں بندگانِ خدا کو ”حقیقتِ ایمان اور درجہٴ احسان“ تک پہنچا دیا ہے۔ اس سلسلہٴ زیریں کے سرِ حلقہ

اور کل سربسید حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کا نام اور کام اس ”طب نبوی“ کی تاریخ میں سب سے زیادہ روشن اور نمایاں ہے۔ الفاظ و اصطلاحات اور علمی بحثوں سے الگ ہو کر اگر واقعات و حقائق پر بنیاد رکھی جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس دور انتشار میں (جو ابھی تک قائم ہے) اصلاح و تربیت کا اس سے زیادہ سہل اور عمومی اور اس سے زیادہ مؤثر اور کارگر ذریعہ نہیں ہو سکتا تھا۔

ف: حضرت مولانا ندویؒ نے کیسی حقیقت و انصاف کی بات ارشاد فرمائی: فجر اہم اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

حضرت شیخ سے پہلے دین کے داعیوں اور مخلص خادموں نے اس راستہ سے کام کیا ہے اور ان کی تاریخ محفوظ ہے۔ لیکن حضرت شیخؒ نے اپنی محبوب و دلاویز شخصیت، خداداد روحانی کمالات، فطری علو استعداد اور ملکہ اجتہاد سے اس طریقہ کو نئی زندگی بخشی۔ وہ نہ صرف اس سلسلہ کے نامور امام اور ایک مشہور سلسلہ (قادریہ) کے بانی ہیں بلکہ اس فن کی نئی تدوین و ترتیب کا سرِ آب ہی کے سر ہے۔ آپ سے پہلے وہ اتنا ندون و مرتب اور مکمل و منضبط نہ تھا، نہ اس میں اتنی عمومیت اور وسعت ہوئی تھی جتنی آپ کی مقبولیت اور عظمت کی وجہ سے پیدا ہو گئی۔ آپ کی زندگی میں لاکھوں انسان اس طریقہ سے فائدہ اٹھا کر ایمان کی حلاوت سے آشنا اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ ہوئے، اور آپ کے بعد آپ کے مخلص خلفاء اور با عظمت اہل سلسلہ نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوت الی اللہ اور تجدیدِ ایمان کا یہ سلسلہ جاری رکھا، جن سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ یمن، حضرموت اور ہندوستان میں پھر حضرمی مشائخ و تجار کے ذریعہ جاوہ اور سسٹرائیں اور

دوسری طرف افریقہ کے براعظم میں لاکھوں آدمیوں کی تمکین ایمان اور لاکھوں غلاموں کے قبول اسلام کا ذریعہ بنا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وارضاهما وجزاهما عن الاسلام خیر الجزاء۔

زمانہ پیرائٹھ حضرت شیخ کا وجود اس مادیت زدہ زمانہ میں اسلام کا ایک زندہ معجزہ تھا، اور ایک بڑی تائید الہی، آپ کی ذات، آپ کے کمالات، آپ کی تاثیر، اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کی مقبولیت کے آثار اور خلق اللہ میں قبولیت و وجاہت کے کھلے ہوئے مناظر، آپ کے تلامذہ اور تربیت یافتہ اصحاب کے اخلاق اور اُن کی سیرت و زندگی سب اسلام کی صداقت کی دلیل اور اس کی زندگی کا ثبوت تھا، اور اس حقیقت کا اظہار تھا کہ اسلام میں سچی روحانیت تہذیب نفس اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کی سب سے بڑی صلاحیت ہے، اور اس کا خزانہ عامرہ کبھی جواہرات و نادرات سے خالی نہیں۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۲)

مجلس کا حال حکایت منقول ہے کہ آپ کی مجلس وعظ میں چار سو اشخاص قلم دوات لے کر بیٹھتے اور جو سنتے اس کو لکھتے رہتے۔ آپ نے فرمایا کہ شروع زمانہ میں میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ مجھے وعظ کہنے کا حکم فرما رہے ہیں اور میرے منہ میں اُنھوں نے اپنا لعاب دہن ڈالا، پس میرے ابواب سخن کھل گئے۔ (بخاری الاخیار ص ۱۰۷)

توحید، اخلاق اور ماسوی اللہ سے انقطاع کی تعلیم اُس پر نظر رکھو جو

اُس کے سامنے رہو جو تمھارے سامنے رہتا ہے، اُس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے، اُس کی بات مانو جو تم کو بتاتا ہے، اپنا ہاتھ اُسے دو جو تمھیں گنے سے سنبھالے گا

اور تم کو جہل کی تاریکیوں سے نکالے گا اور ہلاکتوں سے بچائے گا، نجاتیں دھوکہ
میل کچیل سے پاک کرے گا۔ کہاں چلے تم، اُس خدا کو چھوڑ کر جو ہر چیز کا پیدا کر نیوالا
ہے اور بنانے والا ہے، اول ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے۔ دلوں کی محبت
روحوں کا اطمینان، گرائیوں سے سُکدوشی، بخشش و احسان، ان سب کا رجوع
اُس کی طرف ہے، اُسی کی طرف سے اس کا صدور ہے۔

ایک دوسری مجلس میں اسی توحید کے مضمون کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:-
”ساری مخلوق عاجز ہے۔ نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا نہ نقصان، بس حق تعالیٰ
اس کو ان کے ہاتھوں کو ادا دیتا ہے۔ اُسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف
فرماتا ہے۔ جو کچھ تیرے لئے مفید ہے یا مضر ہے اس کے متعلق اللہ کے علم میں تسلیم
چل چکا ہے، اُس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ جو متحد اور نیکو کار ہیں وہ باقی مخلوق
پر اللہ کی محبت ہیں۔ بعض انہیں سے ایسے ہیں جو ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے برہمنہ
ہیں، گو دو لہتمند ہیں مگر حق تعالیٰ ان کے اندروں پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا، یہی
قلوب ہیں جو صاف ہیں۔ جو شخص اس پر قادر ہو، اسکو مخلوقات کی
بادشاہت مل گئی۔

بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ماسوی اللہ سے پاک بنایا اور قلب
کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ مخلوقات
میں سے کسی کو بھی اُس میں داخل نہیں ہونے دیتا، اپنے قلب کو مقلب القلوب
سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اُس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے اور توحید
و معرفت باطن کو مہذب بناتی ہیں۔“

معبودان باطل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

”آج تو اعتماد کر رہا ہے اپنے نفس پر، مخلوق پر، اپنے دیناروں پر، اپنے درہموں پر، اپنی خرید و فروخت پر، اپنے شہر کے حاکم پر، ہر چیز جس پر تو اعتماد کرے وہ تیرا معبود ہے، ہر وہ شخص جس سے تو خوف کرے یا توقع رکھے وہ تیرا معبود ہے۔ اور ہر وہ شخص جس پر نفع اور نقصان کے متعلق تیری نظر پڑے اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی اُس کے ہاتھوں اس کا جاری کرنے والا ہے وہ تیرا معبود ہے۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۱۱ ج ۱)

اب ہم ”طبقات کبریٰ“ سے آپ کے ارشادات نقل کرتے ہیں:-

ارشادات

آپ کی والدہ محترمہ جن کا طریق میں ایک ممتاز مقام ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب میرے لڑکے عبدالقادر پیدا ہوئے تو رمضان شریف کے دنوں میں میرا دودھ نہ پیتے تھے۔

آپ فرماتے تھے: جو مسلمان بھی میرے مدرسہ سے گزرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس سے عذاب کو ہٹا کر فرما دیں گے۔

ف: سبحان اللہ، کتنی بشارت ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بات الہام الہی سے ہی بندہ کہہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مدارس کو بھی یہ سعادت

نصیب فرمائے۔ وماذا الا علی اللہ العزیز۔
(مرتب) برکریماں کار ہادشوار نیست

آپ سے دنیا کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ دل سے نکال کر ہاتھ میں لاؤ تو تمہارے لئے ضرر رساں نہیں ہے۔ (معلوم ہوا کہ ہر شے کا ایک محل موضع ہے

اسی میں اس کو رکھنا اصلاح و اصلاح ہے، اور غیر محل میں اس کو رکھنا فساد و افساد ہے شیخ نے متنبہ فرمایا کہ مال کی جگہ ہاتھ وجیب ہے، یکس و صندوق ہے نہ کہ قلب، دل تو خاص تجلّی باریؑ اور انہی کی محبت و معرفت کا مقام ہے۔ اس کو اسی کیسے

خالی رکھنا چاہئے ورنہ قلب موضوع ہو جائیگا۔ مولانا روم فرماتے ہیں
آب اندر زیر کشتی پشتی است آب در کشتی ہلاک کشتی است
(یعنی کشتی کے نیچے پانی حفاظت و قوت کا ذریعہ ہے۔ اور اگر کشتی کے اندر پانی آجائے تو ہلاکت کا سبب ہے) (مرتب)

فرماتے تھے کہ: مخلوق تمہارے نفس کے درمیان حجاب ہے اور تمہارا نفس تمہارے رب کے درمیان حجاب ہے۔ جب تک مخلوق پر نظر رہے گی اپنے نفس کی معرفت تمہیں حاصل نہ ہوگی۔ اور جب تک تمہیں اپنے نفس کی معرفت حاصل نہ ہوگی اپنے رب کی معرفت نصیب نہ ہوگی۔

ف: حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ
یعنی جس نے اپنی معرفت حاصل کی، اُس نے اپنے رب کی معرفت حاصل کر لی۔ (مرتب)

ابوالفتح ہروی فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ عبدالقادرؒ کی چالیس سال خدمت کی تو آپ نے اس پوری مدت میں عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرمائی۔ اور جب بھی آپ کو حدث لاحق ہوتا، وضو فرماتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ آپ عشاء کی نماز کے بعد خلوت میں چلے جاتے تو کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہاں جائے۔ یہاں تک کہ طلوع فجر کے وقت باہر تشریف لاتے۔ ایک مرتبہ خلیفہ وقت آپ سے ملنا چاہتا تھا مگر فجر تک سکو بھی ملنا میسر نہ ہوا۔

شیخ فرماتے تھے کہ صحرائے عراق اور اس کے کھنڈرات میں پچیس سال تنہا گھومتا پھرتا رہا۔ نہ میں کسی کو پہچانتا تھا اور نہ لوگ مجھے پہچانتے تھے۔ میرے پاس غیب کے حضرات و جنات آتے تھے جن کو میں طریق الی اللہ کی تعلیم دیتا تھا۔

ف: سبحان اللہ کتنا عالی مقام تھا کہ حضرات غیب کو دینی تعلیم دیتے تھے۔ (مرتب)

اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ اتباع کرو۔ بدعت سے اجتناب کرو۔ اطاعت کرو۔ مخالفت نہ کرو۔ صبر کرو۔ جزع فرزع نہ کرو۔ ثابت قدم رہو۔ متزلزل نہ رہو۔ امیدوار رہو، ناامید مت ہو۔ ذکر پر جمے رہو، اس سے علیحدگی اختیار نہ کرو۔ گناہوں سے پاک صاف رہو، اس میں ملوث نہ ہو۔ اور اپنے مولیٰ کے در سے جدا والگ نہ ہو۔

ف: سبحان اللہ کیا ہی خوب نصائح ہیں۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ: اپنے نفس سے نکلو اور اس سے جدائی اختیار کرو اپنے ملک سے الگ ہو جاؤ اور اپنی جملہ ملکیت کو اپنے مولا کے سپرد کر دو۔ اپنے قلب کے در کے دربان بن جاؤ۔ پس جس چیز کے داخل کرنے کا حکم دیں اس کو داخل کرو اور جس کو نکالنے کا امر فرمائیں اس کو نکال دو۔ اور اپنے قلب میں ہوائے نفسانی کو گھسنے نہ دو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

ف: اسی حال کی ترجمانی حضرت شیخ المشائخ حاجی امدا اللہ صاحب مہاجر مکی ریول فرما رہے ہیں۔
آسکے غیر مرے خسانہ دل میں کیسے کہ خیال رخ دلدار ہے درباں پنا

اسی کو حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سہ
 نہ کوئی راہ پا جائے نہ کوئی غیر آجائے حریم دل کا احمد اپنے ہر دم یا سبیل ہونا
 فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی شکایت سے اپنے کو بچاؤ جب کہ تم صاحبِ بیت
 عافیت ہو، اس لئے کہ اولاد آدم پر اکثر بلائیں اسی شکایت کی بنا پر نازل
 ہوتی ہیں۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ عنہا۔

فرماتے تھے کہ امراض و شدائد کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مہتر بنایا ہے
 تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے قرب و ہمنشینی کے لائق ہو جاؤ۔ چنانچہ حدیث پاک ہے
 اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ اَلْاَمْثَلُ فَاَلْاَمْثَلُ (یعنی سب سے
 زیادہ صاحبِ بلا، انبیاء ہوتے ہیں، پھر ان کے قریبی۔)

فرماتے تھے کہ دوامِ بلا و لایتِ کبریٰ والوں کی خاص علامت ہے اور
 یہ اس لئے تاکہ ان کو ہمیشہ جناب باری میں حضورِ ی کا شرف حاصل رہے
 اور غیر اللہ کی طرف قطعاً میلان باقی نہ رہے۔ چنانچہ بندے پر بلا و مصیبت
 دائم ہو جاتی ہے تو اس کا قلب قوی ہو جاتا ہے اور اسکی ہولے نفسانی
 کمزور پڑ جاتی ہے۔

ف: سبحان اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ پر بلاؤں اور مصیبتوں کے آنے
 میں بھی کتنی مصاحبتیں و منفعتیں ہیں۔ اسی بنا پر تو اہل اللہ بلا و مصیبت کو
 خوشی خوشی گوارا کرتے ہیں۔ بلکہ گاہے اس کو نعمت سمجھ کر مخطوط و لفظ اندوز
 بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر چیز از دوست می رسد نیکو ست

اسی کو حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سہ
 دوست کی جانب سے جو آئے بلا، وہ بلا ہرگز نہیں، وہ ہے کرم (رحمہ)

فرماتے تھے کہ سزا کے طور پر ابتلا کی علامت یہ ہے کہ مبتلا جزع فزع اور مخلوق سے شکوہ کرتا ہے۔ اور گناہوں کے کفارہ کے لئے جو آزمائش ہوتی ہے اس کی علامت یہ ہے کہ صاحب ابتلا جزع فزع نہیں کرتا اور امتثالِ اوامر اور طاعات کی بجا آوری میں بار محسوس نہیں کرتا۔ اور ارتفاع درجات کے لئے آزمائش میں رضا، موافقت، نفس کی طمانینت اور قضا و قدر سے سکون و اطمینان سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ (طبقات ص ۱۲) (۱)

آپ فرماتے تھے کہ میں نے تمام اعمال کا جائزہ لیا تو مجھ کو کھانا کھانا سب سے افضل معلوم ہوا۔ اس لئے میں تمنا کرتا ہوں کہ ساری دنیا میرے قبضہ میں آجائے اور میں اسے بھوکوں کو کھلا دوں۔

حضرت شیخ سعدی نے گلستاں میں لکھا ہے کہ ایک سال حضرت شیخ حج کے لئے گئے ہوئے تھے۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ حرم کعبہ میں کنکریوں پر پیشانی رکھے ہوئے آپ کہہ رہے تھے کہ اے اللہ! مجھے بخش دے۔ اور اگر میں سزا کا مستحق ہوں تو قیامت کے دن مجھے اندھا اٹھاتا کہ نیکیوں کے روپر و مجھے شرمسار نہ ہونا پڑے۔ اس کے بعد شیخ سعدی نے یہ قطعہ لکھا ہے

روئے برخاک عجز می گویم ہر سحرگر کہ بادی آید
اے کہ ہرگز فرامشت نہ کنم ہیچیت از بندہ یادی آید

(اعیان المجالح ص ۱۲)

(ترجمہ: جب صبح کے وقت باد نسیم چلتی ہے تو میں عجز و انکسار سے زمین پر پیشانی ٹیک کر کہتا ہوں کہ اے اللہ! میں تجھے کبھی نہیں بھولتا کیا تجھے بھی اپنے بندے کی کچھ یاد آتی ہے۔)

ف: غور فرمائیے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے
 (جو خود اصحاب دعوت و عزیمت میں سے ہیں) اپنی شہرہ آفاق کتاب
 ”تاریخ دعوت و عزیمت“ میں جو سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ یا اُن
 جیسے اکابر مصلحین اُمت کا تذکرہ اس قدر تفصیل سے فرمایا ہے اور
 اُن کے پُر تاثیر و پُر درد مواعظ درج فرمائے ہیں، وہ صرف پڑھنے کیلئے
 نہیں، بلکہ اس لئے کہ اپنے اکابر کے دعوت و عزیمت کے علم کے ساتھ
 اپنے اندر اُن کے جیسا ارشاد و صلاح کا وصف اور نسبت مع اللہ کا کمال
 حاصل کر کے اُمت مسلمہ کی اصلاح و تربیت کا عزم و ارادہ کریں۔
 واللہ الموفق۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۱۵۶ھ میں ہوئی۔ اور بغداد میں مدفون ہوئے۔
 مَوْتَراً لِلَّهِ حَقَّقَ دَعَاہُ (طبقات ۱۲۶)

حضرت الشیخ ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب | نام عبدالقادر، دوسرا نام ضیاء الدین ہے۔ والد کا نام عبد اللہ دادا کا نام محمد۔ کنیت ابونجیب ہے۔ آپ اپنے دور کے امام، مفتی، زاہد و عابد اور صوفی، واعظ اور شیخ المشائخ تھے۔ آپ علوم ظاہر و باطن دونوں ہی میں کامل تھے۔ آپ کا نسب بارہویں پشت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ولادت : آپ کی پیدائش تقریباً ۴۹۰ھ میں ہوئی۔

فضل و کمال | آپ ائمہ شافعیہ میں سے ہیں اور صوفیوں کے سردار ہیں۔ اور آپ کے مجاہدات فی السلوک بہت زیادہ ہیں۔ آپ کے مجاہدات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے پہاڑوں کے چکر کاٹے۔ آخر میں آپ نے شیخ حماد دباس کی صحبت اختیار کر لی۔ پھر اللہ کی مخلوق کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اور لوگ آپ کی طرف متوجہ ہونے لگے اور آپ کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہو گئی۔ اور آپ نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اس میں درس و افتاء کا کام انجام دینا شروع کیا۔

ابن نجار فرماتے ہیں کہ آپ کو اتنی زیادہ مقبولیت حاصل ہو گئی تھی کہ اُس وقت کے بادشاہوں نے بھی آپ کی بزرگی کا اعتراف کر لیا تھا۔ ابن نجار کہتے ہیں کہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا، تو میں نے دیکھا کہ وہاں یہ کچھ لوگ چادریں پہنے ہوئے ہیں، تو میں نے آپ سے کہا کہ مجھے بھی کوئی کام

دیکھے، تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا ہاتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنا ہاتھ دکھلایا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہاتھ صرف قلم کے لئے ہے۔ اور مجھ کو ایک لفاظہ دیا اُس میں سونا تھا۔ تو میں نے آپ سے کہا کہ میں صرف اپنی ہجرت ہی لوں گا۔ اس پر آپ نے اپنے ایک خادم سے فرمایا کہ ان کو موسل دید و پھر میں بھی اُن لوگوں کے ساتھ کام کرنے لگا اور آپ مجھ کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایک گھنٹہ کام کیا، اس کے بعد آپ نے مجھ کو بلایا اور سونا دیا، اور فرمایا یہ تمہاری ہجرت ہے۔ تو میں نے اُس کو لے لیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں حصول علم کا شوق پیدا فرمایا اور میں تحصیل علم میں مشغول ہو گیا۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۴۶)

بیعت و خلافت

آپ کو حضرت سیدنا عبد القادر جیلانیؒ سے کمال درجہ عقیدت تھی۔ لیکن آپ کے مرشد روحانی احمد غفر الیہ (المتوفی ۵۲۷ھ) تھے۔ اور آپ کو اجازت حضرت شیخ قاضی وجیہ الدین قدس سرہ (المتوفی ۶۶۷ھ) سے تھی۔ (عوارف المعارف ص ۱۷۸)

آپ کا فیض

آپ کے فیض صحبت سے بڑے بڑے اکابر پیدا ہوئے۔ مثلاً شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور شیخ عبد اللہ بن مسعود الرومیؒ وغیرہا۔ آپ کی شہرت سارے عالم میں تھی اور ہر طرف سے آپ کی خدمت میں لوگ آتے تھے۔

ارشادات

فرماتے تھے کہ تصوف کا اول علم اور اس کا وسط علم ہے اور آخر موہبت ہے۔ پس علم مراد کو ظاہر کرتا ہے اور عمل طلب کیلئے معین ہے۔ اور موہبت منتہائے

مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔

ف: سبحان اللہ، کیا ہی خوب حقیقت کو واشگاف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے مواہب سے سرفراز فرمائے۔ آمین! (مرتب)

فرماتے تھے کہ اہل تصوف کے تین طبقے ہیں۔ مرید طالب، متوسط طائر، منتہی واصل۔ پس مرید صاحب وقت ہے، متوسط صاحب حال ہے۔ اور منتہی صاحب یقین ہے۔ آپ نے بغداد میں سکونت فرمائی۔

(طبقات مناج)

آپ فرماتے تھے کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فقر غنا سے افضل ہے، بشرطیکہ وہ رضائے الہی کے ساتھ ہو۔ اگر کوئی حجت کرنے والا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے حجت و دلیل پیش کرے کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے افضل و بہتر ہے۔ تو کہا جائے گا کہ اوپر والا ہاتھ اس لئے افضل ہے کہ اس سے مال نکلتا ہے جس کی وجہ سے وہ فقر کے قریب ہو جاتا ہے اور نیچے کا ہاتھ اس لئے نقصان اٹھاتا ہے کہ اس میں دولت حاصل ہوتی ہے (جس کی وجہ سے وہ غنا کی طرف مائل ہے۔)

البتہ سخاوت و بخشش کو فضیلت دینے میں اس پر دلیل ہے۔ پس جو شخص غنا کو فقر پر اس لئے ترجیح دیتا ہے کہ اس سے خرچ کرنا اور دینا ثابت ہے تو یہ ایسا ہوگا کہ کوئی شخص گناہ کو بندگی پر اس لئے فضیلت دے کہ اس میں توبہ کی فضیلت پائی جاتی ہے۔

ف: ماشاء اللہ، مثال سے خوب واضح فرمادیا۔ (مرتب)

مکرامت | آپ کے ایک مرید نے بیان کیا کہ میں ایک روز شیخ کے ساتھ

بازاریں جارہا تھا۔ ہم ایک قصاب کی دوکان پر پہنچے، وہاں پر ایک بکری کا سر لٹک رہا تھا، شیخ وہاں پر کچھ دیر ٹھہرے رہے، پھر فرمانے لگے کہ یہ بکری کہہ رہی ہے کہ میں مردہ ہوں، مجھے حلال نہیں کیا گیا ہے۔ قصاب یہ بات سننے ہی بیہوش ہو گیا اور گر پڑا۔ جب اس کو ہوش آیا تو اُس نے شیخ کے ہاتھ پر توبہ کی اور شیخ کی بات کی تصدیق کی۔ (نفحات الانس ص ۶۵۳)

طریق مصالحت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ کا طریقہ مصالحت یہ تھا کہ جب کسی درویش کی اپنے بھائیوں کے ساتھ رنجش ہو جاتی تھی تو آپ اس درویش سے فرماتے، اٹھو اور استغفار پڑھو، اسپرہ درویش کہتا کہ میرا باطن صاف نہیں ہے، استغفار کس طرح پڑھوں، تو آپ فرماتے کہ تمہاری کوشش اور صلح کی خاطر قیام سے مکہ صفائی باطن بھی میسر ہو جائیگی۔ (عوارف المعارف ص ۱۵۶)

اہم معمول شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ محترم کا دستور تھا کہ وہ منیٰ کی مسجد خیف میں چکر لگاتے رہتے اور لوگوں کے چہروں کو بغور دیکھا کرتے تھے۔ جب اُن سے اس کا سبب پوچھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بھی بندے ہیں کہ اگر وہ کسی شخص کی طرف نظر بھر کر دیکھ لیں تو وہ سعادت مالا مال ہو جاتے۔ پس میں ایسی ہی نظر کی تلاش میں پھرتا رہتا ہوں۔ (عوارف المعارف ص ۲۱۶)

اصلاح نفس شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ ابو انجیب سہروردیؒ فرماتے تھے کہ میں کوئی چیز نفس کی خواہش پر نہیں کھاتی، بلکہ جب کوئی چیز میرے سامنے آتی ہے تو میں اس کو اللہ کا فضل قرار سمجھ کر اور اس کا خاص فعل سمجھ کر قبول کرتا ہوں۔ (عوارف المعارف ص ۲۱۶)

وفات ”سیر اعلام النبلاء“ کی تحقیق کے مطابق آپ کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی اور صاحب ”نفحات الانس“ نے ۷۸۳ھ لکھا ہے۔ قَوَّسَ اللہُ هَرَقَ دَا۔

حضرت الشیخ ابو عمر عثمان بن مرزوق القرشی رحمۃ اللہ علیہ ۵۶۲ھ

نام و نسب نام عثمان، والد کا نام مرزوق اور کنیت ابو عمرو ہے۔

فضل و کمال آپ مصر کے بڑے مشہور بزرگوں، عارفوں اور سربراہانِ ورہہ لوگوں میں سے تھے۔ اور آپ کا شمار اُس وقت کے اُن علماء میں ہوتا تھا جو صاحبِ تحقیق تھے۔ اور آپ صاحبِ کراماتِ ظاہرہ، احوالِ فاخرہ اور افعالِ خارقہ و انفاصِ صادقہ تھے۔

ف سبحان اللہ، کیسے اوصافِ جمیلہ سے متصف تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان اوصاف سے متصف فرمائے۔ آمین! (مرتب) اور آپ اُن بزرگوں میں سے تھے جو صاحبِ تصانیف و فضل و افتاد ہیں اور آپ امام احمد کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے اور پڑھاتے تھے اور ساتھ ہی مناظرہ بھی کرتے تھے اور کتابیں لکھواتے تھے۔

اور اُس وقت کے تمام علماء و بزرگانِ دین و مشائخ کا آپ کی بڑائی اور احترام پر اجماع تھا۔ اور مختلف فیہ مسائل میں وہ آپ کو حکم بناتے تھے اور آپ کے قول کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ارشادات

آپ فرماتے ہیں کہ جب دلوں کے چمنستان پر سعادت کی ہوا چلتی ہے

اور عنایت کی بجلی کوندتی ہے اور غیب کے بادلوں سے حقائق کی پھواری پڑتی ہیں، تو ان میں قرب محبوب کے شگوفے نکلتے اور نیلِ مطلوب کے پھولوں سے رونق آتی ہے۔ اُس وقت مشاہدہ کی لذت میں ان کو قرب کی ہوا ملتی ہے اور سماع کے ذریعہ سے حضورِ الہی کی جلوہ گرمی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اور ہیبت کی آگ کو اُس وقت دیکھتے ہیں جب محبت کی روشنی اسے سلگاتی ہے، مگر مقام کے ساتھ انس سے غلبہ سرگشتگی کے باعث آنکھیں نیچے کئے نورِ ازل کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ فنا کے قدموں سے وصل کی خلوت میں مسامرت کے بساطِ (فرش) مناجات کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور غلبہ ازل کی قاب میں حدود کے حاشیوں کو لپیٹ دیتے ہیں۔

ف : سبحان اللہ، کیا خوب علوم و معارف ہیں۔ (مترتب) فرماتے تھے کہ تمام مخلوق ذرہ سے لے کر عرش تک اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف لے جانے والے طریقے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی اذلیت پر حجج بالغہ ہیں۔ اور جملہ کائنات انکی وحدانیت کے ساتھ ناطق ہیں۔ اور عالم کل کا کل ایک کتاب ہے جن کے حروف کی قرات اصحاب بصائر اپنی بصیرت کے بقدر کرتے ہیں۔ فرماتے تھے کہ جس کو اپنے نفس کی معرفت حاصل ہو جائیگی تو لوگوں کی تعریف اس کو متغیر نہ کرے گی۔

ف : یعنی اُس کے لئے عجب وغرور کا موجب نہ ہوگی، بلکہ اُس کے ایمان میں اضافہ کر دے گی۔ چنانچہ حدیث پاک ہے :-
اِذَا مُدِّحَ الْمُؤْمِنُ فِي وَجْهِهِ رَبِّيَ الْإِيمَانُ فِي قَلْبِهِ (کثر العمل)

یعنی جب میں نے تعریف اُسکے سامنے کی جاتی ہے تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جملہ وصف و کمال کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے اپنا کوئی کمال نہیں سمجھتا اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ میری تعریف درحقیقت میرے خالق و مالک ہی کی تعریف ہے (مرتب)

فرماتے تھے کہ جو رضا بالقضار پر ثابت ہو گیا تو وہ بلا رے متکذہ ہوگا۔

ف: اسی لئے کہا گیا ہے کہ ع ہر چہ از دوست می رسد نیکوست (یعنی جو تکلیف دوست کی طرف سے پہنچے وہ کرم ہے)۔ اسی مضمون کو حضرت مولانا محمد احمد صاحب دیوبند فرماتے ہیں

دوست کی جانب سے جو آئے بلا وہ بلا ہرگز نہیں، وہ ہے کرم (مرتب)

فرماتے تھے کہ عارف کا زیور خشیت و ہیبت ہے۔

فرماتے تھے کہ جس پر اُس کا حال غالب ہو وہ ہماری مجلس سماع میں نہ آیا کرے۔

وفات

آپ کی وفات ۱۲۵۶ھ میں مصر میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً
(طبقات مشاہیر ج ۱)

حضرت الشیخ عسلی بن ہیتی علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ المتوفی ۶۲ھ

تعارف

آپ کا شمار مشائخ عراق کے اکابر اور صوفیہ و عارفین کے سرداروں میں ہوتا تھا۔ جو بزرگان دین قطبیت عظمیٰ کی طرف منسوب ہیں آپ ان میں سے ایک ہیں۔ آپ کے پاس وہ دونوں خرقے تھے جنہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیخ ابو بکر بن ہوار کو حالت نوم میں پہنایا تھا اور جب شیخ بیدار ہوئے تو وہ دونوں خرقے زیب تن تھے۔ یہ دونوں خرقے ایک چادر اور ایک ٹوپی پر مشتمل تھے۔

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ جب تک تمیز و شعور کی صلاحیت باقی رہے گی احکام شرع جاری رہیں گے۔

ف: خوب بات فرمائی۔ اس لئے کہ جب تک ہوش و حواس درست رہیں گے اس وقت تک آدمی کو شریعت کی پابندی لازمی ہے، اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ حال کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ صاحب حال اپنے غلبہ حال کے وقت محفوظ رہے۔ جس طرح کہ صحو (ہوش و حواس کی درستگی) عہد ہیتی، ہار کے کسر کے ساتھ ہیت کی طرف منسوب ہے۔ یہ نہر فرات کے کنارے انبار کے اوپر ایک شہر ہے جہاں عبداللہ بن مبارک کی قبر ہے۔

کے اوقات میں محفوظ تھا۔

ف: یعنی کسی حال میں بھی خلاف شرع امر اس سے صادر نہ ہو بلکہ ہمیشہ سنت کا دامن تھلے رہے۔ مومن صادق کا یہی کمال ہے۔ (مرتب)
 فرماتے تھے کہ، مخلوق اپنی عقل کے گھوڑے جہاں تک دوڑ اسکے اور اپنے علوم کے ذریعہ جس کا احاطہ کر سکے، یا اپنے معارف کے ذریعہ جس پر بھی مطلع ہو سکے اللہ تعالیٰ ان تمام سے ماوراء اور بہت بلند ہے۔

ف: اسی کو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں: مجیسے حق تعالیٰ کی ذات کا پورا ادراک کسی بنے سے ممکن نہیں اسی طرح ان کی صفات کی حقیقت فہم سے خارج ہے۔ اجمالاً ان سب پر ایمان لے آئے اس سے زیادہ کا انسان مکلف نہیں۔ اپنے کام میں لگنا چاہئے۔
 عنقا شکار کس نشود، دام باز ہیں کیں جا ہمیشہ باد بدست است دام را
 (بیان القرآن ص ۶۳)

ترجمہ: عنقا کسی کا شکار نہیں ہوتی، جال مت لگا۔ کیونکہ یہاں پر سوائے ہوائے جال کو کچھ بھی ہاتھ نہیں آوے گا۔

اسی کو مشہور شاعر اکبر حسین الہ آبادیؒ نے یوں فرمایا ہے
 ذہن میں جو گھر گیا، وہ لا انتہا کیونکر ہوا
 جو سمجھ میں آ گیا، وہ پھر خدا کیونکر ہوا (مرتب)
 آپ اکثر ان اشعار کو پڑھا کرتے تھے

ان رحت اطلبہ لا ینقضی سفری اوجئت احضرہ اوحشت فی الحضر
 فلا انا ولا ینفک عن نظری وفی ضمیری ولا القاء فی عمری

فیلتنی غبت ہر جسمی برویتہ وعن فؤادی وعن سمعی وعن بصوی
ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے:-

(۱) اگر میں اس کو ڈھونڈھنے نکلوں تو میرا سفر پورا نہ ہو۔ اور اگر حضر میں آؤں
تو حضر میں بھی وحشت ہونے لگے۔ (۲) میں اس کو دیکھ بھی نہیں سکتا اور وہ میری
نظروں سے جدا بھی نہیں ہوتا۔ وہ میرے دل میں ہے اور میں اس سے عمر بھر نہیں
نہیں مل سکتا۔ (۳) تو اے کاش میں اسے دیکھنے کے لئے اپنے جسم سے اپنے دل
سے، اپنے کان سے، اپنی آنکھوں سے فنا ہو جاؤں۔

اس کا دل کسی سے تسلی نہیں پاتا۔

غالباً اسی حال میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ ابتدائے
سلوک میں بکثرت یہ شعر پڑھا کرتے تھے
بغ میں لگتا نہیں، صحرا سے گھبراتا ہے دل اب کہاں لیجا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم
(مرتب)

وفات

آپ نے نہر ملک کے مضافات میں رزیران (مروزن قفیران) نامی
بستی میں سکونت اختیار کی۔ اور وہیں آپ نے ۱۲۶۴ھ میں داعی اجل کو لبیک
کہا۔ اُس وقت آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی۔ وہیں آپ مدفون
ہیں۔ آپ کی قبر ظاہر ہے اور زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ (الطبقات ج ۱ ص ۱۴۵)

مجاہد اُمتِ حضرت سلطان نور الدین زنگی المتوکّٰف

نام و نسب نام محمد نور الدین، کنیت ابو القاسم، لقب الملک العادل، والد کا نام سلطان عماد الدین زنگی ہے۔

تعارف حلب و دمشق کا سلطان، اپنے والد سلطان عماد الدین زنگی کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ اور حلب کو اپنا دار الحکومت بنایا،

صلاح الدین ایوبی کو مصر کا گورنر مقرر کیا اور دوسری صلیبی جنگ (۱۱۴۷ء) میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۱۷۳ء میں اس نے ایشیائے کوچک پر حملہ کیا اور کئی شہر فتح کر لئے۔ ابھی وہ اس مہم میں مصروف تھا کہ بغداد کے عباسی خلیفہ کا ایچی ایک سند لے کر پہنچا، جس میں سلطان نور الدین کو موصل، البحرہ، اربل، خلاط شام، مصر اور قونیہ کا امیر تسلیم کیا گیا تھا۔

نور الدین کے متعلق ابن اثیر کا ارشاد ہے۔

”میں نے سلطان سلف کے حالات کا مطالعہ کیا ہے۔ لیکن

خلفائے راشدہ اور عمر بن عبدالعزیز کے بعد سے میں نے کوئی ایسا حکمران نہیں دیکھا جس نے اس سے زیادہ پاکیزہ زندگی گزاری ہو، یا راست روی اور نیکی میں اس سے زیادہ سرگرم عمل ہو۔ ایک متقی مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسے ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا تھا کہ وہ ہر لحاظ سے قرآن و سنت کے مطابق ایک مومن کی سی زندگی بسر کرے۔ اس نے ملک شام کے بڑے بڑے شہروں میں

مساجد، شفا خانے اور سرائیں جگہ جگہ تعمیر کرائیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ صلیبی حملوں کو روکا جائے۔ اور اس مقصد کے حصول کیلئے وہ تمام عمر کوشاں رہا۔ دوسری صلیبی جنگ میں اس نے غیر معمولی کردار سرانجام دیا۔ اُس نے ایک ایسی محکم بنیاد قائم کر دی جس پر بعد کے زمانہ میں صلاح الدین ایوبی شاندار عمارت کھڑی کرنے کے قابل ہو گیا۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۵۳۲)

اب ہم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شہرہ آفاق کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" سے صلیبی حملوں سے متعلق کچھ اہم مضامین نقل کرتے ہیں (ترجمہ) **صلیبی حملے اور عالم اسلام کیلئے نیا خطرہ** | ایک طرف مگر اسلام میں پوری قوت سے تصنیفی

و تعلیمی کام ہو رہا تھا، اور بعض عظیم شخصیتیں اصلاح و تربیت میں مشغول تھیں دوسری طرف پورے عالم اسلام پر خطرہ کے بادل منڈلا رہے تھے، اور مسلمانوں کی ہستی اور نفس اسلام کا وجود زرد میں تھا۔ مسیحی یورپ صدیوں سے اسلام سے خار کھا بیٹھا تھا، مسلمان اُس کی پوری مشرقی سلطنت پر قابض تھے اور اس کے تمام مقدس مقامات اور خود مولد مسیح اُن کے قبضہ اور تولیت میں تھا۔ یورپ کے اشتعال اور جذبہ انتقام کے لئے یہ صورت حال بالکل کافی تھی، لیکن طاقتور اسلامی سلطنتوں کی موجودگی اور ہمسایہ مسیحی سلطنت پر اُن کی مسلسل پیش قدمیوں کے سبب سے اُس کو یہ حوصلہ نہیں ہوتا تھا وہ شام و فلسطین یا کسی اسلامی ملک کی طرف نظر اٹھائیں۔ سلجوقی سلطنت کے زوال اور اسلامی سلطنت کی شمالی سرحدوں کی کمزوری کی وجہ سے یورپ میں قیمت آزمانی کا خیال

پیدا ہوا۔ اسی عرصہ میں اُس کو راہب پطرس کی صورت میں ایک ایسا خطیب اور مذہبی واعظ مل گیا جس نے ساری مسیحی دنیا میں اپنی آتش نواہیوں سے آگ لگادی، اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک مذہبی جنون کی ایک لہر پیدا کر دی۔ اس کے علاوہ وسیع وزیر خیز اسلامی مملکت پر حملہ کرنے کے اور بھی متعدد سیاسی و معاشی اسباب و محرکات جمع ہو گئے، جنہوں نے صلیبی حملوں میں دینی و دنیاوی کشش اور ترغیب پیدا کر دی۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۵۲)

چھٹی صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ عالم اسلام میں بڑے انتشار و بد نظمی کا تھا ملک شاہ سلجوقی کے جانشین باہم دست و گریبان تھے۔ خلفاء بنی عباس مدتوں پہلے ترکوں کو اپنی طاقت منتقل کر چکے تھے۔ عالم اسلام میں کوئی طاقتور سلطان اور کوئی ایسا قائد نہ تھا جو تنظیمی صلاحیتیں رکھتا ہو اور جو عالم اسلام کی کچی کھچی طاقت کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کر کے شمال و مغرب سے بڑھتے ہوئے خطرے کا مقابلہ کر سکے۔ سیٹلے لین پول نے صحیح لکھا ہے کہ:-

”یہ زمانہ التباس و تذبذب کا تھا کہ اتنی وسیع اور عظیم الشوک (سلجوقی) سلطنت کو موت کے کرب میں ہاتھ پاؤں مارتے دیکھ کر ہر شخص پر تحیر کا عالم طاری تھا۔ یہ بیچ کا زمانہ اُس وقت تک بد نظمی کا تھا، جب تک کہ نئی طاقتیں پورے طور پر یکجہت ہو کر ایک ہی سمت میں رجوع نہ ہو جائیں۔ مختصر یہ کہ یہی وہ ٹھیک وقت تھا، جب کہ یورپ والے فوج کشی کر کے اپنی کامیابی کو ممکن کر لیں۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۵۱ ج ۲)

اتابک عماد الدین زنگی | لیکن عین اس کشمکش اور بڑھتی ہوئی مایوسی کے عالم میں اسلام کے اُفق پر ایک نیا ستارہ

طلوع ہوا، عالم اسلام کو حسب معمول عین ضرورت کے موقع پر ایک نیا قائد اور ایک تازہ دم مجاہد مل گیا اور جس گوشہ سے امید نہ تھی وہاں سے ایک نئی طاقت ابھری، جس کا کسی کو خیال بھی نہ تھا۔

لین پول لکھتا ہے۔

”مسلمانوں کے لئے ضروری ہوا کہ وہ جہاد کا اعلان کریں، اور ایک ایسا سردار پیدا کریں جس کی دلیری اور ہمت اور جنگی قابلیت کا سکھ سب مانتے لگیں، ترکمانی سردار اور ان کے ماتحت والیان ملک ایک ایسی جوانمرد اور جنگجو دینداروں کی جماعت پیدا کریں جن کے سامنے صلیبیوں کو اپنے مظالم اور زیادتیوں کا جواب دینا پڑے اور اب یہ سردار عماد الدین زنگی کی ذات میں نمودار ہوا۔“

عماد الدین سلجوقیوں کا پروردہ نعمت تھا، وہ سلطان محمود سلجوقی کے شہزادوں کا اتالیق (آتابک) اور سلطان کی طرف سے موصل کا حاکم تھا۔ زنگی نے عراق و شام میں اپنی طاقت مستحکم و منظم کر کے الہا (ایڈیسا) پر حملہ کیا، جو عیسائیوں کی ریاست میں سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم مقام تھا اور اُس کو بڑی فوجی اہمیت حاصل تھی۔ ۱۰ جمادی الاخریٰ ۵۳۹ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۱۴۴ء کو اُس نے الہا پر قبضہ کر لیا۔ عرب مؤرخین کے الفاظ میں یہ فتح الفتح تھی۔ یہ شہر لاطینی سلطنت کا بڑا سہارا تھا۔ اس طرح فرات کی وادی صلیبیوں کے خطرہ سے محفوظ ہو گئی۔ اس فتح کے کچھ عرصہ بعد ۵۴۱ھ مطابق ۱۱۴۶ء میں وہ ایک غلام کے ہاتھ سے شہید ہو گیا۔ شہادت سے پہلے اُس نے صلیبیوں کے خلاف جہاد کی شاندار ابتدا کر دی تھی، جس کو اُس کے نامور فرزند الملک العادل نور الدین زنگی نے بہت آگے تک پہنچا دیا۔

الملك العادل نور الدين زنگی | نورالدین محمود اب سلطان شام تھا، اور تمام مسلمانوں کی طرف سے صلیبیوں

کے اخراج اور بیت المقدس کے بازیافت کے لئے اپنے کو مامور من اللہ سمجھتا تھا، اور اپنی خدمت عظیم کو اپنی سب سے بڑی عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ جانتا تھا۔ اُس نے اپنے حملوں سے تمام مسیحی ریاستوں پر دھاک بٹھادی تھی ۵۵۹ھ مطابق ۱۱۶۳ء میں وہ قلعہ حارم پر قابض ہوا جو ایک مضبوط شمالی سرحدی قلعہ تھا، بادشاہ انطاکیہ نواب طرابلس مع دیگر مشہور و معروف نائٹوں کے گرفتار ہو گئے۔ اس معرکہ میں دس ہزار عیسائی قتل ہوئے اور بے شمار قید، اس قبضہ کے بعد ہی قلعہ بانیا س فتح کیا۔ ادھر اُس نے مصر فتح کر کے عیسائیوں کو دو طرف سے محصور کر لیا۔ لین پول لکھتا ہے :-

”نورالدین سلطان شام کے سپہ سالار (صلاح الدین) کا رودنیل پر قابض ہو جانا یہ معنی رکھتا تھا کہ یروشلم کی مسیحی سلطنت ایک چمڑی ہوئی لکڑی کے بیج میں آگئی تھی، دونوں طرف سے وہ دب رہی تھی، اور دونوں طرف جو چیز اُسے بھیج رہی تھی وہ ایک ہی طاقت کے دوشکر تھے۔ دیماط اور اسکندریہ کی بندرگاہوں پر قابض ہو جانے سے مسلمانوں کا قبضہ ایک جہازی بیڑے پر بھی ہو گیا اور انھوں نے مصر کے صلیبیوں کا تعلق یورپ سے منقطع کر دیا۔ (سلطان صلاح الدینؒ)

نورالدین نے تقریباً فلسطین کے پورے علاقہ کو صلیبیوں سے صاف کر دیا لیکن اُس کی سب سے بڑی آرزو اور سب سے مقدس خدمت بیت المقدس کی بازیابی تھی لیکن یہ سعادت اُس کے سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی کی قسمت میں تھی جو خود نورالدین کے حسنات میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۵۶)

نور الدین کے محامد و اوصاف

مسلمان مورخ سلطان نور الدین کے عدل، دیانت و تقویٰ، حسن انتظام، شرافت نفس، محامد اخلاق اور جذبہ جہاد کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور وہ اپنے نام کی طرح اُن سب کا ”ممدوح“ و ”محمود“ ہے۔

ابن جوزی جو سلطان کے معاصر ہیں اپنی مشہور تاریخ المنتظم میں لکھتے ہیں:-

”نور الدین نے سرحدوں پر جہاد کیا اور کفار کے قبضہ سے کچھ اور پر پچاس شہر آزاد کئے۔ اُن کی زندگی اکثر سلاطین و حکام سے بہتر تھی، راستے محفوظ تھے۔ اُن کی تعریف کی باتیں بہت ہیں۔ وہ خلافت بغداد کی ماتحتی و اطاعت کا اپنے کو پابند سمجھتے تھے، انتقال سے پہلے ناجائز محاصل اور ٹیکس معاف کر دیئے، طبیعت میں سادگی اور تواضع تھی اور علماء و اہل دین سے محبت کرتے تھے۔“

شوق جہاد اور ایمان و یقین

نور الدین کی تمام تر توجہ اور دلچسپی جہاد اور عیسائیوں کے مقابلہ سے تھی۔ اس بارے میں اس کا عزم، اعتماد و توکل اور ایمان و یقین بہت بڑھا ہوا تھا۔

سلطان زنگی کا اہم کارنامہ

ابہم سلطان زنگی جو کا وہ اہم کارنامہ نقل کرتے ہیں جو یہودیوں کی ناپاک سازش کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہدایت کیا گیا تھا۔ اُنھوں نے اُس منصوبہ کو تباہ کیا، اور اُن بدکرداروں کو گھر گھر سے نکال دیا۔

روضہ اقدس میں نقب زنی کی جسارت

يُرِيدُ وَنَ لِيُطْفَعُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔ (الصف: ۸) ۵۵۷ھ مطابق ۱۱۶۲ء کو ایک رات نماز تہجد سے فراخ ہو کر سلطان زنگی سو گیا، خواب میں آقاؑ نے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت باسعادت سے مشرف ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نیلگوں آنکھوں والے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ان دونوں سے میری حفاظت کرو۔ سلطان کی گھبراہٹ سے آنکھ کھلی۔ فوراً اُمٹھ کر وضو کیا اور نوافل میں مشغول ہو گیا، کچھ دیر بعد لیٹا ہی تھا کہ معاً آنکھ لگ گئی، دوبارہ وہی خواب دیکھا، جس سے پریشان ہو کر اُمٹھ کھڑا ہوا، اور وضو کر کے نفل پڑھنے لگا۔ مگر نیند غالب آگئی اور سو گیا، اس نے تیسری مرتبہ بھی وہی خواب دیکھا۔ بادشاہ یہ کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا کہ اب نیند کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ اپنے نیک سیرت وزیر جمال الدین کو بلا کر خواب سے آگاہ کیا۔ وزیر بات دیر نے مشورہ دیا کہ بلا تاخیر مدینہ منورہ روانہ ہو جانا چاہئے، اور اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کیجئے۔

بادشاہ فی الفور تیار ہو گیا، وزیر موصوف اور بیس خاص خدام کو ساتھ لیا، تیز روؤں و نمٹوں پر بہت سا سامان اور مال و متاع لاد کر اسی رات مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہو گیا، شب و روز سفر کرنے کے بعد سولہویں روز شام کے وقت مصر سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ بادشاہ موصوف مدینہ باسکینہ میں داخل ہونے کے بعد نہایت عجز و نیاز اور ادب و احترام کے ساتھ مسجد نبوی شریف میں داخل ہو کر ریاض الجنۃ میں تیختہ المسجد کے نفل ادا کئے۔ پھر متفکر و متردد ہو کر سوچنے لگا کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے بالآخر طے پایا کہ شہر کے تمام لوگوں کی دعوت کی جائے اور ان میں انعامات تقسیم کئے جائیں، اس طرح مطلوبہ اشخاص کی پہچان کر کے انھیں گرفتار کر لیا جائے چنانچہ وزیر موصوف نے اعلان کر دیا کہ بادشاہ سلامت تشریف لائے ہیں

وہ اہل مدینہ کو انعامات و اکرامات سے نوازیں گے۔ لہذا ہر آدمی آئے اور سلطان کی سخاوت سے لطف اندوز ہو۔ لوگوں نے آنا شروع کیا اور شاہی تحائف سے بہرہ ور ہونے لگے۔ بادشاہ عطاء کے وقت گہری نگاہ سے ہر آدمی کو دیکھتا اور خواب میں دیکھی ہوئی شکلوں کو تلاش کرتا۔ شہر کے ہر صغیر و کبیر، امیر اور فقیر نے شاہی تحائف حاصل کئے، مگر جنگی جستجو تھی، شکلین نظر آئیں، بادشاہ نے پھر اعلان کر لیا کہ کوئی اور آدمی رہ گیا ہو تو اسے بھی بلایا جائے۔ لوگوں نے کہا سب آدمی اکچکے ہیں، کوئی باقی نہیں رہا۔

بہت زیادہ غور و خوض اور سوچ بچار کے بعد معلوم ہوا کہ دو مغربی آدمی جو بڑے متقی، پرہیزگار، تارک الدنیا اور گوشہ نشین ہیں وہ نہیں آئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ انھیں بھی بلایا جائے۔ لوگ کہنے لگے، بادشاہ سلامت! وہ تو بڑے مستغنی ہیں انھیں کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں، وہ تو خود بے دریغ صدقات و خیرات کر کے ہر آدمی کو نوازتے رہتے ہیں اور دن رات عبادت میں مصروف و مشغول رہتے ہیں، اسی وجہ سے وہ یہاں نہیں آئے۔

لیکن شاہی فرمان کے باعث انھیں بادشاہ کے روبرو پیش کرنا ہی پڑا۔ بادشاہ نے انھیں ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی دو آدمی خواب میں دکھائے گئے تھے بادشاہ نے ان سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو؟ تو انھوں نے بتایا کہ ہم مغربی لوگ ہیں، حج کو آئے تھے، حج سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ زیارت نبوی کو حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے کی تمنا اور شوق نے ہمیں کا کر دیا۔ بادشاہ نے انکی قیام گاہ دریافت کی۔ بتایا گیا کہ وہ روضہ انور کے قریب ہی ایک رباط میں مقیم ہیں۔ انھیں وہیں ٹھہرنے کا حکم دے کر بادشاہ انکی قیام گاہ پر گیا۔ تلاش بسیار اور تجسس کے باوجود مال و متاع اور چند کتابوں کے سوا کوئی

مشتبہ چیز نظر نہ آئی، جس سے خواب کی تعبیر پائے تکمیل کو پہنچتی۔

بادشاہ کی پریشانی اور فکر ہر گھڑی بڑھتا جا رہا تھا۔ ادھر اہالیانِ مدینہ ان مشتبہ افراد کی سفارش کے لئے جمع ہو رہے تھے کہ یہ بے گناہ ہیں، انھیں عبادت و ریاضت سے فرصت کہاں۔ دن بھر روزہ رکھنا، ہر نماز ریاضِ الجنت میں ادا کرنا، روزانہ جنت البقیع کی زیارت اور ہر شنبہ کو مسجدِ قبا یا بندی سے جانا، ان کے معمولات میں شامل ہے، اگلی فیاضی کی کوئی انتہا نہیں، سالِ رسول میں قحط کے باعث اہل مدینہ کے ساتھ بیچہ بھر دی اور غمگساری کا بڑا ٹوکیا، بڑی فراخ دلی سے روپیہ پیسہ خیرات کیا۔

ایسی باتوں نے بادشاہ کے تفکرات میں اور بھی ہیجان پیدا کر دیا۔ بادشاہ پریشانی کے عالم میں کہتا ہے۔ بارخدا! سمجھ میں نہیں آ رہا، کیا معاملہ ہے۔ دفعۃً بادشاہ کو خیال آیا کہ ان کے مصلیٰ والی جگہ دیکھی جائے۔ ایک بورے پر پچھکا ہوا مصلیٰ اُلٹا، تو ایک پتھر نظر آیا، جب پتھر ہٹایا گیا تو سرنگ نمودار ہوئی جو بہت گہری اور بہت دور قبرِ اطہر تک پہنچی ہوئی تھی۔ ح سبھے تھے جسے رہبرِ وہی رہزن نکلا

بادشاہ نے اُنھیں ڈرا دھمکا کر اس مذموم حرکت کا سبب دریافت کیا، چار و ناچار اُنھیں حقیقت کا انکشاف کرنا ہی پڑا، اور اُس راز کو بھی افشا کرنا پڑا جس کے پس پردہ عیساؑ میت ایک منحوس خواب دیکھ رہی تھی۔ اُنھوں نے بتایا کہ وہ دونوں عیسائی ہیں اور عیسائی بادشاہوں نے بے پناہ مال و دولت اور زرِ کثیر دے کر اس لئے بھیجا کہ کسی طرح حجرہٴ مقدسہ میں داخل ہو کر سیدِ کائنات رحمتِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ عنبرین کے ساتھ گستاخانہ حرکت کریں اور نکال کر لے جائیں۔ ہم رات بھر کھدائی کرتے اور مشکوں میں مٹی بھر کر رات ہی میں بقیع کے مضافات میں ڈال دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جس رات یہ نقب زن قبرِ اطہر

کے قریب پہنچنے والے تھے اُس رات سخت بارش ہوئی اور گرج و چمک سے زبردست زلزلہ آیا اور تیز و تند چھکڑ چل رہے تھے۔

سلطان نور الدین اُن کی ایمان سوز باتیں سن کر آتش غضب سے بھر پک اٹھا اور اُنھیں عبرتناک سزا کا حکم دیا۔ لیکن بادشاہ کی طبیعت میں غریظ و غضب کی شدت کے باوجود ایک عجیب رقت انگیز کیفیت بھی طاری تھی کہ اللہ جل جلالہ اور مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدمت جلیلہ پر مجھے مامور فرمایا۔

بالآخر اُنھیں قتل کر کے کیفر کردار تک پہنچایا۔ اُسی شام لوگوں نے ان کی منحوس لاشوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ كَذَّالِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرِ الْاَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

ان دونوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد سلطان موصوف نے حجرہ منیفہ کے چاروں طرف شکست و ریخت سے محفوظ ایسی مضبوط دیوار بنوائی جس کی بنیادیں پانی تک گہری کھود کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار سطح زمین تک بنا دی، اُس پر مسجد کی چھت تک دیوار بنوائی جہیں دروازہ نہیں کھا، تاکہ قبور مقدسہ زمانہ کی چہرہ دستیوں سے محفوظ رہیں۔ علامہ سہودی (متوفی ۱۱۹۹ھ) لکھتے ہیں کہ مذکورہ اشخاص اندلس کے باشندے تھے اور دارالاعراب بن خطاب کے قریب سے نقب لگائی تھی، جبکہ دارالاعراب موضع مقدسہ کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ (تاریخ المدینۃ المنورہ ص ۵۶۳ بحوالہ وفار الوفا ص ۳۶۸ مؤلفہ محمد عبدالمجید)

وفات

۱۱۹۹ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۷۸۷ء میں مرض خناق میں مبتلا ہو کر دمشق میں وفات ہوئی اور قلعہ میں مدفون ہوئے۔ مَوَدَّ اللہ مَرَقَدَا۔

(شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۱۵۳)

حضرت حافظ ابن العساکر المتوفی ۵۷۱ھ

نام و نسب | نام علی، والد کا نام حسن، دادا کا نام ہبۃ اللہ، کنیت ابو القاسم ہے۔

ولادت | محرم الحرام کے شروع میں ۴۹۹ھ میں ولادت ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۵۵۴)

فضل و کمال | آپ اپنے عہد کے علامہ اور حدیث کے حافظوں میں سب سے بڑے اور شام کے محدث اور ثقہ تھے۔

آپ مسلک شافعی تھے۔ آپ کے علوم کے مقابلہ میں اس وقت کے علماء آپ کے محدث تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے ”تاریخ شام“ ایسی جلدوں میں ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کے علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ (طبقات الشافعیہ ص ۱۳۷)

تعلیم و تربیت | آپ کے شیوخ کی تعداد تیرہ سو (۱۳۰۰) ہے۔ یہ تعداد دوسرے علماء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

آپ نے تحصیل علم کے لئے عراق، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور اس کے علاوہ بہت سے بلاد عجم کا سفر کیا، جن میں اصبہان، نیشاپور، مرو اور تبریز وغیرہ شامل ہیں۔

آپ نے فقہ اپنی ابتدائی عمر میں دمشق میں فقیہ ابو الحسن السلسی سے حاصل کیا، اور آپ نے بغداد میں داخل ہونے کے بعد فقہ کو لازم کر لیا

اور مدرسہ نظامیہ میں آپ نے سماعت کی۔

اہتمام عبادت | آپ نے ساری عمر نماز باجماعت کی پابندی کی اور برابر قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے، اور اسی طرح نوافل واذکار بہت زیادہ کرتے تھے اور شب وروز ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔ (طبقات شافعیہ ص ۳۷ ج ۲)

ف : سبحان اللہ، اتنے بڑے علمی مقام کے باوجود اتنی عبادت آپ کے لئے توفیق الہی اور آپ کی خاص کرامت تھی۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْهُ۔ (مرتب) آپ ہفتہ میں ایک قرآن کریم ختم فرماتے تھے اور ماہ رمضان المبارک میں ہر روز ایک قرآن ختم فرماتے، اور آپ منارہ شرقیہ میں اعتکاف کرتے اور اپنے اُن اوقات کا محاسبہ کرتے جو بغیر عبادت کے گزرتے تھے۔

اور آپ مناصب، امامت اور خطابت سے اعراض کر نیوالے تھے اور امر اور کفر سے کفر کر نیوالے نہ تھے۔ اپنے اپنے کو پوری طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے وقف کر دیا تھا اور اسمیں اپنے کبھی کسی ملامت کر نیوالے کی ملامت کی پرواہ نہ کی۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے احادیث نبویہ کو بیان کرنے کا ارادہ کیا تو میرا ارادہ کبھی حبّ جاہ اور حبّ منصب کیلئے نہ تھا۔ (سیر اعلام النبلاء) ابو محمد کہتے ہیں میں نے اپنے شیخ سے چار حفاظ کے بارے میں پوچھا کہ انہیں سب سے افضل کون ہے؟ تو انھوں نے اس ترتیب سے شمار کر لیا: ۱۔ ابن العساکر، ۲۔ ابن ناصر، ۳۔ ابو العلاء، ۴۔ ابو طاهر۔ (طبقات شافعیہ ص ۳۷ ج ۲)

وفات | آپ کی وفات ماہ ربیعہ میں ہوئی، آپ کی نماز جنازہ قطیف شام پوری نے پڑھائی۔ اور آپ کی نماز جنازہ میں سلطان صلاح الدین بھی حاضر ہوا۔ اور آپ اپنے والد کے نعل میں قبرستان باب الصغیر میں مدفون ہوئے۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۵۵ ج ۲)

حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ المتوفی ۷۵۵ھ

نام و نسب نام عبد الخالق، والد کا نام عبد الجلیل، آپ کی والدہ سلطان روم کی نسل سے تھیں۔

ولادت بخارا سے قریب قصبہ غجدوان میں آپ کی ولادت ہوئی۔

فضل و کمال آپ صوفیہ کے روشن طریقہ میں حجت اور تمام مسالک صوفیہ میں مقبولیت رکھتے تھے۔ اور آپ صدق و صفا کی راہ میں سنت نبویؐ پر عمل کرتے رہے اور بدعات کی سخت مخالفت کرتے رہے۔

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات آپ کو ذکر و تسبیح کا سبق حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل ہوا تھا اور

اُس سبق پر ہمیشہ ہمیش عمل پیرا رہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو اپنی فرزندگی میں قبول کر لیا تھا اور آپ کو حکم دیا کہ پانی بھرے حوض میں غوطہ لگاؤ اور دل سے کہو لا الہ الا اللہ، مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ آپ نے تعمیل حکم کیا، جس کی وجہ سے آپ پر بہت سے انکشافات ہوئے۔ اور شروع سے آخر تک آپ لوگوں کے درمیان مقبول رہے۔ (نفحات الانس ص ۶۱)

بیعت و خلافت حضرت عبد الخالق غجدوانیؒ کو انتساب حضرت خواجہ ابویوسف ہمدانیؒ سے ہے۔ اُن کی صحبت میں رہ کر فوائد کثیرہ اخذ کئے

اور اُنہی سے خلافت پائی۔ خواجہ ابویوسف ہمدانیؒ کے بخارا سے روانہ ہونے کے بعد خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ سخت ریاضت میں مشغول ہو گئے اور اپنے حالات کو

چھپائے رکھا۔ مملکت شام میں بہت سے لوگ آپ کے حلقہ ارادت و بیعت میں داخل ہو گئے تھے اور آپ کا آستانہ خالقہ بن گیا تھا۔

پاس انفاس کی حقیقت | سید مرتضیٰ زبیدی نے لکھا ہے کہ خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ نے اثنائے ذکر اور مراقبہ میں پاس انفاس

کا اضافہ کیا ہے۔ اور آپ نے اس کو اپنے طریقت کے باب میں اصل اور اساس قرار دیا ہے اور فرمایا کہ سالک کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اپنے دونوں نفوسوں (سانسوں) کی پوری پوری حفاظت کرے، یہاں تک کہ اُس کی کوئی سانس غفلت سے نہ اندر جائے اور نہ غفلت سے باہر آئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ میں نے اس طریقہ کو حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کیا ہے۔ ابتدائے سلوک میں حضرت خضر علیہ السلام اُن کے پاس تشریف لائے اور پاس انفاس کی ان کو تعلیم دی۔ آدمی اس عمل سے بہت کم مدت میں اپنے مقصود کو پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ طریقہ بعد میں آنے والوں کے لئے زیادتِ حسنہ بن گئی۔ پاس انفاس کا سب سے بڑا مقصد وقت کی رعایت ہے۔ بلاشبہ وقت ہی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ اگر وقت ضائع ہو جائے تو اُس کا تدارک ممکن نہیں۔

نیز آپ نے فرمایا: اصحاب طریقت نے فرمایا ہے کہ اغیار کے خطرات اول و ساوس مختلف الوان و اشکال کے دیکھنے اور مختلف النوع کتابوں کے مطالعہ اور ہر قسم کی مجلسوں میں شرکت کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے آدمی کو کچھ مدت تک اغیار سے دور ہو کر کسی شیخِ کامل کی صحبت میں رہنا چاہئے تاکہ اُس کی برکت سے اُس کی جمیعت میں ملکہ حضور پیدا ہو، پھر اس کو رضا و تسلیم حاصل ہو۔ بیشک رضا و تسلیم ہی عبودیت و بندگی کا آخری مقام

اور جذب و سلوک کا مہتمائے کمال اور معراج ہے۔ اسی کو صوفیہ کرام نے بطور خلاصہ کے بیان فرمایا ہے :-

کلمات نقشبندیہ جن پر اس طریقہ کی بنا ہے

یہ کل کلمات گیارہ ہیں۔ جن میں اول آٹھ خواجہ عبدالخالق سے اور تین اخیر کے خواجہ بہاء الدین نقشبند سے منقول ہیں۔ وہ ہوا ہذا :-

(۱) ہوش در دم ؛ یعنی ہوشیار رہنا سالک ہر نفس میں کہ بیدار رہے یا غافل۔

(۲) نظر بر قدم ؛ یعنی سالک کو چاہئے کہ راہ چلنے میں نظر کو اپنے قدم گاہ سے تجاوز نہ کرے۔ اور وقت نشست نظر کو رو برو رکھے۔ راست و چپ (داہنے بائیں) نہ دیکھے کہ موجب فساد عظیم و مانع حصول مقصود ہے۔

(۳) سفر در وطن ؛ یعنی سالک کا صفات بشریہ خبیثہ سے صفات ملیکہ

کی جانب انتقال کرنا۔

(۴) خلوت در انجمن ؛ اس سے مراد یہ ہے کہ سالک تمام اوقات

خلوت و جلوت میں نیز کھائے پینے، چلنے پھرنے، بات چیت کرنے میں اپنا قلب اللہ تعالیٰ سے مشغول رکھے۔

(۵) یاد کرو ؛ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے کہ ہر وقت اس میں مشغول ہے۔

(۶) بازگشت ؛ اس سے مراد یہ ہے کہ چند بار ذکر کر کے بکمال تضرع یہ دعا

کرے کہ

اللہی ! مقصود من توئی و رضائے تو محبت و معرفت خود بدہ

ترجمہ : اللہی ! مقصود میرا تو ہے اور رضائیری۔ اپنی محبت و معرفت مجھ کو عطا فرما۔

(۷) نگہداشت ؛ اس سے مراد خطرات اور حدیث نفس کا قلب سے

دور کرنا ہے۔

(۸) یادداشت؛ اس سے مراد یہ ہے کہ توجہ سالک حق سبحانہ کی ذات بیچوں و بیچگوں کی طرف بغیر الفاظ و خیال کے ہو۔

(۹) وقوف زمانی و ہوش دردم؛ ایک ہی چیز ہے۔

(۱۰) وقوف عددی؛ اس سے مراد ذکر میں سانس چھوڑتے وقت عدد طاق کا لحاظ رکھنا ہے۔

(۱۱) وقوف قلبی؛ اس سے مراد توجہ سالک بجانب قلب ہے کہ زیرِ پستان چپ واقع ہے۔

ف؛ سبحان اللہ، یہ کلمات طیبات جن پر طریقہ نقشبندیہ کی بناء ہے کیا ہی خوب ہیں۔ پس ان پر عمل کرنا کیوں نہ خیرات و برکات کا موجب اور وصال حق کا ثمر ہوگا۔

نصائح

منقول ہے کہ ایک روز حضرت خواجہؒ نے اپنے فرزند خواجہ اولیائے کبیر قدس سرہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر وصیت فرمائی؛

”اے فرزند! تجھ کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ کو اپنا شعار بنانا۔ وظائف اور عبادت کی ملازمت رکھنا۔ اپنے احوال کا مراقبہ کرتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق ادا کرنا۔ والدین کے حق کا بھی خیال رکھنا۔ کہ ان خصالتوں سے اللہ تعالیٰ کے وصال سے مشرف ہوگے۔ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنا، تاکہ وہ تیرا محافظ رہے۔ قرآن مجید خواہ یاد سے یادیکھ کر پڑھنے کو لازم رکھنا۔

قرآن مجید کو تفکر و تدبر اور حزن و گریہ کے ساتھ پڑھنا۔ طلبِ علم سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹنا۔ علم فقہ اور حدیث پڑھنا۔ جاہل صوفیوں سے پرہیز کرنا۔ عوام الناس سے دور رہنا، کہ یہ راہ دین کے دُزد ہیں اور مسلمانوں کے راہزن۔ ملازمت سنت و جماعت کرنا۔ ائمہ سلف کے مذہب پر رہنا، کہ جو کچھ محدث ہے گمراہی ہے۔ جوانوں اور عورتوں اور مردوں اور اہل بدعت سے صحبت مت رکھنا، کہ تیرا دین برباد کریں گے۔ دو گروہ رونی پیرا صنی رہنا، اگر کسی سے صحبت رکھے تو فقیروں سے رکھنا۔ خلوت اختیار رکھنا۔ حلال کھانا کہ حلال مفتاح خیر ہے۔ حرام سے بچنا، کہ حق تعلقے۔ بے دور ہو جائیگا۔ اسی پر رہنا، کہ کل قیامت کو دوزخ میں نہ جلے۔ حلال پہننا، کہ عبادت میں حلاوت پائے۔ نماز رات دن میں بہت گزارنا۔ جماعت ترک نہ کرنا۔ امام و مؤذن نہ ہونا، دستاویزوں پر اپنا نام نہ لکھنا۔ قاضیوں کی کچری میں حاضر نہ ہونا۔ لوگوں کی وصیت کے درمیان نہ گزرنا۔ آدمیوں سے اس طرح بھاگنا جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں گوشش کرنا کہ گناہم رہے، تاکہ دین خراب نہ ہو۔ سفر کرنا، کہ نفس کو ذلت ہو خالقاً میں نہ بیٹھنا اور نہ خانقاہ بنانا۔ کسی کے برائی کرنے سے غمگین نہ ہونا۔ کسی کی طرح سے مغرور نہ ہونا۔ لوگوں سے حسن سلوک کے ساتھ معاملہ کرنا۔ ہر حال میں نیک بنیاد باادب رہنا۔ تمام خلائق پر رحمت کرنا۔ قہقہہ مار کر نہ ہنسنا کہ قہقہہ غفلت سے ہوتا ہے اور دل کو مردہ کرتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر تم کو معلوم ہو جائے تو تم محفوظ رہنا اور بہت روؤ۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ درمیان خوف و رجاء کے زندگانی کرنا، کہ سالکوں کا یہی مقام ہوتا ہے

کبھی خوف اور کبھی رجاء۔ (حالات مشرّع نقشبند ص ۱۵۵)

اس کے علاوہ بھی بہت سے ارشادات مذکور ہیں، بغرض اختصار ہم ان کو حذف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ و ما توفیقہ الا باللہ۔ (مرتب)

فراستہ شیخ

ایام عاشوراء میں ایک بڑی جماعت آپ کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی اور آپ معرفت کی باتیں فرما رہے تھے کہ اچانک ایک جوان زاہدوں کی شکل میں بدن پر گدڑی اور کندھے پر سجادہ رکھے ہوئے ظاہر ہوا۔ اور ایک گوشہ میں آکر بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ نے اس کی طرف نظر فرمایا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ جوان اٹھا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اَتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ زُنَّار کو توڑ ڈالو اور دولت ایمان سے مشرف ہو جاؤ۔ یہ سن کر اس جوان نے کہا کہ معاذ اللہ مجھ سے زُنَّار سے کیا تعلق؟ خواجہ نے اپنے خادم کو اشارہ فرمایا تو خادم نے اس کے خرقہ کو اتار دیا جس کی وجہ سے اس کا زُنَّار ظاہر ہو گیا۔ تو اس حجام نے فوراً ہی اس زُنَّار کو توڑ دیا اور مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ اے یارِ وادّاتاکہ ہم لوگ بھی اس نو مسلم نوجوان کی طرح اپنے زُنَّار کو توڑ ڈالیں اور ایمان لے آئیں، جس طرح اس نے زُنَّار ظاہری کو توڑا ہے

عہ اَتَّقُوا یعنی مومن کی فراست سے ڈرو، اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

ہم لوگ اپنے زُنا را بطن کو (جس سے مراد عجب وغیرہ ہے) توڑ ڈالیں تاکہ جیسے اس کی بخشش ہو گئی ہماری بھی ہو جائے۔ آپ کے اس ارشاد سے حاضرین پر عجیب غریب حال طاری ہو گیا اور خواجہ کے قدموں پر گر گئے۔
(نفحات الانس ص ۶۱۷)

ف: اس موقع پر حضرت الشیخ عبدالخالق بغدادی رحمہ اللہ کی جس طرح ایمانی نور و فراست کا ظہور ہوا، ویسے ہی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں اصلاحی ملکہ و مہارت کا بھی انکشاف ہوا۔ اس لئے کہ شیخ نے یہ سمجھا کہ اس واقعہ سے حاضرین گرویدہ و متاثر ہیں، لہذا ان پر نصیحت کا خاص اثر ہوگا۔ پس انہوں نے اُن کو اصلاحِ باطن کی طرف متوجہ فرمایا اور عجب، پندار وغیرہ امراضِ نفس سے نکلنے کی مؤثر انداز میں نصیحت فرمائی، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پند و موعظت کے لئے مناسب موقع کا انتخاب فرماتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کی نصیحتوں کا سامعین پر کمال درجہ اثر ہوتا تھا۔ (مرتب)

ارشادات

خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ فنائے نفس اس شخص کو حاصل ہوگا جو اپنے روئے دل کو راہِ حق کی طرف متوجہ کرے اور کتاب اللہ تعالیٰ کو دل پہنے ہاتھ میں اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بائیں ہاتھ میں لے، پھر ان دونوں منارہ نور کی روشنی میں راہِ طے کرے، تو اس مقام تک اس کی رسائی ہوگی جو وہم و گمان سے بالاتر ہے۔

ف: دیکھئے جملہ مشائخ و صوفیہ طریقت کے لئے شریعت کی اتباع کو لازم قرار دے رہے ہیں۔ اور خود ان کا عمل اور حال بھی اس پر شاہد ہے

اس لئے کہ بغیر عمل اور اتباع سنت کے کوئی شخص ولایت و محبوبیت تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ سے اسی راز کو ہویا فرمایا ہے۔ لہذا ان حضرات پر اعتراض و انکار سے احتراز کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ ص

بے ادب محروم گشت از فضل رب (مرتب)

آپ سے سوال کیا گیا کہ سالک پر شیطان کو قابو ہوتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان کو اُس سالک پر قابو حاصل ہوتا ہے جو فناء نفس کی حد تک زہن بچا ہو۔ اور جو اس حد تک پہنچ گیا ہو، اُس پر شیطان قابو نہیں پاتا۔ اس وجہ سے کہ ایسے سالک کو غصہ نہیں آتا، بلکہ اس کو غیرت ہوتی ہے۔ اور جہاں غیرت ہوتی ہے، شیطان وہاں سے بھاگتا ہے۔ اور یہ صفت ایسے شخص کیلئے مسلم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے، اُس کے دامن ہاتھ میں کتاب الہی ہوتی ہے اور بائیں ہاتھ میں سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اور وہ ان دونوں روشنیوں میں سفر طے کرتا ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب حقیقت و معرفت کی باتیں ارشاد فرمائیں، فخر! وہ اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

ایک مسافر نے آپ سے دعا کی درخواست کی کہ ہمارے لئے ایمان کی دعا فرمادیجئے، تاکہ شیطان کے دام فریب سے چھٹکارا مل جائے، تو خواجہ نے فرمایا کہ وعدہ یہ ہے کہ فرض کے ادا کرنے کے بعد ہر شخص کو چاہئے کہ وہ دعا مانگے۔ اس وجہ سے کہ جب فرض کی ادائیگی کے بعد دعا مانگی جاتی ہے تو وہ مقبول ہوتی ہے۔ لہذا تم فرائض کے بعد ہم کو دعائے خیر سے یاد کرو، اور ہم تم کو یاد کیا کریں گے۔ شاید اس

دوران دعا کا اثر تمہارے حق میں اور ہمارے حق میں ظاہر ہو جائے۔ (نفحات الانس)

ف: سبحان اللہ، حضرت شیخ خواجہ عبدالخالق غجدانیؒ نے ایک

مسافر کے سوال کا جواب کیسے دلپذیر انداز میں دیا اور دعا کی قبولیت کی

کیسی عمدہ اور آسان تدبیر بیان فرمائی جو ہم سب کیلئے قابل عمل ہے۔ آپ کے

ارشاد سے واضح ہوا کہ فرض نمازوں کے بعد دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس لئے

امام یا کسی بھی ایسے شخص سے ایسی بات سرزد نہ ہوئی چاہئے جو نمازیوں کے

دعا یا مسبوق کی ادائے نماز میں خلل انداز ہو۔ مثلاً امام کا بالجہر دعا کرنا جس کو

عموماً مقتدی سمجھتے بھی نہیں۔ اسی طرح ایسا طویل اعلان جو دعا یا نماز مسبوق

میں حارج ہو۔ مگر افسوس کہ اس زمانہ میں عموماً خواص کو بھی اسکی طرف توجہ نہیں

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حدود شرع کے اندر رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (تب)

وفات

آپ کی وفات ۱۲ ربیع الاول ۵۵۵ھ میں قصبہ غجدوان میں ہوئی

رحمہ اللہ تعالیٰ و فوراً اللہ مرقدہ۔ (تذکرہ مشائخ نقشبند (ص ۵۵))

حضرت سیدنا احمد کبیر و رفاعیؒ المتوفی ۵۷۵ھ

نام و نسب نام احمد کبیر، کنیت ابو العباس، لقب محی الدین، والد کا نام سلطان علی اور کنیت ابو المحسین ہے۔

آپ نسباً حسینی ہیں، مسلکاً شافعی ہیں۔ اور رفاعی اس وجہ سے کہلاتے ہیں کہ آپ عرب کے ایک مشہور قبیلہ بنو رفاعہ کی طرف منسوب ہیں۔

ولادت آپ کی ولادت ۱۵ رجب المرجب ۱۵۲ھ میں ام عبیدہ کے قصبہ حسن میں ہوئی جو واسط و بصرہ کے درمیان واقع ہے۔ آپ کے والد ماجد نے خطہ عرب سے نکل کر ام عبیدہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

بشارت نبوی حضرت سید احمد کبیر صاحب رفاعیؒ کی پیدائش سے قبل ہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ماموں شیخ وقت حضرت باز اشہب منصور بطاحیؒ کو انشاءِ مرقہ کو آپ کی پیدائش کی بشارت سنا دی تھی۔ پیدائش سے چالیس دن پہلے ایک رات شیخ منصورؒ نے سرکارِ دو عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ اے منصور! چالیس دن کے بعد تیری بہن کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا اس کا نام احمد رکھا۔ اولیاءِ کرام میں وہ ایسا ہی سردار ہوگا جس طرح کہ میں انبیاء کا سردار ہوں۔ اور جب وہ ہو شیار ہو جائے تو تعلیم کے واسطے شیخ علی قاری واسطی کے پاس بھیج دینا، اور اس کی تربیت سے غفلت نہ برتنا۔ اس خواب کے پورے چالیس دن بعد آپؐ مقام حسن میں پیدا ہوئے اور سات

سال تک وہیں اپنے شفیق والدین کے سایہ عاطفت میں گزارے۔ آپ کی عمر مبارک کا سا تو اس سال تھا کہ آپ کے والد ماجد حضرت سید علیؒ کو کسی ضرورت سے بغداد کی طرف سفر میں گئے اور وہاں اُن کا انتقال ہو گیا۔ **جرحہ تھ**

تعلیم و تربیت | شفیق باپ کے وصال کے بعد بظاہر آپ کی تعلیم و تربیت کا کوئی سہارا نہ تھا، اس وجہ سے آپ کے ماموں حضرت

باز الاشہب شیخ منصور بطاحی قدس سرہ نے آپ کو مع آپ کی والدہ محترمہ کے اپنے پاس بلالیا، اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ کی۔ قرآن پاک تو آپ نے مقامِ حسن میں ہی شیخ عبد السمیع الحر بونی کے پاس حفظ کر لیا تھا۔ کچھ دن کے بعد حضرت شیخ منصور نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق واسطیٰ زبدۃ العلماء شیخ علی ابو الفضل قاری واسطیٰ کی خدمت میں تحصیلِ علم کے واسطے آپ کو بھیج دیا۔ شیخ علی واسطیٰ نے بھی آپ کی تعلیم و تربیت میں خاص توجہ سے سعی کی۔

حضرت سید احمد کبیر صاحبِ رفاعی قدس سرہ میں بچپن سے ہی متکا و سعادت مندی اور زہد و اتقار کے آثار پائے جاتے تھے۔ بقول سعدیؒ: **بالائے سرش زہوش مندی می تافت ستارہ سربندی** چنانچہ آپ کی محترمہ ہمشیرہ سید صالحہ جو نہایت عابدہ زاہدہ اور پرہیزگار خاتون تھیں، وہ فرماتی ہیں کہ: سید احمد جس وقت شیر خوار تھے تو رمضان کے مہینہ میں کبھی دن میں دودھ نہ پیتے تھے۔ چنانچہ اول اول تو یہ خیال کیا کہ شاید اس مہینہ (دودھ پلانے والی) کا دودھ کسی وجہ سے نہ پیا ہو، دوسری عورت

کو دیا، آپنے اسکا دودھ بھی نہ پیا۔ اسی طرح چند عورتوں نے دودھ پلانے کی
 کوشش کی، مگر آپ نے کسی کا بھی دودھ نہ پیا۔ ہاں مغرب کے بعد آپ
 دودھ پیتے تھے۔ جب ذرا ہوشیار ہوئے تو کھیل کود کی طرف بھی بالکل توجہ
 نہ تھی، اسی سبب سے بہت تھوڑی مدت میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، اور
 جب آپ تحصیل علم کے لئے واسطہ گئے تو وہاں بھی ایسی محنت اور توجہ سے پڑھا
 کہ بیس سال کی عمر میں آپ نے تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ یعنی حدیث، تفسیر، فقہ،
 معانی، منطق، فلسفہ وغیرہ غرض تمام فنون مروجہ کی تکمیل کر لی اور آپ کے
 استاذ محترم نے آپ کو حدیث شریف اور دیگر علوم کی سداور اجازت عطا کی،
 آپ شیخ علی واسطی کے علاوہ حضرت شیخ ابو بکر واسطی اور شیخ عبدالملک
 الحارونی کے درس میں بھی شریک ہوتے تھے، جو اُس زمانہ کے علماء میں نہایت
 باکمال مشہور تھے اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے مرجع خلایق تھے۔ غرض جب
 حضرت سید صاحبؒ نے علوم دینیہ کی تکمیل کر لی اور آپ کے اساتذہ نے سند
 اور اجازت عطا فرمادی، تو آپ نے بھی وہاں ہی سلسلہ تدریس شروع کر دیا،
 اور ساتھ ہی اپنے مامول صاحب شیخ باز الاشہب منصور بطاحی قدس سرہ
 سے علوم باطنیہ کی تحصیل بھی شروع کر دی۔ لطف خداوندی اور مناسبت
 طبعی کی وجہ سے آپ نے اس فن شریف یعنی علوم باطنیہ میں بھی بہت جلد
 کمال حاصل کر لیا۔

ادھر تو علوم ظاہری میں آپ کی خداداد قابلیت اور ذکاوت کی وجہ
 سے آپ کا شہرہ ہوا اور بڑے بڑے علماء و فضلاء آپ کے درس میں استفادہ
 کے لئے حاضر ہونے لگے۔ اور ادھر جب آپ نے نصاب طریقت اور سلوک

و معرفت کے مدارج عالیہ کو طے کر لیا اور آپ کے زہد و اتقا اور یارسانی کا خالص
 و عام میں شہرہ ہو گیا۔ اور آپ کے ماموں صاحب نے خرقة سجادگی پہنا کر خانقاہ
 ام عبیدہ میں آپ کو بلایا تاکہ آپ وہاں رہ کر لوگوں کو ہدایت و رہنمائی کریں
 اور اپنے علوم ظاہری و باطنی سے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں، پھر تو آپ سے استفادہ
 کے لئے خلق اللہ ٹوٹ پڑی اور خانقاہ ام عبیدہ میں سینکڑوں اور ہزاروں
 کی تعداد میں علماء و فقراء تحصیل علم و تزکیہ باطن کے لئے رہنے لگے۔ خانقاہ مبارک
 میں جتنے آدمی رہتے تھے سب کے کھانے پینے کا انتظام آپ ہی کی طرف سے ہوتا تھا
 تاکہ سارا لیکن اور طلبہ فراغ قلب اور اطمینان سے حصول مقصد میں لگے رہیں، اور
 فکر معاش میں مبتلا ہو کر ذکر خداوندی سے غافل نہ ہوں۔

خانقاہ کا حال | بعض مستند اور ثقہ اہل علم بیان کرتے ہیں کہ بعض بعض ایام میں
 ہم نے دیکھا کہ دس ہزار آدمیوں کا مجمع خانقاہ میں تھا اور سب
 کی مہمانی آپ کے لنگر خانہ سے ہوتی تھی۔ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ
 میں آپ کی خدمت اقدس میں ۱۵ شعبان کو حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ اُس دن
 خانقاہ ام عبیدہ میں تقریباً ایک لاکھ آدمی جمع تھے اور سب کے قیام و طعام کا
 انتظام سید صاحب کی جانب سے تھا۔ آپ کے اخلاق و عادات تمام و کمال
 اخلاق محمدی کا نمونہ تھے۔ عجز و انکسار، تواضع و مسکنت آپ میں حد سے زیادہ بھی
 چنانچہ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سلوک و معرفت کے سب طریقوں کو
 دیکھا اور غور کیا، لیکن تواضع و انکسار سے بہتر کوئی طریقہ نظر نہ آیا، اس واسطے
 میں نے اُسی کو اپنے واسطے پسند کیا۔ اتباع سنت کے آپ خود بھی بہت
 پابند تھے اور خدام کو بھی تاکید فرماتے تھے۔ دنیا کمانے والے مکاحوئی منش

لوگوں نے جو باتیں خلاف شرع ایجاد کر رکھی تھیں آپ ہمیشہ ان کو مٹانے کی کوشش فرماتے اور ایسے لوگوں سے نفرت کرتے تھے۔ لباس اور طعام میں سادگی کو پسند فرماتے تھے، دنیاوی تکلفات اور سامانِ تعیش سے نفرت تھی طبیعت میں شرم و جباہت غالب تھی، حتیٰ کہ عادت مبارک یہ ہو گئی تھی کہ پہنے ہوئے کپڑے جب میلے ہو جاتے تو آپ دریا میں اُتر کر بدن پر ہی کپڑوں کو مل کر صاف کر لیتے اور پھر دھوپ میں کھڑے ہو کر کپڑوں کو سُکھاتے، اور جب تک کپڑے سوکھ نہ جاتے، آپ دھوپ ہی میں کھڑے رہتے۔

خلافت | ابتداً تو آپ پر عالمانہ کیفیت کا غلبہ تھا اور تعلیم و تعلم ہی آپ کا مشغلہ تھا، مگر اس کے ساتھ آپ اپنے ماموں صاحبِ شیخ منصور بطاحی سے تصوف اور معرفت کی تحصیل بھی کرتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں عرفان و سلوک کے مدارجِ عالیہ کو طے کر کے عارفِ کامل بن گئے اور حضرت شیخ منصور بطاحیؒ نے ۵۳۹ھ میں اپنے انتقال سے ایک سال پہلے خلافت عطا کر کے خرقہ پہنایا اور خانقاہ ام عبیدہ میں آپ کو اپنا جانشین بنادیا اور مشائخ و سالکین واسطہ اِردق اور نصیر وغیرہ کو آپ نے ہدایت کی کہ آئندہ وہ حضرت سید احمد رفاعی سے رجوع کریں، اور انہی کو اپنا شیخ سمجھ کر استفادہ کریں۔ اس سے ایک سال بعد ۵۴۰ھ میں جب شیخ منصور کا وصال ہوا ہے تو آپ کی عمر اُس وقت اٹھائیس سال تھی۔ اُس کے بعد تو آپ کے فضل و کمال اور اتقار و ریاضت کا اس قدر شہرہ ہوا کہ دور دور سے لوگ رشد و ہدایت کی تلاش میں آپ کی خدمت میں آتے اور آپ کے حلقہ عقیدت میں شامل ہو کر کامیاب اور بامراد جاتے۔

آپ کے خلفاء کی کثرت | علامہ شیخ ابن مہذب اپنی کتاب ”عجائب واسطہ“ میں لکھتے ہیں کہ آپ کی آخر عمر میں آپ کے خلفاء کی تعداد اسی ہزار ایک سو تھی۔ عراق کا کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں آپ کے دو چار خلیفہ نہ ہوں۔ اور عقیدت مند مریدوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔

تذکرۃ البنیان المشید | اگرچہ آپ علوم شریعت و طریقت میں کامل و ماہر تھے اور شان علیت کا غلبہ بھی تھا، لیکن تصنیف

و تالیف کی طرف خاص توجہ نہ تھی، البتہ اکثر خاص مجالس میں اور کبھی مساجد میں وعظ فرماتے تھے، یا روزمرہ کی گفتگو میں خلفاء کو نصائح فرماتے تھے تو آپ کی اجازت یا ایما سے آپ کے خدام اس کو قلمبند کر لیتے۔ اس طرح چند کتابیں آپ کی تصنیف سے مشہور اور موسوم ہیں، جنکے نام یہ ہیں۔ ”مجالس الاحمدیہ“ کتاب الحکم، آثار النافع، الحکم الساطع، البرہان المؤید۔ آخر الذکر کتاب کا ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھانجے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ نے ”البنیان المشید“ کے نام سے کیا ہے جس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ عالمانہ نصائح اور صوفیانہ حقائق اور معارف کا ایک بیش قیمت خزانہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ علم شریعت و طریقت کے جامع تھے، آپ سے بہت سی عجیب باتیں بطور کرامت صادر ہوئیں جن سے آپ کے علو و مرتبت اور تقرب الی اللہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔

(البنیان المشید ص ۲۳)

اہل علم اور اہل بصیرت کی شہادت | آپ کے معصروں کی کامل صاحب سلسلہ شیخ حضرت سیدنا

عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے حضرت رفاعیؒ کی شان میں اپنے مریدوں سے ارشاد فرمایا تھا کہ :-

اِنَّ لِلّٰہِ عَبْدًا مَّتَمَّکِنًا فِی مَقَامِ
عبدیت پر متمکن ہے، اپنے مریدین کا نام
دیوان الاشقیاء دیکھتے ہیں
دیوان السعداء -
نصیبہ دروں کی فرست میں لکھ دیتا ہے

آپ کے معصوم صاحب نسبت شیوخ آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور
اپنی مجلسوں میں آپ کا تذکرہ کرتے تھے۔ آپ کے معصوم بزرگ شیخ عبدالسمیع
ہاشمی واسطی کہتے ہیں :-

کان السید احمد ائمة
من آیات اللہ و معجزاتہ من
سید احمد اللہ پاک کی نشانیوں میں
سے ایک نشانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھے۔

اصلاحی کارنامے | فرماتے تھے، اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلہ محبت اپنی
استقامت، اپنے نفس گرم سے مخلص مریدین میں مایانی
خزانت، گرمی محبت، خلوص، للہیت، جذبہ اتباع شریعت اور شوق آخرت
پیدا فرماتے رہے۔ اپنی عزیمت، اپنے علم راسخ، تائید غیبی کے ذریعہ باطل ماحول
کا پوری قوت کے ساتھ استیصال فرماتے رہے۔ بیعت و توبہ کا دروازہ آپ
نے کھول دیا تھا، لوگ فوج در فوج اطراف عالم سے عہد و میثاق کی تجدید
کے لئے آتے اور شرک و کفر نہ کرنے، فسق و فجور، ظلم و جور نہ کرنے، حلال کو حرام
حرام کو حلال نہ ٹھہرانے، دین و شریعت میں نئی چیزیں پیدا نہ کرنے،

دنیا پر ٹوٹ نہ پڑنے، آخرت کو فراموش نہ کرنے کا وعدہ و عہد لیتے تھے۔ اس طرح تقریباً نصف صدی حضرت رفاعیؒ نے اپنی دعوت، اپنے جہاد کو جاری رکھا اور اپنے ماحول سے جس میں ظلم و استبداد، شدید وساوس و شیطانی خطرات، کثیر شیطیات و کفریات اور لغویات کا بازار زوروں پر تھا، برسرِ پیکار رہے۔ یہ آپ کے اخلاص کا اور آپ کے زہد، اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی، دعوت و ارشاد کیلئے اپنے کو وقف کر دینے کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ آپ کی کوشش کامیاب اور محنت بار آور ہوئی۔ جہالت و معاصی سے تائب ہونے والوں کی تعداد یوں مایہ نوا بڑھنے لگی۔ اور ہزاروں کی زندگیوں میں انقلاب آیا

اخلاقِ حَسَنَہ

بچوں سے سلام میں پہل | آپ کی عادت شریفہ ملنے والوں سے سلام میں پہل
کی تھی۔ حضرت رفاعیؒ اخلاق کے بہت اچھے تھے۔ آپ کا سینہ مبارک ہر ایک کے لئے کشادہ اور نفس نہایت کریم تھا۔ اپنی جلالت شان، علو منزلت اور علامہ وقت ہونے کے باوجود چھوٹوں کے ساتھ بھی کھڑے ہوتے تھے اور اپنے سے عمر میں بڑے کی بڑی توقیر کرتے تھے۔ اور بلا امتیاز ہر ایک ملنے والے سے سلام میں پہل فرماتے۔ علامہ شعرانیؒ لکھتے ہیں:-

کان یبتدء بالسلام ملنے والے سے سلام میں
من لقیہ۔ پہل فرماتے تھے

سکوت و قلبت کلام | حضرت سیدنا رفاعی رحمہ کی عادت ہمیشہ صرف ضرورت پر بولنے اور گفتگو فرمانے کی تھی،

اکثر خاموش رہتے۔ کلام فرماتے تو اللہ کا ذکر ہوتا، خاموش ہوتے تو گہری سوچ میں ہوتے۔ اور جس چیز پر نظر پڑتی عبرت لیتے۔ علامہ شعرانیؒ لکھتے ہیں :-

کان لا یتکلموا الا سیرا بہت ہی کم گفتگو فرماتے ۔

اپنے اس سکوت کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ :-

اُمِرْتُ بالسکوت مجھے خاموش رہنے کا حکم ہوا ہے ۔

جب کبھی آپ کو محسوس ہوتا کہ غیر ضروری یا ضرورت سے زیادہ کلمہ زبان سے نکل گیا ہے تو نہایت افسوس فرماتے ۔ اس سلسلہ کا علامہ شعرانیؒ ایک واقعہ لکھتے ہیں :-

مرّیو ما علی صبیان
یتخاصمون فخلص بینہم
وقال لو احد منہم
من انت فقال له وایش
فضولك فصار یرود دھاو
یقول ادبتني یا ولدی
جزاك الله خیرا

آپ کا گزر چند لڑکوں پر ہوا، جو آپس میں لڑ رہے تھے۔ آپ نے معاملہ فیصل فرمایا۔ پھر انہی میں سے ایک لڑکے کو مخاطب کر کے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اس نے دو لوگ کہا، کیا فضول باتیں کرتے ہو۔ آپ اس لڑکے کے جواب کو بار بار دہراتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے میرے بچے! تو نے مجھے ادب سکھایا اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے۔

(تذکرہ حضرت رفاعی رحمہ)

(مولفہ شاہ سید مصطفیٰ رفاعی ندوی)

ارشادات

فرماتے تھے کہ فقرا، سب میں اشرف و افضل ہیں۔ اسلئے کہ سرسلین کی پوشاک، صالحین کی چادر، متقیوں کا تاج، عارفوں کی غنیمت، مریدوں کی آرزو اور رب العالمین کی خوشنودی اور اولیاء اللہ کی کرامت ہیں۔

فرماتے تھے کہ بچپن میں عارف باللہ عبدالملک خرنوٹی کی خدمت میں آجاتا تھا، تو انھوں نے فرمایا، اے احمد! جو نصیحت تم کو کرتا ہوں اسکو یاد کرو میں نے کہا فرمائیے۔ تو ارشاد فرمایا کہ ادھر ادھر دیکھ، والا اصل نہیں ہوتا اور جس نے اپنی ذات میں نقصان کو نہ پہچانا تو سمجھ لو۔ اس کے تمام اوقات نقصان کے شکار ہیں۔ پس میں وہاں سے نکل کر ایک سال تک اس نصیحت کی تکرار کرتا رہا۔ پھر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرمائیے، تو فرمایا کہ دانشمندوں کے لئے جہالت بہت ہی بری چیز ہے۔ اسی طرح اطباء کیلئے بیماری اور دوستوں کے لئے جفا و زیادتی نہایت مذموم چیز ہے۔ پھر ان کی خدمت سے الگ ہو کر سال بھر تک ان کی نصیحت کی تکرار کرتا رہا۔ غرض میں انکی نصلح سے منتفع ہوا۔

فرماتے تھے کہ بھائیوں پر شفقت منجملہ اسباب قرب کے ہے۔ فرماتے تھے کہ جب تم میرے پاس آؤ اور میرے پاس کھانے کی چیز نہ پاؤ تو مجھ سے دعا کی درخواست کیا کرو۔ اس لئے کہ میں اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر ہوتا ہوں۔

ان کے خادم شیخ یعقوبؒ فرماتے ہیں کہ میرے آقا حضرت احمدؒ نے ایک

مرتبہ کھجور کے درخت کی طرف دیکھا اور مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو اس نے سر اٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا بوجھ جتنا بھی ہو اس پر لا دیا۔ اور کدو کی پیل کو دیکھو کہ اس نے فروتنی اختیار کی تو اس کا بار غیر پر ڈال دیا خواہ کتنا ہی بوجھ ہو۔ اس کو اس کا قطعاً احساس نہیں ہوتا۔

فرماتے تھے کہ صدقہ عبادات بدنیہ اور نوافل سے افضل ہے۔ آپ جب کسی درویش کو ادنیٰ جبہ پہنے دیکھتے تو فرماتے تھے کہ میاں دیکھو کس کا لباس پہنے ہو، اور کس کی طرف منسوب ہو۔ یقیناً تم نے انبیاء کا لباس پہن لیا ہے اور اتقیا کا لباس زیب تن کیا ہے، اور یہ عارفین کی ہیئت اور صورت شکل ہے لہذا اس ہیئت میں رہ کر مقربین کے طریقہ پر چلو، ورنہ اسے اُتار دو۔

فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کے لئے سفر اس کے دین کو بارہ بارہ کر دیتا ہے اور اس کے دل کو پرانگندہ کر دیتا ہے۔

ف؛ سفر ابتدائے سلوک میں انتہائی مضر ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے ”احیاء العلوم“ میں مبتدیوں کو سفر سے منع فرمایا ہے۔ (مرتب) جو شخص ان سے شادی کے بارے میں مشورہ لیتا تو اس سے فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کیلئے شادی کی اس کیلئے وہ کافی وافی ہے۔

فرماتے تھے کہ جو میرے افعال سے فائدہ نہ اٹھائے گا تو وہ میرے اقوال سے بھی منتفع نہ ہوگا۔ فرمایا کرتے تھے کہ آخرت کا معاملہ تمھارے گمان و خیال سے بہت زیادہ اہم و سنگین ہے اور تمھارے وہم سے بھی دشوار تر ہے۔ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی اچھی بات سیکھے تو اس پر

لازم ہے کہ وہ دوسروں کو بھی سکھلائے تاکہ اس کو اس کی وجہ سے اچھا ثمرہ و نتیجہ حاصل ہو۔ فرماتے تھے کہ ہمارے طریقہ کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ اول یہ کہ ہم سوال نہ کریں۔ دوم یہ کہ رد نہ کریں (یعنی اگر کوئی سوال کرے تو اسکو رد نہ کریں۔ اور سوم یہ کہ جمع نہ کریں۔

فرماتے تھے کہ فقیر کی شرط یہ ہے کہ لوگوں کے عیوب پر نظر نہ کرے۔ فرماتے تھے کہ جو تمہارے سامنے پیری کو ظاہر کرے تو اس کے سامنے شاگرد بن جاؤ اور بوسہ کیلئے ہاتھ بڑھائے تو اس کے پیر کو چوم لو۔ اور اگر تم سے آگے بڑھنا چاہے تو اس کو آگے بڑھنے دو اور تم دم کے آخری بال ہو جاؤ۔ اس لئے کہ ہمارے سب سے پہلے سر پر پڑتی ہے (پس اگر تم دم بن کر رہو گے تو مارے سے محفوظ رہو گے)۔

ف: سبحان اللہ، کس قدر تواضع و فروتنی کی تعلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ (مرتب)

اپنے فرزند صلح سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم میرے علم کے مطابق عمل نہ کرو گے تو میں نہ تمہارا باپ ہوں اور نہ تم میری اولاد۔ ان کی دعا تھی کہ اے اللہ! صاحبِ لوائے محمود یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے ہم کو ان لوگوں میں سے بنا جنہوں نے انتہائی تواضع کی وجہ سے تیرے دروازے پر اپنے نرم و نازک رخسارے بچھا دیئے اور شرم و خجالت کی وجہ سے اپنے سر جھکا دیئے اور اپنی پیشانیاں ان کے روبرو سجدہ میں ڈال دیں۔ جب آپ کے جسم مبارک پر مجھ بیٹھ جاتا تو اس کو نہ خود اڑاتے اور نہ دوسروں کو اڑانے دیتے۔ اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا خون اسکی خوراک کیلئے مقدر فرمایا ہے اس کو پی لینے دو۔ اور کبھی آپ کی آستین پر بٹھ جاتی

اور نماز کا وقت آجاتا تو اسے اٹھاتے نہ تھے، بلکہ آستین ہی کاٹ دیتے اور نماز سے فارغ ہو کر کتے تو اس آستین کو لے کر سی لیتے۔

ایک مرتبہ فقیروں کا ایک گروہ ان سے ملا، اس نے ان کو گالیاں دیں اور ان سے کہا اوکا نے دجال! اے وہ شخص جو محرمات کو حلال کرتا ہے، اے وہ شخص جو قرآن کو بدلتا ہے۔ اور اے ملحد! اور اے کُتے! یہ سن کر سیدی احمد نے ننگے سر ہو کر زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے میرے سردارو! اپنے غلام کو معاف کر دو۔ اور ان کے ہاتھ و پاؤں کو بوسہ دینے لگے اور کہنے لگے کہ مجھ سے راضی ہو جاؤ۔ تمہارے حلم میں میری گنجائش ہے۔ پس جبان کو عاجز کر دیا تو انھوں نے کہا کہ ہم نے کبھی تجھ جیسا فقیر نہیں دیکھا تھا کہ ہماری یہ سب باتیں تم برداشت کر رہے ہو اور غصہ نہیں ہوتے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ یہ بھی آپ ہی حضرات کی برکت و فیض ہے۔ اس کے بعد اپنے دوستوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا یہ بہت ہی اچھا ہوا کہ ہم نے ان کو ایسے کلام سے راحت دی جو ان کے باطن میں پوشیدہ تھا۔ یعنی انھوں نے ہم ہی پر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی اور سچ تو یہ ہے کہ ہم ہی بہ نسبت اوروں کے زیادہ مستحق تھے۔ کیونکہ ممکن تھا کہ کسی اور سے یہ ایسا کلام کہتے اور وہ برداشت نہ کر پاتا (تو بات اور بڑھتی اور فساد برپا ہوتا۔)

آپ فرماتے تھے کہ سینہ کی صفائی اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ اس میں کینہ کیٹ قطعاً باقی نہ رہ جائے، نہ دشمن سے اور نہ دوست سے اور نہ خدا کی کسی بھی مخلوق سے۔ اور جب ایسی حالت ہو جائے گی تو وحشی جانور اپنے جنگلوں میں اور پرندے اپنے گھونسلوں میں

تم سے مانوس ہو جائیں گے۔ (طبقات ص ۱۲۲)

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے والوں کا پہلا قدم زہد ہے یعنی دنیا سے بے رغبت ہونا، اور آخرت کا مشتاق ہونا۔ اور اسکی بنیاد تقویٰ ہے جو کہ علم و حکمت کی چوٹی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اپنے عقائد کو متشابہات کے ظاہری معنی پر چلنے سے بچاؤ، خواہ وہ کتاب اللہ میں ہوں یا حدیث میں، کیونکہ متشابہات کے ظاہر پر چلنا کفر کی جڑ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ نے توحید سے متعلق باتوں کو اس ارشاد میں جمع کر دیا ہے کہ جو شخص اپنے خالق کو پہچاننے کے درپے ہوا، اگر اسکی معرفت کسی ایسی موجود پر ختم ہو گئی جس تک اُس کا ذہن پہنچ سکتا ہے تو یہ شخص مشبہ ہے، اور اگر خالص عدم تک پہنچ کر مطمئن ہو گیا، تو یہ شخص معطل ہے۔ اور اگر ایسے موجود پر دل کو قرار ہوا جس کے پہچاننے سے عاجز ہونے کا دل نے اقرار کر لیا تو یہ موحد ہے۔

ف : سبحان اللہ، عقائد کی کیسی توضیح فرمادی جو نقش قلوب

کے جلنے کے لائق ہے۔ (مرتب)

آپ نے فرمایا : پوری بندگی یہ ہے کہ مقام عبدیت کو پہچانے۔ دین یہ ہے کہ احکام پر عمل کرے اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے بچے اور دونوں میں عاجزی و انکسار اختیار کرے۔

آپ نے فرمایا کہ صحابہؓ کے درمیان جو اختلافات و نزاعات پیدا ہوئے اُن کے تذکرہ سے زبان روک لینا واجب ہے۔ اور بجائے اس کے اُن کے

محاسن و کمالات بیان کرنا چاہئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھو اُن کے تذکرے سے برکت حاصل کرو۔

آپ نے فرمایا کہ دعویٰ چھوڑ کر جماعت اولیاء کی تائید کرو۔ بزرگوں کی حمایت کا یہ طریقہ نہ اختیار کرو کہ ایک کو دوسرے سے افضل بتاؤ، کیونکہ اس میں درپردہ یہ دعویٰ ہے کہ تم اُن اولیاء سے بڑھے ہوئے ہو۔ اگر تم اپنے کو اُن سے کمتر سمجھتے، تو درجات اور مراتب کا فیصلہ نہ کرتے، کیونکہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ وہی کر سکتا ہے جو دونوں سے بڑا ہو۔

ف: سبحان اللہ، کیا خوب نصیحت ہے، جس میں عموماً ابتلا رہے۔ (مرتب)

آپ نے فرمایا کہ صوفیہ باطنی آداب کے ساتھ ظاہری آداب کی بھی بہت رعایت کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ ظاہری آداب سے باطنی آداب کا پتہ لگتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ مرتے دم تک اسلام پر جمے رہو اور کسی بات کے حامل ہونے یا نہ ہونے کی پروا مت کرو، اس لئے کہ اسلام سب سے بڑی نعمت اور دولت ہے، وہی اللہ تعالیٰ سے ملنے کا ذریعہ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ حضرات صوفیہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جو انھیں دی گئی ہیں بیان تو کرتے ہیں، مگر حد و شریعہ کی رعایت اور نگہداشت کرتے ہوئے۔ کیونکہ ہر قول و فعل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حقوق لگے ہوئے ہیں۔

ف: سبحان اللہ، کیا خوب نصیحت فرمائی۔ (مرتب)

آپ نے فرمایا: عقلمند نہ کسی حاکم کے پاس شکایت لے جاتا ہے، نہ بادشاہ کے پاس، عاقل کے سامنے کام اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتا ہے، اور اسی سے مدد مانگتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ادب کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اور اللہ تعالیٰ کا ادب یہ ہے کہ اُس سے کسی وقت غافل نہ رہو، کیونکہ ادب ہی مقصود حاصل کرنے کا دروازہ ہے۔ حضرت سعید بن مسیب سے منقول ہے کہ جس شخص کو اس کی خبر نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اُس کے نفس پر کیا حقوق ہیں وہ ادب سے کو سول دور ہے۔

اپنے سے بڑوں کی صحبت کا ادب یہ ہے کہ انکی خدمت کرو۔ اور برابر والوں کا ادب یہ ہے کہ اُن کے ساتھ ایثار و ہمدردی کرو۔ اور چھوٹوں کا ادب یہ ہے کہ اُن پر شفقت کرو اور انکی تربیت کرو۔ عارف باللہ کی صحبت میں موافقت سے رہو، اُس کے خلاف بات نہ کرو۔ اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی سے رہو۔ اور نفس کے ساتھ مخالفت سے رہو اور شیطان کے ساتھ دشمنی اور عداوت سے رہو۔

ف: ہاں اللہ، ادب کی خوب تشریح فرمائی، اس لئے اس کا لحاظ ہم سب کو ضروری ہے۔ (مرتب)

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرنا سلبِ نعمت کا سبب ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ شکر یہ ہے کہ دل منعم کے ساتھ ادب کے راستہ پر جا رہے۔ شکر یہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار سے

پوری طرح ڈرتا رہے۔ شکر یہ ہے کہ جس کام سے منعم ناراض ہوتا ہے وہ نہ کرے۔ شکر یہ ہے کہ منعم پر نظر کرے نعمت پر نظر نہ کرے۔

آپ نے فرمایا کہ سچی غلامی یہ ہے کہ بندہ اپنے کو آقا کے حوالے کرنے، جب اپنے نفس کے لئے کسی سے انتقام لیتا ہے تو مشقت میں پڑ جاتا ہے اور جب اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے تو وہ خود اس کی مدد کرتا ہے کسی دوسرے کے مدد کی اسکو ضرورت نہیں رہتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ولایت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ توحید و اخلاص حاصل کرو۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ موحیدین و مخلصین کا دامن پکڑو جنکو سینہ بہ سینہ یہ دولت حاصل ہوئی ہے۔ (ارشادات رفاعی علیہ السلام مؤلفہ سید مصطفیٰ رفاعی ندوی)

آپ نے فرمایا کہ ظاہر و باطن میں جدائی اور تفریق کے قائل نہ بنو، کیونکہ یہ گمراہی اور بدعت ہے۔ علماء و فقہاء کے حقوق سے بے پروائی نہ برتو، کیونکہ یہ جہالت و حماقت ہے۔

اور اے علماء! تم بھی ایسا نہ کرو کہ علم کی حلاوت تو لے لو اور عمل کی تلخی اور مشقت کو چھوڑ بیٹھو، کیونکہ یہ حلاوت بغیر اس تلخی کے نافع نہیں ہے اور اس تلخی کا ثمرہ ہمیشہ کی حلاوت ہے، یعنی جنت کی راحت جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ اے صوفیہ! میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ دین کے فرائض و واجبات کا علم حاصل کر لینے کے بعد اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو، کیونکہ ان کی صحبت بڑا تجربہ تریاق ہے، جس سے دل کی تمام بیماریاں جاتی رہتی ہیں۔ صدق و صفا، ذوق و وفا، اور دنیا و آخرت سب سے

الگ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف کیسو ہو جانا انہی کا کام ہے۔
 آپ نے فرمایا: لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ، کیونکہ حسن خلق
 تمام اعمال نافعہ سے افضل ہے۔ مثل مشہور ہے ”إِذَا لَمْ تَسْجِ النَّاسَ بِمَا لَكَ
 فَسَجِ النَّاسَ بِخُلُقِكَ“ (یعنی اگر تم اپنے مال سے لوگوں کو آرام نہ دے سکو
 تو اپنے اخلاق ہی سے آرام پہنچاؤ)۔

آپ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو حرص کے
 مارے مٹھی بند کئے رہتا ہے، اور جب یہاں سے جاتا ہے تو ہاتھ پھیلائے
 ہوئے نکلتا ہے۔ گویا زبان حال سے اقرار کرتا ہے کہ جس عارضی سامان پر
 اُس نے حرص کی تھی اُس سے خالی ہاتھ جا رہا ہے۔ نصیحت کے لئے
 موت کافی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ مجھ سے کرم خداوندی کے قاصد نے وعدہ کیا ہے کہ میرے
 مریدوں سے محبت کرنے والوں، اور مجھ سے اور میری اولاد سے، میرے
 خلفاء سے تعلق رکھنے والوں کی دستگیری کرے گا، خواہ وہ مشرق میں ہوں
 یا مغرب میں، اس وقت ہوں یا قیامت تک ہونے والے ہوں۔ تدابیر
 و وسائل کے ختم ہونے تک روحانی معاہدہ اسی طرح ہو چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
 وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔

ف: یقیناً سیدنا رفاعیؒ سے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ
 صاحبؒ کو خاص عقیدت و محبت تھی، اُن کے ارشادات و ہدایات
 ”البنیان المشید“ سے برابر مجالس میں سنتے تھے۔ چنانچہ ہم متبعین
 و متبیین بھی اُن کے مجتہدین اور عقیدت مندوں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسکو

قبول فرمائے اور اپنی عنایت و فضل کے شرف سے مشرف فرمائے۔ آمین! (۱۸۶)
 آپ نے فرمایا کہ بدعت سے بچتے رہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
 ہے کہ اس دین میں جو نئی باتیں ایجاد کرے وہ مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تقویٰ
 کے ساتھ اور مخلوق سے سچائی اور حسن خلق کے ساتھ اور اپنے نفس سے مخالفت
 کے ساتھ معاملہ کرو۔ شریعت کی حدود سے آگے نہ بڑھو۔ (البنیان الرشید ص ۱۸۷)
 آپ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو جس نے
 رد کیا وہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے کلام اللہ کو رد کیا۔ (ص ۱۸۸)

آپ نے فرمایا کہ اے سالک! اپنے نفس پر نظر کرنے سے بچ، غرور سے
 بچ، تکبر سے الگ رہ۔ کیونکہ یہ سب برباد کرنے والے ہیں۔ میدان قرب میں
 وہ شخص داخل نہیں ہو سکتا جو لوگوں کو چھوٹا اور اپنے کو بڑا سمجھے۔ (ص ۱۸۹)
 آپ نے فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ مل گیا اس کو سب کچھ مل گیا اور جس سے
 اللہ تعالیٰ چھوٹ گیا، اُس سے سب کچھ چھوٹ گیا۔ تم کو اللہ کی قسم! یہ معرفت
 ابھی جاری ہے۔ افسوس افسوس۔

ف: افسوس کر اپنے زمانہ کا حال تحریر فرما رہے ہیں۔ اور اس زمانہ کا
 حال زار تو عیاں ہی ہے۔ (مرتب)

آپ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے قرب کی کوشش کرو۔ جو اللہ تعالیٰ کے ولی
 سے دوستی رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھتا ہے۔ ایسے ہی جو
 اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے دشمنی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی کرتا ہے۔ (ص ۱۹۰)
 آپ نے فرمایا کہ جس نے اپنے کو ارادت میں ثابت قدم رکھا وہ مراد
 و محبوب بن گیا۔ اور جس نے اپنے کو طلب میں مضبوط رکھا وہ مطلوب بن گیا۔

اور خود روازہ پر پڑا رہا وہ ایک دن دہلیز تک پہنچ جائے گا اور اندر پہنچ کر بارگاہ وصال میں صدر نشین ہو جائیگا۔ (ص ۳۱)

آپ نے فرمایا کہ تمھارے اندر بعض فقہار بھی ہیں اور بعض علماء بھی ہیں، تم وعظ کی مجلس بھی کرتے ہو، درس بھی دیتے ہو، احکام شرعیہ بھی بیان کرتے ہو، لوگوں کو احکام بھی بتاتے ہو، خبردار! چھلنی کی طرح نہ ہو جانا کہ وہ عمدہ آٹا تو نکال دیتی ہے اور بھوسی اپنے پاس رہنے دیتی ہے۔ اسی طرح تم حکمت کی باتیں تو منہ سے نکالتے رہو اور دلوں میں کھوٹ رہ جائے۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت کرتے ہیں اس کے دل میں تمام مخلوقات کی محبت و شفقت پیدا کر دیتے ہیں، اس کے ہاتھ کو سخاوت کا عادی بنا دیتے، اور اس کے نفس میں بلند ہمتی پیدا کر دیتے ہیں اور اپنے عیوب پر نظر کرنے کی توفیق دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے کو سب سے کم دیکھنے لگتا ہے اور خود کو کسی قابل نہیں سمجھتا۔

عاجزی کی فضیلت اپنے فرمایا کہ دوستو! میں نے اپنی جان کھپادی اور کوئی راستہ ایسا نہیں چھوڑا جس کو طے نہ کیا ہو، اور صدق نیت اور مجاہدہ کی برکت سے اس کا صحیح راستہ ہونا معلوم نہ کر لیا ہو، مگر سنتِ محمدیہ پر عمل کرنے اور ذلت و انکسار والوں کے اخلاق پر چلنے، اور سراپا حیرت و احتیاج بننے سے زیادہ کسی راستہ کو بہت قریب اور زیادہ روشن اور زیادہ محبوب نہیں پایا۔ حضرت صدیق اکبرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے تک پہنچنے کا ذریعہ عاجزی کے سوا کچھ نہیں بتایا۔

آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! علماء کے حقوق کو ضائع مت کرنا، تم کو لگے ساتھ

حسن ظن رکھنا چاہیے۔

آپ نے فرمایا: لوگوں کی ناموس سے بھی اپنی نگاہ کو ہٹا لو، برے کام سے الگ رہو، کیونکہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ اگر تمھارے لئے ایک آنکھ ہے تو دوسروں کی بہت سی آنکھیں ہیں۔ جیسے تم خود ہو گے ویسا ہی افسر تمھارے اوپر ہو گا۔ اپنی زبان مخلوق کو برا کہنے سے روک لو، کیونکہ (اگر تمھاری ایک زبان ہے تو) مخلوق کی بہت سی زبانیں ہیں۔ (البنیان المشید ص ۹۵)

آپ نے فرمایا کہ عزیز من! تم اپنے باپ پر فخر کرتے ہو (کہ وہ بڑا عالم یادرویش تھا) سو آدم علیہ السلام سب سے پہلے برگزیدہ نبی کی اکثر اولاد اسی طرح انبیاء و مرسلین کی اولاد کا فر ہو گئی (اُن کے لئے) انبیاء کی اولاد میں ہونا باعثِ فخر نہ ہوا) اسی طرح یہ کیا ضروری ہے کہ تمھارا باپ لائق ہو تو تم بھی لائق ہو۔ (البنیان المشید ص ۱۱۱)

ف: آپ کے ارشادات بہت زیادہ مذکور ہیں، اس لئے کہاں تک نقل کروں۔ بہتر تو یہ ہے کہ اصل کتاب کا خالص سے مطالعہ کریں انشاء اللہ اس سے نفع ہو گا۔ و باللہ التوفیق۔ (مرتب)

آپ نے ۶۶ سال کی عمر تک اس دار فانی میں رہ کر ۵۷۷ھ وفات میں عالم بقا کی طرف سفر کیا۔

رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(البنیان المشید ص ۳)

حضرت الشیخ ابو محمد القاسم ابن عبد اللہ البصریؒ

نام، نسب، تعارف | نام قاسم، کنیت ابو محمد، والد کا نام عبد اللہ تھے۔ اور آپ علم الشریعہ اور علم الحقیقہ پر کلام کرتے تھے۔

آپ امام مالکؒ کے مذہب پر فتویٰ دیتے آپ مشائخ عراق کے منتخب لوگوں میں سے ہیں۔ عارفین اور مفسرین کے بڑے حضرات میں سے ہیں اور صاحب عجائب و غرائب ہیں۔

آپ جب اپنی خلوت گاہ سے نکلتے تو جس خشک درخت سے آپ کا گزر ہوتا وہ سبز و شاداب ہو جاتا۔ اسی طرح جس مریض کے پاس سے گزرتے وہ شفا یاب ہو جاتا۔ بصرہ میں سکونت اختیار فرمائی

ارشادات

فرماتے تھے کہ اصحاب و جد کی ارواح لطیف عطر ہیں۔ اور ان کے ارشادات مردہ قلوب کو زندہ کر دیتے ہیں اور عقل کو بڑھا دیتے ہیں۔ فرماتے تھے کہ مواجید اور اد کے ثمرات اور منازل کے نتائج ہیں۔

فرماتے تھے: جب انسان پر وصف جمال منکشف کر دیا جاتا ہے تو قلب مست ہو جاتا ہے اور روح مجہوم اٹھتی ہے اور باطنی راز عیاں ہو جاتا ہے۔

وفات | آپ کی وفات بصرہ میں ۲۵۵ھ سے کچھ قبل ہوئی۔ رحلتہ (طبقات کبریٰ ص ۱۵۱ ج ۱)

حضرت شیخ حیاة بن قیس الحمرانی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب | نام حیات، والد کا نام قیس ہے۔

فضل و کمال | آپ اپنے عصر کے شیخ المشائخ تھے۔ زاہد و عابد اور حرّان کے شیخ تھے۔ آپ صاحب حال و کرامات اور صاحب مقامات عالیہ تھے۔ اخلاص، پاکدامنی آپ کے اندر پوری طرح سما چکی تھی۔ بادشاہ وقت اور اصحاب مراتب آپ کی زیارت کے لئے آتے تھے اور آپ کی ملاقات سے برکات حاصل کرتے تھے۔ اور آپ اپنے وطن میں ہر خاص و عام کے نزدیک مقبول تھے۔

سلاطین کی آمد | ایک بار سلطان نور الدین نے آپ کی زیارت کی اور اس نے انگریزوں سے جہاد پر اپنی بختہ ارادہ ظاہر کیا، اور آپ سے دعا کی درخواست کی۔ تو آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ اور ایک بار سلطان صلاح الدین نے آپ کی زیارت کی اور آپ سے دعا کی درخواست کی، تو آپ نے اس کو موصل کے ارادہ کو ترک کرنے کے لئے کہا تو اس نے آپ کی بات نہ مانی اور موصل کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اس کو وہاں کامیابی ہاتھ نہ آئی۔

آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ ہمشاش بشاش، نرم مزاج، رحمدل اور سخی اور شریف تھے، راتوں میں عبادت کرنے والے تھے، آپ کے بعد حرّان میں آپ جیسی کوئی شخصیت پیدا نہ ہوئی۔ (دیر اعلام النبلاء ص ۱۱۸)

اعلیٰ مقام

آپ ان چار اشخاص میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں شیخ ابوالحسن قریشی نے کہا ہے کہ میں نے چار اولیاء کو دیکھا ہے جو اپنی قبور میں اسی طرح صاحب تصرف ہیں جیسے زندوں کو تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ وہ چار حضرات یہ ہیں:-

- ۱۔ حضرت معروف کرخیؒ
- ۲۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
- ۳۔ شیخ عقیل منبجیؒ
- ۴۔ شیخ حیات بن قیس حرانیؒ

ایک بزرگ سے ایک واقعہ منقول ہے کہ میں یمن سے کشتی میں سوار ہوا۔ جب ہم بحر ہند میں پہنچے تو باد مخالف چلنے لگی اور کشتی ٹوٹ گئی۔ تو میں نے ایک تختے کا سہارا لیا۔ اور موج نے مجھے ایک جزیرے میں پھینک دیا۔ میں حیران و پریشان تھا کہ مجھ کو وہاں ایک مسجد نظر آئی، میں اس میں پہنچا تو وہاں پر چار افراد موجود تھے، میں نے ان کو سلام کیا اور ان لوگوں نے جواب دیا۔ پھر ساتھ ہی میرا حال دریافت کیا، تو میں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے تھے۔ اس وجہ سے ان کے حسن توجه سے اور ان کے کمالات باطنی سے بڑے عظیم مشاہدے ہوئے۔ جب رات ہوئی تو وہاں پر شیخ حزان تشریف لائے اور امن حضرات نے اُن کا پُر جوش استقبال کیا اور اُن کی اقتداء میں نماز عشاء ادا کی، اور میں بھی شریک نماز تھا۔ طلوع فجر تک لوگ نماز میں کھڑے رہے، اُس کے بعد آپ نے دعا کی اور کافی دیر تک روتے رہے۔ تو میں نے دیکھا کہ وہاں انوار الہی کا نزول ہونے لگا۔ ساری مسجد روشن ہو گئی، جیسے چودھویں چاند کی رات، اس کے بعد شیخ نے مسجد کے باہر قدم نکالا تو اُن چاروں حضرات نے مجھ سے کہا کہ تم بھی اُن کے ساتھ ہو لو، تو

میں ان کے ساتھ ہو لیا، میں نے دیکھا کہ زمین جنگل، دریا اور پہاڑ آپ کے قدموں کے پیچھے پلے جارہے ہیں اور آپ آگے قدم رکھتے تو فرماتے "يَا رَبِّ الْحَيَاةُ كُنْ لِحَيَاتِهِ" (یعنی اے حیات کے رب! تو حیات کا ہو جا!) ہم تھوڑی ہی دیر میں حرام پہنچے لوگ ابھی صبح کی نماز سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے۔

ف: اسی لئے بعض حضرات نے مجھے یہ دعا رکھ کر ارسال فرمائی،
 "اَللّٰهُمَّ كُنْ لَنَا وَاجِعًا لَكَ" (یعنی اے اللہ! آپ ہمارے

ہو جائیے اور ہمیں اپنا بنالےجئے!) (مرب)

ارشادات | فرماتے تھے کہ جو شخص پسند کر لے کہ اپنے قلب میں خوف الہی پائے اور احوال صدیقین کا مشاہدہ کرے تو اسکو چاہئے کہ حلال کھانا کھائے اور سنت اور فرض کی پابندی کرے۔ اس لئے کہ جو شخص بھی وصول اور مشاہدہ ملکوت سے محروم رہا ہے تو اسکی دودھی وجہ رہی ہے، ایک تو حرام کھانا، دوسرے مخلوق کو ایذا دینا۔

ف: اللہ تعالیٰ ہم کو اکل حرام اور ایذا دینے مخلوق سے اجتناب کی توفیق مرحمت فرمائے! (مرب)
 فرماتے تھے کہ قلب میں رقت پیدا کرنے کیلئے ذاکرین کی صحبت اختیار کرنا اور نور قلب حاصل کرنے کیلئے مسلسل سعی کرتے رہو۔ فرماتے تھے کہ مرید صادق کی علامت میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ تھکے اور اسکے حق کی ادائیگی سے طول نہ ہو اور سنت و فرض کو لازم پکڑے۔ پس سنت ترک نہ کیا ہے اور فرض اللہ جل و علا کی صحبت ہے۔

وفات

آپ کی وفات ۱۱۵۴ھ مطابق ۱۱۵۴ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ رحمتہ

(طبقات ص ۱۵۳ ج ۱)

حضرت الامام ابو بکر الکاسانی رحمۃ اللہ علیہ

نام، نسب، ولادت نام ابو بکر، والد کا نام مسعود، دادا کا نام کاسانی
علاء الدین ملک العلماء۔ آپ کی جائے پیدائش
ترکستان کے بڑے شہر نہر سیمون اور شامش کے پار ہے۔

آپ شاہ روم کے قاصد بن کر نور الدین شہید کے پاس آئے، تو
اس نے مقام حلاویہ میں رضی السرخسی محمد بن محمد (جو الحیط کے مصنف ہیں) کے
معزول کرنے کے بعد تدریسی خدمت آپ کے سپرد کی۔

جب آپ نے حلاویہ میں تدریسی خدمت انجام دینی شروع کی تو بہت جلد
فقہاء کے درمیان آپ نے مقبولیت حاصل کر لی، اور حال یہ تھا کہ آپ کی
غیر موجودگی میں بھی ہر دن علماء و فقہاء آپ کی مجلس کی جگہ قالین بچھاتے اور
اس کے ارد گرد بیٹھتے تھے۔

سفر علامہ قاسم بن قطلوبغا نے لکھا ہے کہ میں نے قاضی عسکر کو کہتے ہوئے
سنا کہ جب شیخ دمشق آئے تو آپ کے پاس فقہاء حاضر ہوئے اور
اُن لوگوں نے آپ سے بہت سے مسائل کے بارے میں گفتگو کی اور آپ نے
شافی جوابات دیئے۔

تحصیل علم آپ نے علاؤ الدین محمد السمرقندی سے تحصیل علم کی، جو
مصنف کتاب "تحفہ" ہیں۔ انھوں نے اپنی لڑائی فاطمہ کا
نکاح آپ سے کر دیا تھا اور اس کی مہر کتاب "بدائع الصنائع" تھی۔

آپ کے شاگردوں کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکی تعجب کی

بات یہ ہے کہ آپ کے اس قدر جید عالم اور صاحب قلم ہونے کے باوجود آپ کے تلامذہ کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں حاصل ہو سکی۔

آپ کی تاریخ پیدائش تو نہ معلوم ہو سکی۔ آپ کی وفات کے بارے میں ابن عدیم کہتے ہیں کہ میں نے ضیاء الدین بن محمد خیس

وفات

حنفی کو کہتے ہوئے سنا کہ میں کاسانی کے پاس ان کی موت کے وقت حاضر ہوا۔ اور میں نے سورہ ابراہیم کی تلاوت شروع کی۔ جب میں ”يُشَكِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ“ (سورہ ابراہیم ۲۴) پر پہنچا، تو آپ کی روح فی الآخرة کی تلاوت کے بعد پرواز کر گئی۔

اور آپ کی تدفین آپ کی اہلیہ کی قبر کے بغل میں ظاہر حلب میں مقام ابراہیم خلیل میں ہوئی۔ آپ کی وفات ۷۷۷ھ میں ہوئی۔ رحمتہ اور آپ کی مزار حلب میں ”شہر اور بیوی کی قبر“ سے مشہور ہے۔

تَوَرَّاهُ مَرَّاتٍ

(الفوائد البہیہ فی تراجم الخفیہ ص ۳۷)

مجاہد ملت حضرت سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

نام و نسب | نام صلاح الدین، والد کا نام ایوب نجم الدین ہے۔ والد صاحب کی طرف نسبت کی وجہ سے ایوبی کہلاتے ہیں۔

آپ کے والدین اور اہل خاندان مشرقی آذربائیجان کے رہنے والے تھے ان کا تعلق قبیلہ "ہذانیہ" سے تھا جو کردوں کا بہت بڑا غلبہ ہے۔ آپ کے دادا بغداد منتقل ہو کر تکریت میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ قوم اب بھی عراق، شام، ترکی اور ایران میں پائی جاتی ہے۔

ولادت، تعارف | آپ کی ولادت ۵۳۲ھ مطابق ۱۱۳۷ء کو تکریت کے مقام پر ہوئی۔ صلاح الدین ایوبی کی ذات آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معجزہ اور اسلام کی صداقت و ابدیت کی روشن دلیل ہے۔ ایک متوسط درجہ کے کرد شریف زادہ اور خاندانی سپاہی کی حیثیت سے ان کا نشو و نما ہوا، مصر کی فتح اور صلیبیوں کے مقابلہ میں میدان میں آنے سے پہلے کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کرد نوجوان بیت المقدس کا فاتح اور عالم اسلام کا محافظ ثابت ہوگا۔ اُس کی قسمت میں وہ سعادت لکھی ہے جو بڑے بڑے عالی نسب شرفاء اور صلحاء کے لئے قابل رشک ہے، اور تاریخ میں وہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دے گا جس سے روح مبارک تک کو شادمانی حاصل ہوگی۔

لین پول لکھتا ہے کہ " بجائے اس کے کہ صلاح الدین سے کوئی علامت ایسی ظاہر ہوتی جس سے معلوم ہوتا کہ وہ آئندہ کوئی بڑا آدمی بنے

واللہ، وہ ایک روشن مثال اس خاموش اور پُرامن نیکی کی بنا رہا جو شریف طبیعتوں کو تمام اخلاقی کمزوریوں سے دور رکھتی ہے۔
لیکن جب اللہ تعالیٰ کو اُن سے کام لینا منظور ہوا تو اس کا غیبی سامان کیا گیا، اُن کو اُن کے ولی نعمت نور الدین نے سخت اصرار و حکم سے مصر بھیجا۔ قاضی بہاؤ الدین ابن شداد سلطان کے معتمد خاص لکھتے ہیں کہ: سلطان نے مجھ سے خود بیان کیا کہ میں بڑی ناگواری اور مجبوری سے مصر آیا۔ میرا مصر آنا بالکل میری مرضی سے نہیں ہوا میرا معاملہ بالکل وہی ہے جس کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۶۲)

زندگی میں تبدیلی | مصر پہنچ کر جب صلاح الدین کے لئے میدان بالکل صاف ہو گیا اور مصر کی زمام مملکت اُن کے ہاتھ میں آ گئی، تو اُن کی زندگی کیسے بدل گئی۔ یہ خیال دل میں جم گیا کہ اللہ تعالیٰ کو اُن سے کوئی بڑا کام لینا ہے اور اس کام کے ساتھ عیش و راحت کا کوئی جوڑ نہیں۔ قاضی بہاؤ الدین ابن شداد لکھتے ہیں کہ: ”حکومت (مصر) کی باگ ڈور ہاتھ میں آ جانے کے بعد دیتا اُن کی نظر میں بھیج ہو گئی، شکر گزاری کا جذبہ اُن کے دل میں موجزن ہوا، شراب سے توبہ کی، عیش و تفریحات سے منہ موڑ لیا، اولاً ایک سنجیدہ اور جفاکش زندگی اختیار کی، اور اُس میں دن بدن ترقی ہی ہوتی گئی۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۶۳)

جہاد کا عشق | سلطان کو جہاد سے عشق تھا، جہاد اُس کی سب سے بڑی عبادت، سب سے بڑی لذت عیش اور اُسکی روح کی غذا تھی۔

قاضی ابن شداد لکھتے ہیں کہ:-

”جہاد کی محبت اور جہاد کا عشق اُن کے رگ و ریشہ میں سما گیا تھا اور اُن کے قلب و دماغ پر چھا گیا تھا۔ یہی اُن کا موضوع گفتگو تھا اسی کا ساز و سامان تیار کرتے رہتے تھے، اور اس کے اسباب و مسائل پر غور کرتے، اسی مطلب کے آدمیوں کی ان کو تلاش رہتی، اسی کا ذکر کرنے والے اور اسی کی ترغیب دینے والے کی طرف وہ توجہ کرتے، اسی جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر اُنھوں نے اپنی اولاد اور اہل خاندان اور وطن و مسکن اور تمام ملک کو خیر باد کہا، اور سب کی مفارقت گوارا کی اور ایک غیمہ کی زندگی پر قناعت کی، جس کو ہوائیں ہا سکتی تھیں۔ کسی شخص کو اگر اُن کا قرب حاصل کرنا ہوتا تو وہ ان کو جہاد کی ترغیب دیتا (اور اس طرح اُن کی نظر میں وقعت حاصل کر لیتا) قسم کھائی جاسکتی ہے کہ جہاد کا سلسلہ شروع کرنے کے بعد اُنھوں نے ایک پیسہ بھی جہاد اور مجاہدین کی امداد و اعانت کے علاوہ کسی

مصرف میں خرچ نہیں کیا۔ (النوادر السلطانیہ ص ۱۶)

سلطان کی اس عاشقانہ کیفیت اور دردمندی کی تصویر ابن شداد نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:-

”میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت ایک ایسی غمزہ ماں کی سی ہوتی تھی جس نے اپنے اکلوتے بچہ کا داغ اُٹھایا ہے، وہ ایک صف سے دوسری صف تک گھوڑے پر دوڑتے پھرتے اور گول کو جہاد کی ترغیب دیتے۔ خود ساری فوج میں گشت کرتے اور کچالتے پھرتے ”یا لایسلاّم“ (اسلام کی مدد کرو!) آنکھوں سے آنسو جاری

ہوتے۔“ (النوادر السلطانیہ ص ۱۵۵)

عکاک کے معرکہ میں اُن کی کیفیت یہ تھی:-

”سارا دن سلطان نے ایک داذ منہ میں نہیں رکھا، صرف طبیب کے مشورہ اور اصرار سے ایک مشروب کا استعمال کیا۔ شاہی طبیب نے مجھے بتلایا کہ ایک مرتبہ جمعہ سے اتوار تک سلطان نے صرف چند لقمے کھائے، اُن کی طبیعت میدان جنگ کے علاوہ کسی اور طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔“ (دعوت و عزیمت ص ۲۶۴)

آخر مختلف جنگی کارروائیوں اور مقابلوں کے بعد وہ معرکہ پیش آیا جو تاریخ میں فیصلہ کن

حیثیت رکھتا ہے اور جس نے فلسطین کی مسیحی سلطنت کا خاتمہ اور صلیبیوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ یہ حطین کی جنگ تھی جو سینچر کے دن ۲۲ ربیع الآخر ۱۱۸۷ء کو پیش آئی، اور حمین مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

لین پول اس میدان جنگ کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:-
 ”مسیحی لشکر کے چیدہ اور منتخب جوانمرد قید کر لئے گئے، گاٹی بادشاہ یروشلم اور اُس کا بھائی چاٹیلون (حین) کا رنجی نالڈ تینن کا ہفری طبقات داویہ اور سبطار کے دونوں مقدم اور بڑے بڑے عیسائی شرفاء گرفتار کر لئے گئے۔۔۔۔۔ باقی فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کے پیرے میں تھے۔ مسیحی لشکر کے معمولی سپاہی پیدل اور سوار جو زندہ بچے تھے، سب مسلمانوں کے اسیر ہو گئے تھے ایک ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو جنھیں خود اُس نے

گرفتار کیا تھا خیمے کی رسی میں باندھ کر لیجاتا ہوا دیکھا گیا، ٹوٹی ہوئی صلیبوں اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں میں مردوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے جیسے پتھر پر پتھر پڑے ہوں، اور کٹے ہوئے سر زمین پر اس طرح بکھرے پڑے تھے جیسے خربوزوں کے کھیت میں خربوزے پڑے نظر آئیں..... مدتوں تک جنگ کا یہ میدان جس میں یہ خونی لڑائی ہوئی تھی، اور جہاں بیان کیا جاتا تھا کہ تیس ہزار آدمی مارے گئے تھے، مشہور رہا۔ ایک سال کے بعد سپید سپید ہڈیوں کے تودے اور ڈھیر دور سے لوگوں کو نظر آتے تھے۔ اور جانوروں کے کھانے کے بعد جو ٹکڑے لاشوں کے بچے تھے وہ بھی میدان میں جا بجا پڑے دکھائی دیتے تھے۔

(دعوتِ دہلیت ص ۲۱۵)

اس فتح کے ساتھ یہ واقعہ بھی تاریخ میں یادگار رہے گا، جس سے سلطان کی دینی حمیت اور اسکی

سلطان کی دینی حمیت

قوت ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مناسب ہے کہ یہ واقعہ بھی ہم انگریز مورخ کی زبان سنیں

”سلطان صلاح الدین نے اپنا خیمہ لڑائی کے میدان میں نصب کر لیا، جب خیمہ نصب ہو گیا تو حکم دیا کہ قیدی سلمے حاضر کئے جائیں۔ بادشاہ گائی اور رنجی نالڈ چاٹلیون (حنین) دونوں اندر لائے گئے، سلطان نے بادشاہ یروشلم کو اپنے پہلو میں بٹھایا، اور اُسے پیاسا دیکھ کر برف میں سر دکنے ہوئے پانی کا کٹورا دیا، گائی نے پانی پیا اور پانی کا کٹورا والی کرک رنجی نالڈ کو دیا۔ سلطان یہ دیکھ کر ناخوش ہوا اور تہجان

سے کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ میں نے اُس شخص کو بانی نہیں دیا ہے، بادشاہ گائی نے دیا ہے، روٹی اور نمک جسے دیتے ہیں، وہ محفوظ سمجھا جاتا ہے مگر یہ آدمی اس قسم کی حفاظت میں بھی میرے انتقام سے نہیں بچ سکتا صلاح الدین اتنا کہہ کر کھڑا ہوا اور ریجی نالڈ کے سامنے آیا، ریجی نالڈ جب سے خیمہ میں داخل ہوا تھا، برابر کھڑا رہا تھا، سلطان نے اُس سے کہا سن میں نے تجھے قتل کرنے کی قسم دو مرتبہ کھائی تھی۔ ایک مرتبہ تو اُس وقت جبکہ تو نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر حملہ کرنا چاہا تھا، دوسری مرتبہ اُس وقت جبکہ تو نے دھوکے اور دغا بازی سے حاجیوں کے قافلہ پر حملہ کیا تھا۔ دیکھ! میں اب تیری بے ادبی اور توہین کا انتقام لیتا ہوں اتنا کہہ کر صلاح الدین نے تلوار نکالی اور جیسا کہ عہد کیا تھا ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا، جو کچھ رت باقی تھی اسے پہرے داروں نے اُکڑ ختم کیا۔

بادشاہ گائی اس قتل کو دیکھ کر لرز گیا اور سمجھا کہ اب اُسکی باری آئیگی صلاح الدین نے اس کا اطمینان کیا اور کہا کہ بادشاہوں کا دستور نہیں کہ وہ بادشاہ کو قتل کریں۔ اس شخص نے بار بار عہد شکنیاں کی تھیں اب جو وقت گزر گیا، گزر گیا۔ (سلطان صلاح الدین قسۃ از دعوت و عزیمت)

عہ قاضی ابن شداد کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ جب اُن بیکس حجاج نے اُس سے انسانیت و مہربانی کی درخواست کی، تو اُس نے گستاخانہ کہا کہ اپنے محمد سے کہو کہ تمہیں رہائی دیں یہ فقرہ صلاح الدین کو پہنچا اور اُس نے منت مانی کہ اگر یہ بے ادب میرے ہاتھ آئے گا، تو میں اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دوں گا۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۶۶)

ابن شداد نے لکھا ہے کہ سلطان نے ربی نالہ کو طلب کیا اور کہا کہ تھانا
انتصر ل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام“ (لو، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام
لیتا ہوں) ابن شداد نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان نے اُس کو اسلام کی دعوت دی
مگر اُس نے قبول نہیں کی۔ (النواذیر السلطانیہ ص ۱۲)

فتح بیت المقدس | حطین کی فتح کے بعد وہ مبارک موقع جلد آگیا جس کی
سلطان کو بیحد آرزو تھی، یعنی بیت المقدس کی فتح
قاضی ابن شداد نے لکھا ہے کہ :-

”سلطان کو بیت المقدس کی ایسی فکر تھی اور اُس کے دل پر
ایسا بار تھا کہ پہاڑ اس کے متحمل نہیں تھے۔“

اسی سال ۵۸۵ھ ۲۰ رجب کو سلطان بیت المقدس میں داخل ہوئے اور
پورے نوے برس کے بعد یہ پہلا قبلہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب
میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کی تھی، اسلام کی تولیت میں آیا۔ یہ بھی حسن التعلق
ہے کہ سلطان کے داخلہ کی تاریخ بھی وہی تھی جس تاریخ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو معراج ہوئی تھی۔ قاضی ابن شداد لکھتے ہیں :-

”یہ عظیم الشان فتح تھی۔ اس مبارک موقع پر اہل علم کی بہت بڑی
جماعت اور اہل حرفہ اور اہل طرق کی کثیر تعداد جمع تھی۔ اس لئے کہ
لوگوں کو جب ساحلی مقامات کی فتح اور سلطان کے ارادہ کی اطلاع
ملی تو مصر و شام سے علمائے بیت المقدس کا رخ کیا، اور کوئی روشناس
اور معروف آدمی پیچھے نہیں رہا۔ ہر طرف دعا، تسلیل و تکبیر کا شور
بلند تھا۔ بیت المقدس میں (نوے برس کے بعد) جمعہ کی نماز ہوئی۔“

قبۃ صخرہ پر جو صلیب نصب تھی وہ اُتار دی گئی۔ ایک عجیب منظر تھا اور اسلام کی فتح مندی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کھلی آنکھوں نظر آ رہی تھی۔

نور الدین زنگی مرحوم نے بیت المقدس کے لئے بڑے اہتمام اور بڑے صرف سے منبر بنوایا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ بیت المقدس واپس دلانے لگا تو یہ منبر نصب کیا جائے گا۔ صلاح الدین نے صلیب سے وہ منبر طلب کیا اور اس کو مسجد اقصیٰ میں نصب کیا۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۶۷)

اسلامی اخلاق کا مظاہرہ | صلاح الدین نے اس موقع پر جس عالی ظرفی، دیادلی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا، وہ عیسائی موروخ کی زبان سے سننے کے قابل ہے :-

”صلاح الدین نے کبھی پہلے اپنے تئیں ایسا عالی ظرف اور باہمت ٹائٹ ثابت نہیں کیا تھا جیسا کہ اس موقع پر کیا۔ جب یروشلم (یروشلم) مسلمانوں کے حوالہ کیا جا رہا تھا، اُس کی سپاہ اور معزز افسران میروار نے جو اُس کے تحت تھے، شہر کے گلی کو چوں میں انتظام قائم رکھا، یہ سپاہی اور افسر ہر قسم کی ظلم و زیادتی کو روکتے تھے، اور اس کا نتیجہ تھا کہ کوئی وقوعہ جس میں کسی عیسائی کو گزند پہنچا ہو، پیش نہ آیا۔ شہر کے باہر جانے کے تمام راستوں پر سلطان کا پہرہ تھا اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا کہ ہر شہر والے کو جو زبردیہ ادا کر چکا ہے، باہر جانے دے۔

پھر سلطان کے بھائی العادل اور بطریق اور بالیان کے ہزار ہزار غلام آزاد کرنے

کے تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے :-

”اب صلاح الدین نے اپنے امیروں سے کہا کہ میرے بھائی نے اپنی طرف سے اور بالیان اور بطریق نے اپنی طرف سے خیرات کی۔ اب میں اپنی طرف سے بھی خیرات کرتا ہوں، اور یہ کہہ کر اُس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں منادی کر دیں کہ تمام بوڑھے آدمی جن کے پاس زرفدیہ ادا کرنے کو نہیں ہے آزاد کئے جاتے ہیں کہ جہاں چاہیں وہ جائیں اور یہ سب باب البعز سے نکلنے شروع ہوئے اور سو بج نکلنے سے سو بج ڈوبنے تک اُن کی صفیں شہر سے نکلتی رہیں۔ یہ خیر و خیرات تھی جو صلاح الدین نے بیشمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی۔

غرض اس طرح سلطان صلاح الدین نے اس مغلوب و مفتوح شہر پر اپنا احسان و کرم کیا۔ جب سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو شروع کے صلیبیوں نے ۱۰۹۹ء میں یروشلم کی فتح پر کی تھیں، جب گوڈفرے اور نکیر ڈیرڈم کے کوچہ بازار میں سے گزرے تھے، تو وہاں مردے پڑے اور جہاں بلب زخمی لوٹے تھے، جبکہ بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو اُن صلیبیوں نے سخت اذیتیں دے کر مارا تھا اور زندہ آدمیوں کو جلایا تھا، جہاں قدس کی چھتوں اور بروجوں پر جو مسلمان پناہ لینے کو چڑھے تھے، وہیں اُن صلیبیوں نے انھیں اپنے تیردں سے پھینک کر گرایا تھا۔ اور جہاں اُن کے اس قتل عام نے مسیحی دُنیا کی عزت کو بے لگایا تھا۔ جبکہ اُس مقدس شہر کو ظلم و بدنامی کے رنگ میں اُنھوں نے رنگا تھا، جہاں رحم و محبت کا وعظ جناب مسیح نے سنایا تھا،

اور فرمایا تھا کہ خیر و برکت دلے میں وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں، اُن پر خدا کی برکتیں نازل رہتی ہیں۔

جس وقت یہ عیسائی اُس پاک و مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے اُس کو مذبح بنا رہے تھے، اُس وقت وہ اُن کلام کو بھول گئے تھے اور اُن بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں اُن پر رحم و کرم ہو رہا تھا۔

صفاتِ خداوندی میں سب سے بڑھ کر صفتِ رحم ہے، رحمِ عدل کا تاج اور اس کا جلال ہے، جہاں عدل اپنے اختیار اور استحقاق سے کسی کو جان سے مار سکتا ہے، رحم جان بچا سکتا ہے۔

اگر سلطان صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اُس نے کس طرح یر و دہش کو بازیاب کیا، تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالمی حوصلہ انسان اور جلال اور شہامت میں ملتا اور بے مثل شخص تھا۔ (سلطان صلاح الدین ۲۰۲-۲۰۵)

صیلیبی سیلاب بیت المقدس کی فتح اور حطین کی ذلت آمیز شکست سے

یورپ میں غیظ و غضب کی آگ پھر بھڑک اٹھی اور سارا یورپ شام کے چھوٹے سے ملک پر ابل پڑا، جس میں یورپ کے تقریباً تمام مشہور جنگ آزما اور مشہور بادشاہ اور سپہ سالار تھے، قیصر، فریڈرک، رچرڈ شیرل، شاہ انگلستان، فرانس، صقلیہ، آسٹریا، برگنڈی، فلانڈرز کے ڈیوک اور نارٹھ اینڈی فوجوں کے ساتھ اُمنڈ آئے۔ اُن سب کے مقابلہ میں تنہا سلطان صلاح الدین تھا۔

اور اُس کے اعزہ اور چند حلیف جو پورے عالم اسلام کی طرف سے مدافعت کر رہے تھے۔

آخر پانچ برس کی مسلسل خنزیر و خون آشام
صلح اور سلطان کے کام کی تکمیل | جنگوں کے بعد ۱۱۹۲ء میں رملہ پر دونوں

حریفوں میں جو تھک کر چور ہو گئے تھے، صلح ہوئی۔ بیت المقدس اور مسلمانوں کے

مفتوحہ شہر اور قلعے بدستور اُن کے قبضہ میں رہے، ساحل پر عکہ کی مختصر سی ریاست

عیسائیوں کے قبضہ میں تھی اور سارا ملک سلطان صلاح الدین کے زیر نگیں تھا۔

صلاح الدین نے جو خدمت اپنے ذمہ لی تھی، اور صحیح تر الفاظ میں جو کام اللہ نے

اُس کے سپرد کیا تھا، اُس کے ہاتھوں مکمل ہوا۔ عیسائی یروشلیم نے بھی اسکی کامیابی اور

جنگ صلیبی کے نامبارک سلسلہ کے اختتام کا ذکر کیا ہے۔ (دعوتِ موعیتؑ)

سلطان کے محاسن اخلاق | عبادات و فضائل اعمال کے علاوہ حاکمانہ فضائل

عدل، عفو و حلم، جود و سخاوت، مردتِ شرافت

صبر و استقامت، شجاعت و فتوت اور شہامت و علو ہمت کے اوصاف عالیہ

سے آراستہ تھے۔

قاضی ابن شداد لکھتے ہیں کہ ”ہفتہ میں دو بار، دو شنبہ و پنجشنبہ کو اذن عام ہوتا

تھا، فقہاء، قضاة و علماء اور اہل مقدمہ حاضر ہوتے۔ بڑے چھوٹے، امیر غریب

بوڑھے اور عام بوڑھیوں تک کو آنے کی اجازت تھی۔ سفر و حضر میں کبھی اس معمول

میں فرق نہ آتا۔ رات میں ایک بار خود معاملات کو دیکھتے اور رقعات و خراہیں

پر خود دستخط کرتے۔ کبھی کسی صاحبِ غرض اور حاجت مند کو ناکام واپس نہ کرتے۔

اس کے ساتھ ساتھ ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے۔

اگر کوئی فریاد یا شکایت کرتا تو خود کھڑے ہو کر اُس کا مقدمہ سنتے، اُس کی

داد رسی کرتے اور اُس کے معاملہ سے پوری دلچسپی لیتے۔ ایک مرتبہ ایک معمولی شخص نے اُن کے بھتیجے تقی الدین کے خلاف (جو سلطان کو بہت عزیز تھے) دعویٰ کیا، سلطان نے فوراً اُن کو طلب کیا اور مقدمہ کی سماعت کی۔ خود اُن کے خلاف ایک شخص نے دعویٰ کیا، سلطان نے معاملہ کی پوری تحقیق کی، اگرچہ مدعی کا حق ثابت نہیں ہوا، لیکن سلطان نے اسکو ناکام واپس نہیں کیا، اور غلعت مال سے سرفراز کیا۔

بڑے بردبار اور متحمل مزاج تھے۔ مورخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ: ”اپنے رفقاء و خدام کی غلطیوں اور لغزشوں سے چشم پوشی کرتے، بعض مرتبہ کوئی ایسی بات سنتے جس سے اُن کو تکلیف یا ناگواری ہوتی، لیکن وہ اُس کو محسوس بھی نہیں ہونے دیتے، اور نہ اپنے طرز عمل سے کوئی فرق آنے دیتے۔ ایک مرتبہ پانی مانگا، پانی نہیں آیا، پھر مانگا، پھر نہیں ملا۔ یہاں تک کہ ایک ہی مجلس میں پانچ مرتبہ نوبت آئی۔ آخر میں کہا کہ دوستو! میں تو پیاس سے مر جا رہا ہوں۔ اتنے میں پانی آیا، سلطان نے پی پی لیا اور اس تاخیر پر کچھ نہ کہا۔

ایک مرتبہ سخت بیماری سے اُٹھے اور غسلِ صحت کے لئے حمام میں گئے، پانی بہت گرم تھا، ٹھنڈا پانی مانگا، خادم نے پانی حاضر کیا، پانی کچھ پھلک کر اُن پر گرا ضعف کی وجہ سے اُن کو تکلیف ہوئی۔ پھر ٹھنڈا پانی مانگا، اس مرتبہ ٹھنڈے پانی کا پورا طشت گر گیا، اور سارا پانی اُن پر آگیا، اور وہ مرتے مرتے بچے لیکن صرف اتنا کہا کہ مجھے مارنے کا ارادہ ہو تو کہہ دو۔ خادم نے معذرت کی، اور وہ خاموش ہو گئے، اور کوئی باز پرس نہیں کی۔ قاضی ابن شداد نے سردارانِ فوج کی غلطیوں اور اہل دربار کی بے عنوانیوں سے درگزر اور سلطان کے عفو و حلم کے متعدد مؤثر واقعات لکھے ہیں۔ تفصیل ”دعوت و عزیمت“ ص ۲۴ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

مردانہ اوصاف

صبر و استقامت اس درجہ کی تھی کہ قاضی ابن شداد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کمر سے گھٹنوں تک اس قدر دانے اور پھوڑے تھے کہ بیٹھنے سے معذور تھے، یہاں تک کہ دسترخوان بچھا اور کھانا تناول نہ کر سکے، اس لئے کہ بیٹھنے کی قدرت ہی نہ تھی۔ اس کے باوجود دشمن کے مقابل صف آرا تھے، میں نے دیکھا ہے کہ صبح سے مغرب تک گھوڑے پر سوار ایک طرف سے دوسری طرف برابر چکر لگاتے، اور افواج اور انتظامات کا معاونہ فرماتے اور پھوڑوں کی تکلیف کو تحمل سے برداشت کرتے، میں تعجب کا اظہار کرتا تو فرماتے کہ گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد مجھے درد کا احساس نہیں رہتا۔

ایک معرکہ میں حالت بیماری میں برابر دشمن کا تعاقب کیا، ایک رات میں اور طبیب سلطان کے پاس تھے، ہم تیمارداری بھی کرتے تھے اور ان کی طبیعت بھی بھلاتے تھے، سلطان کبھی سوتے، کبھی جاگتے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، سلطان سوار ہو کر تیار ہو گئے۔ اپنے اردکوں کو اللہ کے راستے میں سب سے آگے کیا، اور سب کو اللہ کے نذر کر دیا۔ ایک ایک کر کے سلطان نے سب کو روانہ کر دیا، صرف میں اور طبیب رہ گئے، شام تک سلطان اسی طرح اپنی جگہ پر کھڑے رہے اور جنگ کی نگرانی کی، یہاں تک کہ رات کو لشکر کو مسلح اور ہوشیار رات گزارنے کی اجازت ملی، اور ہم اور سلطان اپنے خیمہ میں واپس آئے۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۱)

علم و فضیلت

سلطان عالم فاضل شخص تھے، عرب کے انساب و قبائل یہاں تک کہ ان کے مشہور گھوڑوں کے سلسلہ نسب پر ان کو عبور تھا، عربوں کے واقعات و حالات ان کو مستحضر تھے، دنیا کے عجائبات و نوادر کا ان کو علم تھا، ہر طرح کی معلومات رکھتے تھے، ان کے مہنشینوں کو ان سے

بہت سی نئی باتیں معلوم ہوتی تھیں۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ ان کو حماسہ حفظ تھا۔ لین پول ان کی ابتدائی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-
 ”اس کا اصلی رجحان طبیعت دینیات کی طرف تھا، علماء و قوت سے احادیث سننے، اُن کے براہین اور راویوں کے سلسلہ کی تحقیق، مسائل فقہ پر بحث، آیات قرآنیہ کی تفسیر میں اسے بڑا انہماک رہتا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر اس بات کا ذوق تھا کہ مذہب اہلسنت والجماعت کی تائید اور ثبوت قوی دلائل سے دیا جائے۔“

ان اوصاف کے علاوہ بہت سے اخلاق و عادات اور خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ”تاریخ دعوت و عزیمت“ میں ص ۲۷ پر ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

وفات

بالآخر اپنا مقدس فریضہ ادا کر کے اور عالم اسلام کو صلیبیوں کی غلامی کے خطرہ سے محفوظ کرنے کے بعد، ۲۴ صفر ۱۲۵۹ھ مطابق ۱۱۹۳ء کو اسلام کا یہ وفادار فرزند دنیا سے رخصت ہوا۔ اُس وقت اُن کی عمر ساون سال کی تھی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

(تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۸)

حضرت الشیخ محمد بن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نام و نسب نام محمد، والد کا نام جریر ہے۔

تعارف آپ بڑے شان والے تھے، ظاہر میں تنگ حال اور باطن کے اعتبار سے مالا مال تھے۔ آپ پر صفت جلال کا غلبہ تھا، آپ شریعت احکام شریعت اور شعائر اسلام کی حد درجہ پابندی کرنے والے تھے۔ آپ عبداللہ بن جریر کے علاوہ ہیں۔

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ میرا گزر ایک کھیت کے پاس سے ہوا، تو میں نے ایک بچہ کو دیکھا کہ وہ گیہوں کی بالیاں اپنی زینیل میں رکھ رہا ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ بیٹے! مناسب نہیں ہے کہ تم لوگوں کی کھیتی کو ہاتھ لگاؤ۔ تو اُس نے جواب دیا کہ تم کو کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ لوگوں کی کھیتی ہے؟ واللہ یہ میرے باپ دادا کی کھیتی ہے۔ میں اُس کی بات سے بہت شرمندہ ہوا اور اُس سے کہا کہ اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر دے کہ جب میں نے خلافِ ادب بات کی تو تم نے مجھے ادب سکھایا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ بلا تحقیق کسی پر نیکر نہ کرنا چاہئے۔ اور جب صحیح بات معلوم ہو تو اُس کا اعتراف کرنا چاہئے بلکہ ممنون ہونا چاہئے۔ (درتب) سلطان وقت جب اُن کی زیارت کے لئے آیا اور عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو آپ کے لئے ایک رباط (یعنی خانقاہ) تعمیر کرا دوں (تاکہ آنے جانے والے اُس میں قیام کریں، تو اُنھوں نے سلطان

کا ہاتھ پکڑا اور اس کو ابن طولوں کی جامع مسجد میں لے گئے۔ اور فرمایا کہ یہ ساری مسجد میرے لئے ہے، اس کے جس مقام میں بھی چاہوں قیام کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ خاموش ہو گیا۔

فرماتے تھے کہ جب بیوی حاملہ ہو جائے تو فقیر کو اس سے مباشرت صحیح نہیں ہے مگر ماں کوئی غرض صحیح ہو تو اور بات ہے۔ جیسے خود اپنی عفت یا بیوی کی عفت مطلوب ہو۔ کیونکہ فقیر کے لئے محض شہوت نفس کی بناء پر مباشرت نفس کی بات ہے۔

فرماتے تھے کہ اکثر تین شخص کامیاب نہیں ہوتے۔ ایک تو شیخ کا لڑکا دوسرے اس کی بیوی۔ تیسرے اس کا خادم۔ بہر حال اس کا لڑکا تو اس لئے

کہ آئندہ ہی اس دنیا میں کہہ لیتا ہے کہ یہ اس کا اتھ چومتا ہوں اور

اس اپنے

ہے اس

یا ہے

کے

کی

ات

کے

ہے

ن

زیادہ فیض حاصل کرتا ہے۔

ہر حال بیوی تو اس لئے محروم رہتی ہے کہ وہ شیخ کو اپنے شوہر ہونے کی آنکھ سے دیکھتی ہے نہ کہ بنظر ولایت، پس وہ اعتقاد رکھتی ہے کہ یہ بوقت شہوت ہمارے محتاج ہوتے ہیں۔ (اس لئے انکسار و تواضع جو استفاضہ کے لئے شرط ہے وہ مفقود ہونے کی وجہ سے بیوی محروم رہ جاتی ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ اس کو نور بصیرت عطا فرمائیں اور شیخ کو بنظر ولایت دیکھے تو ہر شخص سے زائد اس کو فیض پہنچتا ہے۔ کیونکہ وہ رات دن اس کی صحبت میں رہتی ہے۔) (اس لئے اسکو استفاضہ کا زیادہ موقع میسر ہوتا ہے)

اب رہا شیخ کا خادم تو اس کی محرومی کی وجہ یہ ہے کہ وہ شیخ کو بار بار دیکھتا ہے اور بشری احوال مثلاً کھانے پینے اور سونے پر برابر مطلع ہوتا رہتا ہے (اسلئے اس کی عظمت و حرمت میں کمی گئی نہ کی ہو جاتی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جب شیخ کی حرمت ہی باقی نہ رہے گی تو بھلا کیسے فیضیاب ہو سکتا ہے۔)

اس لئے مشائخ نے کہا ہے کہ شیخ کیلئے مناسب نہیں ہے کہ مریدین کے ساتھ کھائے پیئے، اٹھے بیٹھے مگر بصورت، اس لئے کہ اس سے اندیشہ ہے کہ شیخ کی حرمت ان کے دلوں سے نکل جائے، جسکی وجہ سے شیخ کی برکات سے محروم ہو جائیں۔

ہاں اگر خادم شیخ کو بنظر تعظیم دیکھے تو سب سے زیادہ مستفیض ہوگا اور پورے طور پر کامیاب ہو جائے گا (طبقات کبریٰ ص ۱۱۱)

وفات | تاریخ وفات نہ مل سکی۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ۔

حضرت الشیخ ابو مدین المِغْرَبی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۹۰ھ

نام و نسب | نام شعیب، ابو مدین کینت سے مشہور ہیں۔ والد کا نام حسن ہے۔

فضل و کمال | آپ مشائخ مغرب کے حضرات اکابر میں سے ہیں۔ انکی شہرت ان کی تعریف سے منفی ہے۔ آپ کی تعظیم و اجمال پر مشائخ نے اجماع کیا ہے اور آپ کے سامنے ادب اختیار کیا ہے۔ آپ نہایت ظریف، جمیل، متواضع، زاہد، پرہیزگار، محقق اور مکارم اخلاق کے جامع تھے۔ طبقات ۱۵۴

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اپنی تصانیف میں آپ کا بہت کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔

حضرت امام یافعیؒ فرماتے ہیں کہ یمن کے اکثر شیوخ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ قدس سرہ سے نسبت رکھتے ہیں۔ اور بعض حضرت ابو مدینؒ کے ارادت مندوں میں سے ہیں۔ (طبقات ص ۱۵۴)

آپ کی تواضع و انکساری | "فتوحات مکیہ" میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ

حصول برکت کے لئے شیخ ابو مدینؒ سے ہاتھ ملاتے تھے اور اُن کے ہاتھ کو بوسہ دیتے تھے۔ لوگوں نے اُن سے دریافت کیا کہ لوگوں کی اس دست بوسی سے آپ اپنے نفس میں کچھ اثر پاتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ تم حجرِ اسود کے اندر کوئی ایسا اثر پاتے ہو، جو اُس کو حجرِ بیت (پتھر بن) کے دائرے سے

نکال دے، باوجودیکہ اسکو انبیاء علیہم السلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے اولیاء کرام نے بوسہ دیا ہے۔ تو بس میں بھی حجر اسود ہوں، اور میرا بھی وہی حکم ہے جو اُس کا ہے۔ کہ وہ اس شرف کے باوجود ایک تمہری ہے۔
(لفحات الانس ص ۷۷)

ف: مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے بوسہ دینے سے میرے اندر ذرا بھی عجب و خود پسندی نہیں آتی۔ اس لئے کہ میرے اندر جو کمی و خامی ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ جیسا کہ حجر اسود تمہر کا تمہری ہے، خواہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کتنا ہی اُس کو بوسہ دیں۔ (مرتب)

ارشادات

فرماتے تھے کہ جو اُنس و شوق سے خالی ہے وہ فاقدِ المحبت ہے نیز فرماتے تھے کہ جس نے مخلوق کے درمیان اگر ایسی چیز کی طرف دعوت دیا جس کی حقیقت خود بہرہ ور نہیں ہے تو وہ مفتون ہے۔ اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے حال کا دعویٰ کرتا ہے جس کا اثر اس کے ظاہر سے ثابت نہیں ہے تو اس سے دور رہو۔

ف: مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس لئے ایسے شخص کی صحبت سودمند نہ ثابت ہوگی۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جو عینِ عبودیت سے بہرہ ور ہو گیا تو وہ اپنے افعال کو ریا کی آنکھ سے اور احوال کو دعویٰ کی نظر سے اور اقوال کو افترا کی آنکھ سے دیکھے گا۔ فرماتے تھے کہ فقر کیلئے ایک نور ہے مگر جب تک تم چھپائے رکھو۔ اور جہاں تم نے اس کو ظاہر کیا تو وہ نور زائل ہو جائیگا۔ فرماتے تھے کہ جس کو دینے سے زیادہ لینا پسند ہو تو وہ فقر کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ حدیث پاک ہے۔ الیْدُ الْعُلْدِیَا

خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔
 فرماتے تھے کہ اخلاص یہ ہے کہ حق کے مشاہدہ میں خلق غائب ہو جائے۔
 فرماتے تھے کہ جو فقیر ہر سانس میں اپنی زیادتی و کمی کو نہ پہچانے وہ فقیر نہیں ہے۔
 فرماتے تھے کہ فقر فخر ہے۔ علم غنیمت ہے۔ خاموشی نجات ہے۔ مخلوق سے ناامیدی
 راحت ہے۔ زہد عافیت ہے۔ اور بیک بھیکنے بھرا اللہ تعالیٰ سے نسیان حیات
 ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ حضور مع الحق جنت ہے اور اس سے غیبی بہت جہنم ہے۔
 اور اس سے قرب لذت ہے اور اس سے دوری حسرت ہے۔ اور اس سے
 انس حیات ہے اور اس سے وحشت موت ہے۔

فرماتے تھے کہ جو اپنے رب تک پہنچے ہوئے لوگوں سے علیحدہ رہا تو وہ جدا
 ہی کر دیا جائے گا۔ اور جس نے اپنے رب کے ساتھ مشغول لوگوں کو اپنی طرف
 متوجہ کیا تو اس پر فوراً وبال آجائے گا۔ (طبقات ج ۱ صفحہ ۱۵۴)

ف؛ سبحان اللہ، کیسے اہم اور پر حقیقت ارشادات ہیں۔ اللہ تعالیٰ
 ان ارشادات کے مطابق ہمارے احوال کو بھی بنا دے۔ ہاں البتہ اسکی تصدیق
 و طلب ضروری ہے۔ وبان اللہ التوسیق۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۹۵ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔
 (نفحات الانس صفحہ ۷۷)

حضرت علامہ عبدالرحمن ابن جوزی رحمہ اللہ

نام و نسب | نام عبدالرحمن، لقب جمال الدین، کنیت ابو الفرج اور ابن الجوزی سے مشہور ہیں۔ اپنے زمانہ کے یکتائے روزگار، مفسر، محدث، مورخ، ناقد، مصنف اور خطیب ہیں۔ اور ان میں سے ہر موضوع پر ان کی ضخیم تصنیفات اور علمی کارنامے ہیں۔

ولادت : ۷۹۷ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی حالات اور تحصیل علم | بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا جب پڑھنے کے قابل ہوئے تو ماں نے

مشہور محدث ابن ناصر کی مسجد میں چھوڑ دیا، اُن سے حدیث سُنی، قرآن مجید حفظ کیا اور تجوید میں مہارت پیدا کی، شیوخ حدیث سے حدیث کی سماعت اور کتابت کی اور بڑی محنت اور اہماک اور جفاکشی سے علم کی تحصیل کی۔ اپنے صاحب زادے سے اپنے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

”مجھے خوب یاد ہے کہ میں چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوا بڑی عمر کے طلبہ میرے ہم سبق تھے، مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی راستہ میں بچوں کے ساتھ کھیلا ہوں، یا زور سے ہنسا ہوں۔ سات برس کی عمر میں جامع مسجد کے سامنے کے میدان میں چلا جایا کرتا تھا، وہاں کسی مداری یا شعبدہ باز کے حلقہ میں کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے کے بجائے محدث کے درس حدیث میں شریک ہوتا۔ وہ حدیث و سیرت کی جو بات کہتا وہ مجھے زبانی یاد ہو جاتی، پھر گھر جا کر اس کو لکھ لیتا، دوسرے

لڑکے دجلہ کے کنارے کھیلا کرتے تھے اور میں کسی کتاب کے اور اوج لے کر کسی طرف چلا جاتا اور الگ تھلگ بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔
میں اساتذہ و شیوخ کے حلقوں میں حاضری دینے میں اس قدر جلدی کرتا تھا کہ دوڑنے کی وجہ سے میری سانس بھولنے لگتی تھی۔
صبح اور شام اسی طرح گزرتی کہ کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مخلوق کی احسان مندی سے بچایا۔

(تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۳۲)

کتابت حدیث میں انہماک | حدیث کی سماعت و کتابت میں اتنا اشتغال رہا، اور اپنے ہاتھ سے مرویات

حدیث کی اتنی کتابت کی کہ بعض مورخین کا بیان ہے کہ اُنھوں نے انتقال کے وقت وصیت کی کہ ان کے غسل کا پانی اُس کترن اور برادہ سے گرم کیا جائے جو حدیث کے لکھنے کے لئے قلم بنانے میں جمع ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ اتنا تھا کہ پانی گرم ہو گیا اور وہ بج رہا۔ (ابن خلکان ص ۳۲۱)

ذوق مطالعہ | مطالعہ کا ذوق اور اس کی حرص بچپن ہی سے بڑھی ہوئی تھی، بغداد عظیم الشان کتابی ذخیروں اور وسیع کتب خانوں سے مالا مال تھا۔ ابن جوزی کا محبوب مشغلہ کتابوں کا مطالعہ تھا۔ ان کا مطالعہ کسی خاص فن یا موضوع سے مخصوص نہ تھا، وہ ہر موضوع کی کتابیں پڑھتے تھے اور ان کو اسودگی نہیں ہوتی تھی۔ ”صید النخاطر“ میں جو ان کے خیالات و تأثرات کا کشکول ہے، لکھتے ہیں :-

”میں اپنا حال عرض کرتا ہوں۔ میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے

کسی طرح سیر نہیں ہوتی۔ جب کوئی نئی کتاب نظر پڑ جاتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دہینہ ہاتھ آگیا۔ اگر میں کہوں کہ میں نے بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو بہت زیادہ معلوم ہوگا، اور یہ طالب علمی کا ذکر ہے۔ مجھے ان کتابوں کے مطالعہ سے سلف کے حالات اخلاق اُن کی عالی ہمتی، قوتِ حافظہ، ذوقِ عبادت اور علومِ نادرہ کا ایسا اندازہ ہوا جو ان کتابوں کے مطالعہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے زمانہ کے لوگوں کی سطحِ پست معلوم ہونے لگی اور اس وقت کے طلبہ علم کی کم ہمتی منکشف ہو گئی۔ (دعوتِ عزیمت ص ۳۶)

تصنیف و تالیف اور تبحر علمی علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تصنیف و تالیف کی طرف نوعمری ہی سے متوجہ ہوئے،

روزانہ چار جزو لکھنے کا زندگی بھر معمول رہا۔ حافظ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ میں نے اُن کی تالیفات شمار کیں تو ہزار تک پہنچیں۔ حدیث میں ایسا بلند پایہ رکھتے تھے کہ دعویٰ سے کہتے تھے کہ ہر حدیث کے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ صحیح ہے یا حسن یا محال ہے۔ ادب و انشاء و خطابت میں بغداد میں ان کی نظیر نہ تھی۔

تقویٰ اور ذوقِ عبادت ان علمی کمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دیانت و تقویٰ اور ذوقِ عبادت کی دولت

بھی عطا فرمائی تھی۔ اُن کے واسطہ ابوالمظفر کہتے ہیں کہ وہ ہر سہفتہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ کبھی کسی سے مذاق نہیں کیا، بچپن میں کسی بچہ کے ساتھ کھیلے نہیں، کبھی کوئی مشتبہ چیز نہیں کھائی۔ ساری عمر یہی حال رہا۔

ابن النجار کہتے ہیں کہ اُن کو اذواقِ صحیحہ حاصل تھے اور حلاوتِ مناجات

ولذت دعار کے ذوق آشنا تھے۔ ابن الفارسی کا بیان ہے کہ شب بیدار تھے۔ اور ذکر اللہ سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ ان کی تصنیفات و حالات اور ارشادات سے خود معلوم ہوتا ہے کہ چشم بینا اور دل بیدار رکھتے تھے اور جمعیتِ خاطر اور تعلق مع اللہ کو سرمایہ زندگی سمجھتے تھے اور اس میں کمی آنے سے بیچین و مضطرب ہو جاتے تھے۔ ”صید الخاطر“ میں اپنی ایک حالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”ابتداءً عمر ہی سے میرے اندر طریقِ زہد اختیار کرنے کی رغبت اور اندرونی تقاضا تھا، روزے اور نوافل کا اہتمام و التزام تھا اور تنہائی مرغوب تھی۔ اُس وقت میرے دل کی بڑی اچھی حالت تھی میری چشم بصیرت روشن اور سرِ یلِ الادراک تھی۔ غر کا جو لمحہ بغیر طاعت کے گزر جاتا اس پر افسوس ہوتا۔ ایک گھڑی غنیمت معلوم ہوتی اور زیادہ سے زیادہ عمل اور اللہ کی رضا کا کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا، مجھے اللہ کے ساتھ ایک تعلق اور انس اور دعائیں لذت و حلاوت محسوس ہوتی۔ اس کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ بعض حکام اور اہل کارانِ سلطنت میری حسن تقریر اور وعظ سے متاثر ہوئے اور اُنھوں نے مجھے اپنی طرف مائل کیا اور طبیعت بھی مائل ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حلاوت جو دعا و مناجات میں محسوس ہوتی تھی جاتی رہی۔ پھر دوسرے حاکم نے اپنی طرف مائل کیا، میں (مشتبہ چیزوں کے ڈر سے) اس کے اختلاط اور کھانے پینے سے بچتا تھا، اور میری حالت کچھ بُری نہ تھی۔ پھر رفتہ رفتہ تاویل کا دروازہ کھل گیا اور میں نے

مباحات میں آزادی سے کام لیا، تو وہ ساری کیفیت جاتی رہی جتنا میں اُن حاکموں سے ملتا اور اُن کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا، قلب کی تاریکی بڑھتی جاتی، یہاں تک کہ ایسا محسوس ہوا کہ وہ روشنی بچھ گئی اور قلب تاریک ہو گیا۔

اس صورت حال سے میری طبیعت میں ایک بچینی پیدا ہوئی اُس بچینی کا اثر مجلس و غظ کے سامعین پر یہ پڑا کہ وہ بھی بچپن اور متاثر ہونے لگے۔ اس بچینی کے اثر سے اُن کو بکثرت توبہ و اصلاح کی توفیق ہوتی اور میں خالی ہاتھ کا خالی ہاتھ رہتا۔ اپنی اس مفلسی اور بدبستی کو دیکھ کر میرا اضطراب اور بڑھا، لیکن کوئی علاج نہ آیا، آخر میں نے صالحین کی قبور کی زیارت کی اور اللہ سے اپنے دل کی اصلاح کی دعا کی۔ بالآخر اللہ کے لطف و کرم نے میری دگرگی کی اور مجھے کشاں کشاں خلوت کی طرف مائل کیا، جس سے مجھے وحشت تھی اور وہ دل جو میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا، پھر قابو میں آیا اور جو حالت مجھے بہت ابھی معلوم ہوتی تھی، اُس کا عیب مجھ پر ظاہر ہوا میں اس خواب غفلت سے بیدار ہوا اور میں نے اپنے مہربان و شفیع آقا (اللہ تعالیٰ) کا دل کھول کر شکر ادا کیا۔ (تاریخ دعوت و غزیت ص ۳۹)

بلند ہمتی اور جامعیت کا شوق | ان کی خاص صفت ان کی عالی ہمتی اور کسب کمالات اور جامعیت کا

شوق ہے، جس کا اظہار اُنہوں نے اپنے حالات میں جا بجا کیا ہے۔ اُنہوں نے جب کبھی مشہور حوصلہ مندوں اور بلند ہمتوں کا جائزہ لیا ہے، انکی حوصلہ مندی

اپنی بلند ہمتی کے سامنے پست اور محدود نظر آئی ہے۔ ”صید الخاطر“ میں ایک جگہ تفصیل سے لکھتے ہیں:-

”انسان کے لئے سب سے بڑی ابتلا اُس کی بلند ہمتی ہے، اس لئے کہ جس کی ہمت بلند ہے وہ بلند سے بلند مراتب کو انتخاب کرتا ہے، پھر کبھی زمانہ مساعد نہیں ہوتا، کبھی وسائل مفقود ہوتے ہیں، تو ایسا شخص ہمیشہ کوفت میں رہتا ہے۔ مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بلند حوصلہ عطا فرمایا ہے اور اُس کی وجہ سے میں بھی تکلیف میں ہوں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں کہتا کہ کاش مجھے یہ بلند حوصلہ نہ عطا ہوتا۔“

ف: یہ تھا ہمارے اکابر کا اخلاص کہ جیسے اپنی خوبیوں کا اظہار فرمایا، تاکہ مسترشیدین اس کی طرف رغبت کریں، اسی طرح اپنی کمیوں اور کوتاہیوں کا انشاء بھی کیا، تاکہ اپنی کسی خوبی پر نظر نہ رہے بلکہ اپنی کمی پیش نظر رہے اور ڈرتے رہیں کہ جو خوبیاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عنایت فرمائی ہیں ان کے سلب ہو جانے سے مامون و مطمئن نہ ہوں۔ اور گریہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے استعاذہ اور پناہ مانگتے رہیں۔ (مرتب)

مواعظ میں سامعین کی کثرت | انکی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کے انقلاب انگیز مواعظ اور مجالس درس ہیں۔

ان مجالس و وعظ نے سارے بغداد کو زیر و زبر کر رکھا تھا۔ خلفاء و سلاطین، وزراء اور اکابر علماء ان میں بڑے اہتمام اور بڑے شوق سے شرکت کرتے۔ هجوم کا یہ حال تھا کہ ایک ایک لاکھ آدمی ایک ایک وعظ میں شمار کئے گئے ہیں۔ دس پندرہ ہزار آدمیوں سے تو کسی طرح کبھی کم نہ ہوتے۔ تاثیر کا یہ عالم تھا کہ لوگ غش کھا کھا کر گرتے

وجد و شوق میں گریبان پھاڑتے، لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں، آنسوؤں کی بھرپور لگ جاتیں، توبہ کرنے والوں کا کچھ شمار نہ تھا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ بیس ہزار یہودی اور عیسائی اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور (تقریباً) ایک لاکھ آدمیوں نے توبہ کی۔

ابن جوزی نے اپنے مجالس و غلطیوں میں بدعات و منکرات کی کھل کر تردید کی، عقائد صحیحہ اور سنت کا اظہار کیا۔ اپنی بے مثل خطابت، زبردست علمیت اور عام رجوع کی وجہ سے اہل بدعت کو انکی تردید کا حوصلہ نہ ہوا، سنت کو اُن کے مواظف و درس اور تصنیفات سے بہت فروغ ہوا۔ اور خلیفہ وقت اور امراء بھی امام احمد کے (جو اُس زمانہ میں مسلک سلف اور طریقہ سنت کی نشانی سمجھے جاتے تھے) معتقد اور ان کے مذہب کی طرف مائل ہو گئے۔
(تاریخ دعوت و عزیمت ص ۱۳۲)

عام واقعات سے بڑے بڑے نتائج ابن جوزی اپنی کتاب میں چھوٹے چھوٹے واقعات اور روزمرہ کے مشاہدات سے بڑے بڑے نتائج نکالتے ہیں۔ اور یہی ایک عامی اور ایک صاحب نظر میں فرق ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”میں نے دو مزدوروں کو دیکھا کہ ایک بھاری شہتیر اٹھا کر لے جا رہے ہیں، اور دونوں کچھ گلے ہیں۔ ایک مصرعہ پڑھتا ہے، دوسرا ترنم کے ساتھ اُس کا جواب دیتا ہے۔ ایک پڑھتا ہے تو دوسرا کان لگا کر سنتا ہے، پھر دوسرا اُس کو دہراتا ہے، یا اسی طرح کے مصرعے سے جواب دیتا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ اگر

وہ ایسا نہ کریں تو اُن کو محنت اور بوجھ کا احساس زیادہ ہو، لیکن اس ترکیب سے اُن کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ذہن اتنی دیر دوسرے کام میں لگ کر مستالینا ہے اور کچھ سرور حاصل کر لیتا ہے اور جواب کی فکر میں مشغول ہو کر اُس میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح راستہ طے ہو جاتا ہے اور بوجھ کے احساس سے غفلت ہو جاتی ہے۔ اس سے میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ انسان نے شرعی ذمہ داریوں اور فرائض کا بوجھ اُٹھا رکھا ہے اور سب سے بڑا بوجھ اپنے نفس کی سیاست ہے، بڑا کام یہ ہے کہ اُس کو اُس کے مرغوبات سے روکا جائے اور جن چیزوں سے اُس کو رغبت نہیں اُن پر اُس کو قائم رکھا جائے۔ میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ صبر کے راستہ کو تسلی اور نفس کی جائز دلاری کی مدد سے قطع کیا جائے۔ جیسا کسی شاعر نے کہا ہے کہ ”رات بھر چلنے سے سواریاں تھک جائیں اور فریاد کریں تو صبح کی روشنی کی امید دلاؤ اور دن چڑھے آرام کرنے کا وعدہ کر لو۔“

اسی طرح کی حکایت حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ اور اُن کے ایک ساتھی کہیں جا رہے تھے، ساتھی کو پیاس لگی، اُس نے کہا کہ اس کنوئیں سے پانی پی لیں، بشر حافی نے کہا کہ اگلے کنوئیں سے پی لیں گے۔ جب وہ کنواں آیا، تو بشر حافی نے آگے کے کنوئیں کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں تک صبر کرو۔ اسی طرح

تسلی دیتے ہوئے بہت دور لے آئے، پھر اُس سے کہا کہ اسی طرح دنیا کا سفر طے ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس نے اس نکتہ کو سمجھ لیا، وہ اپنے نفس کو بہلائے گا اور اُس کی دلجوئی کرے گا اور اُس سے وعدہ کرتا رہے گا، تاکہ وہ اپنے بوجھ کو سنبھال سکے اور اس پر صبر کرے۔ بعض بزرگانِ سلف فرماتے تھے کہ ”اے نفس! میں تجھے تیری مرغوب چیز سے روکتا ہوں، تو محض شفقت اور خوف کی بنا پر۔“ حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ ”اپنے نفس کو اللہ کی طرف بڑھائے لیجائے اور وہ روتا ہوتا تھا، پھر رفتہ رفتہ ہنستا کھیلتا اللہ کی طرف بڑھنے لگا۔“ یاد رکھنا چاہئے کہ نفس کی خاطر داری اور ملاطفت ضروری ہے اور راستہ اسی طرح طے ہوتا ہے۔ (صید الخاطر ص ۱۲۶-۱۲۷)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

”میں نے دیکھا کہ شکاری کتے جب محلہ کے کتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو محلہ کے کتے تو ان کو بھونکتے ہیں اور بہت شور مچاتے ہیں اور ان کے پیچھے دوڑتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ ان کتوں کی بڑی عزت ہے، ان پر جھول پڑی ہے تو ان کو ان پر حسد آتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف شکاری کتے ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور ان کو خاطر میں نہیں لاتے اور ان کے بھونکنے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اس سے ایسا معلوم ہوا کہ شکاری کتے گویا ان کتوں کی قوم ہی میں سے نہیں ہیں۔ اس لئے کہ مقامی کتے موٹے بدن اور بھدے اعضاء کے ہیں، ان میں امانت کی صفت نہیں، لیکن شکاری کتے نازک اندام

پھرتیلے ہیں، اور جیسا ان کا بدن نازک اور پھرتیلا ہے اسی طرح ان کے عادات مہذب ہیں۔ وہ جب شکار کرتے ہیں تو کیا مجال ہے کہ اُس کو منہ لگائیں، مالک کے ڈر سے یا اُس کے احسانات کے تشکر میں وہ اس شکار کو جوں کا توں پہنچا دیتے ہیں۔ اس سے ایک بات تو میں سمجھا کہ بدن اور اخلاق میں خاص مناسبت ہوتی ہے۔ اگر وہ لطیف ہے تو یہ بھی لطیف ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ آدمی کو اس پر حسد نہیں آتا جس کو وہ اپنے طبقہ یا اپنی سطح کا نہیں سمجھتا۔ اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ ایمان و عقل کی دولت سے سرفراز کرے، اُس کو اپنے اُس حاسد پر حسد نہیں ہوتا جو ایمان و عقل سے محروم ہو، اور وہ اُس کو قابل التفات نہیں سمجھتا، اس لئے کہ وہ دوسرے عالم میں ہے اور یہ دوسرے عالم میں۔ وہ دنیا کی بنا پر حسد کرتا ہے اور اس کا مطمح نظر آخرت ہے۔ اور دونوں میں بعد المشرقین ہے۔ (صید الخاطر ص ۳۹-۴۰) (از دعوت و عبرت ص ۲۲۵)

سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ کی ضرورت | وہ باوجود محدث و فقیہ ہونے کے اس حقیقت سے

بے خبر نہ تھے کہ قلب کی اصلاح اور ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے مؤثر واقعات اور سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ ”تلبیس ابلیس“ اور ”صید الخاطر“ دونوں میں فقہاء و محدثین اور طلبہ و علماء کو وہ اس کا مشورہ دیتے ہیں اور اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں۔ ”صید الخاطر“ میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ”میں نے دیکھا کہ فقہ اور سماع حدیث میں انہماک و مشغولیت

قلب میں صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس کے ساتھ مؤثر واقعات اور سلف صالحین کے حالات کا مطالعہ بھی شامل کیا جائے، حرام و حلال کا خالی علم قلب میں رقت پیدا کرنے کے لئے کچھ زیادہ سودمند نہیں۔ قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے مؤثر احادیث و حکایات سے اور سلف صالحین کے حالات سے، اس لئے کہ ان نقول و روایات کا جو مقصود ہے وہ ان کو حاصل تھا احکام پر ان کا عمل شکلی اور ظاہری نہ تھا، بلکہ ان کو ان کا اصلی ذوق اور لب لباب حاصل تھا۔ اور یہ جو میں تم سے کہہ رہا ہوں وہ عملی تجربہ اور خود آزمائش کرنے کے بعد ہے۔ میں نے دیکھا کہ عموماً محدثین اور طلبہ فن حدیث کی تمام تر توجہ اونچی سند حدیث، اور کثرت مرویات کی طرف ہوتی ہے۔ اسی طرح عام فقہاء کی تمام تر توجہ جدلیات اور حریف کو زیر کرنے والے علم کی طرف ہوتی ہے۔ بھلا ان چیزوں کے ساتھ قلب میں کیا گداز اور رقت پیدا ہو سکتی ہے۔ سلف کی ایک جماعت کسی نیک اور بزرگ شخص سے محض اس کے طور طریقے کو دیکھنے کے لئے ملنے جاتی تھی علم کے استفادہ کے لئے نہیں، اس لئے کہ یہ طور و طریقہ اس کے علم کا اصل پھل تھا، اس نکتہ کو ابھی طرح سمجھ لو اور فقہ و حدیث کی تحصیل میں سلف صالحین اور زہاد اہمیت کی سیرت کا مطالعہ ضرور شامل کرو، تاکہ اس سے تمہارے دل میں رقت پیدا ہو۔

(تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۳۶)

ف: سبحان اللہ، حضرت علامہ ابن جوزیؒ اپنے مسترشدین کو سلف صالحین کی سیرت کے مطالعہ کی کیسی نصیحت فرما رہے ہیں، جبکہ عام طور پر صوفیہ کے مخالف سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر زمانہ کے علماء کو سیرت سلف کے مطالعہ کی طرف ترغیب دینی چاہئے تاکہ طلبہ علم و عمل کے ساتھ ان کے حال سے بھی متصف ہوں۔ (درتب)

مختلف طبقات پر تنقید

علماء پر تنقید | اپنے زمانہ کے ان علماء پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں جو فقہ کے مسائل و جوئیات میں دن رات منہمک تھے اور اس فن میں موشگافیاں کرتے رہتے تھے:-

”ان فقہاء کی ایک کمزوری یہ ہے کہ ان کا سارا انہماک اسی غور و فکر میں تھا انھوں نے اپنے فن میں ان چیزوں کو شامل نہیں کیا ہے جن سے قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے مثلاً قرآن مجید کی تلاوت، حدیث و سیرت کی سماعت اور صحابہ کرامؓ کے حالات کا مطالعہ و بیان۔ سلف میں سے ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ ایک حدیث جس سے میرے دل میں رقت پیدا ہو قاضی شیحؒ کے سو فیصلوں سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔“

واعظین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

واعظین پر تنقید | ان میں سے اکثر لوگ بڑی آراستہ اور بڑی پر تکلف عبارت بولتے ہیں جو اکثر بے معنی ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں مواظ کا بڑا حصہ موسیٰ، کوہ طور، یوسف زلیخا کے قصوں سے متعلق ہوتا ہے۔ فرائض کا بہت کم تذکرہ آنے پاتا ہے۔ اسی طرح گناہوں سے

بچنے کا ذکر کبھی نہیں آتا۔ ان واعظوں نے شریعت کو پس پشت ڈال دیا ہے، اسی لئے ان کا بازو خوب گرم ہے۔ اس لئے کہ حق ہمیشہ طبیعوں پر بھاری ہوتا ہے اور باطل ہلکا اور خوشگوار۔ (تاریخ دعوت و عمر بیت ج ۱ ص ۲۲۶)

حکام و سلاطین پر تنقید | حکام و سلاطین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ حضرات شریعت

کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں۔ کبھی اس شخص کا ہاتھ کاٹتے ہیں جس کا ہاتھ کاٹنا جائز نہیں اور کبھی اس کو قتل کرتے ہیں جس کا قتل حلال نہیں ان کو یہ دھوکہ ہے کہ یہ سیاست ہے۔۔۔ یہ شیطان کا بہت بڑا فریب ہے اس لئے کہ شریعت سیاست الہی ہے۔ اور محال ہے کہ خدائی سیاست میں کوئی خلل یا کمی ہو، جس کی وجہ سے اس کو مخلوق کی سیاست کی ضرورت ہو۔ ان حکام و امراء اور سلاطین کی ایک دوسری کمزوری و مغالطہ کا ذکر کرتے ہیں:-

معاصی پر اصرار کے ساتھ ساتھ ان کو صلح و ملاقات کا بھی بڑا شوق ہوتا ہے اور ان سے وہ اپنے حق میں دعائیں کرتے ہیں۔ شیطان ان کو سمجھاتا ہے کہ اس سے گناہوں کا پلہ اہلکا ہو جائے گا۔ حالانکہ اس خیر سے اس شکر کا دفعیہ نہیں ہو سکتا۔

ایک جگہ اس کا ذکر کرتے ہیں کہ ”ان امراء و دنیا داروں کو علماء و فقہاء سے زیادہ خلاف شرع بیروں اور گانے بجانے والے صوفیوں سے عقیدت و محبت ہوتی ہے اور ان پر وہ بڑی فرخ دلی سے خرچ کرتے ہیں جبکہ اہل علم پر ایک پیسہ خرچ کرنا ان کو بار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ علماء و اطباء کی طرح ہیں اور دوا میں خرچ کرنا انسان کو بڑا بار معلوم ہوتا ہے۔“

عوام پر تنقید

عوام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شیطان نے بہت سے عوام کو دھوکہ دے رکھا ہے کہ وعظ و ذکر کی مجالس میں شریک ہونا اور متاثر ہو کر رونا ہی سب کچھ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مقصود محفل خیر میں شرکت و رقت ہے۔ میں ذاتی طور پر بہت سے آدمیوں کو جانتا ہوں کہ وہ سا اسی سال سے مجلس وعظ میں شریک ہوتے ہیں اور روتے ہیں، متاثر ہوتے ہیں لیکن نہ سود لینا چھوڑتے ہیں نہ تجارت میں دھوکہ دینے سے باز آتے ہیں۔ ارکان صلوة سے جیسے وہ بیخبر برسوں پہلے تھے ویسے ہی اب بھی ہیں۔ مسلمانوں کی غیبت، والدین کی نافرمانی میں جس طرح پہلے مبتلا تھے اسی طرح اب بھی مبتلا ہیں۔ شیطان نے ان کو یہ جمل دے رکھا ہے کہ مجلس وعظ کی حاضری اور گریہ و بکا ان کے گناہوں کا کفارہ بن جائیگا، بعض کو یہ سمجھا رکھا ہے کہ علماء و صالحین کی صحبت ہی مغفرت کا ذریعہ ہے۔

دولتمندوں پر تنقید

دولتمندوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان میں سے بہت سے لوگ مساجد اور پلوں کی تعمیر میں بہت کچھ خرچ کرتے ہیں مگر ان کا مقصود ریا اور شہرت ہوتی ہے اور یہ کہ ان کا نام چلے اور یادگار رہے۔ چنانچہ وہ اُس تعمیر پر اپنا نام کندہ کرواتے ہیں اگر رضاء الہی مقصود ہوتی تو اس کو کافی سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا جانتا ہے۔ ایسے لوگوں سے اگر صرف ایک یو ارب بنانے کو کہا جائے جن پر ان کا نام کندہ نہ تو وہ منظور نہ کریں گے۔
ف: ہمارے زمانہ کے ہر طبقہ کا حال اس سے بھی بدتر ہے جو حضرت علامہؒ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کا تحریر فرمایا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرثب)

وفات

۹۷ھ میں شب جمعہ کو اس داعی الی اللہ نے وفات پائی۔ رحمہ اللہ صبح ہے کہ ہرگز نمیر دآنکہ دلش زندہ شد بعشق
 ثبت است بر جریۃ عالم دوام ما
 (دعوت و عزیمت ۱۵۷ ج ۱)

شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم القریشی الباشمی

نام و نسب | نام محمد، کنیت ابو عبد اللہ، لقب الباشمی، والد کا نام ابراہیم القریشی ہے۔

تعارف | آپ عارفوں کے امام، سالکوں کی دلیل، اقوال فاخرہ اور کمالات باہرہ کے مالک تھے۔

ارشادات | فرماتے تھے کہ موجودات میں دینی بھائی سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں، پس اگر ایسا کوئی بھائی مل جائے تو اسکو مضبوطی سے پکڑ لو۔

ف | دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایسے دینی بھائیوں سے شاد کام کرے۔ آمین (ترجمہ) فرماتے تھے: جو شخص ادب کی حفاظت نہیں کرتا وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور جو شخص فقرا کا ادب نہیں کرتا، انکی برکتوں سے محروم رہتا ہے۔

ف | سبحان اللہ، ادب کی کیسی منفعت اور برکت بیان فرمائی۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس کسی کو جو دولت ملتی ہے وہ ادب ہی سے ملتی ہے۔ اور یہ مقولہ مشہور ہے: ”با ادب بالنیب، بے ادب لے نصیب“ اور ”الطریق کلھا ادا ب“ (مرتب) فرماتے تھے کہ بہت بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی نقض عہد کرے اور غفلت کی بنا پر اُسکی طرف توجہ بھی نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ غضب الہی کا موجب ہے۔

وفات

آپ نے ۵۹۹ھ مطابق ۱۲۰۲ء میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ

(نفحات الانس ص ۸۹)

حضرت الشیخ ابو العباس احمد الملم رحمۃ اللہ علیہ المتوفی

تعارف | آپ مصر کے جلیل القدر محقق و بزرگ تھے اور اطراف عالم سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے تھے اور اُس دور کے مصر کے علماء آپ کے سامنے باادب بیٹھتے تھے اور آپ کے والد اس وقت مشرق میں حاکم تھے۔

فضل و کمال | آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے تھے۔ لہذا اللہ کی مرضی سے جو بات آپ کی زبان سے نکلتی تھی اللہ تعالیٰ اسے پوری کر دیتے تھے، خواہ وہ باتیں مستقبل کی ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی وجہ سے آپ خود بھی فرماتے تھے کہ میں اپنے اختیار سے باتیں نہیں کہتا ہوں۔

کرامت | آپ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک قاضی آپ کے اسکار پر آمادہ ہوا۔ اور اس نے آپ کی تکفیر کا محضر لکھا اور اس کو صندوق میں رکھ کر صندوق کو مقفل کیا تاکہ صبح آپ کو بلا کر شریعت کا حکم سنائے، لیکن صبح جب اس نے صندوق کو کھولا تو وہ محضر اس میں موجود نہ تھا، جبکہ اُس صندوق کی کنجی اُسی کے پاس تھی۔ اس پر وہ کافی حیران پریشان تھا کہ اس دوران شیخ اس محضر کو لے کر قاضی کے پاس تشریف لائے اور اس سے کہنے لگے کہ جس نے تیرے صندوق سے اس محضر کو نکال لیا، وہ تیرے دل سے ایمان کو بھی نکال سکتا ہے۔ آخرت صحنی نے توبہ کی اور ڈر گیا اور اپنے اس ناپاک ارادہ سے باز آیا۔

آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی اور آپ کی معرفت حاصل کی
شریعت محمدی کی وقعت اور آداب کی پابندی کی۔

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ سیدی احمد رفاعیؒ کی سند سے مجھ کو خبر پہنچی ہے
کہ آپ فرماتے تھے کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ کسی بندے کے قلب پر چھا جاتا
ہے تو جو کچھ بندے کی طرف سے ہے وہ چلا جاتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ہے وہ رہ جاتا ہے۔ اُس وقت بندہ مٹی کے برتن کی طرح باقی رہ جاتا ہے جیسا کہ
وہ ابتدائے پیدائش میں ہوتا ہے۔ اس کی اپنی ذات کی حیثیت سے کوئی حرکت
نہیں ہوتی، اُس کی حرکت تو اُسی کی طرف سے ہوتی ہے جو اس کو جنبش دیتا
ہے۔ اور اس میں نہ کوئی اختیار ہوتا ہے اور نہ ارادہ اور نہ عمل۔

وہ فرماتے تھے کہ قطاب قطاب نہ ہوئے اور اوتاد اوتاد نہ ہوئے۔ اولیاء
اولیاء نہ ہوئے مگر وہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم
اور ان کی معرفت اور ان کی شریعت کی توقیر اور ان کے آداب سے مودب ہونے
کی وجہ سے ان درجات عالیہ تک پہنچے۔ فرماتے تھے کہ جب قلب نور سے
بھر جاتا ہے تو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو حجابات ہوتے ہیں سب
کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ (طبقات ص ۱۵۱)

وفات: آپ کی وفات کے بالے میں کوئی متعین تاریخ نہیں معلوم ہو سکی،
لیکن سن ۱۱۷۷ھ کے قریب آپ نے دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ فرمایا۔ مصر کے
قبرستان حسینیہ میں مدفون ہوئے، آپ کی قبر ایک مسجد میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ۔

(طبقات کبریٰ ص ۱۵۱)

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب | امام فخر الدین رازی، کنیت ابو عبد اللہ محمد، والد کا نام ضیاء الدین عمر بن حسین القرشی ہے۔ آپ امام المتکلمین، قاطع بدعات، فخر الاسلام والمسلمین، حجتہ اللہ علی العالمین وغیرہ کرامتوں پر القاب سے یاد کئے جاتے تھے۔

فضل و کمال | امام رازی و شافعی مسلک کے تھے اور یگانہ روزگار مفسرین و متکلمین اور علم اصول کے مسلمہ علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کی تصنیفات کی تعداد بہت زیادہ ہے، آپ کا حسب نسب نہایت بلند پایہ اور عالی مرتبت ہے۔ آپ کی منزلت و مرتبہ کا حال یہ ہے کہ علم اصول کے بڑے بڑے علماء جب آپ کا کوئی قول نقل کرتے ہیں تو ان الفاظ میں حوالہ دیتے ہیں کہ: امام نے فرمایا۔ یا۔ امام کے نزدیک یوں ہے۔ علماء جب بھی کسی حوالہ میں نام ذکر کئے بغیر یوں کہتے ہیں کہ ”امام نے فرمایا۔“ تو ہمیشہ ہر عبارت اور ہر کتاب میں لفظ امام سے حضرت امام رازی ہی مراد ہوتے ہیں۔

ولادت اور تحصیل علم | امام رازی کی ولادت ۲۵ رمضان المبارک ۵۴۳ھ یا ۵۴۴ھ یا ۵۴۵ھ میں شہر نے

میں ہوئی۔ آپ نے اپنے والد ماجد امام ضیاء الدین عمر سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی، جو ”لے“ کے خطیب تھے اور ”خطیب لے“ کہلاتے تھے۔ چنانچہ امام رازی کو لوگ

احتراماً ابن خلیب الہیؒ کہنے لگے تھے اور ان کے والد کی طرف نسبت کرتے ہوئے انھیں اس لقب سے یاد کرتے تھے۔

امام رازیؒ اپنے والد ماجد کی وفات تک ان ہی سے تحصیل علم کرتے رہے۔ اس کے بعد امام صاحب کمال سمعانیؒ کی خدمت میں پہنچ گئے، اور ایک مدت تک ان کے پاس وقت گزارا، مگر پھر واپس شہرے میں ہی لوٹ آئے اور اسرار و حکم کے علوم حاصل کرنے میں مشغول رہے۔ شیخ مجد الدین جبلی سے مکمل طور پر حکمت کی تعلیم حاصل کی۔ یہ مجد الدین الجبلی اپنے زمانہ کے بیحد ممتاز و مشہور لوگوں میں سے تھے اور محمد بن یحییٰ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ پھر جب شیخ مجد الدین جبلی کو شہر مراغہ میں رہ کر تعلیم دینے اور درس و تدریس کی دعوت دی گئی تو امام رازیؒ بھی ان کے ساتھ مراغہ چلے گئے، اُس وقت امام صاحب بہت چھوٹی عمر کے تھے، وہاں انھوں نے علم کلام و حکمت کی تعلیم ایک لمبی مدت تک حاصل کی۔ ابتداء میں امام رازیؒ فقہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے، اس کے بعد بھی انھوں نے اسرار و حکم کے علوم پر توجہ دی، یہاں تک کہ اس موضوع و مضمون میں ایسی زبردست امتیازی شان حاصل کر لی کہ اُس دور میں اُن کے درجہ کا کوئی دوسرا عالم نہیں تھا، ان کی مجلسوں میں زبردست وقار اور دبدبہ تھا اور امام صاحب کی تعظیم بادشاہ تک کرتے لگے۔

آپ کے شیوخ | ابن خلکان کہتے ہیں: امام رازیؒ نے اپنی کتاب "تحصیل الحق" میں لکھا ہے کہ "علم اصول کی تعلیم اپنے والد شیخ ضیاء الدین عمر سے حاصل کیا اور جہاں تک فقہ اور شریعت کا تعلق ہے تو اس کی تعلیم بھی اپنے والد سے حاصل کی۔ اور علم کلام میں امام حرمین سے

خوشہ چینی کی ہے، پھر آپ خوارزم چلے گئے جہاں تمام علوم میں مہارت حاصل کی۔

امام رازی اپنے زمانہ کے
علوم و معارف اور تصنیفات
 سب سے بڑے علماء میں سے تھے،

فقہ، علم منطق اور علم کلام میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، ساتھ ہی علم طب میں بھی امام صاحب اپنے وقت کے حاذق ترین طبیبوں میں سے تھے طبیب کی حیثیت سے بھی ان کی شہرت چاروں طرف دور دور تک تھی۔ یہ امام صاحب کے فضل و کمال ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کی شہرت سن کر دور دور کے شہروں سے طالبان علم ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور ان کے دریائے علم و معرفت سے فیض حاصل کرنے لگے۔

امام صاحب کی نظر بہت گہری، گفتگو نہایت فصیح و اعلیٰ اور بات کو کہنے کا ڈھنگ اور انداز بیان نہایت بلیغ تھا۔ (تفسیر رازی اردو ص ۷۲)
 آپ کے متعلق حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کو نقل کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے:-

چنانچہ حضرت شاہ صاحب امام رازیؒ کی ”تفسیر کبیر“ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ وہ نظم قرآن کے سلسلہ میں بھی بہترین تفسیر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ امام رازی پر معقولات کا غلبہ تھا۔ اور اسی وجہ سے کہنے والوں نے تفسیر کبیر کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا، ”فیہ کل شئی“
 الا التفسیر، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر انصاف کے ساتھ ان کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے نظم قرآن کے سلسلہ میں غیر معمولی تدبر سے کام لیا ہے، اور اس کی تحقیق میں خوب محنت کی ہے۔ یہ اور بات

ہے کہ انکی بعض باتوں سے اختلاف ہو، لیکن بحیثیت مجموعی ان کی تفسیر بحیثیت تفسیر بھی خوب ہے۔ اس کے علاوہ بکثرت ایسی صحیح احادیث بھی تفسیر میں لے آئے ہیں جو متداول کتب حدیث میں نہیں ملتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی نظر حدیث میں بھی وسیع ہے۔ (اکابر دیوبند کی تحفہ مولفہ مفتی محمد تقی عثمانی)

صفات اور حلیہ | امام رازیؒ ذاتی طور پر بھی ایک باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ میانہ قد، بھاری بدن، گھنی ڈاڑھی بلند

آوازی کے ساتھ آپ ایک باوقار اور وجیہ انسان تھے۔ آپ نہایت دولت مند اور صاحب ثروت شخص ہونے کے ساتھ خوش پوش اور خوبصورت شخص تھے:

مورخین لکھتے ہیں کہ جب آپ سواری پر روانہ ہوتے تو تقریباً تین سو طالب علم آپ کے ساتھ ہوتے، اور دوران سفر بھی آپ کے علمی فیضان کا سلسلہ جاری رہتا۔ مختلف فنون کے طالب علم اپنے اپنے موضوع و مضمون کے مطابق تفسیر، فقہ، علم کلام، طب، اصول اور حکمت وغیرہ کے متعلق سوالات کرتے رہتے اور امام صاحبؒ کے دریائے علم سے سیراب ہوتے رہتے۔

وعظ و تقریر | حضرت امام علیہ الرحمۃ ایک قادر الکلام واعظ اور مقرر تھے یہ آپ کے حسن بیان اور کلام کی تاثیر تھی کہ جب آپ وعظ

فرماتے تو آپ کی جادو سیانی اور دلسوزی سے سامعین زار و قطار روتے رہتے۔ علامہ ابن خلدان لکھتے ہیں: امام صاحب کو وعظ و تقریر میں ید بیضا حاصل تھا۔ آپ عربی اور دیگر زبانوں میں وعظ فرماتے تھے۔ وعظ کے دوران آپ پر ایسی وجد کی سی کیفیت طاری ہو جایا کرتی کہ آپ زار و قطار روتے

رہا کرتے تھے۔ شہرہرات میں آپ کی مجلسوں کا زبردست شہرہ تھا، یہاں تک کہ آپ کی دینی و علمی مجلسوں میں دوسرے مسلکوں اور فرقوں کے علماء بھی حاضر ہوتے اور آپ سے سوالات کرتے، امام صاحب ہر سوال کا نہایت فاضلانہ و عالمانہ جواب دیتے، اسی کا نتیجہ تھا کہ فرقہ کرامیہ کے بے شمار لوگوں نے اپنے عقائد سے توبہ کی اور اہلسنت والجماعت کا مسلک اختیار کیا۔ شہرہرات میں حضرت امام صاحب کو "شیخ الاسلام" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

بادشاہوں میں حضرت کا مقام و احترام | امام صاحب جب غزنہ کے بادشاہ سلطان

شہاب الدین کے پاس گئے تو سلطان نے آپ کا غیر معمولی اعزاز و اکرام کیا اور بادشاہ کی طرف سے بے انتہا مال و دولت سے نوازا گیا۔ پھر امام صاحب سلطان علاؤ الدین خوارزم سے وابستہ ہو گئے، اس دربار میں بھی امام صاحب کی بے انتہا قدر و منزلت کی گئی۔ خود خوارزم شاہ امام صاحب کا اتنا احترام اور ادب کرتا تھا کہ جب بھی بادشاہ کا دل حضرت امام کی زیارت کو چاہتا تو وہ خود بنفس نفیس امام صاحب کے مکان پر حاضر ہوتا، اور اس بارے میں کبھی کسی طرح کے تکلفات اور رسمیات کو خاطر میں نہ لاتا۔ اُس زمانہ کے تمام ہی بڑے بڑے لوگ امام صاحب کا غیر معمولی احترام اور اعزاز کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امام صاحب کی وفات کے بعد تمام علماء اور ائمہ نے امام صاحب کی اولاد کا بھی ہمیشہ امام صاحب کی وجہ سے غیر معمولی احترام و اعزاز اور انکی سرپرستی کی۔

امام صاحب کے درس کی شان | جب امام صاحب اپنے درس میں بیٹھتے تو آپ کے چاروں طرف

حلقہ بنا کر آپ کے تمام شاگردان رشید بیٹھتے، جیسے حضرت زین الدین الکشی علامہ قطب مصری، اور شیخ شہاب الدین نیشاپوری، پھر ان کے بعد دوسرے شاگرد بیٹھتے اور اس کے بعد دوسرے شاگرد اپنے اپنے علم اور فہم کے مرتبوں کے لحاظ سے بیٹھتے۔ اب اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو پہلے عام شاگردوں میں سے کوئی اس کا جواب دیتا، اگر اس میں اسے کوئی مشکل پیش آتی تو پھر بڑے اور اہم شاگردوں میں سے کوئی شاگرد جواب دیتا ورنہ امام صاحب خود اس کا جواب دیتے جو غیر معمولی طور پر عالمانہ اور کافی و شافی جواب ہوتا تھا۔

سلطان کا امام رازی کیلئے اعزاز | علامہ شمس الدین محمد الوتار الموصلی بیان کرتے ہیں کہ:-

میں اُس وقت شہر ہرات میں تھا جب امام رازی شہر بامیان سے وہاں تشریف لائے۔ بامیان کا یہ شہر بلخ، ہرات اور غزنہ کی پیادلوں پر واقع تھا، جیسا کہ یاقوت نے لکھا ہے، امام رازی کے ساتھ آپ کے خدام و معتقدین اور شاگردوں کا ایک زبردست مجمع تھا، جب آپ ہرات پہنچے تو خود بادشاہ نے آپ کا استقبال کیا اور غیر معمولی اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو شاہی مہمان بنایا۔ پھر بادشاہ نے شہر ہرات کی جامع مسجد میں امام رازی کے لئے ایک منبر بنوایا اور وہیں امام صاحب کی مجلسوں کے لئے آپ کے واسطے ایک تکیہ رکھوایا، تاکہ اس جگہ امام صاحب تشریف فرما ہوں۔ نیز بادشاہ نے امام صاحب کی طرف سے ایک دن متعین کیا تاکہ اُس روز عقیدت مند حاضر ہوں۔ آپ کی زیارت سے بہرہ ور ہوں، اور آپ کی علمی گفتگو اور فاضلانہ کلام

سن کر فیض حاصل کریں۔

امام صاحب کا تصوف و زہد | کہا جاتا ہے کہ امام رازی موت

کو بہت زیادہ یاد رکھتے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے وہ تمام علوم حاصل کئے جو ایک انسان کی طاقت میں ہیں، اب مجھے صرف حق تعالیٰ کی ملاقات اور اس کے روبرو حاضری کی تمنا و آرزو ہے۔ ف: سبحان اللہ، لقاے محبوب کا کس قدر شوق تھا۔ (مرتب)

علم کلام سے شغف پر تدامت | علامہ ابن صلاح کہتے ہیں: علامہ قطب طوفانی نے مجھ

سے دو مرتبہ بتایا کہ انھوں نے امام فخر الدین رازی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کاش میں علم کلام میں اتنا مشغول نہ ہوتا۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگتے۔

علامہ ابن صلاح کی ہی روایت ہے کہ امام صاحب کہا کرتے تھے:-

میں نے علم کلام اور فلسفہ کی تمام بنیادوں پر دسترس حاصل کی، مگر انجام کار پتہ چلا کہ اس سے نہ پیاسے کی پیاس بجھتی ہے اور نہ بیمار کو شفا ملتی ہے،

میں نے دیکھا کہ سب سے بہتر راستہ قرآن کریم ہی کا راستہ ہے۔ اب میں اللہ کی برتری کے اقرار میں یہ پڑھتا ہوں: **وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ**

یعنی اللہ ہی بے نیاز ہے اور تم سب محتاج ہو! اور یہ ارشاد باری تعالیٰ **لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ** (یعنی اُس کی طرح کا سا کوئی نہیں ہے) اور یہ ارشاد حق

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (یعنی آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔)

اور ذات حق کے ثبوت میں یہ آیات پڑھتا ہوں: **الْاَسْمَاءُ عَلٰی الْعَرْشِ**

استوئی یعنی وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا۔ اور یہ ارشاد حق

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ (یعنی ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اپنے
اوپر سے) اور یہ ارشاد: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكُلُّ الطَّيِّبُ (اس کی طرف
چڑھتا ہے کلام ستہرا)

اور اس حقیقت کے اعتراف میں کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے یہ پڑھتا
ہوں: قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (یعنی کہہ دو کہ سب اللہ ہی کی طرف سے
ہے)۔ پھر امام صاحبؒ نے فرمایا۔ اور میں دل کی پوری سچائی کے
ساتھ اور روح کی گہرائیوں کے ساتھ اقرار کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ ہر
وہ چیز جو سب سے زیادہ مکمل، سب سے زیادہ افضل، سب سے زیادہ عظیم
اور سب سے زیادہ بلند پایہ ہے وہ تیرے ہی شایان شان ہے۔ اور ہر وہ
چیز جو غیب اور خانی ہے تو اس سے پاک ہے۔

امام رازیؒ بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔ اس موقع پر ان کے کچھ اشعار
نمونہ کے طور پر پیش کر دینا بھی غیر مناسب نہ ہوگا۔ ابن اہل نے امام صاحب
کے یہ اشعار نقل کئے ہیں ۛ

فَهَآيَةَ اَفْتَدَامِ الْعُقُولِ عَمَّالِ

وَ اَكْثَرُ سَعْيِ الْعَالَمِيْنَ ضَلَالِ

ترجمہ: عقلوں کی آخری پرواز شکست ہے اور اہل علم کی ہر کوشش جہدِ جہد کا
آخری نتیجہ حیرانی و پریشانی ہے۔

وَاَدْوَا حَسَنًا فِيْ وَحْشَةٍ مِّنْ جُحُومِنَا

وَحَاصِلُ دُنْيَانَا اَذَى وَ وِبَالِ

ترجمہ: ہماری رو میں ہمارے جسموں میں مبتلائے وحشت ہیں اور اس دنیا کا

انجام سوائے تکالیف اور پریشانیوں کے اور کچھ بھی نہیں۔

وَلَمْ نَسْتَفِدْ مِنْ بَحْثِنَا طُولَ عُمْرِنَا

سَوَىٰ أَنْ جَمَعْنَا فِيهِ قَيْلَ وَقَالَ

ترجمہ: پوری عمر بحثوں میں اُٹھ رہے، مگر حاصل قیل و قال کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

وَكَمْ قَدْ رَأَيْنَا مِنْ رِجَالٍ وَدَوْلَةٍ

فَبَادُوا جَمِيعًا مُسْرِعِينَ وَزَالُوا

ترجمہ: بہت سے حکمران دیکھے اور بہت سی حکمرانیاں منظر عام پر اُبھریں مگر

انجام زوال و فنا کے سوا کیا ہوا۔

وَكَمْ مِنْ جِبَالٍ قَدْ عَلَتْ شَرْقَاتُهَا

رِجَالٌ فَرَّالُوا وَالْجِبَالُ جِبَالٌ

ترجمہ: کتنے ہی اہل علم بلند پہاڑوں سے بھی اونچے پہنچے، لیکن یہ پہاڑ تو

اپنی جگہ رہے، جبکہ وہ علم کے پہاڑ موت کی آغوش میں جا کر سو گئے۔

علامہ ابن خلکان کہتے ہیں، ابو عبد اللہ حسین الواسطی کہتے ہیں کہ میں نے

ہرات میں امام رازیؒ کو منبر پر یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا۔ اس سے پہلے امام

صاحب شہر ہرات والوں کو تادیب اور فحاش کر رہے تھے۔

الْمَرْءُ مَا دَامَ حَيًّا يُسْتَهَانُ بِهِ

وَيَعْظُمُ الرَّذْءُ فِيهِ حِينَ يُفْتَقَدُ

ترجمہ: آدمی جب تک زندہ رہتا ہے تو ہر قدم پر اس کی توہین کی جاتی ہے

لیکن جب وہ مر جاتا ہے تو اُسکی موت پر واویلا مچایا جاتا ہے۔

امام صاحب کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

فَلَوْ قَنَعَتْ نَفْسِي بِمَيْسُورِ بَلْعَةٍ

لَمَا سَبَقَتْ فِي الْمَكْرُمَاتِ بِحَالِهَا

ترجمہ: اگر میرا نفس اس چیز پر قانع ہوتا جو اسے مل گئی، تو کمالات میں صحابہ کمال پر سبقت نہ لے جاتا۔

وَلَوْ كَانَتْ الدُّنْيَا مُنَاسِبَةً لَهَا

لَمَا اسْتَعْقَرَتْ نَفْسَانَهَا وَكَمَا لَهَا

ترجمہ: اگر دنیا مجھے اس آتی تو میں اس کے عروج و زوال کو خاطر میں نہ لاتا۔

وَلَا أُرْمِقُ الدُّنْيَا بَعَيْنَ كَرَامَةٍ

وَلَا أَكْتَوِي سُوءَ عَہَا وَاخْتِلَالَ لَهَا

ترجمہ: میں دنیا کو لپچائی ہوئی نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اس کی برائیوں اور تباہ کاریوں سے نہیں بچ سکتا تھا۔

وَذَاكَ لَا يَحْفَظُ عَارِفٌ بِغِنَا ثَمَّهَا

وَمُسْتَيَقِّنٌ بِرَحَالِهَا وَاخْتِلَالَ لَهَا

ترجمہ: اور میں دنیا سے اس لئے بچ رہا کہ میں جانتا ہوں دنیا فانی چیز ہے اور اس بات کا یقین کہے ہوئے ہوں کہ عنقریب یہ رنگینیاں چھٹ جانے والی ہیں۔

أَدْوَمُ أَمْوَرًا يَصْغُرُ الدَّهْرُ عِنْدَهَا

وَقَسْتُ عِظْمَ الْإِنْسَانِ لِي فِي وَصَالِهَا

ترجمہ: میں نے بعض اوقات اُن کاموں میں بھی ہاتھ ڈالا جنہیں زمانہ حقیر سمجھتا تھا، لیکن باہمت لوگ ان کاموں کو بہت اونچا عزت دے سکتے تھے۔

وفات

امام فخر الدین رازیؒ نے ہرات کے مقام پر پیر کے دن یکم شوال (بروز عید) سنہ ۷۸۵ھ کو اس سرائے فانی سے کوچ کیا اور اپنے پروردگار کی آغوش رحمت میں منتقل ہوئے۔ امام سبکیؒ کا قول یہی ہے۔
 مگر علامہ قفطی کا قول یہ ہے کہ آپ کی وفات ذی الحجہ سنہ ۷۸۵ھ میں ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ امام صاحبؒ کی وفات زہر خوردانی سے ہوئی۔ جن دوسرے فرقوں کے ساتھ آپ نے مناظرے کئے اُنھوں نے آپ کو زہر دے دیا تھا۔

علامہ قفطی کہتے ہیں: امام صاحبؒ فرقہ کرامیہ پر بہت تنقید فرماتے تھے اور اُن کی غلطیاں بیان کیا کرتے تھے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اُنہی لوگوں نے کسی طرح آپ کو زہر کھلا دیا، جس سے آپ ہلاک ہو گئے۔
 (تفسیر رازی اردو ص ۲۷)

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب | نام احمد، کنیت ابو الجناح، لقب کبریٰ ہے لیکن نجم الدین کے عرف سے معروف ہیں۔ آپ کو "کبریٰ" کہنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایام شباب میں جب علوم متداولہ کے حصول میں آپ مشغول تھے، بحث و مباحثہ میں سب پر غالب آجاتے تھے، اس وجہ سے آپ کو "الطامۃ الکبریٰ" (یعنی بڑی ہلاکت) کہا جاتا تھا۔ پھر "الطامۃ" ساقط کر کے صرف "کبریٰ" کہا جانے لگا۔ آپ کے والد کا نام عمر ہے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ ہمدان آئے اور وہاں کے محدثین سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ لیکن جب انھوں نے سنا کہ اسکندریہ میں ایک محدث عظیم موجود ہیں جو فن حدیث میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں، تو آپ ہمدان سے اسکندریہ آئے اور ان سے بھی اجازت حدیث حاصل کی۔

کرامت | ایک دن اصحاب کف کے متعلق آپ کے اصحاب گفتگو کر رہے تھے، شیخ کے ایک مرید کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیسا امت محمدیہ میں کوئی شخص ہے جس کی صحبت کتب میں اثر کرے (جس طرح اصحاب کف کی صحبت کا اثر کتب پر ہوا تھا) شیخ نے باطن کے نور سے یہ بات معلوم کر لی، وہ اُٹھے اور خانقاہ کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد ایک کتا وہاں آگیا اور شیخ کے سامنے دم ہلانے لگا۔ شیخ کی نظر اس کتے پر پڑی اور اس پر توجہ فرمائی وہ اسی وقت متحیر و بے خود ہو گیا اور قبرستان جا کر

زمین پر سر گر تار ہا۔ وہ کتا جدر جاتا پچاس ساٹھ کتے جمع ہو جاتے تھے اور بالکل خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ کتا مر گیا۔ شیخ نے حکم دیا کہ اس کو دفن کر دیں۔ (نغمات الانس ص ۶۶)

آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے چچا اور شیخ طریقت
ابوالنجیب عبدالقادر سہروردیؒ کے خلفاء کبار میں سے

فصل و کمال

تھے۔ خوارزم وطن تھا۔ آپ تصوف و طریق میں مرتبہ عالی رکھتے تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بھی روحانی رشتہ سے اپنا بار اٹھائی سمجھ کر اور اپنے مرشد کا جانشین اور قائم مقام جان کر آپ کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ جب ”عوارف المعارف“ تصنیف فرمائی تو شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا اور قبول عام اور بقلائے دوام کی دعا فرمائی۔

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ پر توحید و فناء اور عشق و محبت الہی کی کیفیت کا غلبہ تھا، معارف و حقائق کے بیان میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ”مناقب الاصفیاء“ میں ہے کہ توحید و معرفت اور طریقت و حقیقت کے اصول و قواعد کے بارے میں بڑی بلند باتیں اور لطیف نکتے ارشاد فرماتے، عربی و فارسی اور نظم و نثر میں ان کی تصنیفات بہت ہیں۔ آپ کے اشعار میں عشق و مرثیہ کی عجیب کیفیت اور سوز و گداز اور محویت و استغراق کا عجب عالم نظر آتا ہے۔

آپ کا طریقہ، طریقہ کبرویہ
آپ کے سلسلہ کی ہندوستان آمد
کہلاتا ہے۔ یہ تین طریقوں سے

ہندوستان پہنچا۔

۱۔ ایک طریق امیر سید علی بن شہاب ہمدانی کشمیری المتوفی ۷۸۶ھ کا ہے۔ آپ ۸۸۶ھ میں کشمیر تشریف لائے۔ آپ کی تبلیغ و مساعی جمیدہ سے کشمیر کی بیشتر آبادی مسلمان ہوئی۔ یہ سلسلہ کشمیر میں ابھی تک زندہ و موجود رہا ہے۔ یہ سلسلہ تین واسطوں سے شیخ کبریٰ تک پہنچتا ہے۔

۲۔ طریقہ کبرویہ کے ہندوستان پہنچنے کا دوسرا ذریعہ امیر کبیر شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد دہلی المتوفی ۷۷۶ھ تھے، جو خواجہ نجم الدین کبریٰؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ سلطان قطب الدین ایبک یا سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور عرصہ تک دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز رہے، پھر کڑا، مانگیر (یوپی) فتح کر کے وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ کے بیک واسطہ خلیفہ شیخ علاؤ الدین حیوری (المتوفی ۷۳۷ھ) تھے۔ ان کے سلسلہ میں بڑے بڑے مشائخ پیدا ہوئے۔ یہ سلسلہ، سلسلہ جندیہ کے نام سے دکن کے بعض مقامات میں اب بھی موجود ہے۔

۳۔ حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰؒ کے خلیفہ سیف الدین باخری تھے، ان کے خلیفہ خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ مشائخ فردوسیہ میں سب سے پہلے ہندوستان آئے اور یہیں قیام فرمایا اور طریقہ فردوسیہ کی بنیاد رکھی۔

۴۔ ایک نسل میں ہندوستان میں بڑے بڑے علماء، مشائخ و مجاہد پیدا ہوئے جن میں حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی بریلویؒ، خلیفہ حضرت آدم بنوریؒ، حضرت سید احمد شیدؒ، حضرت مولانا خواجہ احمد نصیر آبادیؒ مشہور ہیں۔ والد محترم مولانا سید عبدالحیؒ مصنف ”زبۃ الخواطر“ کا اسی خاندان سے تعلق ہے۔ (از مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

اس طریق کی خصوصیت فنا اور اضمحال، ترک ارادہ و اختیار و اخف و خوارق و کرامات ہے۔

صاحب ”مناقب الاصفیاء“ لکھتے ہیں کہ ان کا طریقہ شطاریہ عشقیہ تھا۔ ہمیشہ زبان حال سے فرماتے رہے کہ طلب علوم دینیہ کو لازم پکڑو، اور ان پر عمل کرو۔ اور عمل کو خالص بوجہ اللہ رکھو، کیونکہ علم بے عمل غیر مفید اور عمل بے اخلاص بے ثمر ہے۔ اور کرامت کے طالب نہ رہو۔ بندگی پر استقامت اصل کرامت ہے تاکہ تم صاحب مکاشفات یقینی ہو جاؤ۔ ہندوستان میں طریقہ فردوسیہ کے اصول و قواعد کی بنیاد خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ اور ان کے پیروؤں کے ہاتھوں سے پڑی۔ اس سے پہلے عوام و خواص (الاسن شائندہ) اظہار خوارق و کرامت کی بنیاد پر پیری مریدی کرتے تھے۔ معلوم ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے زمانہ میں ہندوستان میں بہت سے محققین اہل طریقت تھے۔

(تاریخ دعوت و عزیمت ص ۱۱)

آپ کی خوارزم تشریف آوری | شیخ نجم الدین کبریؒ فرماتے تھے کہ میں علوم باطنیہ کی تحصیل کے لئے مختلف

حضرات اکابر کی خدمت میں پہنچا اور اپنے وسوسہ کی اصلاح کراتا رہا، بالآخر حضرت شیخ عسائیہؒ کی خدمت میں پہنچا، وہاں ایک عرصہ تک سلوک حاصل کرتا رہا۔ جب سلوک کی منزلیں طے کر چکا، تو شیخ نے فرمایا کہ تم خوارزم جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں تو عجیب قسم کے لوگ ہیں، وہ اس طریقہ کے منکر ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ تم جاؤ، ڈرو نہیں!

یہ حکم پا کر میں خوارزم چلا گیا اور اس طریقہ کو پھیلاتا رہا۔ اور بہت سے لوگ

مرید ہوئے۔ جب کفار تاتار خوارزم پہنچے، تو شیخ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا، انکی تعداد ساٹھ سے زیادہ تھی، سلطان محمد خوارزم شاہ فرار ہو چکا تھا اور تاتاری یہ سمجھتے تھے کہ وہ شہر میں موجود ہے، اس لئے خوارزم میں داخل ہوئے۔

شیخ نے اپنے بعض مریدین سے فرمایا کہ جلدی کرو اور اپنے ملک کی طرف روانہ ہو جاؤ، کیونکہ مشرق سے ایک ایسی آگ اُٹھی ہے کہ وہ مغرب تک سب کچھ جلا ڈالے گی۔ یہ اُمت ایک ایسے فتنہ میں پڑے گی کہ اس سے قبل کبھی نہیں پڑی تھی۔

بعض اصحاب نے عرض کیا کہ شیخ دعا فرمائیں، ممکن ہے کہ یہ بلا مسلمانوں سے ٹل جائے۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ قضائے مبرم ہے۔ دعا اس کو نہیں ٹال سکتی۔ بعض اصحاب نے کہا کہ شیخ بھی ہمارے ساتھ خراسان نکل چلیں، سواری موجود ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ میں شہید ہوں گا، مجھے باہر جانے کا حکم نہیں ہے۔ پھر آپ کے بعض مریدین خراسان کی جانب چلے گئے۔

جب کفار تاتار شہر میں داخل ہوئے تو شیخ نے باقی مریدوں کو بلایا، اور فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھڑے ہو جاؤ، ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کریں گے۔ اس کے بعد آپ گھر میں آئے۔ اپنا خرقہ مضبوطی سے کمر میں بندھا نیزہ ہاتھ میں لیا اور باہر نکل گئے۔

جب کفار سے مقابلہ شروع ہوا تو دورانِ مقابلہ کفار کا ایک تیرہ آپ کے سینہ پر لگا اور پیوست ہو گیا۔ آپ نے اُسی دم اُسے کھینچ کر باہر نکال دیا، لیکن اُسی دم انتقال کر گئے۔

منقول ہے کہ شہادت کے وقت آپ نے کلمہ کا ایک جھنڈا

پکڑ لیا تھا۔ آپ کی شہادت کے بعد بھی کافر آپ کے ہاتھ سے جھنڈا نہ چھڑا سکے۔ آخر کار اس کے پرچم کو کاٹ دیا گیا۔

سال شہادت | شیخ کی شہادت ۱۱۸۵ھ مطابق ۱۲۲۱ء میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

یو آپ کے شیخ کے مریدین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن ان میں یہ حضرات یگانہ روزگار ہیں: شیخ مجد الدین بغدادی رح، شیخ سعد الدین حموی رح، شیخ نجم الدین رازی رح (دلیر)

رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ (نفحات الانس ص ۶۶)

”تاریخ دعوت و عزیمت“ میں آپ کی تاریخ وفات ۱۱۸۵ھ درج

ہے ۱۰ جمادی الاولیٰ۔ (دعوت و عزیمت ص ۱۸۷)

حضرت شیخ محمد الدین بغدادی المتوفی ۶۱۶ھ

نام و نسب | نام محمد الدین اشرف، والد کا نام موید، دادا کا نام ابو الفتح۔
 کنیت ابو سعید ہے۔ آپ کے والدین دونوں ہی طبیب تھے۔

تعلیم و تربیت | آپ کا وطن بغداد تھا، اور سلطان خوارزم کے مقرین میں سے تھے۔ آپ مشائخ کبار میں سے تھے، حضرت نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ تھے اور خوارزم میں سکونت پذیر تھے۔

شیخ کا مرض کے مطابق علاج | جب آپ اپنے شیخ حضرت نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے

تو حضرت شیخ نے آپ کو وضو کے لئے پانی بھرنے پر مقرر فرمایا۔ جب یہ بات آپ کی والدہ کو پہنچی تو انھوں نے کسی کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ محمد الدین ایک ضعیف و نازک جوان ہے، یہ کام اس کے لئے مشکل ہوگا، آپ اُس کو کسی دوسری خدمت پر لگا دیجئے۔ شیخ نے یہ سن کر فرمایا کہ تمھاری یہ بات مجھ کو بہت عجیب سی معلوم ہوئی۔ تم نے علم طب پڑھا ہے۔ تم جانتی ہو کہ اگر تمھارے بیٹے کو صفراوی بخار آنے لگے اور اس کی دوا بجلے تمھارے بیٹے کے کسی ترکی شخص کو دوں تو کیا تمھارا بیٹا اس علاج سے تندرست ہو جائے گا۔

ف؛ مطلب یہ ہے کہ جو صاحب مرض ہے وہی دوا پئے گا تو اس کو شفا ہوگی۔ دوسرے کے دوا پینے سے اسے شفا نصیب نہ ہوگی۔ اس لئے آپ کے بیٹے میں جو مرض ہے عجب و خود پسندی کا اس کا علاج وہی ہے جو میں نے

تجویز کیا ہے، اسی سے اس کی اصلاح ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ کو مرید کے حال و مذاق کے مطابق علاج تجویز کرنا چاہیے۔ جس میں آجکل بہت کوتاہی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو طریق کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (مرتب)

بلند مرتبہ کی علامت | شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ سلطان بایزید کے ایک مرید نے جو تجربہ کار مرد تھا سوال کیا

کہ تم نے کس طرح اس خاندان کی ارادت اختیار کر لی اور سلطان بایزید کی متابعت کے بغیر راہ سلوک میں قدم رکھ دیا؟ تو میں نے جواب دیا کہ وجہ تو مجھے نہیں معلوم، اتنا جانتا ہوں کہ میں ایک دن وضو کر رہا تھا، اسی درمیان میں نے دیکھا قبلہ کی جانب کی دیوار شق ہو گئی اور ایک میدان نمودار ہوا، آسمان پر ستارے وغیرہ نمودار تھے۔ تو میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ یہ سلطان بایزید کا نور ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرا آسمان نظر آیا پوری طرح نورانی اور آفتاب کی طرح جگمگا رہا ہے، تو میں نے اُس کے بارے میں دریافت کیا۔ تو ایک شخص نے مجھے بتلایا کہ یہ شیخ مجد الدین بغدادی کا نور ہے۔ تو وہ دیویش میرا یہ جواب سن کر تعجب کرنے لگے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ آپ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالے گا کہ میں شیخ بغدادی کو شیخ سلطان بایزید پر فوقیت دے رہا ہوں، بلند مرتبہ ہونے کی نشانی اس دنیا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جس کی متابعت زیادہ ہوگی، اس کا مرتبہ بلند ہوگا۔ (لفحات الانس ص ۶۷)

ف: سبحان اللہ کیسی حکمت و بصیرت کی بات ارشاد فرمائی۔ جب

آدمی خلوص کے ساتھ راستہ طے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل میں ایسے ہی
فہم و فراست کی باتیں القادر فرماتے ہیں۔ (مرتب)
فرماتے ہیں کہ:-

میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب
میں دیکھا تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!
مجھے کوئی دعا، تعلیم فرمائیے، تو ارشاد فرمایا کہ کہو:-

اللَّهُمَّ تُبَّ عَلَيَّ حَتَّى أَتُوبَ وَأَعْمَمَنِي
حَتَّى لَا أَعُوذَ وَحَيْبُ إِلَى الطَّاعَةِ
وَكِرَّةُ إِلَى الْخَطِيئَاتِ۔
اے اللہ! مجھ پر رحم فرمائیے تاکہ میں توبہ کروں اور
میری حفاظت فرمائیے تاکہ (معصیت کی طرف)
نہ لوٹوں۔ اور میرے اندر طاعات سے محبت اور

گناہوں سے کراہت پیدا فرمادیجئے۔ (تقصار جیود الاحرار ص ۱۱)

و: سبحان اللہ! کیسی عمدہ دعا ہے جو حرز جان بنانے کے لائق ہے۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرماویں۔ (مرتب)

عبرت ناک واقعہ | ایک دن شیخ مجد الدین بغدادیؒ درویشوں
کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے۔ آپ پر

سکر کا غلبہ ہوا تو فرمایا کہ ہم بط کا ایک انڈا تمھے جو دریا کے کنارے پڑا تھا
ہمارے شیخ نجم الدین ایک مرغ تھے جنھوں نے تربیت کے پروں میں ہم کو
قبول فرمایا۔ یہاں تک کہ ہم انڈے سے باہر آئے، ہم بط کے بچے تھے اس لئے
دریا میں چلے گئے اور شیخ اسی طرح کنارے پر رہ گئے۔

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ نے اپنے نور کرامت و فراست سے اُن کے
اس دعوئی کو جان لیا اور آپ کی زبان سے یہ بات نکلی ”در دریا میسر“

(تم دیا ہی میں مرو) شیخ مجد الدینؒ نے جب یہ کلمات سنے تو ڈر گئے اور شیخ سعد الدین حموی (پیر بھائی) کے پاس آئے اور بہت زیادہ معذرت اور عجز کا اظہار کیا اور کہا کہ جس روز شیخ عالم مسرت و انبساط میں ہوں، مجھے خبر دینا، تاکہ میں اُن کے حضور میں پہنچ سکوں۔ معذرت کروں۔ ایک دن شیخ سماعی میں خوش وقت ہوئے۔ شیخ سعد الدین نے شیخ مجد الدین کو خبر کی۔ شیخ مجد الدین ننگے پاؤں حاضر ہوئے آگ سے بھرا ہوا طشت سر پر رکھے ہوئے تھے، پا انداز پر آکر کھڑے ہو گئے۔ شیخ نے اُن کی طرف دیکھا تو فرمایا کہ چونکہ درویشوں کی طرح معافی و معذرت کر رہا ہے، اس لئے ایمان تو سلامت رہ جائے گا، لیکن یہ سر ضرور جائے گا۔ اور ہم بھی اس کے ساتھ سر دیں گے۔ اور ان سروں کے پیچھے پیچھے بہت سے سرداروں اور بادشاہ خوارزم کے سر ہوں گے۔ یہ سن کر شیخ مجد الدینؒ شیخ نجم الدین کبریٰ کے قدموں پر گر پڑے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہی شیخ کی پیشینگوئی ظہور میں آگئی۔

آپ کو دریا میں پھینک دیا جانا | شیخ مجد الدین شہر خوارزم میں وعظ کیا کرتے تھے، سلطان

محمد خوارزم شاہ کی ماں بہت ہی حسین اور خوبصورت تھی، وہ شیخ مجد الدینؒ کے وعظ میں آئی اور پھر کبھی کبھی اُن کی زیارت کے لئے جانے لگی۔ شیخ کے مخالفوں کو زبان کھولنے کا موقع مل گیا۔ ایک رات جبکہ سلطان محمد خوارزم شاہ نشہ میں دھت تھا، کسی نے سلطان کے سامنے بیان کیا کہ آپ کی والدہ نے حنفی مذہب کے مطابق شیخ مجد الدین سے نکاح کر لیا ہے۔ سلطان غضب میں آگیا اور حکم دیا کہ شیخ مجد الدین کو دریائے دجلہ میں ڈلو دو۔ یہ

خبر شیخ نجم الدین کبریٰ کو پہنچی تو آپ کی حالت متغیر ہو گئی اور انا اللہ وانا الیہ راجعون فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ فرزند مجد الدین کو جلد میں پھینک دیا گیا اور وہ مر گیا یہ کہہ کر آپ نے سجدہ میں سر رکھ دیا اور دیر تک سجدہ میں رہے، پھر سجدے سے سر اٹھا کر فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ میرے فرزند کے خوں بہا میں سلطان محمد کا ملک لیلے۔ اللہ تعالیٰ نے میری یہ درخواست قبول فرمائی ہے۔

جب سلطان محمد کو یہ خبر پہنچی تو وہ پیادہ حضرت نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ساتھ میں ایک طشت سونے سے بھرا ہوا لایا جس پر تلوار اور کفن رکھا تھا۔ صدف نعال پر آکر سلطان محمد کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اگر خوں بہادر کا رہے تو یہ سونے سے بھرا ہوا طشت حاضر ہے، اور اگر آپ کو قصاص چاہیے تو یہ تلوار موجود ہے (میرا سر قلم کر دیجئے) شیخ نے فرمایا "كَانَ ذَاكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا" (یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے) مجد الدین کا خوں بہا تیرا ملک ہے، تیرا سر قلم ہوگا، بہت سی مخلوق کے سر تمھارے سر کے ساتھ جائیں گے۔ سلطان محمد ناامید ہو کر واپس ہو گیا۔

شیخ کی پیشین گوئی پوری ہونا | کچھ عرصہ کے بعد چنگیز خاں نے خروج کیا اور جو کچھ حالات گزرنے سے گزر گئے۔

خوارزم شاہ کا تمام ملک تباہ و برباد ہو گیا۔ لاکھوں سر قلم ہوئے۔ سلطان محمد کا سر بھی قلم ہوا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ (نجات الانس ص ۳۳۳)

ف: حضرت شیخ مجد الدین بغدادی نے اپنے شیخ حضرت نجم الدین کبریٰ کے متعلق جو تفصیلی کلمات بحالت سکر (بیہوشی) کہے تھے

ان کا بھی شیخ پر اتنا اثر ہوا اور اتنی ناگواری ہوئی کہ شیخ نجم الدین نے ان کو سخت بددعا دی۔ اس سے سمجھ لینا چاہیے کہ شیخ کی توہین و تنقیص کتنی بری خصلت ہے۔ اور اگر ہوش و حواس میں کوئی بے ادبی کرے تو اس کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔

اس حقیر کا خیال ہے کہ شیخ کو مکشوف ہوا ہو گا کہ اگرچہ یہ کلمہ بہوشی کے عالم میں صادر ہوا ہے مگر باطن میں اس کلمہ کا منشاء یعنی اپنے اعمال صالحہ اور احوال رفیعہ پر نظر کا شائبہ موجود ہے، جس کی وجہ سے یہ کلمہ زبان سے سرزد ہوا۔ اس لئے اس پر عقاب فرمایا۔ چونکہ مشائخ کی نظر خاص طور پر باطن پر ہوتی ہے اس لئے کسی فعل و قول کے منشاء کو ملاحظہ فرما کر ہی گرفت فرماتے ہیں، جس کو اہل ظاہر سمجھ بھی نہیں پاتے۔ جس کی بنا پر ان حضرات مشائخ پر جو جو ایسے القلوب کئے جاتے ہیں اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اُن کیلئے ضروری ہے کہ مشائخ کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کریں اور زبان کو طعن و تشنیع سے باز رکھیں۔ اسی میں خیر ہے۔ (مرتب)

شیخ نجم الدین کبریٰ کی بددعا ظاہر ہے کہ محض منی سنائی بات پر بادشاہ کا اتنا بڑا اقدام کہ ایک اللہ کے ولی کو دریا میں ڈلوادینا معمولی جرم نہ تھا، جس کی پاداش میں جو کچھ بھی ہو جاتا محل تعجب نہیں۔ ہاں مگر اتنا ہی نہ تھا۔ بلکہ بادشاہ اتنا خود سر ہو چکا تھا کہ بہت سے تاتاری تاجروں کو قتل کرا دیا، اور جب چنگیز خاں نے صلح صفائی کے لئے سفیر کو بھیجا تو اس کو بھی قتل کرا دیا۔ اس پر تاتاری خاستان

چنگیز خاں نے ہزاروں خوارزم شاہی سلطنت اور پھر پورے عالم اسلام پر حملہ کر دیا۔ (ماخوذ از دعوت و عزیمت ص ۳۱۰ ج ۱)

اس کے علاوہ بادشاہ حد سے زیادہ تعیش و تزیین کا شکار ہو گیا۔ اور "التاس علی دین ملوکھم" کے اصول کے مطابق اس کی رعایا نے اسی بادشاہ کا شعار اختیار کر لیا اور فسق و فجور میں بری طرح مبتلا ہو گئے تو اللہ کا عذاب چنگیز خاں کی صورت میں نمودار ہوا۔

یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے وقت ہوا۔ جب فسق و فجور کی حد ہو گئی تو نادر شاہ کی صورت میں عذاب آیا۔ اُس وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے لوگوں کے دروازوں پر جاجا کر زنجیر کھٹکھٹا کر، بلا بلا کر کہا کہ اے اللہ کے بندو! اب تو اللہ کی نافرمانی سے باز آ جاؤ، مجھے دہلی کی گلیوں کو چوں میں خون بہتا ہوا نظر آرہا ہے۔ لیکن لوگوں نے نہیں مانا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ان لوگوں کا کام ہی یہی ہے، ان کا دماغ صحیح نہیں۔ آخر ہوا جو ہونا تھا۔ نادر شاہ آیا اور عوام کو قتل کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ جنا کا پل لاشوں سے بھر گیا۔ اور لاشوں کی کثرت سے پانی کی روانی بند ہو گئی۔ مغلیہ نظام سلطنت تبدیل ہو گیا۔ پرانی سلطنت ختم ہو گئی قدرت ذوالجلال نے عزت والوں کو ذلیل اور ذیلیوں کو عزت والا بنا دیا۔ شہزادوں کو گد اگری کرتے اور بھیک مانگتے دیکھا گیا۔ اس حال کو دیکھ کر کسی نے کہا ع

شامت اعمال مادر صورت نادر گرفت
اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ "شومی اعمال مادر صورت چنگیز گرفت"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا عجیب معاملہ ہوا کہ وہی چنگیز خاں کی اولاد نے چند (غیر معروف) واعظوں کے وعظ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اس کو توفیق الہی کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ ذالک تقدیر العزیز العظیم۔

اب بھی کچھ اسی قسم کے حالات ممالک اسلامیہ میں چل رہے ہیں کہ حد سے زیادہ آزادی کا شیوع ہے جو دینداروں کو نہایت شاق و ناپسند ہے، جس کو مغربی طاقتیں اپنے مصلح کی بنا پر ہوا دے کر اپنے لئے ذخیرہ اندوزی ہی نہیں بلکہ اسلام و اہل اسلام کو نیست و نابود کرنے کے منصوبے بنا رہی ہیں۔ لہذا ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ صدق دل سے دربار الہی میں اللہ کی مدد کو پکاریں۔ اور دشمنان اسلام کے کید و کوسے اللہ کی پناہ طلب کریں۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَ آخِضْنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (ترجمہ) اے ہمارے رب! ہم کو کافروں کا تختہ مشق نہ بنائیے اور اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے بیشک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

اسی طرح اس دعا کو بھی لازم حال کریں۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نَحْوِ رِيْهِمْ وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ رِيْهِمْ۔ آمین! (مرتب)

آپ کی وفات ۳۱۳ھ میں دریائے ڈوبنے سے ہوئی (تقصار جہود الاحرار) **وفات** اور "لفحات الانس" میں ۶۰۷ھ یا ۳۱۳ھ میں دریائے ڈوبنے کا واقعہ درج ہے۔ (ص ۶۶۶) رَحِمَہُمُ اللّٰہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً۔

حضرت فرید الدین عطار نیشاپوریؒ المتوفی ۶۲۴ھ

نام و نسب نام محمد، لقب فرید الدین، کنیت ابو حاند اور ابو طالب، والد کا نام ابو بکر ابراہیم ہے۔ چونکہ آبائی پیشہ عطاری تھا اس لئے عطار، اور فرید تخلص کے طور پر لکھتے تھے۔

ولادت آپ کی ولادت ۵۱۳ھ میں نیشاپور کے گدکن نامی قصبہ میں ہوئی۔

حالات آپ کے والد چونکہ مشہور عطار تھے اس لئے شیخ نے ابتدائی عمر میں اُسی عطاری کی دوکان پر کام کیا، اُسی دوران طب بھی پڑھی اور بحیثیت ایک طبیب خدمت خلق کرنے لگے۔ اپنے اس شغل کے درمیان شیخ تصوف اور دیگر تصانیف کی طرف متوجہ رہے۔ پھر آگے چل کر آپ کا شمار ایسے حضرات میں ہونے لگا جن کا شہرہ مشرق سے نکل کر مغرب تک پہنچ گیا، جن کے پسند و نصائح سے مشرق اور مغرب کے لوگوں کیساں طور پر فائدہ حاصل کیا شیخ کو دینلے ایک ادیب اور شاعر ہی نہیں مانا، بلکہ وہ علم تصوف اور علم اخلاق کے نادر استاد بھی مانے گئے۔ (پیش لفظ پندنامہ)

شیخ کی توبہ کا موجب ایک روز حسب معمول شیخ فرید و عطاری کے کام میں مصروف تھے کہ ایک درویش ان کی دوکان پر پہنچے اور چند بارہ شینائندہ فرمایا لیکن یہ درویش کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ درویش نے کہا اے خواجہ! تم کس طرح مرو گے؟ تب یہ متوجہ ہوئے

اور کہا کہ جس طرح تم مرو گے۔ درویش نے کہا کہ تم میری طرح مرو گے؛ انھوں نے کہا، ہاں! یہ سُن کر درویش نے اپنی کُشکول کو سر کے نیچے رکھا اور لیٹ گیا اور اللہ کہہ کر جان دیدی۔ یہ دیکھ کر عطار کی حالت میں انقلاب برپا ہو گیا۔ فوراً دوکان بند کر دی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دوکان اُسی وقت تُلا دی اور طریقت کی راہ میں قدم رکھ دیا۔ (دفنحات الاسرار ص ۸۶)

فضل و کمال

آپ حضرت مجد الدین بغدادیؒ کے مرید تھے۔ مولانا رومؒ جب حج کیلئے تشریف لیجا رہے تھے تو ان کی خدمت میں گئے۔ انھوں نے اپنا رسالہ ”اسرارنامہ“ مولانا رومؒ کو دیا جس کو ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔ مولانا رومؒ نے فرمایا کہ ۱۵۰ سال کے بعد نوہ منصور نے روح عطار پر تجلی فرمایا اور ان کا مرتبی ہو گیا۔ جس قدر اسرار توحید اور اذواق و مواجید کے دقائق ان کی شنوی و غزلیات میں مندرج ہیں اس قدر اس جماعت کے کسی فرد کے کلام میں نہیں ہیں۔ ان کا رسالہ ”پندنامہ“ شہر آفاق ہے۔ ۶۲۷ھ میں تاتار کے کفار کے ہاتھوں ایک سو چودہ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْہِ۔ (تقصار جیوالاحرار ص ۷۷)

نصائح

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ فرید الدین عطارؒ کی کچھ نصائح ”پندنامہ“ سے نقل کروں۔

خاطر کس را مرنجہاں اے پسر در نہ خوردی زخم بر جان و جگر
اے لڑکے! کسی کے دل کو نہ ستا، ورنہ تجھے بھی اپنے جان و جگر پر زخم سہننا ہوگا

نامِ مردم جز بہ نیکوئی مبر گر ہمی خواہی کہ گردی معتبر
 لوگوں کا نام اچھائی کے ساتھ لیا کر۔ اگر تجھ کو اپنا اعتبار مطلوب ہو
 ہمنشینی جز بدرویشاں ممکن تا تو انی غیبتِ ایشان ممکن
 حُبِ درویشاں کلیدِ جنت است دشمنِ ایشان سزائے لعنت است
 لہ درویشوں یعنی اللہ والوں کی ہمنشینی اختیار کر۔ اور ان کی غیبت نہ کیا کر۔
 لہ اللہ والوں کی محبت کلیدِ جنت ہے۔ ان کا دشمن لعنت کا مستحق ہے۔

اے پسر از آخرت غافل مباش بامتاعِ این جہاں خوشدل مباش
 در بلیاتِ جہاں صبار باش گاہِ لغت، شا کہ جبار باش
 ترجمہ: اے لڑکے آخرت سے غافل نہ ہو۔ اور اس دنیا کے مال و متاع سے مسرور نہ ہو۔
 دنیا کی بلاؤں پر خوب صبر کرنے والے رہو۔ اور حصولِ نعمت کے وقت اللہ جبار کے شکر گزار رہو۔
 شد عزیزِ آدم چون استغفار کرد خوار شد شیطان چون استکبار کرد
 دانہ پست اُفتد ز بردش کنند خوشہ چوں بر سر کشد پستش کنند
 ترجمہ: آدم علیہ السلام اس لیے عزیز ہو گئے کہ انھوں نے استغفار کیا اور شیطان نے تکبر کیا تو پست
 ہو گیا۔ جیسے کہ دانہ پستی اختیار کرتا ہے تو اس کو بلند کر دیتے ہیں اور خوشہ (دالی) جب ہر کشی
 اختیار کرتا ہے تو اس کو پست کر دیتے ہیں۔

اب بے اختیار جی چاہتا ہے کہ حضرت عطار کی مناجات جو علماء و مشائخ
 کے نزدیک بیحد پسندیدہ ہے اس کو مع ترجمہ کے نقل کرنے کی سعادت
 حاصل کروں۔ شاید یہی عمل میرے لئے بخشش و مغفرت کا ذریعہ
 ثابت ہو۔ وما ذاک علی اللہ بعزیز۔

وہوہذا

مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات

بادشاہ جسم مارا در گزار ماگنہ کاریم و تو آسرز کار
اے اللہ! ہمارے جرم و خطا کو معاف فرما، ہم گنہگار ہیں اور آپ بخشے والے ہیں
تو نیکو کاری و مابد کردہ ایم جرم بے اندازہ بے حد کردہ ایم
اے اللہ! آپ تو نیکو کاریوں اور ہم بے حد برائی اور بی حساب جرم کے مرتکب ہیں۔

سالمادربند عصیاں گشتہ ایم آخر از کردہ پشیمان گشتہ ایم
سالہا سال ہم معصیت کی قیدیں رہ چکے ہیں۔ آخر کار اپنے کئے سے پشیمان ہوئے ہیں
دامادرفسق و عصیاں ماندہ ایم ہمقرین نفس و شیطان ماندہ ایم
ہم ہمیشہ سے فسق و عصیان میں مبتلا رہے ہیں اور نفس و شیطان کے ساتھ رہے ہیں

روز و شب اندر معاصی بودہ ایم غافل از امر و نواہی بودہ ایم
اے اللہ! ہم دن رات معاصی کے شکار رہے ہیں اور آپ کے اوامر و نواہی سے ہم غافل رہے ہیں
بے گنہ گزشت برما سعتے یا حضور دل نہ کر دم طاعتے
بغیر گناہ کے کوئی لمحہ ہم پر نہیں گزرا۔ اور حضور دل سے کوئی طاعت ہم بجا نہ لائے

بر در آمد بندہ بگریختہ آبروئے خود بعصیاں ریختہ
آپ کے در پر یہ بھگا ہوا غلام لوٹ کر آیا ہے۔ جو اپنی آبرو گناہوں کی وجہ سے برباد کر چکا ہے
معفرت دارد امید از لطف تو زانکہ خود سر مودہ لاقظنطوا
آپ کے لطف و کرم سے مغفرت کی امید رکھتا ہے۔ کیونکہ آپ نے ہی فرمایا ہے کہ (اللہ کی رحمت) ناامید نہ ہو

بجر الطاف تو بے پایاں بود ناامید از رحمت شیطان بود
آپ کے لطف و کرم کا سمندر بے پایاں ہے۔ اس لئے آپ کی رحمت شیطان ہی ناامید ہو سکتا ہے
نفس و شیطان زد کریمسار او رحمت باشد شفاعت خواہ من
نفس و شیطان زد کریمسار او رحمت باشد شفاعت خواہ من

لے کریم! نفسِ شیطان نے میرا راستہ کاٹ دیا ہے۔ ایک پکی جڑ تھی میری شفاعت خواہ ہو سکتی ہے
چشمِ دارم از گنہ پاکم کنی پیش ازین کا ندہ لمحہ خام کنی
میں امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے گناہوں سے پاک فرمادیں گے، اس سے پہلے کہ قبر میں مجھے خاک کریں
اندر ان دم کز بدن جسام بری از جہاں با نور ایمانم بری
اے اللہ! اس وقت جبکہ بدنِ سیمیری جان نکالیں، مجھے دیندے نور ایمان کے ساتھ لے جائیں۔
ف: سبحان اللہ، کیسی جامع و موثر دعا ہے جو اپنے معمولات میں داخل کرنے
بلکہ حرزِ جان بنانے کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی توفیق عطا فرمائے اور
قبولیت سے نوازے۔ آمین!

صاحبِ دعا شیخ عطارؒ کی عظمت و بزرگی کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ مولانا
رومؒ جیسا عظیم المرتبت بزرگ اور عارف باللہ اپنے آپ کو ان کا مقلد اور پیرو
قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ما از پئے سنائی و عطار می رویم
یعنی حضرت عطارؒ روح اور حضرت سنائیؒ ان کی دو آنکھیں ہیں۔ ہم اسی لئے انکی پیروی کرتے ہیں۔
(مرتب)

وفات: ۶۲۴ھ میں تاتار کے کفار کے ہاتھوں ایک سو چودہ سال کی عمر
میں شہید ہوئے۔ رَحْمَةُ اللهِ وَرَحْمَةُ واسِعَتہ۔ (تقصیر جو دالاحرار علیہ)
آپ کا مقبرہ نیشاپور کے اطراف میں عوام و خواص کا مرجع بنا ہوا ہے۔
نَسُوْرَ اللّٰہِ فَرَسَدَہ۔

سر حلقہ چشتیہ علیہ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی المتوفی ۶۲۶ھ

نام و نسب نام معین الدین، والد کا نام سید غیاث الدین حسن۔ آپ نسباً حسینی ہیں، آپ کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۵۳۷ھ میں سجستان یا سیستان کے قصبہ سبجز میں ہوئی۔ اسی لئے آپ سبجزی کہلاتے ہیں۔

ابتدائی تعلیم حضرت خواجہ کی نشو و نما خراسان میں ہوئی۔ پندرہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ ہر سے اٹھ گیا۔ ترکہ میں ایک باغ ملا، اُس کی نگہبانی کرتے تھے۔ ایک تہ ابراہیم قدوری نامی ایک مجذوب باغ میں آئے تو حضرت خواجہ نے اُن کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کئے، لیکن انھوں نے انگور نہیں کھایا، اور کھلی کے ایک ٹکڑے کو دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں دیا۔ کھلی کا کھانا تھا کہ حضرت کا دل انوار الہی سے روشن ہو گیا۔ علانیً دنیا کو چھوڑ کر اللہ کی طلب میں اٹھ کھڑے ہوئے، بخارا اور سمرقند پہنچے جہاں کلام مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم میں مشغول رہے۔

سے اصلی وطنی نسبت سبجزی ہے جو کاتبوں کی غلطی اور بولنے والوں کی غلط فہمی سے سبجزی ہو گیا۔ موجودہ زمانہ میں اس کا اکثر حصہ ایران میں شامل ہے اور باقی افغانستان میں۔

(حاشیہ دعوت و عزیمت ص ۲۴)

بیعت | سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ قصبہ ہارون میں حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے شرف بیعت حاصل کیا۔ بیعت کے وقت مرشد نے مرید سے وضو کرایا، دو رکعت نماز پڑھوائی۔ پھر قبلہ رخ ہو کر سورہ بقرہ پڑھنے کو کہا، اُس کے بعد اکیس بار درود شریف پڑھنے کو کہا اور ساتھ بار سبحان اللہ۔ پھر آسمان کی طرف اپنا چہرہ مبارک اٹھایا اور مرید کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:-

”ترا بخدا رسانیدم و مقبول حضرت او گردانیدم“

(یعنی تم کو اللہ تک پہنچا دیا اور اُن کی بارگاہ میں مقبول بنا دیا۔)

تکمیل ولایت | خواجہ صاحبؒ میں اولیاء اللہ کی تمام باتیں پیدا ہوتی گئیں، جن کے مظاہرے اُس سیاحت کے دوران بھی ہوتے رہے۔ مثلاً جب وہ بسزدار تشریف لائے تو وہاں ایک باغ میں ایک حوض کے پاس فروکش ہوئے، وہاں کا حاکم یا دگار محمد باغ میں سیر کے لئے پہنچا، تو ایک اجنبی کو دیکھ کر یہیں سبجیں ہوا، لیکن حضرت خواجہؒ نے اُس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ مغلوب الحال ہو گیا اور اُس پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی خواجہ صاحبؒ نے حوض کا پانی لے کر اُس کے منہ پر چند چھینٹے دیئے، اُس کو ہوش آیا تو حضرت خواجہؒ کا گرویدہ ہو گیا، مذہباً شیعہ تھا، لیکن اپنے اعیان و ارکان کے ساتھ اُن کا مرید ہو گیا، اور اپنی ساری دولت اُن کی خدمت میں پیش کر دی مگر انھوں نے اُس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جو مال ظلم و تعدی سے

سے یہ قصبہ نیشاپور کے حدود میں واقع ہے۔

وصول کیا گیا ہے، وہ اُس کے اصل مالکوں کے حوالہ کر دیا جائے۔ یادگار محمد نے
ایسا ہی کیا، غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کر دیا۔ اور جب ظاہری و باطنی تعلیم کی
تکمیل کر لی تو حضرت خواجہؒ نے اُس کو اپنا خرقہ خلافت بھی عطا فرمایا۔

ف: سبحان اللہ، حضرت خواجہؒ کی توجہ نے زمین سے اُٹھا کر آسمان تک

پہنچا دیا۔ سچ ہے ص

آنکر خاک را بنظر کیمیا کند (مرتب)

بلخ کے قیام میں اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا۔ وہاں حکیم ضیاء الدین
درویشوں کے منکر تھے، لیکن ایک روز حضرت خواجہ جنگل میں ایک کلنگ کا
شکار کر کے اُس کا کباب بنا رہے تھے کہ حکیم ضیاء الدین بھی اتفاق سے وہاں
پہنچ گئے۔ حضرت خواجہؒ نے اُن کو کباب کا ایک ٹکڑا کھانے کو دیا، جس کے بعد
اُن پر ایک غیر معمولی کیفیت طاری ہو گئی اور حضرت خواجہؒ کے مرید ہو گئے۔ گھر
آئے تو طب کی تمام کتابوں کو دریائیں ڈال کر راہ طریقت پر گھڑن ہو گئے۔ (دربم صوفیہ)

حضرت خواجہ دہلی بھی تشریف لائے اویس العارفین
دہلی کی تشریف آوری کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت خواجہؒ نے یہاں

شیخ رشید کی قبر کے پاس قیام کیا جہاں پر ایک مسجد بھی تھی

اجمیر | سیر العارفین ہی کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت خواجہؒ دہلی میں
لوگوں کے جھوم سے گھر لگے، تو اجمیر تشریف لائے۔

اُس زمانہ میں اجمیر اور دہلی کا حکمران چولان خاندان کا مشہور راجہ رائے پتھور تھا
اُس کے متقربین نے خواجہ صاحبؒ کے قیام میں بڑی مزاحمت کی، اور جیب انھوں
نے حضرت خواجہؒ کی عظمت و کرامت کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس اور لاجسار پایا تو

ہندو جو گیوں کو خواجہ کو مغلوب کرنے کے لئے امور کیا۔ اُن میں تذکرہ نگار نمایاں طور پر جوگی جے پال کا ذکر کرتے ہیں، جس سے حضرت خواجہ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے ہیں، لیکن حضرت خواجہ اپنی روحانی قوت سے اُس پر غالب رہے۔ اور اُس نے متاثر ہو کر حضرت خواجہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، جنھوں نے اُس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور خلافت بھی مرحمت فرمائی۔ (بزمِ سوفیہ ص ۷۱)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”تاریخ دعوت و غزویت“ میں کچھ خاص باتیں درج فرمائی ہیں جن کو یہ حقیر عمومی نفع کے لئے درج کر رہا ہے:-

ہندوستان اور آپ کے اصلاحی کارنامے | ”سیر الاولیاء“ کے مصنف نے بڑی صداقت و بلاغت سے

(فارسی میں) لکھا ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی کنارہ تک کفر و شرک کی بستی تھی۔ اہل تہذیب ”اَنَّا رَبُّکُمْ اَلْاَعْلٰی“ کی صدا لگا رہے تھے۔ اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو شریک کرتے تھے۔ اور اینٹ، پتھر، درخت، جانور، گائے و گوبر کو سجدہ کرتے تھے۔ کفر کی ظلمت سے اُن کے دل تاریک اور مقفل تھے۔ سب دین و شریعت کے حکم سے غافل، خدا و پیغمبر سے بے خبر تھے، نہ کسی نے کبھی قبلہ کی سمت پہچانی، نہ کسی نے اللہ اکبر کی صدا سنی۔ آفتاب اہل یقین حضرت خواجہ معین الدینؒ کے قدم مبارک کا اُس ملک میں پہنچا تھا کہ اُس ملک کی ظلمت نور اسلام سے مبدل ہو گئی، اُن کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائر شرک تھے وہاں مسجد و محراب و منبر نظر آنے لگے، جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی وہ لغزہ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔ اُس ملک میں جس کو دولت اسلام ملی

اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے مشرف ہو گا نہ صرف وہ بلکہ اُسکی اولاد در اولاد، نسل در نسل سب اُن کے نامہ اعمال میں ہوں گے۔ اور اس میں قیامت تک جو بھی اضافہ ہوتا رہے گا اور دائرہ اسلام وسیع ہوتا رہے گا، قیامت تک اُس کا ثواب شیخ الاسلام معین الدین حسن سحریؒ کی روح کو پہنچتا رہے گا۔ انشاء العزیز۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۹)

خواجہ بزرگ نے دہلی میں اپنے جانشین، خلیفہ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو بٹھایا اور خود اجیر ہی میں مقیم رہے، جہاں تبلیغ و ارشاد اور تعلیم و تربیت اور مشغولی سچ میں اپنی بقیہ زندگی پوری کر دی۔

ابو الفضل "آئین اکبری" میں لکھتا ہے: (ترجمہ) اجیر میں عزت گزین بنے اور اسلام کا چراغ بڑی آب و تاب سے روشن کیا، اُن کے انفاں قدسیہ سے جوق در جوق انسانوں نے ایمان کی دولت پائی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہندوستان میں چشتی سلسلہ کے مؤسس و بانی ہیں۔ اسی مناسبت سے چشتی سلسلہ کا تعارف جو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے تحریر کیا ہے اس کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں:-

اسلامی ہند کے معمار | اسلامی دنیا کے لئے ہندوستان کی دریافت اور فہم

عہد آفریں واقعہ تھا۔ اگرچہ پہلی صدی ہجری ہی میں یہاں اسلام کے حوصلہ مند دستے آنے شروع ہو گئے تھے۔ اور ۹۳ھ میں محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ سے ملتان تک کے علاقہ کو اپنی شمشیر و اخلاق سے تسخیر کر لیا تھا اور اس برصغیر (ہند)

میں جا بجا داعیان اسلام کے مرکز و خانقاہیں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح قائم ہو چکی تھیں۔ جیسے ع

سیا باں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا سکندر اسلام سلطان محمود غزنوی (دم ۴۲۱ھ) کے سر اور مستحکم و مستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمود غوری دم ۶۷۱ھ کے حصے میں تھی۔ اور آخری طور پر اُس کی روحانی تسخیر اور ایمانی فتح حضرت خواجہ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتی (دم ۶۷۴ھ) کے لئے مقدر ہو چکی تھی

ہندوستان کی فتح سے پہلے اسلام کے چاروں مشہور روحانی سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ وجود میں آچکے تھے اور عرصہ سے پھیل پھول رہے تھے، اپنے اپنے وقت پر اُن میں سے ہر ایک کا فیض ہندوستان کو پہنچا اور ہندوستان کی اسلامی تعمیر و تشکیل میں سب کا حصہ ہے۔ شکر اللہ مساعیہم۔

لیکن ہندوستان کی روحانی فتح اور اس سرزمین پر اسلام کا پورا انصب کئے کیلئے جس کے سایہ اور پھل سے ایک عالم مستفید ہونے والا تھا، حکمت الہی نے چشتی سلسلہ کو انتخاب فرمایا۔ وَدُبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ۔

ان اسرار الہی سے قطع نظر جن کو ہماری کوتاہ نظر نہیں پاسکتی، چشتیوں پر اس ملک کا حق ہمسائیگی بھی تھا۔ ان کا سلسلہ اس ملک کے ہمسایہ ملک ایران میں فروغ پا رہا تھا، اپنے درد مند مزاج اور نسبت عشقیہ کی بنا پر بھی جو سلسلہ چشتیہ کا سر پایہ ہے اس سلسلہ کو ہندوستان کا دل جیت لینا اور اس کو اپنی محبت کا اسیر اور عشق الہی کا منجیر بنالینا آسان تھا کہ زمانہ قدیم سے

محبت و درد اس سرزمین کے خمیر میں ہے۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۳)

ہندوستان سے چشتیوں کا پہلا تعلق | غرض ان معلوم و نامعلوم حکمتوں کی بنا پر قدرت الہی

نے ہندوستان میں اسلام کے تعارف اور اشاعت کیلئے اس سلسلہ کو انتخاب فرمایا اور چشتیوں کو ہندوستان کی طرف رخ کرنے کا اشارہ غیبی ہوا۔ سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کی طرف عنان عزیمت موڑی وہ خواجہ ابو محمد چشتی تھے جن کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی پشت پناہ تھیں، مولانا جامی "نہجۃ الانس" میں لکھتے ہیں :-

وقتے کہ سلطان محمود بغزوہ سومتا جس وقت سلطان محمود سومنات کے رفتہ بود خواجہ رادر واقعہ نمودند معرکہ پر گیا ہوا تھا، خواجہ ابو محمد کو اشارہ غیبی کہ بمردگاری وے باید رفت، درس ہو کہ اُس کی مدد کے لئے جائیں۔ وہ ستر برس ہفتاد سالگی با درویشیہ چند متوجہ شد کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ چوں آنجا رسید بنفس مبارک خود ہوئے اور وہاں پہنچ کر بنفس نفیس جہاد بامشرکوں و عبیدہ اصنام جہاد کرد۔ میں شرکت فرمائی۔

(دعوت و عزیمت ص ۲۳)

حضرت خواجہ صاحب کے اخلاق و اعمال

محبت رسول | تمام عمر عشق الہی میں وارفتہ و بے خود رہنے کے ساتھ محبت رسول کے نشہ میں بھی سرشار رہے۔ اپنے ملفوظات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بہت ہی والہانہ انداز میں فرماتے تھے۔ اور اکثر حدیث نبوی بیان

فرما کر رونے لگتے تھے۔ ایک جگہ ملفوظات میں فرمایا کہ افسوس ہے اُس شخص پر جو قیامت کے دن آپ سے شرمندہ ہوگا، اُس کی جگہ کہاں ہوگی جو آپ سے شرمندہ ہوگا، وہ کہاں جائیگا، یہ فرما چکے تو ہائے ہائے کر کے رو پڑے۔ (دلیل العارفین، مجلس دوم)

رات کو کم سوتے، اور بالعموم عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، کلام پاک ایک بار دن میں اور ایک بار رات میں ختم کرتے تھے۔
مجاہدہ کے ابتدائی دور میں جب کسی شہر میں وارد ہوتے تو قبرستان میں قیام فرماتے مگر جب لوگوں کو اُن کی خبر ہو جاتی تو وہاں توقف نہ کرتے اور چپ چاپ کسی طرف روانہ ہو جاتے۔ (گلزار ابرار (علیہ السلام) سیر الاقطاب ص ۱۰۱، ۱۲۳) (ازہم صوفیہ ص ۶۵)

حلم و عفو طبیعت جس سلم و عفو کی درویشانہ صفات منتہائے کمال تک پہنچی ہوئی تھیں۔ ایک بار ایک بد باطن شخص حضرت خواجہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہ کو اس کا علم فوراً باطن سے ہو گیا، وہ شخص جب نزدیک آیا تو بہت ہی اخلاق سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ جس ارادے سے آئے ہو، اُس کو پورا کرو۔ یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا، سر بسجود ہو کر عاجزی سے بولا کہ مجھ کو لالچ دے کر آپ کو ہلاک کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا، یہ کہہ کر بغل سے پھری نکالی اور سامنے ڈال دی۔ پھر قدموں پر گر کر کہنے لگا کہ آپ مجھ کو اسکی سزا دیجئے، بلکہ میرا کام ہی تمام کر دیجئے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے تو ہم اُس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں۔ تم نے تو میرے ساتھ کوئی بُرائی نہیں کی۔ یہ کہہ کر اُس کے لئے دعا میں لگیں۔ وہ شخص بہت متاثر ہوا اور اُسی وقت سے خدمت میں رہنے لگا۔ حضرت خواجہ کی دعاؤں کی بدولت اُس کو پچیس بار حج کعبہ کی سعادت حاصل ہوئی اور اُسی مقدس زمیں میں

پیوند خاک بھی ہوا۔ (سیر الاقطاب ص ۱۲۳ و ۱۲۴)

مریدوں سے محبت حضرت خواجہ صاحبؒ کو اپنے خلفاء اور مریدین سے غیر معمولی محبت تھی۔ خانہ کعبہ میں دعا کی تھی کہ

قیامت تک خانوارہ چشتیہ کا سلسلہ قائم رہے۔ چنانچہ یہ سلسلہ اب تک قائم ہوا اور انشاء اللہ قائم رہے گا۔

فیاضی فقر و درویشی کے باوجود ان کی خانقاہ میں شاہانہ فیاضیوں کا دریا بہتا تھا۔ مطبخ میں روزانہ اُتاکھا نا پکتا تھا کہ تمام غریب

و مساکین سیر ہو جاتے تھے۔ (سیر الاقطاب)

حقوق ہمسایہ پڑوسیوں میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو جنازہ کے ہمراہ ضرور تشریف لے جاتے۔ نماز جنازہ اور تدفین کے بعد جب

تمام لوگ واپس ہو جاتے تو تنہا اُس کی قبر پر بیٹھے رہتے اور دعائیں جو اُس وقت کے لئے موزوں ہیں پڑھتے۔ ایک بار ایک ہمسایہ کا انتقال ہوا، آپ

حسب معمول جنازہ کے ساتھ گئے، حضرت قطب الدینؒ بھی معیت میں تھے

جب تمام لوگ لوٹ گئے تو حضرت خواجہؒ ہمسایہ کی قبر پر ٹھہر گئے۔ حضرت

خواجہ قطب الدینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ

یکایک متغیر ہو گیا، پھر اُسی وقت اصلی رنگ پر آ گیا۔ اور آپ الحمد للہ

فرماتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت قطب الدینؒ نے چہرے کے رنگ کے تغیر

کی وجہ پوچھی تو فرمایا: قبر میں عذاب کے فرشتے آئے تھے، لیکن پھر رحمت الہی

نازل ہوئی۔ خود بھی عذاب قبر سے بچد خائف رہتے تھے۔ اور جب کبھی قبر کا

سے راحت القلوب، مجلس دہم۔

ذکر آتا تو گریہ طاری ہو جاتا، اور کبھی چیخیں مار کر روتے۔

لباس و غذا | خواجہ صاحبؒ کے فقیرانہ لباس میں دوہرا بنجیہ ہوتا تھا۔ اگر وہ بھٹ جاتا تو جس رنگ کا بھی کپڑا مل جاتا اُسی کا پیوند لگا لیا کرتے تھے

کھانا بہت کم تناول فرمایا کرتے۔ ریاضت کے ابتدائی زمانہ میں لگانا رسات سات دن تک روزے رکھتے اور صرف پانچ مثقال کی ٹکیہ سے روزہ افطار کرتے۔ ”سیر الاقطاب“ کے مؤلف کا بیان ہے کہ برابر صائم الدہر رہتے، سفر میں تیر و کمان، نمکدان اور حقیقاً ساتھ رکھتے اور شکار کے کباب سے روزہ افطار فرماتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کے ارشادات و تعلیمات

نماز | نماز کے متعلق فرماتے ہیں کہ نماز رکن دین ہے اور رکن وستون مترادف ہیں۔ اگر ستون قائم رہے گا تو گھر کھڑا رہے گا۔ اور جب ستون ہی گر جائے گا گھر گر پڑے گا۔ جس نے نماز میں خلل ڈالا، اُس نے اپنے دین اور اسلام کو خراب کیا۔ (بزم صوفیہ)

ایک بزرگ کا واقعہ | نماز کی اہمیت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا گزر شام کے قریب ایک شہر میں ہوا۔ اُس شہر کے باہر ایک غار تھا، بزرگ اُس میں سکونت پذیر تھے، خوف اور محبت الہی سے اُن کے بدن پر گوشت و پوست نہ تھا، صرف ہڈیاں ہی رہ گئی تھیں، ایک سجادہ پر متمکن تھے۔ میں ادب سے قریب جا کر بیٹھ گیا، دریافت فرمایا کہ کہاں سے آئے ہو؟ میں نے جواب دیا، بغداد سے آیا ہوں۔ فرمایا، خوب آئے! لیکن

عہ تفصیل کے لئے دیکھو دلیل العارفین، مجلس چارم

مناسب ہے کہ درویشوں کی خدمت کرتے رہو تاکہ تم کو ذوقِ درویشی حاصل ہو، مجھے کئی برس اس غار میں رہتے ہوئے گزر گئے، تمام دنیا سے علیحدگی اختیار کر کے اس غار میں چھپا بیٹھا ہوں، ایک بات سے ایسا ڈرتا ہوں کہ رات دن روتے گزرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت وہ کونسی بات ہے؟ فرمایا: مناسب ہے جس وقت ادا کرتا ہوں خوفِ معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کوئی شرطِ فروگزاشت نہ ہوگئی ہو، اور میری ساری محنت اکارت ہو کر یہی نماز موجبِ عتابِ خداوندی ہو۔

(دلیل العارفین، مجلس دوم) (از بزمِ صوفیہ)

نماز کو مومن کی معراج کہا گیا ہے، اس لئے جب کوئی نماز پڑھے تو اس طرح پڑھے کہ گویا انوارِ تجلی کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

و: اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی ہی نماز کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (ارتر)

روزہ و حج | حضرت خواجہ صاحبؒ کے نزدیک روزہ اور حج کی بڑی اہمیت تھی، وہ خود صائم الدہر رہے۔ اور خانہ کعبہ کی

زیارت بکثرت فرمائی۔

احترامِ کلامِ پاک | کلامِ پاک کی تلاوت کی بڑی فضیلت بتائی ہے اور اس کو ایک بڑی عبادت قرار دیا ہے۔ اور

اس کتاب کی تعظیم پر بھی بڑا زور دیا ہے۔ اس سلسلہ میں بیان فرمایا کہ سلطان محمود غزنوی انارادہ برہانہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا، پوچھا، خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا: ایک رات میں کسی قصبہ میں مہمان تھا، جس مکان میں ٹھہرا تھا وہاں طاق پر قرآن پاک کا ایک ورق رکھا ہوا تھا، میں نے خیال کیا، یہاں ورقِ مصحف رکھا ہوا ہے، سونانہ چاہئے۔ پھر دل میں خیال آیا کہ

ورق مصحف کو کہیں اور رکھوادوں اور خود یہاں آرام کروں، پھر سوچا کہ یہ بڑی بے ادبی ہوگی کہ اپنے آرام کی خاطر ورق مقدس کی جگہ تبدیل کروں، اس ورق کو دوسری جگہ نہ بھیجا۔ اور تمام رات جاگتا رہا۔ میں نے کلام پاک کے ساتھ جو ادب کیا اُسی کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بخش دیا۔ (بزم صوفیہ)

ف: اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پاک کے ادب کی توفیق مرحمت فرمائے کہ بظریار ہو جائے۔ مگر افسوس کہ اب اس امر میں بے حد کوتاہی ہو رہی ہے۔
اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ (مرتب)

اہل سلوک کی عبادتیں | خواجہ صاحب نے اہل سلوک کی منجملہ عبادتوں میں پانچ اور عبادتیں بتائی ہیں۔ (۱) والدین کی خدمت (۲) کلام اللہ کی تلاوت (۳) علماء و مشائخ کی تعظیم اور دوستی (۴) خانہ کعبہ کی زیارت (۵) پیر کی خدمت۔ (دلیل العارفین، مطبع مجتہد، ص ۲۳، ۲۴)

ف: اہل سلوک ہی نہیں بلکہ یہ تمام اہل اسلام کی عبادتیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام و سلوک دو نہیں بلکہ درحقیقت ایک ہی ہیں، بس نام کا فرق ہے۔ (مرتب)

راہ سلوک کے گناہ | خواجہ صاحب کا ارشاد ہے کہ راہ سلوک میں چپٹار گناہ کبیرہ ہیں۔ (۱) گورستان میں قہقہہ لگانا۔

(۲) گورستان میں کھانا پینا، کیونکہ یہ عبرت کا مقام ہے (۳) مردم آزاری کرنا۔
عہ دلائل العارفین مجلسِ پنجم ص ۱۱۷ یہ ایک خواب کی بات ہے جس کو موجودہ دور کے مورخ اپنی تحقیق و تدقیق میں اہمیت دینا پسند کریں گے؛ لیکن اولیاء اللہ محمود غزنوی کو کن نظروں سے دیکھتے تھے وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوگا۔ روایت فوائد القواد ص ۱۶ میں بھی ملے گی۔ (بزم صوفیہ ص ۷)

(۳) اللہ کا نام لے کر لرزہ بر اندام نہ ہونا۔ سالک کو ان گناہوں سے بچنا لازم ہے۔

عارف ایک عارف کی معنوی خوبیوں کا اندازہ خواجہ صاحب کے مندرجہ ذیل ارشادات عالیہ سے ہوگا۔

عارف علم کے تمام رموز سے واقف رہتا ہے، اسرار الہی کے حقائق اور انوار الہی کے دقائق کو آشکارا کرتا ہے۔ (دلیل العارفین ص ۵) (بزم صوفیہ ص ۵)
عارف عشق الہی میں کھو جاتا ہے۔ اور اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اُسی کی قدرت کاملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے۔

عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے، تو وہ اُس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اگر ہزاروں فرشتے بھی اُس سے مخاطب ہوں تو وہ اُن کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ عارف ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے۔ عالم ملکوت میں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مقررین پر اُس کی نظر پڑتی ہے اور وہ اُن کے حرکات و سکنات کو دیکھ کر مسکراتا ہے۔

عارف وہ ہے جو اپنے دل سے ساری باتیں نکال کر یگانہ ہو جائے۔ عارف کا کمال یہ ہے کہ دوست کی اس راہ میں اپنے کو جلا کر خاک سیاہ کر دے۔ (دلیل العارفین مطبع مجتبیٰ)
عارف کی فضیلت اس میں ہے کہ وہ خاموش ہے اور غصہ و اندوہ میں ہو۔
عارف دنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے۔ اُس کو دنیا کے شور اور ہنگامے کی کوئی خبر نہیں رہتی ہے۔ (ایضاً ص ۵)

دنیا میں تین چیزیں عزیز ترین ہیں۔ (۱) عالم کا وہ سخن جو اپنے علم سے بیان کئے (۲) وہ شخص جس کو طمع نہ ہو۔ اور (۳) وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی ثنا و صفت بیان کرتا ہے۔ (دلیل العارفین ص ۵)

عارف جب وحدانیت اور ربوبیت کے جلال کو دیکھتا ہے تو نایاب ہو جاتا ہے، تاکہ غیر پر اُس کی نظر نہ پڑے۔ (ایضاً ص ۴۱)

عارف کا ایثار بے نیازی ہے۔ (ایضاً ص ۴۱)

عارف کی خصلت اخلاص ہے۔ (ایضاً)

عارف اللہ کی محبت میں کامل ہوتا ہے، پس جب وہ اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے تو وہ ہوتا ہے اور اس کا دوست۔ (ایضاً ص ۴۱)

عارف کا توکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نہ التفات نہ رکھے حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف و رنج پہنچے تو وہ نہ اُن کی شکایت کرے اور نہ حکایت۔ (ایضاً)

عارف وہ ہے جو صبح کو اُٹھے تو رات کو یاد نہ کرے۔ (ایضاً ص ۴۱)

عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکر حق کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہ رکھے۔ (ایضاً ص ۴۱)

عارف کی صفت آفتاب جیسی ہے۔ تمام دنیا اُس سے منور ہے۔ دنیا کی کوئی چیز اُس کی روشنی سے محروم نہیں ہے۔

عارف کیلئے تین ارکان ضروری ہیں۔ ہیبت، تعظیم، حیا۔ اپنے گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت گزار تعظیم ہے۔ اور اللہ کے سوا کسی چیز پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے۔ (سیر الایقظاب ص ۱۳۹) (بزم صوفیہ ص ۴۱)

ف: یہ معرفت کے درجات و مقامات ہیں۔ اس لئے کہ جب مالک راہ سلوک طے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسے علوم و معارف سے نوازتے ہیں۔ اس لئے غیر عارف کو اس کا انکار نہ کرنا چاہئے، بلکہ ان اصحاب معرفت کے ان علوم و معارف کی تصدیق کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر وہ معارف حاصل نہیں، تو کم از کم تصدیق

تو کرنا لازم ہے۔ اس سے نفع نصیب ہوگا۔ جیسا کہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ
وصی اللہ صاحبؒ اکثر یہ سناتے تھے کہ امام غزالیؒ نے علوم آخرت کے اقسام
میں فرمایا کہ:

”القسم الاول علم المکاشفة وهو علم الباطن وذلك
غاية للعلوم، فقد قال بعض العارفين من لم يكن له
نصيب من هذا العلم اخاف عليه سوء الخاتمة
والذي نصيب منه التصديق به وتسليمه لاهله۔

(احياء العلوم، کتاب العلم ص ۲۷)

(ترجمہ) قسم اول، علم مکاشفہ ہے اور وہ علم باطن ہے اور یہ جملہ علوم کی غایت ہے
اور بعض عارفین نے فرمایا کہ جس کو اس علم باطن سے کوئی حصہ حاصل نہیں ہے اس کے
سور خاتمہ سے ڈرتا ہوں۔ اور اس کا ادنیٰ حصہ یہ ہے کہ اس علم کی تصدیق
کرے اور اس علم والوں کو تسلیم کرے۔ (التبلیغی طریق ص ۷۷) (مرتب)
آپ کے کلام و ملفوظات کو ”دلیل العارفین“ میں حضرت بختیار کاکی اوشیؒ نے جمع
کر دیا ہے۔ اُس میں تحریر ہے کہ:-

آپ نے فرمایا: میں نے خواجہ عثمان ہارونیؒ سے خود سنا، فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ
کے ایسے اولیاء بھی ہیں کہ اگر اس دنیا میں ایک لمحہ بھی اُس سے حجاب میں ہو جائیں
تو نیست و نابود ہو جائیں۔

فرمایا: میں نے خواجہ عثمان ہارونیؒ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جس شخص میں تین
باتیں ہوں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے۔ اول، سمن درون جیسی
سخاوت، دوم، آفتاب جیسی شفقت، سوم، زمین جیسی تواضع و مسکنت!

فرمایا: بہتی ندیوں کا شور سنو، کس طرح شور کرتی چلتی ہیں، مگر جب سمندر میں پہنچتی ہیں تو بالکل خاموش ہو جاتی ہیں۔

فرمایا: نیک لوگوں کی صحبت نیکی سے بہتر اور بُروں کی صحبت بدی سے

بدتر ہے۔ فرماتے تھے کہ عارفوں کا بڑا بلند مقام ہے۔ جب وہ اُس مقام پر پہنچ

جاتے ہیں تو تمام دُنیا و مافیہا کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہیں۔

فرمایا کہ تمہارا کوئی گناہ اس قدر ضرر رساں ثابت نہ ہوگا جتنا کہ کسی

مسلمان کی بے عزتی کرنا۔ فرمایا کہ بد بختی یہ ہے کہ گناہ کرتا رہے پھر بھی مقبولِ بارگاہ

ہونے کا امیدوار رہے۔

فرمایا کہ جس نے بھی کوئی نعمت پائی اُس نے سخاوت کی بنا پر پائی۔

فرمایا کہ درویش وہ ہے جس کے پاس جو بھی کوئی حاجت لے کر آئے تو اس کو

خالی ہاتھ واپس نہ جانے دے۔

فرمایا: اس دنیا میں درویشوں کی درویشوں کے ساتھ مجالست عزیز ترین

چیز ہے۔ اور درویشوں کا ان سے جدا ہونا بدترین شے ہے۔ کیونکہ یہ جدائی

کسی علت سے خالی نہ ہوگی۔

ف؛ ممکن ہے کہ وہ علت کینہ و حقدا یا حسد ہو، یا عصبیت و کُوپ بندی ہو،

ظاہر ہے کہ یہ کس قدر مذموم ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

فرمایا: درحقیقت متوکل وہ ہے جو مخلوق کی کلفت و اذیت سے دوچار

ہو، مگر وہ کسی سے شکایت نہ کرے، بلکہ کسی سے ذکر بھی نہ کرے۔ اور سب سے

بڑا عارف وہ ہے جو اللہ کی طلب میں سب سے زیادہ حیران ہو۔

فرمایا کہ عارف کی علامت یہ ہے کہ موت کو محبوب رکھے، عیش و راحت

کو خیر باد کرے، اور یاد الہی سے مانوس ہو جائے۔ فرمایا کہ سب سے بہتر وقت یہ ہے کہ دل و وسوسوں سے پاک و صاف ہو۔ فرمایا کہ اہل معرفت ایسے آفتاب ہیں جو تمام عالم پر درخشاں ہیں اور تمام عالم اُن کے نور سے منور ہے۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ اہل معرفت دنیا والوں کے لئے قابلِ قدر و منزلت ہیں، بلکہ ان کا ممنون احسان ہونا چاہئے اور ان کی تحقیر نہ کرنا چاہئے۔ اللہم اھفظنا۔ (مرتب) فرمایا کہ لوگ منزلِ قرب تک اُس وقت پہنچ سکتے ہیں جبکہ نماز میں مکمل اطاعت کریں۔ کیونکہ مومن کی معراج یہی نماز ہے۔ (اخبار الاخیار)

ف : سنت کی رعایت کے ساتھ نماز کی ادائیگی یہی اقامتِ صلوٰۃ اور تکمیلِ نماز ہے، جس کی تاکید حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی کہ صَلُّوا کَمَا رَأَيْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (بخاری شریف) (یعنی نماز اس طرح پڑھو جیسا کہ مجھ کو پڑھتے ہوئے دیکھو گئے) لہذا موجبِ قربِ خداوندی وہی نماز ہوگی جو خشوع و خضوع اور اتقانِ سنت کے ساتھ ہوگی۔ یہی نماز معراج المومنین کہلانے کی مستحق ہے۔ (مرتب)

وفات تقریباً نصف صدی ارشادِ تلقین، اسلام کی اشاعت اور ایمانِ اسلام و اہلِ قلوب کی تعلیم و تربیت اور یادِ حق میں سرگرمی کے ساتھ مشغول رہ کر ۹۰ سال کی عمر میں ۶۳۷ھ میں سوقتِ رحلت فرمائی جبکہ دوستانِ میں اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا پودا جو پکڑ چکا تھا اور دار الحکومتِ ہلی میں اُن کا جانشین و تربیت یافتہ شیخ وقت (خواجہ قطب الدین) اختیار کاکی (ج) ارشاد و ہدایت کے کام میں سرگرم و منہمک تھا، اور اُن کا عقیدت مند و حلقہ گوشِ سلطان شمس الدین التمش اسلامی حکومت کی توسیع و استحکام اور عدلِ گہری خلقِ پوری میں مشغول تھا۔ جز اللہ۔ اور اخبار الاخیار میں تاریخ وفات ۱۰ جیب ۶۳۷ھ درج ہے۔ جز اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ ۳۳ھ

نام و نسب نام بختیار، لقب قطب الدین عرف عام میں خواجہ کاکی کہلاتے تھے۔ والد کا نام سید موسیٰ ہے۔ آپ نسباً حسینی ہیں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کا نسب ملتا ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۳۳ھ میں قصبہ اوش میں ہوئی۔ آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے جلیل القدر خلفاء اکابر اولیاء اور عظیم القدر صوفیاء میں سے تھے۔ اور بڑے مقبول بزرگ تھے۔ ترک دنیا اور فقر و فاقہ میں ممتاز تھے اور یاد الہی میں بڑے مستغرق اور محو تھے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت اٹھ گویا، والدہ ماجدہ نے پوری ذمہ داری سے تعلیم و تربیت کا فرض انجام دیا۔ ”خیر المجالس“ میں ہے کہ :-

”حضرت خواجہؒ بچہ تھے اور ان کے والد کا سایہ ان کے سر پر سے اٹھ گیا، تو اپنی والدہ سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ قرآن پڑھوں، مجھ کو کسی معلم کے پاس بھیج دیں۔ والدہ نے تختی اور مٹھائی منگوائی اور ایک کنیز کے ساتھ پڑوس میں ایک حافظ کے پاس روانہ کیا، راستہ میں ایک بوڑھا آدمی ملا، حضرت خواجہ قطب الدین نے اُسکو سلام کیا، اُس نے پوچھا، بابا کہاں جاتے ہو؟ جواب دیا قرآن پڑھنے جاتا ہوں، میری والدہ نے مجھ کو مسجد میں بھیجے۔ بوڑھے نے کہا،

عہ اوش ماوراء النہر میں فرغانہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔

اُس مسجد میں نہ جاؤ، میرے ساتھ آؤ، میں جہاں چلوں وہاں چلو، اور وہیں قرآن پڑھو۔ خواجہ صاحبؒ نے کہا، بہت خوب! اور اُس بوڑھے آدمی کے پیچھے پیچھے چلے، ایک مسجد میں دونوں آئے۔ اباحفص بیٹھے ہوئے تھے اور اُن سے کچھ رُط کے پڑھ رہے تھے۔ اباحفص نے اُس بوڑھے آدمی کو دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور تعظیم بجالائے اور اُس کے پاؤں پر گر پڑے اس کے بعد بوڑھے آدمی نے کہا کہ اس بچے کو تمھارے پاس لائے ہیں اس کے ساتھ محنت کرو اور قرآن مجید پڑھاؤ۔ اباحفص نے منظور کر لیا اور اپنے پاس بٹھایا۔ جب وہ بوڑھا آدمی چلا گیا تو اباحفص نے خواجہ قطب الدین سے پوچھا کہ جانتے ہو، یہ بوڑھا آدمی کون تھا؟
 وہ خواجہ خضر تھے۔ (بزم صوفیہ ص ۷۸)

”سیر العارفین“ میں ہے کہ خواجہ صاحبؒ نے مولانا ابوحفصؒ کی صحبت کی برکت سے بڑے بڑے ظاہری و باطنی کمالات حاصل کئے اور سلوک کی تعلیم بھی پائی، یہاں تک کہ ریاضات و مجاہدات سے ایک ساعت بھی غافل نہ رہتے تھے۔

اوش سے نکل کر خواجہ صاحبؒ بغداد پہنچے۔ ”سیر الاولیاء“ (ص ۴۸) میں بیعت ہے کہ یہاں ابواللیث سمرقندیؒ کی مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین حبشیؒ سے بیعت ہوئے۔ اس مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ احمد کرمانیؒ، شیخ برہان الدین حبشیؒ، شیخ محمد صفہانیؒ بھی تھے۔

”سیر العارفین“ (ص ۱۸) میں بیعت کے وقت خواجہ صاحبؒ کی عمر بیس سال لکھی ہوئی ہے۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم (ص ۳۷۸) میں بیس سال اور ”آئین اکبری“ (جلد سوم ص ۱۶۹) میں ۱۸ سال مرقوم ہے۔ (بزم صوفیہ ص ۸۶)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ کو خلافت اور غرقہ وغیرہ عنایت کر کے فرمایا کہ: ”اب جاؤ، سپرد خدا۔ اللہ تمہیں منزل پر پہنچائے“

پھر فرمایا کہ: چار چیزیں نفس کا جوہر ہیں۔ اول درویشی میں تو نگری کرنا، دوم بھوک میں سیر نظر رہنا۔ سوم، غم میں مسرور معلوم ہونا، چہارم، دشمن سے دوستی کا معاملہ کرنا۔ پھر فرمایا کہ: جہاں بھی جانا کسی کا دل نہ دکھانا، اور جہاں بھی رہنا مردوں کی طرح رہنا۔ (اخبار الاخیار ص ۷۱)

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ نصائح ہیں جو جملہ مسلمانوں کو عموماً اول اس سلسلہ سے منسلک لوگوں کے لئے خصوصاً قابل عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

دہلی میں ورود مسعود | ہندوستان تشریف لائے اور اپنے شیخ کے حکم و ہدایت سے دہلی کو اپنا مستقر بنایا جو نوخیز و وسعت پذیر اسلامی سلطنت کا دار الحکومت تھا، اور جو ایک طرف عالی ہمت مسلمان بادشاہوں کی قدر دانی و جوہر شناسی کی وجہ سے، دوسری طرف تاریخی حملوں کی بنا پر علماء و شرفاء و اہل کمال کا ملجا و ماویٰ بن گیا تھا اور عالم اسلام کا جوہر وہاں منتقل ہو رہا تھا۔

سلطان شمس الدین التمش نے شایان شان پذیرائی کی۔ آپ نے دربار سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہ کیا اور سلطان کی کسی پیشکش (دہیہ و جاگیر) کو قبول نہ فرمایا۔ اور پہلے کیلو کھری میں، پھر ملک عز الدین کی مسجد کے قریب فقیرانہ و درویشانہ زندگی اختیار کی۔ (دفرشتہ ص ۲۷۲ ج ۲) (از دعوت و عزیمت ص ۳۱)

سلطان برابر عقیدت کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوتا رہا، اور اس کی عقیدت

برابر ترقی کرتی رہی، اہل شہر کا ایسا رجوع عام ہوا کہ شیخ الاسلام شیخ نجم الدین مغربی کو کبیدگی اور شکایت پیدا ہو گئی۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ اپنے خلیفہ کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے تو شیخ نجم الدینؒ نے جو ان کے قدیم دوست تھے شکایت کی۔ حضرت خواجہؒ نے اپنے مدیر رشید سے فرمایا:-

بابا بختیار ہم یکبارچنین مشہور بابا بختیار اتم اتنی جلدی ایسے مشہور ہو گئے
شدی کہ خلق از دست تو شکایت کرد کہ بندگان خدا کو تم سے شکایت پیدا ہونے لگی،
گرفت، ازین جا برخیز و در اجیر بسیا یہاں سے چلو اور اجیر آؤ، وہاں قیام اختیار
و بنشین من پیش تو بایستم۔ کرو۔ میں تمھارے سامنے (خدا مان) کھڑا رہوں گا۔
(دیر الاولیاء ص ۱۵۵)

شیخ نے وہ ارشاد فرمایا جو ایک ایسے عالی مرتبت شیخ کو فرمانا چاہئے، جو کمال اخلاص و ربانیت کو پہنچ چکا تھا۔ مردانِ راہ و واصیلین بارگاہِ ادنیٰ مخلوق کی شکایت و آزدگی کو گناہ سمجھتے ہیں، چہ جائیکہ شیخ الاسلام کی کبیدگی کو، پھر آپ مرکز اسلام میں انتشار و پرانگندگی کو پسند نہیں کرتے تھے، جس کا اس رنجش سے خطرہ تھا۔ آپ نے لطیف طریقہ پر تنبیہ بھی فرمادی کہ اگر یہاں کے اہل فضل تمھاری قدر و منزلت اور مقام سے واقف نہیں، تو میں تو واقف ہوں، اور یہ کہ یہاں خادوم و مخدوم و شیخ و مرید کا کوئی امتیاز نہیں، وہاں تم مخدوم و مساندہ رہو گے، میں خادمانہ۔۔۔۔۔ خواجہ قطب الدینؒ نے وہی جواب دیا جو ایک مدیر رشید کو دینا چاہئے تھا۔ عرض کیا:-

”مخدوم مرا چہ محل آں باشد مخدوم! میں تو آپ کے سامنے
کہ پیش مخدوم تو اتم استاد کھڑے ہونے کا بھی اہل نہیں ہوں

فلیف ہنشتیم۔ (سرلاویار ۱۵) بیٹھے کی کیا مجال؟ (از دعوت و عزیمت ص ۳۳)

شیخ نے اجیر چلنے کا حکم دیا، اور مرید صادق بے چون و چرا بلا تا مل تیار ہو گیا۔ لیکن جب شہر کے باہر قدم نکالا تو شیخ کو معلوم ہو گیا کہ یہ مقبولیت و ہرودے تیزی میں جانب اللہ ہے، اس میں نفسانیت و انانیت کو دخل نہیں، اور یہ کہ اُن کے مرید رشید نے ساری دہلی کو اپنا عاشق و پروانہ بنالیا ہے۔

پس جب خواجہ قطب الدین جو اپنے شیخ کے ساتھ اجیر روانہ ہوئے تو اس اطلاع سے شہر دہلی میں ایک شور مچا ہوا ہو گیا۔ اہل شہر مع سلطان شمس الدین شہر سے نکل کر آپ کے پیچھے ہوئے، جہاں خواجہ قطب الدین جو کپاؤں پڑا تھا لوگ خاک پا کو تبرک بنا کر اٹھالیتے تھے۔ لوگ بڑے بے قرار اور آہ و زاری میں مصروف تھے۔

تو چونکہ ایک دل کو خوش کرنے کیلئے اور ایک جرنی مصلحت کی خاطر لاکھوں بندگانِ خدا کے دلوں کو رنج و زخمی کرنا جائز نہ تھا، اس لئے مرشد نے مرید رشید کو اجیر لے جانے کا ارادہ فسخ کیا اور فرمایا:۔

”بابا بختیار! تم یہیں رہو، اس لئے کہ اللہ کی اتنی مخلوق محتالے باہر جانے سے تباہ حال ہے، میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ اسنے دل دکھائے اور جلانے جائیں۔ جاؤ، ہم نے اس شہر کو تمھاری پناہ میں چھوڑا۔“

سلطان شمس الدین نے جس کا دار الحکومت اس نعمت سے محروم ہوا جا رہا تھا شیخ و کا شکریہ ادا کیا اور خواجہ قطب الدین شہر دہلی واپس آئے اور خواجہ معین الدین اجیر واپس ہوئے۔ (از دعوت و عزیمت ص ۳۳)

اصلاحی کارنامے | خواجہ قطب الدین نے دہلی واپس آکر اور اپنے

ہو ریائے فقر پر بیٹھ کر سرگرمی سے ارشاد و تربیت کا کام انجام دینا شروع کیا، انھوں نے ”سرکارِ دربار“ سے ضابطہ کا کوئی تعلق نہیں رکھا۔ اور نہ صرف اس کو اپنی زندگی کا اصول بنایا، بلکہ اپنے سلسلہ کا اصول بنا دیا کہ فقر و استغفار کے ساتھ اور ”دربار“ سے دور رہ کر اپنا کام کرتا ہے۔ لیکن اس بے تعلقی و بے نیازی کے باوجود عوام و خواص اور شاہ و گدا سب اُن کے عقیدت مند و حلقہ بگوش تھے۔

”جنگلی عالم از صدور وائے ساری دنیا ایمان و اکابر دعا گوئی دعا گوئی روئے نہادند۔ (اخبار الاخبار ص ۱۱۱) اور نیاز مندی میں مصروف تھے۔

سلطان شمس الدین ہفتہ میں دو بار حاضری دیتا اور اخلاص و عقیدت کا اظہار کرتا۔ دہلی میں جو نہ صرف ہندوستان کا دار الحکومت بلکہ عالم اسلام کی نئی طاقت اور دعوت و تجدید اسلام کا نیام کر تھا، اور جہاں عالم اسلام کے ممتاز ترین علماء و اساتذہ، سادات و شرفاء اور مشائخ و اہل سلسلہ اور دنیائے اسلام کے بہترین دل و دماغ جمع تھے، اشاعتِ طریق و تربیتِ قلوب اور نئی اُبھرتی ہوئی اسلامی سلطنت کی رہنمائی کا کام اپنے دامن فقر و استغفار کو ذرہ برابر آلودہ اور ترکے بغیر انجام دینا بڑا نازک اور مشکل تھا۔ اور اس کے لئے پہاڑ کی سی استقامت اور ہوا کی سی سبک روی اور سبک گامی کی ضرورت تھی، جس سے کسی شیشے کو ٹھیس نہ لگے۔

خواجہ صاحبؒ نے بڑی کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس نازک اور دشوار کام کو انجام دیا۔ اُن کو اس خدمت کے لئے طویل زمانہ نہیں ملا۔ اپنے شیخ کے بعد تو مشکل سے ۴، ۵ سال وہ زندہ رہے۔ لیکن ان کی ذات سے ہندوستان

عہ تاریخ فرشتہ ص ۱۹، ۲۰ فوائد السالکین ص ۲۹

میں نہ صرف سلسلہ چشتیہ کی بنیاد پڑ گئی بلکہ جن مقاصد عالیہ کے لئے حضرت خواجہ معین الدینؒ نے ہندوستان کو اپنے قیام اور کام کے لئے انتخاب کیا تھا وہ صدیوں کے لئے محفوظ ہو گئے۔

ابھی اُن کی عمر پچاس سال یا اس سے کچھ اوپر ہوئی تھی کہ عشق و محبت الہی کی وہ آگ جس کو اُنھوں نے صبر و ضبط کے فانوس میں مقید اور ہدایت و تربیت خلق کی مصلحت سے مغلوب کر رکھا تھا بھڑکی اور جذب الہی کا غلبہ ہوا۔ (دعوت و عزیمت ص ۳۵)

اخلاق و اعمال | منقول ہے کہ خواجہ قطب الدینؒ اپنے ابتدائی دور میں نیند کے غلبہ کے وقت تھوڑا سو لیتے تھے۔ لیکن آخری زمانہ میں یہ بھی بیداری سے تبدیل ہو گیا۔

منقول ہے کہ آپ ہر رات تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد سو یا کرتے تھے، اُنہی ایام میں آپ کا نکاح ہوا۔ اور تین روز تک درود شریف نہ پڑھ سکے۔ ایک شخص نے جس کا نام رئیس تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ فرمائے تھے کہ بختیار کاکی کو ہمارے سلام کے بعد کہنا کہ تم ہر رات جو تحفہ ہمیں بھیج جا کرتے تھے، تین راتوں سے وہ ہمیں نہیں پہنچا۔ (اخبار الاخیار ص ۶)

فقہ | بادشاہ وقت کی ارادت و نیاز مندی کے باوجود قطب صاحب کے گھر میں برابر فاقہ رہتا۔ جب کئی فاقوں کی نوبت آجاتی تو اُن کی حرم محترم پڑوس کے بقال کی بیوی سے کچھ قرض لے کر خورد و نوش کا انتظام کرتیں، جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تھا تو قرض ادا کر دیا جاتا تھا۔ (بزم صوفیہ)

کاکی کھلانے کی وجہ تسمیہ | ایک روز بقال کی بیوی نے بی بی صاحبہ سے
 طنزاً کہا کہ میں تم کو قرض نہ دوں تو تم کھالے

بچے سمجھو کون مر جائیں۔ قطب صاحبؒ کو معلوم ہوا تو قرض لینے سے منع کر دیا اور
 فرمایا کہ حجرے کے طاق میں سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر جس قدر کاک کی ضرورت
 ہو نکال لیا کرو، اور بچوں کو کھلا دیا کرو۔ چنانچہ ضرورت کے وقت وہ ایسا ہی
 کیا کرتی تھیں۔ اسی لئے قطب الدین بختیار کاک کی نام سے مشہور ہوئے۔

مرشد نے ان کو پانچ سو درہم تک قرض لینے کی ہدایت کی تھی، مگر آخر میں
 اس سے بھی پرہیز کرنے لگے تھے۔ اپنے پاس اتنی رقم نہ رکھتے جس سے زکوٰۃ
 واجب ہوتی۔ (سیر العارفین ص ۱۲۳) (بزم صوفیہ ص ۹۹)

جو درد سخی | لیکن اس ناداری پر بھی جو درد سخی کا یہ حال تھا کہ لنگر خانہ میں
 جو چیز ہوتی فوراً تقسیم کر دیتے۔ جس روز کوئی چیز نہ ہوتی تو
 خانقاہ کے ملازم سے فرماتے کہ اگر پانی ہو تو اُسی کا دور چسلاؤ کہ کوئی روز

عہ کاک افغانی زبان میں روٹی کو کہا جاتا ہے۔ سیر الاولیاء ص ۱۲۵ و سیر العارفین ص ۱۲۵ سیر الاقطاب
 کے مصنف کا بیان ہے کہ قطب صاحبؒ نے حرم و احتیاط کی خاطر قرض لینا بند کر دیا تھا اور مصیٰ کے نیچے
 روز ایک قرص مل جاتی جس کو کھا کر گھر کے تمام لوگ گزراوقات کرتے۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ بقال سے جب
 قرض لینا بند کر دیا گیا تو وہ سمجھا کہ قطب صاحبؒ خوش ہیں، اسلئے اپنی بیوی کو قطب صاحبؒ کی المیہ کے
 پاس بھیجا۔ اُنھوں نے قطب صاحبؒ کے کشف کا ذکر کر دیا۔ اُس کے بعد مصنف مذکور کھلیاں
 ہے کہ کاک مصیٰ کے نیچے پھرنے لگی۔ اسی طرح کی کچھ اور روایتیں بھی ہیں۔ افضل الفوائد
 کی روایت کچھ اور ہے۔ (قلی نسخہ دار المصنفین ص ۱۴)

تفصیل کے لئے دیکھو "روضۃ الاقطاب" (بزم صوفیہ ص ۹۹)

بخشش اور عطار سے خالی نہ جائے۔ دراحت القلوب ۵ مطبع قاسمی میرٹھ

استغناء | استغناء کا یہ عالم تھا کہ ایک بادشاہی حاجب اختیار الدین ایک قد مبوسیٰ کے لئے حاضر ہوا، اور کئی گاؤں بطور نذر پیش کئے قطب

صاحب نے اُس کو بلایا اور اپنی جانماز کا گوشہ اُلٹ کر بیچے دیکھنے کے لئے کہا، اختیار الدین نے جہنم مینا سے خزائن الہی کا دریا ئے ذخائر بہتے ہوئے دیکھا، پھر اختیار الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس کے یہاں خزائن الہی کا دریا بہتا ہو وہ چند گاؤں لے کر کیا کرے گا۔ جاؤ! آئندہ درویشوں کے ساتھ ایسی

گستاخی نہ کرنا۔ (دیر الاولیاء ص ۱۵۳ فوائد السالکین ص ۱۵) (بزم صوفیہ ص ۹۹)

یہ روایت اس طرح بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب سلطان شمس الدین التمش نے کسی کے ذریعہ سونے چاندی کے بہت سے ٹنکے بھیجے تو حضرت خواجہ نے ان کو دیکھا اور کہا کہ تم سلطان کو لیجا کرواپس کرنا اور کہنا کہ میں ان کو اپنا دوست سمجھتا تھا، لیکن وہ دشمن نکلے۔ یہ مال و دولت خدا کے دوستوں کے بجائے اس کے دشمنوں کو دو۔ (ردضہ الاقطاب ص ۲۶)

ایک بار سلطان التمش کا وزیر بھی کچھ گاؤں کا فرمان لے کر خدمت میں حاضر ہوا اور قبول کرنے کی درخواست کی۔ لیکن خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان نے کسی سے گاؤں قبول کیا ہوتا تو ہم بھی قبول کر لیتے۔ اگر ہم یہ گاؤں لے لیں تو قیامت کے روز اپنے خواجگان کو کیا منہ دکھائیں گے۔

(فوائد السالکین، مجلس پنجم)

ریاضت و مجاہدہ | حضرت خواجہ قطب الدین نے عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں بڑی مشقتیں اٹھائیں۔ میر الاولیاء ص ۱۵ میں ہے

کہ ابتدائی دور میں تو کچھ سو بھی لیتے تھے، لیکن آخر عمر میں مطلق نہ سوتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر کسی وقت سو جاتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے۔ بیس برس تک وہ رات کو اطمینان سے نہ سوئے۔ یاد حق میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ملنے کو آتا تو دیر کے بعد ہوشیار ہوتے۔ برابر مراقبہ میں رہتے۔ نماز کے وقت آنکھ کھولتے اور غسل فرما کر تجدید و ہنوکرتے اور نماز ادا فرماتے۔ آخر عمر میں کلام پاک حفظ کیا تھا ہر روز دوبار کلام پاک ختم کرتے۔ (سیر الاولیاء ص ۱۷۷ دیر العارفین ص ۱۷۷) (از زم صوفیہ ملٹا)

”اسرار الاولیاء“ ص ۱۷۷ میں ہے کہ جب وہ کلام پاک پڑھتے تو ہر آیت پر اپنے سینہ پر ہاتھ مارتے اور بیہوش ہو جاتے۔ ایک روز ہزار بار بیہوش ہوئے لیکن جب مشاہدہ کی آیت پڑھی تو مسکرا دیئے۔ اور پھر عالم تحریر میں کھو گئے اور اس عالم میں ایک دن اور ایک رات رہے۔ (اسرار الاولیاء، ملفوظات حضرت بابا گنج شکر ص ۱۷۷) ”جوامع الکلم“ میں ہے کہ دل ٹکستہ لبستہ حجرہ کا دروازہ بند کئے گریہ و زاری میں مشغول رہتے۔ زیارت کے لئے معتقدین کا ہجوم ہوتا تو آہ سرد بھرتے ہوئے حجرہ سے باہر تشریف لاتے اور خادم سے فرماتے کہ ایک ایک پیالہ پانی سب کو دو، جب تک وہ پانی پیتے و غلط کتے، پھر سب کو رخصت کر کے حجرہ میں چلے جاتے اور یاد الہی میں مشغول ہو جاتے۔

”راحت القلوب“ میں ہے کہ ایک بار حضرت قاضی حمید الدین اور مولانا بدر الدین غزنوی کے ساتھ جامع مسجد دہلی میں معتکف ہوئے، تو دن اور رات میں دوبار کلام پاک ختم کرتے۔ ایک رات تہیہ فرمایا کہ پوری رات میں صرف دو رکعت نماز ادا کریں۔ چنانچہ نماز عشاء کے بعد حضرت قاضی حمید الدین نام ہوئے اور خود حضرت خواجہ قطب الدین اور مولانا بدر الدین غزنوی مقتدی بنکر

پچھے کھڑے ہوئے۔ حضرت قاضی حمید الدین نے پہلی رکعت میں ایک قرآن اور چار پائے پڑھے، دوسری رکعت میں دوسرا قرآن ختم کیا۔ آخر میں دعا کی کہ الہی! ہم سے تیری عبادت نہیں ہو سکتی، لیکن تو اپنی رحمت سے ہم کو بخش دے۔

ف: سبحان اللہ کیسی عبادت و شکر تھی کہ کثرت عبادت پر قطعاً نظر نہ رکھی۔ جو واقعی قابل اقتدار ہے۔ (مرتب)

حب رسول | اپنے مرشد کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بھی سرشار رہتے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہر رات تین ہزار

بار درود شریف پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درگاہ ہر بار میں ہدیہ بھیج کرتے تھے۔ اپنی مجلسوں میں حدیث نبوی بار بار بیان فرماتے۔ اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ شروع میں مجھ سے قرآن شریف حفظ نہ ہوتا تھا۔ ایک رات خواب میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، قدموں پر گر پڑا، رونے لگا پھر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ کلام پاک کو حفظ کر لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے رونے پر حرم آیا۔ اور شفقت سے فرمایا کہ سر اٹھاؤ، میں نے حسب الحکم سر اٹھایا۔ ارشاد ہوا کہ سورہ یوسف برابر پڑھا کرو، قرآن مجید یاد ہو جائے گا میں بیدار ہوا تو حسب الحکم سورہ یوسف کی مواظبت کی، یہاں تک کہ میں نے پورا قرآن پاک حفظ کر لیا۔ (فوائد السالکین ص ۷۷)

ف: معلوم ہوا کہ سورہ یوسف کی تلاوت سے حفظ قرآن میں سہولت ہوتی ہے۔ اس لئے خود عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرنی چاہئے۔ (مرتب)

ارشادات

سالک اور محبت الہی | فرماتے تھے: سالک ہر وقت محبت الہی میں غرق رہے اور سر میں اس کا یہ حال ہو کہ

اس کے سینہ میں زمین و آسمان بھی داخل ہو جائیں تو اس کو خبر نہ ہو۔ اگر سالک راہ سلوک کی تکلیف میں فریاد کرتا ہے تو محبت کا دعویٰ دار نہیں ہو سکتا، بلکہ کاذب و دہرا ہو گا۔ سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچے اس کو نعمت غیر مقرر سمجھے، کہ اس بہانہ سے دوست نے اس کو یاد تو کیا۔ چنانچہ رابعہ بصریؒ پر جس روز بلا نازل ہوتی تھی وہ نہایت خوش ہوتی تھیں، اور جس روز بلا نازل نہ ہوتی، وہ بہت طویل خاطر رہتیں کہ دوست نے اُن کو یاد نہیں کیا۔ حضرت خواجہ عین الدینؒ بھی فرماتے تھے کہ محبت کا دعویٰ اسی کو کرنا چاہیے جو دوست کی بلا پر صبر کر سکے۔ کیونکہ دوست کی بلا دوست کے واسطے ہے۔ جس روز یہ بلا نازل نہ ہو، سمجھنا چاہئے کہ یہ نعمت اُس سے لے لی گئی۔ کیونکہ راہ سلوک میں نعمت دوست کی بلا ہی کو کہتے ہیں۔ (بزم صوفیہ ص ۱۸۷)

ف: اسی مفہوم میں حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کا یہ شعر ہے: دوست کی جانب سے جو آئے بلا وہ بلا ہرگز نہیں، وہ ہے کرم حضرت قطب صاحبؒ نے اسرار الہی کے پوشیدہ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے فرماتے ہیں کہ راہ سلوک میں حوصلہ وسیع ہونا چاہیے کہ اسرار جاگزین ہو سکیں، فاش نہ ہونے پائیں۔ کیونکہ جو شخص کامل ہوتا ہے وہ کبھی دوست کے اسرار کو فاش نہیں کرتا۔ چنانچہ قطب صاحبؒ کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت تک اپنے مرشد کی

صحبت میں رہے، لیکن کسی حال میں بھی اُنھوں نے اسرار الہی ظاہر ہونے نہ دیئے، حضرت قطب صاحبؒ کے نزدیک منظور عارفِ کامل نہ تھا۔ کیونکہ اُس نے سرِ دوست کو ظاہر کر دیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ پر عالمِ سکر میں کٹھن گھڑیاں گزرتیں لیکن وہ صرف یہ کہتے کہ ہزار افسوس اُس عاشق پر کہ وہ دوستی کا دم بھرے اور جب عالمِ غیب کے اسرار اُس کو معلوم ہوں تو فوراً دوسرے کے سامنے کھدے۔

شریعت کی پابندی | حضرت قطب صاحبؒ نے شریعت کی پابندی سالک کے لئے لازمی قرار دی ہے۔ سالک سکر

یا کسی حال میں ہو اُس کا کوئی فعل شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ وہ خود جب کبھی عالمِ سکر میں بیہوش ہوتے تو نماز کے وقت ہوش میں آجاتے اور نماز ادا کر کے بیہوش ہو جاتے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم اور اولیاء کرام محفوظ اس لئے ہوتے ہیں کہ اُن سے عالمِ سکر میں بھی کوئی عمل خلاف شریعت سرزد نہیں ہوتا۔ (دیکھو فوائد السالکین، مجلس دوم) (بزم صوفیہ ص ۱۸۱)

وفات

سال وفات ۱۲ ربيع الاول ۶۳۳ھ (سیر الاولیاء ص ۵) وصال سے پہلے وصیت کی تھی کہ اُن کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے، جس نے کبھی حرام کاری نہ کی ہو، غصہ کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو۔ یہ شرطیں صرف سلطان التمش کی ذات میں پوری ہوتی تھیں اس لئے اُسی نے نمازِ جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔ (بزم صوفیہ ص ۱۸۱)

ف: سبحان اللہ، ایک سلطانِ ملک کے اندر یہ صفات عالیہ ہم کیلئے موجبِ عبرت و نصیحت ہے اور اُس سلطان کیلئے لائقِ تمنیت ہے۔ (ذکر فضل اللہ، تیسری سن ایشاد، مرتب)

سُلطان شمس الدین التمش المتوفی ۶۳۲ھ

نام و نسب | نام شمس الدین، لقب التمش، والد کا نام ایلیم خاں، ترکوں کے ابری قبیلہ کے سردار تھے۔

ابتدائی حالات | التمش بنی صورت و سیر کے لحاظ سے اپنے بھائیوں میں ممتاز تھا، اس وجہ سے اُسکو ایلیم خاں اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ چاہتا تھا جبکی وجہ سے

التمش کے بھائی اس سے خوش نہ تھے، جیلہ کے التمش کو ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ بادشاہ وقت قطلبین ایک نے التمش کو خرید کر اپنے درباریوں میں داخل کر لیا اور منہ بولا بیٹا بنا کر داماد بنایا، اور گوالیار کے قلعہ کا حاکم بنادیا۔

تخت نشینی | قطلبین ایک کے انتقال کے بعد ایک سال تک اس کا جانشین رہا، لیکن اسکی نااہلی کی بنیاد پر اتفاق رائے سے ۶۲۵ھ میں سلطان التمش کو تخت نشین کیا گیا۔ التمش نے اپنے لطف و کرم سے سب کو گرویدہ بنالیا۔ (تاریخ فرشتہ ص ۲۵۱)

علم اور اہل علم کی قدر | التمش کے عہد حکومت میں علماء اور انشاد پر ازلوں کی ایک بڑی جماعت بادشاہ کی سرپرستی میں اپنی تصنیف و تالیف سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچاتی تھی، التمش نے جہاں علماء کی قدر کی وہیں بیرون ہندوستان سے اچھی اچھی کتابیں منگواتا تھا اور اس ملک کے علمی جزائن کو مالامال کرتا تھا۔ (تاریخ ہند ص ۵۹)

عبادت | سلطان التمش کی عبادت کی حالت کیلئے واقعہ کافی ہے کہ خواجہ بختیار کاکی نے وصیت کی تھی کہ انکی نماز جنازہ ایسا شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام کاری نہ کی ہو۔ عرصہ کئی سنتیں کبھی قضا نہ کی ہوں۔ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو، یہ شرطیں صرف سلطان التمش میں تھیں، اس لئے سلطان نے ہی انکی نماز جنازہ پڑھائی۔ (بزم صوفیہ ص ۱۳۲)

وفات | سلطان التمش کی وفات ۶۳۲ھ مطابق ۱۲۳۶ء میں ہوئی۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

سلطان ناصر الدین محمود المتوفی ۶۶۳ھ

نام و نسب نام ناصر الدین محمود، والد کا نام سلطان شمس الدین التمش ہے۔

ابتدائی حالات سلطان التمش نے اپنے چھوٹے بیٹے ناصر الدین کی تعلیم و تربیت میں کافی محنت کی، پھر علاؤ الدین مسعودی کے زمانہ میں آپ کو بہار لکھنؤ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ آپ نے غیر مسلموں سے بڑی جنگیں کیں اور اپنے صوبہ کو خوب سیرادار آباد کیا۔ آپ کے انصاف اور رعایا دوستی کی بڑی شہرت ہوئی اور کچھ ہی دنوں میں آپ نے ہر دلعزیزی حاصل کر لی۔

تحت نشینی ۶۴۲ھ میں جب امراء علاؤ الدین مسعودی کی حکومت سے تنگ آ گئے تو ناصر الدین کو بہار لکھنؤ سے بلا کر تحت حکومت پر بٹھایا۔ ناصر الدین ایک دلکش صفت بادشاہ تھا سرکاری خزانے کو ہاتھ نہ لگاتا اور قرآن شریف لکھ کر روزی کھاتا۔ سلطنت کا نظم و نسق اس نے اپنے قابل وزیر غیاث الدین بلبن کو سونپے کھا تھا۔ سلطان کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زندگی اپنے باپ کے مانند اولیاء و صلحاء کے نمونہ پر تھی۔ غیاث الدین سے کہہ کھا تھا کہ میں نے تھیں تمام اختیارات دیئے ہیں، تم ہرگز کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے کل بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور میں تمھیں اور مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے۔

عملی حالات ناصر الدین اکثر وقت حجرے کے اندر عبادت و تلاوت میں صرف کرتا۔ دربار عام کے وقت شاہی لباس زیب تن کر لیتا تھا، اور اسکے بعد خلوت میں جا کر پچھلے پرانے کپڑے پہنے رہتا، اپنا گزارہ وہ قرآن مجید نقل کر کے کرتا تھا۔ اور اپنے تحریر کردہ نسخے معمولی نرخ پر فروخت کرتا تھا ایک تہہ ایک میسر نے بادشاہ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن پاک کو معمول سے زیادہ ہدیہ پر خرید لیا اور اس کو یہ بات پسند نہیں آئی اور اعلان کر دیا کہ راج الوقت قیمت پر ہی فروخت کیا جائے۔

وفات سبحان اللہ! کیسا زہد و تقویٰ تھا جو اپنا لے جانے کے لائق ہے۔ واللہ الموفق۔ (مترتب) **اہلیہ کو نصیحت** ناصر الدین کے گھر میں بیوی کے علاوہ کوئی خادمہ نہ تھی، ایک تہہ بیوی نے کہا کہ روٹی پکاتے پکاتے میرے ہاتھوں میں سوزش ہو گئی ہے، مجھے ایک لہڑی کی ضرورت ہے، ناصر الدین

نے جواب دیا کہ شاہی خزانہ صرف اعلیٰ کا حق ہے۔ مجھے اس بات کا حق نہیں کریں اپنے ذاتی آرام کیلئے اس میں کچھ روپیہ لیکر ایک لونڈی اپنے لئے خریدوں۔ تمہیں دینوتی ٹکلیوں پر صبر کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ آخرت میں دے گا۔

ف: سبحان اللہ! کیسی حقیقت یہانی فرمائی جو ہم سب مہمانوں کو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے (مرتب) **اخلاق:** ایک دن ایک فقیر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور فقیر نے کہا کہ آپ کے قرآن میں ایک لفظ ”فیہ“ زائد ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت قلم دوات لیکر اسکے گرد حلقہ کھینچ دیا، اور اس فقیر کو حاجت روائی کے بعد واپس کر دیا۔ اسکے بعد قلم تراش لیکر وہ حلقہ مٹا دیا، وہاں موجود غلام نے اسکی مصلحت دریافت کی، تو فرمایا، اگر میں اس فقیر کے اعتراف کی تردید کرتا تو وہ فقیر نادام ہو کر بغیر اپنی ضرورت پوری کئے یہاں سے چلا جاتا۔ پھر فرمایا کہ دنیا میں غبارِ دل دور کرنا مشکل ہے، لیکن کاغذ کا نقش مٹانا آسان ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی معرفت کی بات ارشاد فرمائی۔ (مرتب)

طہارتِ نفس: انام الدین بادشاہ ایک مصاحب کو ”محمد“ کہہ کر پکارتے تھے، ایک دن ”فتح الدین“ کہہ کر پکارا (شاید اس کا نام محمد تاج الدین بہا ہو) وہ مصاحب حکم کی تعمیل کے بعد تین دن تک بادشاہ کے پاس نہ آیا بادشاہ نے بلو اگر غیر حاضری کا سبب دریافت کیا، تو اس نے جواب دیا کہ آپ نے ”محمد“ کے بجائے ”فتح الدین“ کہہ کر پکارا اسلئے مجھے بدگمانی پیدا ہو گئی۔ بادشاہ نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے تم سے کوئی بدگمانی نہیں ہے لیکن جس وقت تم کو تاج الدین کے نام سے پکارا تمھارا سواقت میں با وضو نہیں تھا، مجھے یہ مناسب معلوم نہ ہوا کہ بے وضو ”محمد“ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس نام اپنی زبان پر لاؤں۔

ف: اسی قسم کا ایک واقعہ سلطان محی الدین اورنگ زیب کا بھی ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ ان کے تذکرہ میں لے لے گا۔ (مرتب)

وفات: ۱۱ جمادی الاولیٰ ۶۶۲ھ مطابق ۱۲۶۵ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ (تاریخ فرشتہ ۲۶۵، تاریخ ہند ص ۶)

سر حلقہ سہروردیہ

تلج العرفاء، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

نام و نسب | نام شہاب الدین، والد کا نام محمد البکری، کنیت ابو حفص عمر آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔

ولادت | آپ کی ولادت ۵۳۹ھ مطابق دسمبر ۱۱۴۲ء میں ہوئی۔ (نعمات الانس ص ۱۴۷)

فضل و کمال | آپ مشہور ولی کامل ستراج صوفیہ سلسلہ سہروردیہ کے بانی اور ”عمارف المعارف“ کے

مصنف ہیں۔ بغداد میں آپ کا قیام تھا۔ وعظ و تذکیر و ارشاد و ہدایت خلق کے سوا خلفاء اور بادشاہوں کے درمیان سفارت کا کام بھی کرتے تھے اور اس ذریعہ سے جو آمدنی ہوتی تھی سب فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا آپ کو سخت اہتمام تھا۔ ہندوستان میں آپ کے خلیفہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی تھے۔ آپ ہی کے ذریعہ سے ہندوستان میں اس سلسلہ کو شروع ہوا۔ (ایمان الحجج ص ۱۸۱ ج ۲)

تصوف میں آپ کی نسبت آپ کے عم (چچا) محترم شیخ ابو الغیب سہروردی سے ہے۔ آپ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی صحبت میں رہے ہیں۔ اور ان دونوں حضرات کے علاوہ بہت سے مشائخ کی صحبت میں

رہے، اور آپ بعض ابدال کی صحبت میں بھی رہے، یہاں تک کہ آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے بھی شرفِ صحبت حاصل کیا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے آپ سے فرمایا، ”انت آخر المشہورین بالعراق“ یعنی تم عراق کے آخری مشہور بزرگوں میں سے ہو۔ آپ کے بارے میں کچھ لوگوں نے شیخ سعدی سے کہا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ شیخ سہروردی کی پیشانی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت کا نور کچھ اور ہی چیز ہے۔

آپ اپنے زمانہ میں بغداد کے شیخ الشیوخ تھے اور اہل طریق اطراف و جوانب سے آپ سے مسائل دریافت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ ان مسائل کو حل فرمادیتے تھے۔

ایک شخص نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ اگر میں نیک عمل کو ترک کرتا ہوں تو میرے اندر بطالت و سفاہت پیدا ہوتی ہے، اور اگر نیک عمل کرتا ہوں تو میرے اندر کبر و غرور پیدا ہوتا ہے۔ اب آپ ہی اس کا حل بتائیے! تو آپ نے اس کو جواب میں تحریر فرمایا کہ نیک عمل کرتے رہو اور تکبر و غرور سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ (نجات الانس ص ۱۳۷)

ف: سبحان اللہ، کیا ہی خوب حکمت سے پر جواب ارشاد فرمایا۔ (ترج)

تحصیل علوم | کم عمری ہی میں آپ اپنے عم محترم حضرت ابو النجیب سہروردیؒ کی خدمت میں بغداد پہنچے اور آپ ہی کے

زیر نگرانی تحصیل علوم و فنون شروع کی، تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے

علوم متداولہ دینیہ میں کمال و تبحر حاصل کیا۔ حدیث و فقہ میں آپ اپنے زمانہ کے بلند پایہ فقیہ اور بہترین محدث شمار کئے جاتے تھے۔ علوم دینیہ میں آپ کے کمال کا ذکر امام سبکیؒ نے ”طبقات الشافعیہ“ میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ کیا ہے۔ اور آپ کے فضائل اور کمالات ظاہری کے ساتھ ساتھ آپ کے بعض فتاوے بھی نقل کئے ہیں، جن سے آپ کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔

چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ: شیخ الشیوخ اس ظاہری تجل اور عزت کے باوجود نہایت فقر و تنگدستی کی زندگی بسر کرتے تھے اور کسی طرح بھی آپ دنیاوی مال و منال کو قبول نہیں فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ وصال کے وقت تجنیز و تکفین کے لئے بھی ضروری رقم موجود نہ تھی۔ (حوار المغائر)

بیعت و خلافت | تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کو سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے خاص

تعلق تھا اور آپ اُن کی خدمت میں برابر جایا کرتے تھے۔ لیکن بیعت عم محترم شیخ ابوالنجیب عبدالقادر سہروردیؒ سے تھے اور آپ ہی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور شیخ کی وفات کے بعد آپ کی مسند پر رونق افروز ہوئے۔ تو آپ سے لاکھوں بندگان الہی کو نفع پہنچا۔ آپ کی ذات گرامی کا شہرہ نہ صرف عراق میں بلکہ مصر و شام و حجاز و ایران اور ہندوستان وغیرہ میں خوب ہی خوب رہا۔ آپ کے خلفاء میں شیخ نور الدین مبارک غزنویؒ سے شمالی ہندوستان میں سہروردی سلسلہ کو فروغ حاصل ہوا۔ اور شیخ ضیاء الدین رومیؒ، شیخ محمد یحییٰ اور شیخ

جلال الدین تبریزیؒ بنگال میں سہروردی سلسلہ کے مؤسس ہیں۔ شیخ مصلح الدین شیرازی سعدی کو بھی آپ سے خلافت حاصل تھی۔ اور شیخ زکریا ملتانیؒ سے بھی برصغیر میں سہروردی سلسلہ نے فروغ پایا۔
(عوارف المعارف ص ۸۱)

تصانیف | تصوف و علم کلام وغیرہ دیگر موضوعات پر آپ کی متعدد تصانیف موجود ہیں۔ مثلاً ”جذب القلوب الی مواصلۃ المحبوب، کشف النصائح، اعلام الہدی، ہیجۃ الاسرار، اور عوارف المعارف وغیرہ۔

عوارف المعارف | آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور و بسوط اور تصوف کے بیان میں سب سے جامع تصنیف ہے۔

آپ کی نسبت یافعی نے لکھا ہے۔ کان کثیر الحج (آپ بکثرت حج کرتے تھے) اور ”شذرات الذہب“ میں ہے کہ بکثرت حج کرتے تھے اور کسی کسی حج کے بعد مکہ میں مجاور بھی ہو جاتے تھے۔ ایک دفع حج کو گئے تو اس کثرت سے لوگ ساتھ ہوئے کہ لَا یَعْلَمُ هُمْ إِلَّا اللَّه (بس ان کی تعداد خدا ہی کو معلوم ہے۔) (ابن کثیر)

ایک بار اپنے پیر مرشد شیخ ابوالنجیب کی معیت میں حج کو گئے تھے۔ ایک دن ان کے ساتھ حرم میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس وقت شیخ ابوالنجیب ایک خاص حالت قرب میں تھے کہ خضر تشریف لائے اور تھوڑی دیر کھڑے رہ کر چلے گئے۔ جب شیخ کو آفاقہ ہوا تو شیخ شہاب الدین نے جرأت کر کے کہا کہ

حضرت خضر علیہ السلام آپ کی زیارت کو آئے اور آپ نے ان کی طرف توجہ نہ کی۔ یہ سنکر شیخ ابوالنجیب کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا، تم کیا جانو، اگر حضرت خضر آکر چلے گئے، تو وہ پھر آسکتے ہیں، لیکن خدا کے ساتھ ہم کو جو یہ وقت ملا تھا چلا جاتا تو پھر نہ لوٹتا، اور قیامت تک اس کی ندامت و حسرت رہتی۔ یہ فرمایا ہی ہے تھے کہ حضرت خضر دوبارہ نمودار ہوئے۔ شیخ ابوالنجیب نے کھڑے ہو کر استقبال کیا اور بہت تواضع سے پیش آئے۔ (اخبار الانبیاء ص ۲۹)

شیخ شہاب الدین نے اپنی کتاب ”عوارف المعارف مکہ معظمہ میں تصنیف کی ہے۔ جب کوئی مشکل پیش آتی حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور اس کی بارگاہ میں گریہ و زاری کرتے کہ جو حق ہو وہ مجھ پر القافر فرما دے۔ (تغی اللہ) آپ کی معرکہ الآراء تصنیف ”عوارف المعارف“ سے کچھ مفید ارشادات نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نافع بنائے۔ آمین!

ارشادات

استقامت مطلوب ہے ابوعلی جوزجانی فرماتے ہیں کہ (اے صوفی!) طالب استقامت بن اور کرامت کا طالب مت بن! ہر چند کہ تیرا نفس کرامت کا خواہاں ہے، لیکن تیرا رب تجھ سے استقامت چاہتا ہے۔ (عوارف المعارف ص ۱۷۱)

و: سبحان اللہ، کیا ہی خوب حقیقت آشکارا فرمائی۔ (مرتب) تواضع کی اصل تواضع کی اصل یہ ہے کہ ذلت اور تکبر میں اعتدال قائم کرنا تواضع ہے۔ یعنی تکبر تو یہ ہے کہ انسان خود کو اپنے حقیقی مرتبہ سے بلند سمجھے، اور ذلت یہ ہے کہ انسان خود کو اتنا گرا دے کہ اس کی ذات کی حق تلفی ہو۔ (حوار ص ۳۹)

ف: یعنی ان دونوں کے درمیان رہنا تواضع ہے۔ (مرتب)
 عزت اور کبر میں فرق | عزت کی تعریف یہ ہے کہ انسان خود کو پہچانے اور حقیقت
 نفس کو پہچان کر اُس کا اکرام اس طرح کرے کہ اُس کو دنیاوی اغراض و مفادات
 کے حصول کے لئے ذلیل و خوار نہ بنائے۔ اور کبر یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے
 ناواقف ہو اور اُس کو اس کی قدر و منزلت سے بالاسمجھے۔

کسی شخص نے حضرت حسن جے سے کہا، آپ کا نفس کس قدر عظیم ہے۔ آپ نے
 جواب دیا کہ میں عظیم نہیں ہوں مگر عزیز ضرور ہوں (یعنی صاحب عزت) چونکہ عزت
 مذموم نہیں ہے لیکن کبر میں اور اس میں مشاکلت پائی جاتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ
 کا ارشاد ہے "كُنتُمْ كَوْنٌ فِي الْأَرْضِ بَغْيُ الْحَقِّ" (یعنی زمین پر تم
 بغیر حق کے (ناحق) تکبر کرتے ہو) اس میں یہ امر بوشیدہ ہے کہ عزت حق کے
 ساتھ ہے اور کبر ناقح کے ساتھ ہے۔ (دعوات)

ف: اللہ تعالیٰ عزت کو مومنین کیلئے آسان فرماتے ہیں وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِلّٰهِ
 وَلِلْمُؤْمِنِينَ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزت کیلئے دعا بھی فرمائی ہے۔ اَللّٰهُمَّ
 اِنِّیْ ذَلِیْلٌ فَاعِزِّیْ وَفَقِیْرٌ فَارْزُقْنِیْ (ترجمہ: اے اللہ! میں ذلیل
 ہوں مجھ کو عزت عطا فرما اور میں فقیر ہوں مجھ کو رزق عطا فرما)۔ (مرتب)

اسباب نجات و اسباب ہلاکت | حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں نجات کا اور تین چیزیں ہلاکت
 کا باعث ہیں۔ نجات کا ذریعہ تو یہ تین چیزیں ہیں۔ (۱) ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ
 سے ڈرنا (۲) رضامندی کی کیفیت ہو یا غصہ کی، دونوں حالتوں میں انصاف
 کرنا، (۳) مفلسی اور تو نگر می دونوں صورتوں میں کفایت شعاری کو اپنانا،

اور ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں: (۱) طبعی بخل کی پیروی کرنا (۲) خواہش کی پیروی کرنا (۳) خود پسندی کو اختیار کرنا۔

بہر نوع غصہ و رضامندی کی حالت میں انصاف کے تقاضے وہی پورے کر سکتا ہے جو عالم ربانی ہو، اور اپنے نفس پر حاکم ہو، جو اس کو عقل حاضر اور قلب بیدار کی طرف متوجہ کرے۔ اور فیصلہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے اچھے محاسب کی امید رکھے۔ (ص ۲۲)

ادب فہم علم کا ذریعہ ہے | شیخ یوسف بن الحسین فرماتے ہیں کہ ادب سے علم کا فہم حاصل ہوتا ہے، علم کے ذریعہ عمل درست ہوتا ہے اور عمل کے ذریعہ حکمت حاصل ہوتی ہے اور حکمت سے زہد و ترک دنیا حاصل ہوتا ہے۔ زہد سے آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور آخرت کے شوق سے اللہ تعالیٰ اپنے قرب و قبول کا مرتبہ عطا فرماتے ہیں۔ (ص ۲۳)

نماز کا ادب | نمازی کا دل نماز کے وقت کسی چیز میں مشغول نہ ہو، وہ چیز معمولی ہو یا اہم۔ دانشمند حضرات نے دنیا کو چھوڑ کر نماز کو اختیار کیا ہے، ورنہ دنیا تو دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اس لئے اُنھوں نے اپنی غیرت دینی سے اس کو ترک کر دیا، تاکہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کے مقام یعنی نماز کی حفاظت کر سکیں اور مقام قرب کی طرف راغب ہو سکیں، اور اپنے باطن کے ساتھ خالق کائنات کے مطیع رہیں۔ (ص ۲۴)

نفس محل آفات ہے | چونکہ نفس محل آفات ہے، پس اُسکی فریب کاریوں اور پوشیدہ خواہشوں سے آگاہی ایک مشکل کام ہے۔ پس یہی طریقہ افضل اولیٰ ہے کہ جس کام میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہو اس کو اختیار کیا جائے اور جو

مشتبہ ہو اُس کو ترک کر کے غیر مشتبہ کو انجام دہی کیلئے پسند کرے۔ (۵۸۱)
 سلامتی کے دس حصے | کہا جاتا ہے کہ سلامتی کے دس حصے ہیں۔ نو حصے تو خاموشی
 میں ہیں اور ایک حصہ عزت و خلوت میں۔ یہ کہا گیا ہے کہ خلوت اصل اور بنیاد
 ہے اور اختلاط ایک عارضی چیز ہے۔ پس اصل کو پکڑنا چاہئے اور ضرورت کے
 بقدر میل جول رکھنا چاہئے۔ اور جب ضرورت کے وقت بعض لوگوں سے
 اختلاط و ارتباط پیدا کیا جائے تو خاموشی اختیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہی اصل
 اور بنیاد ہے اور کلام عارضی ہے۔ (۵۸۲)

ف: یعنی ملاقات میں بھی کلام بقدر ضرورت ہی ہونا چاہئے۔ (مرتب)
 صبر کی حقیقت | آپ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک جوہر ہوتا ہے اور انسان کا جوہر
 عقل ہے۔ اور عقل کا جوہر صبر ہے۔ پس صبر کرنا نفس کا مقابلہ کرنا ہے بمقابلہ
 سے نفس میں نرمی پیدا ہوتی ہے۔ (۵۸۳) ف: اور نفس کی شکستگی
 اور نرمی ہی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا سبب ہے۔ (مرتب)
 شکر کی حقیقت | شکر کی حقیقت یہ ہے کہ ہر اُس چیز کو جو نصیب میں
 رکھی گئی ہے نعمت الہی سمجھنا چاہئے۔ بحر اُن چیزوں کے جو دین کو نقصان
 پہنچانے والی ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حق میں جو بھی فیصلہ
 کرتا ہے وہ اُس کے حق میں ایک نعمت ہے۔ (۵۸۴)

آپ کے خلیفہ حضرت شیخ سعدیؒ نے ہوتاں میں حضرت شیخ سہروردیؒ
 کی دو نصیحتیں نقل کی ہیں جو روح تصوف ہیں، ان کو نقل کرتا ہوں۔ وہ یہ ہیں
 مرا پیر دانا ئے روشن شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب
 یکے آنکہ بر خویش خود میں مباش دگر آنکہ بر غیر بد میں مباش

(ترجمہ) مجھے میرے پیر کامل شہاب الدین نے دو نصیحتیں دریا ئے دجلہ کے سفر کے درمیان فرمائی۔ ایک تو یہ کہ اپنے آپ پر اچھائی سے نظر نہ کرو۔ اور دوسرے یہ کہ دوسروں کے متعلق بُرا خیال نہ کرو۔ (مرتب)

آپ کی نصیحت امام رازیؒ کو

حضرت شیخ الاسلام شہاب الدین سہروردیؒ جس سے منقول ہے کہ اُنھوں نے امام فخر الدین رازیؒ کو یہ لکھا کہ جو شخص اس زمانہ میں علوم کے نشر کے لئے متعین ہو جائے تو اُس پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ لہذا جو لوگ متدین ہونے کے ساتھ ساتھ متیقظ اور بیدار بھی ہیں ان کو چاہئے کہ اپنی صالح دعاؤں سے اس کی امداد کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے علم کے مورد (گھاٹ) حقائق و تقویٰ کے ذریعہ صاف شفاف کرے۔ اور اس کے علم کے منبع کو ہوئی کی آمیزش سے محفوظ رکھے۔ اس لئے کہ ہوئی کا ایک قطرہ بھی علم کے سمندر کو گدلا کر دیتا ہے اور نفسانی تقلص جو کہ نفوس میں سمائے ہوتے ہیں اور اس کی ذات کے دائمی مصاحب ہوتے ہیں، جو عالم سفلی کی چیز ہے جب اُس کی آمیزش علم کے ساتھ ہو جاتی ہے (جو کہ عالم علوی کی چیز ہے) تو یہی اس پر غالب آجاتی ہے اور علم کو اس کے مقام سے گرا دیتی ہے۔ اور جب علم کے مصادر اور مواد آمیزش ہوئی سے پاک و صاف ہوتے ہیں تو پھر اس علم میں اللہ تعالیٰ کے کلمات سے ترقی ہی ہوتی رہتی ہے، جن کی شانِ برگزیدہ سے سمندر کی روشنائی ختم ہو جائے اور وہ ختم نہ ہوں۔ اور اُس وقت علم اپنی کمال قوت پر جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ اور یہ مرتبہ راسخین فی العلم ہی کا ہے نہ کہ اہل رسوم کا۔ اور یہی حضرت انبیاء علیہم السلام

کے وارث ہوتے ہیں۔ ان کا عمل ان کے علم کے مطابق ہوتا ہے اور علم و عمل باری باری سے ان پر گزرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے اعمال صاف اور خالص، پاک اور لطیف ہو جاتے ہیں۔ اور اس وقت وہ حکایات سریہ اور محاورات روحیہ بن جاتے ہیں۔ اعمال بوجہ اپنی لطافت کے علوم کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور علوم بوجہ اپنی قوت تاثیر اور استعداد میں سرایت کر جانے کے اعمال کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

رہا اتباع ہوئی، سو اُس میں تو پستی اور خلود الی الارض ہی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ”وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ“ لہذا فکر کے نور کو تخیلات کے رذائل سے پاک کرنا اور ان مہومات کے عوض اس کو رہن رکھنے سے بچانا جس نے عقول میں ذلت و ناستکی اور نفوس قاصہ میں ملامت پیدا کر رکھی ہے جو ان مردوں کا کام ہے۔ پس اسکی وجہ سے ان کے ظاہر نفوس ملاء اعلیٰ کے مصاحب ہو کر قدس کے میدانوں میں سیر کرتے ہیں۔ پس حطام دنیا کی محنت میں پڑنے سے احتراز و اجتناب کرو۔ اور مخلوق کی نظر اور ان کی عقیدت کو شیریں سمجھنے سے دو بھاگو اور بہت دور بھاگو۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں چھوٹی طبیعت والوں کے لئے مزلۃ الاقدام ہیں۔

اور رفیق اعلیٰ کا طالب ہی دراصل متکلم اور محدث ہے اور تعریفات الہیہ خود اس کے اوپر وارد ہوتے ہیں۔ (اولاً) اس لئے کہ بشکل ابتلاء وہ خود ہی ان کا منظر ہوتا ہے اور (ثانیاً) اس لئے کہ ابتلاء کی جرئ (مشکلات) کا استیصال وہ صدق التجا الی اللہ تعالیٰ سے کر لیتا ہے۔ نیز اس لئے کہ قرب الہی کے حریم میں

وہ کثرت سے غوطہ لگاتا ہے۔ اور اپنے انفاس کے ساتھ عین یقین کے سمندر میں گھس جاتا ہے اور دلائل برہان کی تاثیر کو ارشاد اور عیاں کے نور سے غسل دیتا ہے (جس کا حال یہ ہوا کہ) برہان افکار کے لئے ہوا کرتے ہیں نہ اسرار کے لئے۔

اس کو نقل کر کے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:-

يا لها من موعظة حكيم ونصيحة حميم

نسأل الله تعالى ان يهدينا لما اشادت اليه۔

یعنی ایک حکیم کی کیا خوب حکمت بھری نصیحت ہے اور ناصح مخلص کی خوب محبت بھری وصیت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اس نصیحت کے مضامین کی جانب ہماری رہنمائی فرمائے، اور ہم کو ہدایت بخشنے۔ آمین! (روح المعانی ص ۱۳۱ ج ۹)

وفات

آپ کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا مزار بغداد میں ہے۔ نور اللہ مدفونہ۔

(نسخات الانس ص ۱۳۱)

حضرت الشیخ اکبر محی الدین ابن العزمنی الشہیدؒ

نام و نسب نام محی الدین محمد، والد کا نام علی اور دادا کا نام العربی ہے آپ شیخ اکبر سے جانے جاتے ہیں۔

ولادت آپ کی ولادت شبِ دو شنبہ، ۱۵ رمضان المبارک ۷۶۰ھ کو ہوئی۔

تعارف علماء و فقہار و صوفیاء کرام نے آپ کے عظیم المرتبت ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اور آپ کی حد درجہ تعظیم کی ہے اور آپ کے کلام کو بہت سراہا ہے اور آپ کے علو مقام کی تعریف کی ہے۔ اور آپ کی بہت سی کرامات کا تذکرہ کیا ہے۔

ایک دوسرے کے کمال کا اعتراف آپ کا ایک واقعہ امام یافعی جی کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ایک بار

آپ کو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے ملنے کا موقع ملا، تو اُس وقت باہم نظریں چار ہوئیں، لیکن باہم کلام نہیں کیا۔ اور اُسی وقت ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اُس کے بعد شیخ اکبر سے کسی نے شیخ شہاب الدین سہروردی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے یہ فرمایا:-

هو رجل مملوء من
قرنه الى قدمه من السنة
وہ ایسے شخص ہیں جو سر سے پاؤں تک
سنت کی پیروی سے پُر ہیں۔

اور جب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شیخ اکبر کے بارے میں دریافت

کیا گیا، تو اُنھوں نے فرمایا۔

ہو بحوالہ حقائق۔ و حقائق کے سمندر ہیں۔

تصوف میں آپ کے خرقہ کی نسبت ایک واسطہ سے شیخ عبدالقادر جیلانی
قدس سرہ تک پہنچتی ہے۔ (نفحات الانس ص ۷)

ف: میں سمجھتا ہوں کہ شاید شیخ سہروردی جو اور شیخ اکبر کے ذوق و جہد ان
کے اختلاف کی بنا پر ملاقات اور ہمکلامی کا سلسلہ تو قائم نہیں رہا مگر دریافت کئے
جانے پر ایک دوسرے کے کمالات کا بلا توقف اظہار فرمایا۔ یہ اصحاب حقیقت
واریاب معرفت کی امتیازی شان ہے۔ مگر افسوس کہ اس زمانہ میں اس طریق سے
تعلق رکھنے والے حضرات کا بھی یہ شعار نہیں رہ گیا ہے۔ فالعیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

اکثر محققین اولیاء اللہ نے جملہ علوم و فنون میں انکی جلالتِ شان
فضل و کمال پر اجماع کیا ہے، جیسا کہ انکی کتابیں اس پر شاہد ہیں، انکی

کلام کی بلندی و وقت و باریکی کی وجہ سے بعض حضرات علمائے انکار کیلئے
مگر اکثر مشائخ نے نہایت عالی القاب سے ان کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت ابو مدین نے
ان کو سلطان العارفین فرمایا ہے۔ آدمی کا کلام اس کے مقام باطن پر شاہد
و برہان ہوا کرتا ہے۔ ان کی کتابیں معروف و مشہور ہیں، مثلاً فتوحات مکیہ
اور فصوص الحکم۔ لہذا اگر کوئی اعتقاد سے مطالعہ کرے گا تو انشاء اللہ
ضرور فیضیاب ہوگا۔ (طبقات ص ۱۳)

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک رسالہ
”التبیین الطریق فی تنزیہ ابن العربی“ لکھا ہے، اور اس میں
شیخ کی بہت سی عبارات و ارشادات نقل فرمائے ہیں جو قابل دید ہیں۔

اور شیخ سے محبت و عقیدت کے لئے کافی ہے۔ اس سے پہلے مقدمہ بھی نہایت جامع ارقام فرمایا ہے، مگر اداق ہے، کوئی باصلاحیت شخص مطالعہ کرنا چاہے تو ضرور کرے۔ مگر ہم بغرض اختصار یہاں نقل کرنے سے قاصر ہیں۔ البتہ حضرت نے کتاب کے آخر میں جو اپنی رائے ثبت فرمایا ہے اور مشائیر اولیاء کرام کی آراء نقل فرمایا ہے، ان میں سے کچھ مفید غیر مختلف فیہ اقوال کے یہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ (مرتب)

شیخ اکبر کے باب میں حضرت تھانویؒ کا مسلک

حسب اقتضائے تحقیقات رسالہ ہذا میرا مسلک حضرت شیخ قدس سرہ کے باب میں یہ ہے کہ بنا بر شہادت جم غفیر اکابر امت کے جس کی حجیت حدیث انتم شہداء اللہ فی الارض سے ثابت ہے، شیخ کی مقبولیت اور ولایت کا عقیدہ کامل رکھتا ہوں اور شیخ کے اکثر علوم جو کہ از قبیل اسرار ہیں اور میرے فہم سے خارج ہیں عقلاً نہ ان کے اثبات کا حکم کرتا ہوں بامثال آیت وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اور نہ انکی نفی کا، بایں آیت بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِطُوا بِعِلْمِهِ اور بلا ضرورت شرعیہ ان کی اشاعت اور اشتغال کو مضر سمجھتا ہوں حکم آیت وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ اور طبعاً ان کے اقوال کی طرف توجہ کرنے سے قلب میں اطمینان نہیں پاتا ہوں۔ اس لئے مطابق حدیث دع ما یریبک الی ما یریبک ان کا استحضار نہیں کرتا۔ اور جن علماء نے حفاظت شریعت کیلئے حدود شرعیہ کے اندر رہ کر اقوال شیخ پر بھی نیکر کیا ہے ان کو حسب آیت لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ

فَنَسَا إِلَّا وَسْعَهَا وَحَدِيثَ اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ معذور جانتا ہوں اور اس محبوبی مسلک میں اپنے کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ متوافق دیکھتا ہوں جیسا کہ ان کے بعض مکتوبات سے ظاہر ہے جس سے کچھ جملے اسی خانہ میں منقول بھی ہوں گے۔ البتہ مجدد صاحب میں یہ امر مزید ہے کہ وہ ان کے اقوال پر کلام بھی کرتے ہیں جو بوجہ ان کے محقق اور صاحب کشف ہونے کے ان کا حق ہے اور ہم یہ منصب نہیں رکھتے۔ بقول عارف رومی کے ۵

آرزوی خواہ لیک اندازہ خواہ برنتابد کوہ را یک برگ کاہ
(ترجمہ: آرزو اپنے اندازہ کے مطابق کرو، کیونکہ ایک پتہ پہاڑ کو کھاڑ نہیں سکتا۔)
(التبیین الطرنی ص ۱۴)

شیخ اکبر مشاہیر اولیاء کی نظر میں | شیخ محمد الدین فیروز آبادی
صاحب قاموس کہتے تھے: ہم کو قوم میں سے کسی کے متعلق یہ روایت نہیں پہنچی کہ کوئی شخص کبھی علم شریعت حقیقت میں اُس درجہ کو پہنچا ہو، جس درجہ کو شیخ محی الدین پہنچے ہیں۔ اور وہ شیخ کے غایت درجہ کے معتقد تھے۔ اور جو شخص شیخ پر نکیر کرتا وہ اُس پر نکیر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیشہ سے لوگ شیخ کے ساتھ عقیدت رکھنے پر اور اُن کے مولفات کو آب زر سے لکھنے پر غایت درجہ متوجہ رہے، اُن کی حیات میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی۔ اور اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا کہ جس امر کا میں قائل ہوں اور اس کو محقق سمجھتا ہوں اور اُس کے موافق اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ رکھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ شیخ محی الدین شیخ طریقہ تھے، حالاً بھی اور علماً بھی۔ اور امام اہل تحقیق تھے، حقیقہً بھی اور ظاہراً بھی۔ اور علوم عارفین کے احیا کرنے

والے تھے فعلاً بھی اور لفظاً بھی۔ اسی طرح کا بہت طویل مضمون فرمایا اور انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ حاصل کلام یہ ہے کہ شیخ پر صرف بعض ایسے فقہاء خشک نے نیکر کیا ہے جن کو محققین کے مشرب سے کچھ بہرہ نہ تھا، باقی جمہور علماء اور صوفیہ نے تو اس کا اقرار کیا ہے کہ وہ اہل تحقیق و توحید کے امام ہیں، اور علوم ظاہرہ میں یکتا و یگانہ ہیں۔ (التبید للطبی مثل)

شیخ سراج الدین مخزومی جو شام میں شیخ الاسلام تھے فرماتے تھے کہ اپنے کو شیخ محی الدین کے کلام پر (معاندانہ) نیکر کرنے سے بہت بچانا۔ کیونکہ اولیاء کے گوشت زہر آلود ہیں (تو اُن کی غیبت کر کے ان کا گوشت کھانا مہلک ہے) اور اُن سے بغض رکھنے والے کے دین کا برباد ہو جانا ایک مسلم بات ہے۔ اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے وہ نصرانی ہو کر مرتبہ اور جو شخص اُن کی شان میں گستاخی کے ساتھ زبان درازی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو موت قلب میں مبتلا کرتا ہے۔

اور منجملہ شیخ کے شاخو انوں کے کمال الدین زملکانی بھی ہیں اور یہ اجل علماء شام سے تھے۔

شیخ قطب الدین حموی (اُن کے شاخو اُن تھے) اور جب یہ شام سے اپنے وطن کو آئے تو اُن سے پوچھا گیا کہ آپ نے شیخ محی الدین کو کس حال میں پایا؟ اُنھوں نے کہا کہ میں نے اُن کو زہد میں اور معارف میں ایک دریلے زخار ناپید اکنار پایا۔

شیخ صلاح الدین صفدی نے بھی تاریخ علماء مصر میں اُن کی ثنا کی ہے اور کہا ہے کہ جو شخص علوم لدنیہ والوں کے کلام کو دیکھنا چاہے وہ شیخ

محی الدین کی کتابوں کو دیکھا کرے۔

حافظ ابو عبد اللہ ذہبی (صاحب اسماء الرجال) سے شیخ محی الدین کے اس قول کی نسبت جو انھوں نے اپنی کتاب ”فصوص“ میں کہا ہے کہ اُنھوں نے اس کتاب کو حضرة نبویہ کی اذن سے بنایا ہے، پوچھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا۔ میں یہ گمان نہیں کرتا کہ ایسا شخص جھوٹ کہتا ہو، حالانکہ حافظ ذہبی شیخ پر اور جماعت صوفیہ پر شدت کے ساتھ کیر کرنے والوں میں ہیں۔ یہ بھی اور ابن تیمیہ بھی۔

شیخ قطب الدین شیرازی کہا کرتے تھے: شیخ محی الدین علوم شریعت و حقیقت میں کامل تھے۔ اور ان کی شان میں وہی شخص جرح و قدح کرتا ہے جو ان کے کلام کو نہیں سمجھتا اور (اس لئے) اُسکی تصدیق نہیں کرتا (مگر یہ ان کے کمال میں قاذب نہیں۔) جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لانے والوں کی زبان سے انکو جنون و سحر کی طرف منسوب کیا جاتا ان حضرات کے کمال میں قاذب نہیں۔

شیخ مؤید الدین نجندی فرماتے تھے کہ ہم نے کسی شخص کو اہل طریق میں سے نہیں سنا کہ وہ اُن علوم پر مطلع ہوا ہو، جن پر شیخ محی الدین مطلع ہوئے ہیں۔ شیخ کمال الدین کاشی فرماتے تھے کہ شیخ محی الدین کامل محقق صاحب کمالات و کرامات ہیں۔ شغرائی نے فرمایا کہ باوجودیکہ یہ (چند) بزرگوار ایسے شخص پر سخت کیر کرنے والے تھے جو ظاہر شریعت کے خلاف ہو۔

اور شیخ فخر الدین رازی نے بھی اُن کی ثنا کی ہے اور کہا ہے کہ شیخ محی الدین ولی عظیم تھے۔

امام محی الدین نووی سے شیخ ابن العربی کی نسبت پوچھا گیا۔ انھوں نے فرمایا، یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی (تم سے اُن کے اعمال کا سوال نہ ہوگا تو تحقیق کی بھی ضرورت نہیں) لیکن ہمارے نزدیک اتنا ضرور ہے کہ ہر صاحب عقل پر یہ بات حرام ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی کے ساتھ بھی بدگمانی رکھے۔ اور اس پر واجب ہے کہ ان کے اقوال و افعال کی تاویل کرتا ہے جب تک کہ اُن کے درجہ تک نہ پہنچے (اور وہاں تک پہنچنے پر پھر اُس کو حق ہے کلام کرنے کا) اور جس کو اتنی بھی توفیق نہ ہو، وہ بالکل ہی گیا گزرا ہوا۔ اور انھوں نے شرح مہذب میں فرمایا کہ پھر جب تاویل کرے تو اُن کے کلام کی ستر و جوت تک تاویل کرے (تاکہ جس طرح بھی ممکن ہو اُن پر سے اعتراض کو اٹھاوے) اور ہم صرف ایک (دو تاویل کو قبول نہ کریں گے) (کہ ایک دو احتمال نکال کر پھر ان کو رد کر کے اعتراض کو قائم رکھے) ایسا کرنا محض لعنت (و عناد) ہے۔

امام یافعی نے بھی شیخ کی ثنا کی ہے اور انکی ولایت عظمیٰ کی تصریح کی ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام سے انکی شرح روض میں یہ منقول ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص اولیاء اللہ سے عداوت کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ سے عداوت کرتا ہے۔ گو یہ (عداوت رکھنے والا) شخص حد تکلیف تک نہ پہنچا ہو جو خسود فی النار کی موجب ہے۔

ہمارے مشائخ میں سے محمد مغربی شاذلی نے بھی جو کہ جلال الدین سیوطی کے شیخ ہیں اُن پر ثنا کی ہے اور اس عنوان سے ان کا ذکر کیا ہے کہ وہ مرہی ہیں اہل عرفان کے جیسا حضرت جنید مرہی ہیں اہل ارادت کے۔

شیخ سراج الدین نے کہا ہے کہ شیخ کی کتاب فصوص کی شرح ایک بڑی

جماعت نے کی ہے، جنہیں مشاہیر شافعیہ بھی ہیں اور دوسرے لوگ بھی ہیں، ان میں سے شیخ بدر الدین بن جماعہ بھی ہیں (جو دلیل پر حسن عقیدت کی) شیخ عز الدین بن عبدالسلام فرماتے تھے کہ بعض علماء سے جو شیخ پر نیکر واقع ہوا ہے وہ صرف ایسے ضعفاء فقہاء کی رعایت سے ہوا ہے جنکو فقہاء کے احوال سے بہرہ وافر نہ تھا، صرف اس احتمال سے کہ شیخ کے کلام سے کوئی ایسی بات نہ سمجھ لیں جو شرع کے موافق نہ ہو اور گمراہ ہو جاویں۔ اور اگر وہ فقہاء فقہاء کی صحبت میں رہے ہوتے تو ان کی اصطلاحات کو پہچانتے اور مخالفت شریعت سے مامون رہتے۔ امام شعرائی فرماتے ہیں کہ بعض منکرین نے جو شیخ عز الدین اور شیخ نراج الدین بلقینی سے شائع کیا ہے کہ ان دونوں حضرات نے شیخ کی کتابیں جلائے کاغذ دیا تھا، یہ محض جھوٹ اور افتراء ہے۔ (التبیلہ لطنی ص ۱۷۱)

صوفیہ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی تاکید

شیخ ابن العربی کا کلام جس قدر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا اس کا سبب اس کلام کا بلند پایہ ہونا ہے اور جس قدر اُن کا کلام ظاہر شریعت اور طریقی جہوں کے خلاف ہے وہ اُن کے کلام میں خارج سے داخل کیا گیا ہے۔ چنانچہ شیخ ابوالطاهر مغربی تزیل مکہ نے مجھ سے اول یہ بیان کیا، پھر اس کے بعد میرے دکھلانے کے لئے فتوحات کا وہ نسخہ نکالا جس کو حضرت شیخ کے اُس نسخہ سے مقابلہ کیا جو شیخ کے خاص قلم کا لکھا ہوا شہر قونیہ میں تھا، سو میں نے اُس نسخہ میں اُن عبارتوں میں سے کوئی عبارت نہیں دیکھی جن میں مجھ کو تردید تھا اور اسی لئے فتوحات کے اختصار کے وقت میں نے ان کو حذف کر دیا تھا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ کچھ موضوع عبارتیں شیخ کے کلام میں مسلح کر دی گئی ہیں تاکہ شیخ کو بدنام کرنے کا موقع ملے۔ العباد باللہ۔ (مرتبہ)

شیخ سراج الدین بلقینی سے شیخ ابن العربی کی نسبت پوچھا گیا تو اُن کا یہ قول ہے کہ شیخ کے کسی کلام پر اعتراض کرنے سے اپنے کو بچاؤ، اس لئے کہ شیخ رحمہ اللہ نے جب بحار معرفت و تحقیق حقائق میں قدم رکھا تو اپنی آخر عمر میں ان مضامین کو لے کر عبور کیا جو فصوص و فتوحات و تزیلات موصلاً وغیرہ میں ہیں جو اُن اہل اشارات پر مخفی نہیں جو کہ اُن کے درجہ میں ہیں، پھر اُن کے بعد ایک ایسی قوم آئی جو اُن کے طریق سے ناپید تھی، انھوں نے ان مضامین میں انکی تغلیط کی، بلکہ ان عبارتوں کے سبب انکی تکفیر کی اور ان لوگوں کو شیخ کی اصطلاح کی معرفت نہ تھی اور نہ اُنھوں نے ایسے شخص سے پوچھا جو انکو اس کے ایضاح کی طرف رہنمائی کرتا۔ (التبلیطی ملے)

اور شیخ مجد الدین صاحب قاموس کہتے ہیں کہ کسی شخص کو اجازت نہیں کہ اس جماعت پر محض سرسری نظر سے اعتراض کر دے، کیونکہ ان کا مرتبہ فہم اور کشف میں بہت بلند ہے (معترض کی وہاں تک رسائی بھی نہیں ہوتی)، اور اُنھوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ ہم کو کسی بزرگ سے یہ روایت نہیں پہنچی کہ اُنھوں نے کسی ایسی بات کا حکم دیا ہو جو دین کی بادم ہو۔ اور نہ کسی کو وضو سے منع کیا نہ نماز سے، اور نہ اسلام کے کسی فرض یا مستحب سے (جب وہ اعمال و فروع میں خلاف شریعت کوئی تصرف نہیں کرتے، تو عقائد و اصول میں تو اس کا کب احتمال ہے) البتہ صرف اتنی بات ہے کہ وہ بعض کلام ایسا کرتے ہیں جو عام افہام سے دقیق ہوتا ہے۔

اور یہ بھی کہتے تھے کہ کبھی یہ حضرات مقامات اور علوم میں ایسے نامعلوم مقامات اور علوم تک پہنچ جاتے ہیں جن کی کتاب سنت میں تہذیب نہیں کی گئی، لیکن اکابر علماء باعمل ان علوم کو اپنے حسن استنباط اور صلحا کے ساتھ حسن ظن کے سبب طریق دقیق سے کتاب و سنت کی طرف راجع کر دیتے ہیں، لیکن ہر شخص ایسا نہیں کہ جب ایسا کلام سنے جو سمجھ میں نہ آوے تو کچھ انتظار بھی کرے، بلکہ صاحب کلام پر اعتراض کرنے میں مبادرت کر بیٹھتا ہے۔ اور انسان پیدا ہی ہوا ہے جلد باز۔

ف: اس میں دلالت ہے کہ سمجھ میں نہ آنے سے اعتراض نہ کرے، اور سمجھ میں آنا موقوف ہے اُنکی اصطلاحات کے جاننے پر اور اُن کے رتبہ تک پہنچنے پر۔ پس ان شرائط کے اجتماع کے بعد اگر قرآن و حدیث کے خلاف دیکھے، تو اُس کو رد کرنے کا حق ہے اور رد کرنا واجب ہے۔ (از مولانا تھانویؒ)

علم مکاشفہ امام غزالیؒ نے اقسام علوم آخرت میں فرمایا ہے کہ: اُن میں سے ایک قسم علم مکاشفہ ہے اور وہ علم باطن ہے اور یہ غایت ہے تمام علوم کی (باقی عمل کا غایت ہونا وہ اور حیثیت سے ہے) بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اُس علم کا کوئی حصہ حاصل نہ ہو مجھ کو اُس پر سو خاتمہ کا اندیشہ ہے، اور ادنیٰ درجہ کا حصہ (کہ سو خاتمہ سے بچانے کے لئے وہ بھی کافی ہے) یہ ہے کہ اس کی تصدیق کرے، اور اس علم والوں کے لئے اس کو مسلم رکھے (اعتراض اور گستاخانہ نہ کرے کہ اولیاء سے عداوت رکھنے میں سو خاتمہ کا خطرہ ہے۔) (النبیۃ الطریقیہ) قاضی شہداء اللہؒ نے اپنی تفسیر میں کہلے کہ جو شخص ان معارف کے ساتھ مکمل کرنا چاہتا ہے اس کو ایسے مجازات و استعارات لانا پڑتا ہے کہ ان کے مقصود

تک عوام کی رسائی نہیں ہوتی، اس لئے وہ لوگ اسکو قاسق اور کافر بناتے ہیں۔ اگر کوئی سوال کرے کہ پھر اس کے ساتھ تکلم کرنے کی اور تصنیف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جواب دوں گا کہ ان تصنیفات سے غرض ان علوم کا افادہ نہیں ہے اور نہ ان کے مطالعہ سے قرب اور ولایت حاصل ہوتی ہے، بلکہ مقصود اس سے اُن عارفین کو جو کہ ان علوم کو جذب اور سلوک سے حاصل کر رہے ہیں بعض تفصیلات پر متنبہ کرنا ہوتا ہے اور مریدین کے احوال و مواجید پر منطبق کرنا ہوتا ہے تاکہ ان کے احوال کا صحیح ہونا ظاہر ہو جاوے اور اس سے ان کے قلوب کو اطمینان ہو جائے۔ اور بسا اوقات ان معارف کے ساتھ غلبہ احوال میں تکلم کرتے ہیں پس طریق مستقیم عوام کے لئے ان حضرات کا کلام سننے کے وقت اور انکی کتابوں کو مطالعہ کرنے کے وقت یہ ہے کہ اعتراض نہ کریں اور ان کو بقدر امکان یا تاویلات کے ظاہر شریعت پر محمول کریں، کیونکہ ان کا کلام رموز و اشارات ہوتے ہیں، یا (اگر تاویل سمجھ میں نہ آئے تو) علام الغیوب کے حوالہ کریں، جیسا کہ متشابہات کی شان ہوتی ہے، کیونکہ ان کے کلام میں مجازات و استعارات ہوتے ہیں جو ظاہر سے پھیرے جاتے ہیں، ان میں کوئی بات شرع کے خلاف نہیں ہوتی، بلکہ وہ کتاب و سنت کا منفر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمکو اپنے فضل و احسان سے نصیب فرمادے۔

ف : ان عبارات مذکورہ فصل ہذا سے کتب تصوف و علماء تصوف

کے ساتھ معاملہ رکھنے کا یہ خلاصہ ہوا کہ جن حضرات میں قبول کی علامات ظاہر ہیں اور منجملہ ان علامات کے علماء محققین کا حسن ظن بھی ہے ان کے ساتھ حسن اعتقاد رکھے اور ان کے کلام میں اگر کوئی امر ظاہر اخلاف سواد اعظم دیکھے، تو اپنا

اعتقاد اس کے موافق نہ رکھے، نہ اسکو کسی کے سامنے نقل کرے، نہ ایسی کتابوں کا مطالعہ خود کرے، جب تک کسی شیخ سے نہ پڑھ لے، کیونکہ ان حضرات کا مقصد عوام کے لئے تدوین نہیں ہے، بلکہ عوام سے وہ خود اخفاء فرماتے تھے، بلکہ اعتقاد تو سواد اعظم کے موافق رکھے، اور اس کلام میں اگر تاویل ممکن ہو، تاویل کرے۔ ورنہ غلبہ حال پر محمول کر لے یا اعداء کے ملحق کر دینے کا احتمال کرے، یا مثل متشابہات کے اسکو مفوض بحق کرے، اور بے سمجھے اعتراض اور گستاخی نہ کرے۔ کیونکہ گو وہ معصوم نہ تھے لیکن شریعت کے سجد قبیح تھے چنانچہ غیر معذور پر ان سے خود نیکر منقول ہے، اور اسی لئے احکام میں اُن سے کوئی ایسا امر منقول نہیں، صرف بعض اسرار منقول ہیں جن کا مبنی ذوق و کشف ہے اور تعبیر حاصل اصطلاحات میں کی گئی ہے اور ان دونوں سے عوام دامل ظاہر بے بہرہ ہیں، اس لئے اس کلام کے معارض شرعیات ہونے کا یہ لوگ فیصلہ نہیں کر سکتے، گو رتبہ میں اُن سے بھگڑاھے ہوئے ہوں۔ اس لئے انکو اجالا تسلیم کر لینا چاہئے، ورنہ گستاخی سے سو، خامتہ کا خوف ہے۔ البتہ جو شخص لیا ہی محقق ہوا اسکو حق ہے کہ اس پر مفصلاً رد کرے، خواہ درجہ خطا اجتہادی تک خواہ ابطال تک۔ (از مولانا تھانویؒ التنبیہ الطربی ص ۵۷)

شیخ کی کرامت

حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے اپنی تصنیف لطیفہ ایجابات کی حقیقت میں شیخ اکبرؒ کی ایک کرامت نقل فرمائی ہے اسکو نقل کرتا ہوں:-

آواز کے ضبط کرنے کا ایک آلہ آگیا ہے اس میں ہر بات ضبط ہو جاتی ہے

جب سے وہ آیا ہے سب لوگ بہت خوش ہیں اور دھوم مچی ہوئی ہے کہ کتنی عجیب و غریب چیز آگئی ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ فرشتے جو ضبط کر رہے ہیں، وہ آپ کی ہر بات لکھ جا رہے ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے اس کو ذرا بھی عجیب نہیں سمجھتے۔ آخر ہو کیا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ تو نہایت شرم سے قرآن میں قیامت کا بیان فرما رہے ہیں۔ مگر ہم لوگ ان سب باتوں سے غافل ہیں، ہم کو یہ چیزیں عجیب ہی نہیں معلوم ہوتی ہیں، کس قدر تعجب کی بات ہے۔ یہ آکہ انگریزوں کی ایجاد ہے جس کو اب کے لوگ بہت بڑی کامیابی اور ترقی سمجھتے ہیں، مگر اپنے اسلاف کے احوال سے واقفیت نہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تو ان سے کیسی کیسی باتیں صادر ہوئیں جو آجکل کے لوگوں کے وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتیں۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

لما اودعت الکعبة شہادۃ	جیکہ میں نے شہادت توحید کو حجر اسود کے
التوحید عند قبیلۃ الحجر الاسود	بوسہ دینے کے وقت کعبہ شریف کو ودیعت
خرجت الشہادۃ عند	کی تو میرے تلفظ کے وقت وہ شہادت فرشتہ
تلفظی بہا وانا انظر الیہا	کی صورت میں خراج ہوئی جس کو میں اپنی آنکھوں
بعینی فی صورۃ ملک وانفتح	سے دیکھ رہا تھا اور مثل طاق کے حجر اسود میں
فی الحجر الاسود مثل	انفتح ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں نے حجر اسود کے
الطاق حتی نظرت الی قعر	قعر میں نظر کی، اور شہادت مثل کعبہ وسیع
الحجر والشہادۃ قد صارت	ہو گئی اور وہ قعر حجر میں مستقر ہو گئی
مثل الکعبة واستقرت فی	اور حجر اسود اس پر بالکل ڈھک گیا

تعر الحجر وانطبق الحجر
عليها وانسد ذاك الطاق
وانا انظر اليه فقالت لي
هذه امانة لك عندي
ارفعها لك الى يوم القيامة
فشكرتها على ذلك اتني

اور وہ طاق بند ہو گیا، اور میں اس کی
طرف دیکھ رہا تھا۔ تو کعبہ نے مجھ سے کہا
کہ یہ آپ کی امانت میرے پاس ہے
جس کو قیامت کے دن آپ کی
خدمت میں پیش کروں گا، تو میں نے
اس بات پر اس کا شکریہ ادا کیا۔

دیکھا آپ نے؟ یہ کوئی معمولی چیز ہے کہ حجر اسود جو ایک چھوٹا سا پتھر
ہے اُس کے اندر اتنی وسعت ہو گئی کہ اس نے شیخ کی شہادت کو جو کعبہ کے مثل
ہو گئی تھی اسکو ضبط کر لیا اور کہا کہ یہ امانت ہے جس کو قیامت کے دن
آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

لوگ اہل اللہ کے ان واقعات کو نہیں دیکھتے۔ لندن اور امریکہ کے شاگرد
ہو گئے ہیں۔ مگر کب تک ان کی شاگردی کرو گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی آخر کب شاگردی اختیار کرو گے۔

چند خوانی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں راہم بخوال

(ایجادات کی حقیقت ص ۱۹)

(ترجمہ: کب تک یونانیوں کی حکمت پڑھتے رہو گے؟ آخر ایمان والوں کی حکمت بھی تو پڑھو۔)

ارشادات

مناسب لوم ہوتا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کے چند اقوال
”التبئہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی، مؤلفہ محضر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی
سے نقل کروں۔ وہ یہ ہیں:-“

فتوحات میں (شیخ ابن العربی کا قول) ہے کہ: جو حقیقت خلاف شریعت ہو وہ زندہ باطلہ ہے۔ نیز فتوحات میں ہے کہ ”ہمارے لئے اللہ تعالیٰ تک (پہنچنے کا) کوئی رستہ نہیں بجز اس طریقہ کے جو شروع فرمایا ہے (صفحہ ۶)۔۔۔“
 ... نیز شیخ ابن العربی کا ارشاد ہے، جو شخص میزان شریعت کو ایک لحظہ بھی اپنے ہاتھ سے پھینک دے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (صفحہ ۷)،

نیز فتوحات کے باب ۳۸۲ میں شیخ نے فرمایا کہ جو شخص غوامض شریعت کے سمجھنے اور مشکلات علوم توحید کے حل کرنے کی طرف آنا چاہے تو اسکو چاہئے کہ اپنی عقل و رائے کے حکم کو چھوڑ دے اور شرع ربانی کو اپنا پیشوا بنائے۔

ف: اس میں امر صریح ہے شریعت کی تقدیم کا اپنی رائے پر آگے کشف پر تقدیم ہے۔

نیز شیخ نے فرمایا کہ جاننا چاہئے کہ تقدیم کشف کی نص پر ہمارے نزدیک محض باطل ہے۔ کیونکہ اہل کشف کو کثرت سے اشتباہ ہو جاتا ہے۔ ورنہ کشف صحیح (خالی از اشتباہ) ہمیشہ ظاہر شریعت ہی کے موافق ہوتا ہے۔ (تو جو کشف شریعت کے خلاف ہو وہ خود غلط ہوگا) پس جو شخص اپنے کشف کو شرع پر مقدم کرے، وہ جماعت اہل اللہ میں شامل ہونے سے خارج ہو جائے گا۔ اور ان لوگوں میں ملجائیگا جو اعمال کے اعتبار سے سراسر خسارہ میں ہیں۔

ف: اس میں امر صریح ہے شریعت کی تقدیم کا کشف پر صیہ اور عقل پر تقدیم تھی۔

شیخ نے فرمایا کہ علم شریعت کو لازم پکڑو، کیونکہ شریعت ہی تمہاری وہ شتی ہے کہ جب اس میں رخنہ پڑ جائے تو تم بھی ہلاک ہو گے اور جتنے بھی اسمیں سوار

ہیں وہ سب ہلاک ہوں گے۔

شیخ نے فتوحات کے باب ۱۸۵ میں فرمایا کہ جاننا چاہئے کہ میزان شرع جو کہ دنیا میں موجود ہے وہی شریعت ہے جو علماء کے ہاتھ میں ہے۔ پس جب کبھی کوئی ولی شرع کی میزان مذکورہ سے عقل تکلیف کے ہوتے ہوئے خارج ہوگا اُس پر اعتراض وارد ہوگا۔

شیخ نے فرمایا، جب کسی صاحب کشف پر کوئی ایسا وارد الہی وارد ہو جو اُس کے لئے ایسے امر کو حلال کرے جسکی حرمت شریعت محمدی میں ثابت ہو چکی ہو تو اس شخص پر اُس وارد کا ترک کر دینا (اور اس پر عمل نہ کرنا) جرمًا واجب ہے۔ کیونکہ وہ تبلیغ ہے اور اس پر حکم شرعی کی طرف جو ثابت ہے رجوع کرنا واجب ہے۔ اور یہ بات تمام اہل کشف کے نزدیک ثابت ہے۔
(التنبیہ الطربی ص ۱۳)

وفات

آپ نے بروز دو شنبہ ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۸۰ھ دمشق (مملکت شام) میں انتقال فرمایا۔ آپ کو شہر دمشق کے باہر موضع صفح میں جو کوہ قادیون کے دامن میں ہے دفن کیا گیا۔ یہ جگہ ۲ جکل صالحیہ کے نام سے مشہور ہے۔ رَحِمَہُ اللہُ وَ مَوَّسَّہُ اللہُ حَقَّ کَلَامًا۔

(نفحات الانس ص ۸۱)

حضرت الشیخ عبد الرحمن طغسوںجی علیہ رحمۃ اللہ چھٹی چھری

تعارف

آپ کا شمار مشائخ عراق کے اکابر، عارفین کے سرداروں اور مقصد بین کے صدر نشینوں میں ہوتا تھا۔ آپ احوال فاخرہ، کرامات ظاہرہ اور تصرفات نافذہ رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے: ولیوں میں میری مثال ایسی ہے جیسے پرندوں میں کلنگ کہ اسکی گون سب سے لمبی ہوتی ہے۔ آپ طغسونجی میں ایک بلند کردہ سی پر بیٹھ کر شریعت و حقیقت سے متعلق بیان فرماتے تھے۔ مشائخ اور علماء آپ کی مجلس میں شریک ہوتے۔ آپ علماء کا لباس زیب تن فرماتے اور حجر کی سواری کرتے

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ جو شخص دنیا کے حصول میں مشغول ہو گیا وہ دنیا کی ذلت و برائی میں پڑ گیا۔ جس نے اپنے عیوب سے آنکھیں بند کر لیں سرکش و باغی ہو گیا اور جس نے خلاف حق اشیاء سے اپنے کو آراستہ کیا وہ فریب میں مبتلا ہو گیا۔

ف: اس سے دنیا کی زیب و زینت اور اس سے دلچسپی و دلفریبی کی کتنی مذمت ثابت ہوتی ہے لہذا اس سے کس قدر پرہیز رہنے کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین! (مرتب)

فرماتے تھے کہ علوم میں سب سے زیادہ نافع احکام شریعت کا علم ہے اور ارفع و اعلیٰ علم توحید کا علم ہے۔

ف: اس سے توحید کی کتنی اہمیت ثابت ہوئی۔ اس لئے اپنی توحید کو خالص اور پختہ کرنے کی کتنی ضرورت ہے۔ بقول امام غزالیؒ توحید

اسلام کی آنکھ کی ہستی ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ شجاعت و بہادری تو اضع کے ساتھ مضر نہیں ہے بشرطیکہ واجبات اور سنن کی ادائیگی مستقل ہوتی رہے۔ اور قلب میں کبر کا مرض موجود ہو تو علم و عمل بے فائدہ اور بے نتیجہ ہے۔

ف: اس سے کبر کی کتنی مذمت ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین! (مرتب)

فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ تم کو سیدھا رکھے گا تو تم ثابت قدم رہو گے اور جب تم خود اپنے نفس کے ساتھ کھڑے رہنا چاہو گے تو گر جاؤ گے۔

ف: ما شاء اللہ، کس قدر معرفت و حکمت سے بھرپور ارشادات ہیں جو لاکھ عمل بندے کے لائق ہیں۔ خاص طور سے سالکین راہ کیلئے۔ (مرتب)

وفات: اپنے عراق کے ایک شہر طغسوج میں سکونت اختیار کی۔ وہیں پیرانہ سالی میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی قبر موجود ہے اور زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ (طبقات ج ۱ ص ۱۲۶)

لیکن تاریخ وفات باوجود تلاش کے نہیں مل سکی۔ البتہ اتنا متحقق ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی (المتوفی ۵۶۱ھ) کے زمانہ میں آپ بقیہ حیات تھے، جیسا کہ "نفحات الانس" ص ۶۲ پر دونوں حضرات کے سلام و پیغام کا تذکرہ موجود ہے۔

حضرت الشیخ داؤد کبیر ابن ماخلارحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب | نام داؤد کبیر، والد کا نام ماخلار ہے۔

تعارف | سید محمد ولی شاذلیؒ کے پیر تھے۔ یہ حاکم اسکندریہ کے گھر میں سپاہی تھے، اور حاکم کے سامنے بیٹھا کرتے تھے۔ اور دولوں میں اشارہ مقرر تھا، جس سے قابل ہنر و قابل برارت ہونا معلوم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اگر یہ اشارہ کرتے کہ یہ بری ہے تو وہ اس کو رہا کر دیتا تھا اور اگر اشارہ کرتے کہ جو الزام اُس پر ہے یہ اُس کا مرتکب ہے، تو وہ اس کو سزا دیتا تھا۔ اور وہ اشارہ یہ تھا کہ اگر یہ اپنی ڈاڑھی کو پکڑ کر سینے کی طرف کھینچتے تھے تو سمجھا جاتا تھا کہ وہ مجرم ہے۔ اور اگر اوپر کی طرف کرتے تو یہ سمجھا جاتا کہ یہ بری ہے۔ اپنے لُصوف میں بہت اہم اہم مضامین بیان کئے ہیں۔

آپ فرماتے تھے کہ حدیث پاک: **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَ اِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا فَوَّضَ اِلَيْهَا** مطلب یہ ہے کہ تمہاری نیت میں جس قدر بلندی ہوگی اسی قدر عالم سرائے کے نزدیک تمہارے مرتبہ میں بلندی ہوگی۔ (طبقات ص ۱۲۸)

فرماتے تھے کہ سب سے بڑی فتح یہ ہے کہ آدمی غفلت سے بیداری میں آجائے۔ فرماتے تھے کہ اپنے نفس سے پُر حذر رہو۔ اس لئے کہ طاعات و عبادات میں بھی اس کے غوائل و آفات ہیں۔ فرماتے تھے کہ نور نبوت سے ایمان میں جلا اور اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے اور نور ولایت سے اعمال میں طہارت اور احوال میں رفعت پیدا ہوتی ہے۔

فرماتے تھے کہ آدمی دنیا و آخرت کے کسی کام میں مشغول نہ ہو تو وہ مثل

اجساد کے ہے۔ اور اگر شر و معصیت میں مبتلا ہو تو وہ شیطان ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی مصنوعات و مخلوقات میں غور و فکر کر رہا ہو تو مثل فرشتہ کے ہے۔ پس اے مخاطب! تم پر اللہ تعالیٰ رحم کرے، سوچ لے کہ تو کس جماعت میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ فرماتے تھے کہ کرمیوں کے سامنے سوال میں الحاح کیا کرو۔ اگرچہ تم بخشش کے لائق نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ حضرات اخلاق جمیلہ سے متعلق ہوتے ہیں (اس لئے بغیر اہلیت کے بظنی جو دو بخشش کرتے ہیں۔)

فرماتے تھے کہ فجار کی کثرت اور نیکیوں کی قلت سے ہرگز نہ ڈرو۔ اس لئے کہ اگرچہ ان کی تعداد کثیر ہے مگر ان کا معاملہ صغیر و حقیر ہے۔ اور نیک لوگ اگرچہ انکی تعداد کم ہے مگر ان کا معاملہ نہایت وسیع و کبیر ہے۔ (طبقات ص ۸۹)

فرماتے تھے کہ آدمی ایک آدمی سے اس حال میں معاف نہ کرتا ہے کہ دونوں کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا ہے۔ (اس زمانہ میں تو ایسا بہت ہے یعنی بظاہر ملنا جلتا ہے، مگر دل کے اعتبار سے بہت دوری ہے۔) (مرتب)

فرماتے تھے کہ اگر کوئی عارف مشرق میں کوئی حقیقت بیان کرے اور اس کا کوئی محب مغرب میں ہو تو اس کو اس کی قیمت اور محبت کے اعتبار سے حصہ ملے گا۔ (طبقات ص ۱۷۱) فرماتے تھے کہ جو دو عطار کے اعتبار سے سب سے زیادہ وہ شخص ہے جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کا رزق مقدس فرمایا ہے۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خواص اہل جنت کو ایسا لباس پہنائیں گے جس میں کسی قسم کا رنگ نہ ہو گا۔

ف : یہ عالم آخرت کی باتیں ہیں۔ ہم اہل دنیا کو یہاں سمجھ میں آئیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ اُستاد کی خدمت باپ کی خدمت پر مقدم ہے۔ اس لئے کہ تمھارے باپ نے تو تم کو مکدر کر دیا تھا مگر استاد نے تم کو صاف کیا۔ اور تمھارے باپ نے تم کو نیچے اتار دیا تھا مگر تمھارے استاد نے تم کو بلند و برتر کر دیا۔ اور تمھارے باپ نے تم کو پانی و مٹی سے ملوث کیا اور تمھارے استاد نے تم کو اعلیٰ علیین تک پہنچا دیا۔ فرماتے تھے، جو چیز تمھارے اور خدا تعالیٰ کے درمیان آڑ ہو وہ گناہ ہے۔ فرماتے تھے کہ اہل جنت کو سب سے زیادہ تنعم علم سے حاصل ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ اعطا فرمائیں گے۔ (طبقات ص ۱۹)

فرماتے تھے کہ اہل دوزخ کیلئے سب سے بڑا عذاب جنت سے حرمان ہے۔

فرماتے تھے کہ طریق کی حقیقت یہ ہے کہ مفلس رہو اور ہمیشہ ادنیٰ سے اعلیٰ کے طالب رہو۔ اور جب تم نے اپنے واصل ہونے کا گمان کیا تو تم واصل نہیں ہوئے اور جب تم نے اپنے متعلق گمان کیا کہ کامیاب ہو گئے تو تم کامیاب نہیں ہوئے اور جب تم نے خیال کیا کہ مجھے کچھ حاصل ہو گیا تو سمجھ لو کہ تم صاحبِ حال نہیں ہوئے فرماتے تھے کہ عارف ایک دن رات میں سو مرتبہ بدلتا ہے اور عابد ایک حال پر اتنے اتنے سال قائم رہتا ہے۔ اس لئے کہ عارف دائرہِ قصرِ یف کی طرف مائل ہے اور عابد دائرہِ تکلیف کی طرف۔ (طبقات ص ۱۹)

فرماتے تھے کہ جو شخص حضورِ قلب کی مجھے خبر دے تو اس کیلئے امرِ عظیم کے حصول کی میں بشارت سُناؤں گا۔ فرماتے تھے کہ جامِ بلند وہ ہے جس کا صاحب تنہا نہ پیئے جاتا۔
ف: ما شاء اللہ بہت مفید ارشادات علامہِ عراقی نے نقل فرمائے ہیں جن میں سے چند ہم نے نقل کیا ہے۔ اسلئے انکو بغور پڑھیں۔ انشاء اللہ اتنے سے بھی فیض حاصل ہوگا۔ (مرتب)

وفات: تاریخ وفات نہ مل سکی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت قاضی حمید الدین ناگورمی المتوفی ۶۸۱ھ

نام و نسب نام محمد، لقب حمید الدین، شعر و شاعری میں حمید درویش لکھے تھے۔ والد کا نام عطاء اللہ محمود بخاری ہے۔

ابتدائی حالات قاضی صاحب کے والد کو آپ سے محبت بدرجہ غایت تھی۔ اس لئے قاضی صاحب کو پندرہ سال کی عمر

میں مندرجین کر کے امور سلطنت کا ذمہ دار بنادیا۔ آپ نے چند روز تک اپنے امور مملکت کو بخوبی انجام دیا، لیکن جب آپ کی بیوی کا انتقال ہو گیا تو آپ غمگین رہنے لگے۔ ایک روز شکار کے لئے جنگل میں تشریف لے گئے، وہاں ایک ہرن کو تیر مار کر زخمی کر دیا۔ اس وقت ہرن نے کہا کہ اے عزیز! تو بندہ پروردگار ہے، مجھ بے گناہ کو کیوں مارا، اپنے پروردگار کو کیا جواب دے گا۔ اس واقعہ پر آپ کو نہایت تعجب ہوا اور اس سے متحیر اور محزون ہو کر محل میں تشریف لائے، اور علی الصبح شہر بخارا میں صلائے عام دلو کر تمام سامان مجلس لائے کاغذیوں میں تقسیم کر دیا اور درویشوں کے ساتھ کرمان کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے والد ماجد بھی فرط محبت کی وجہ سے مفارقت کو ارا نہ کر سکے اور کرمان کی طرف روانہ ہو گئے اور کرمان سے صحرا نوردی کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اثنائے سفر میں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، اور بارہ سال تک آپ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔ تاریخ صوفیائے ناگور ص ۲۸۳

بیعت و خلافت | حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ نے شرف بیعت حاصل کیا۔ اور ایک سال تک

انکی خدمت میں رہ کر ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے۔ اُسی زمانہ میں یہاں حضرت قطب الدین بختیار اوشی تشریف فرما تھے، اُن سے گہرے روابط و مراسم قائم ہو گئے جو آخر وقت تک استوار رہے۔ حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے درویشوں سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے جو سیاحت کی اس میں حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کا ذکر رفیق سفر کی حیثیت سے بار بار کرتے ہیں۔

مرشد سے اجازت لے کر قاضی حمید الدینؒ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور ایک برس دو ماہ سات دن روضہ نبویؐ کے مجاور رہے۔ وہاں سے مکہ معظمہ پہنچے، جہاں تین سال تک قیام کر کے ہر قسم کے فیوض و برکات حاصل کئے۔ مکہ معظمہ سے سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ساتھ قیام کیا اور وفات کے بعد انہی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ کو بیعت اگرچہ سلسلہ سہروردیہ میں تھی۔ مگر حضرت بختیار کاکیؒ سے گہرے تعلقات کی بنا پر وہ چشتی ہی سمجھے جلتے ہیں۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ خواجہ بختیار کاکیؒ نے ان کو خرقہ خلافت بھی عطا کیا تھا۔ سیر الاقطاب میں ہے کہ حضرت حمید الدین ناگوریؒ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے استاد تھے، خواجہ صاحبؒ نے علوم ظاہری کی تعلیم اُن ہی سے پائی۔ سیر الاقطاب کے مولف کا بیان ہے کہ ”باوجودے کہ حضرت قاضی حضرت

خواجہ کے استاذ تھے، لیکن ادب و خدمت میں اس قدر لگے رہتے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی اور وہ کہتے تھے کہ خواجہ قطب الدین قطب المشرق ہیں اور قاضی حمید الدین سے ہزار درجہ بزرگ اور برتر ہیں۔ وہ (یعنی حضرت قاضی) اُن کے ایک بال کی بھی برابری نہیں کر سکتے۔ بالآخر قاضی ناگوری کو حضرت خواجہ سے خلافت بھی ملی۔ حالانکہ اُن کے پیسے سے بل چسکی تھی۔ (دیرم صوفیہ ص ۱۱۱)

کرامت و خرق عادت | صاحب روضۃ آقطاب سیرالاولیاء سے نقل کرتے ہیں کہ بروایت خواجہ قطب الدین کہ ایک وقت میں اور قاضی حمید الدین ناگوری سفر کر کے دریا کے کنارے پہنچے کہ مجھ کو بھوک لگی۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک بکری دو روٹیاں جو کئی منہ میں رکھے ہوئے آئی اور ہمارے آگے رکھ کر چلی گئی۔ ہم نے ان کو خداداد سمجھ کر کھالیا اور اُس کی نعمت کا شکر ادا کیا۔ اس عرصہ میں ایک بچھو بلی کے برابر آکر جلدی سے دریا پار ہو گیا۔ ہم نے دیکھ کر تامل کیا اور کہا کہ اس میں کچھ نہ کچھ حکمت ہے۔ آؤ ہم بھی دریا پار ہوں اور اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھیں۔ ہم نے دعا کو ہاتھ اٹھائے کہ دریا خشک ہو کر زمین خشک ظاہر ہوئی، ہم اُسی وقت پار ہو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دوسرے کنارے پر درخت کے تلے ایک مرد سو رہا ہے، غمغریب تھا کہ ایک اژدہا اُس کو کھائے کہ اس بچھو نے اژدہے کو ڈانک مار کر ہلاک کر دیا اور غائب ہو گیا۔ ہم نے جانا کہ یہ مرد کوئی بہت بڑے بزرگوں میں سے اور نیک ہو گا کہ اللہ نے اس کو اپنی حفاظت میں رکھا۔ جب ہم قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک مرد شراب پیئے بدست پڑا ہے۔

پس ہم کو حیرت ہوئی کہ یہ آدمی ایسا گنہگار نافرمان، اور اللہ تعالیٰ اس پر ایسا مہربان؟ اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ ”اے عزیزو! ہم اگر نیک نیتوں اور پیار ساؤں کو نگاہ میں رکھیں تو یہ شراب خور اور گنہگاروں کی کون حفاظت اور پرورش کرے گا؟ اسی سوچ-بچار میں سمجھے کہ وہ مرد ہیشیا رہوا، ہم نے سارا ماجرا اُس کو سنایا، وہ سن کر شرمندہ ہوا، اور شراب خوری اور بدکرداری سے توبہ کی اور خدا کے دوستوں میں سے ہوا۔ (روضۃ اقطاب باب ۱۱۱ سیرۃ الاولیاء اردو ترجمہ ص ۵۵۵)

اقتباس از رسالہ قاضی نماز خشوع و خضوع سے شروع ہوتی ہے اسکے بغیر نماز قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کرتی نماز میں ادھر ادھر دیکھنا بھی خشوع کے خلاف ہے۔ خشوع کمال نیاز مندی ہے۔ نماز ظاہری ادب ہے، نماز باطنی اور۔

نماز میں وضو اور سجدے کا مقام یہ ہے کہ وضو ظاہری کے ساتھ باطنی بھی ہونا چاہیے۔ دل کا وضو دُنیل کے میل اور محبت سے خالی ہونا ہے۔ اور سرورِ لوح کا وضو اللہ کے ماسوا رشتوں کو کاٹ دینا ہے۔ سجدہ میں صرف پیشانی زمین پر رکھی جائے اور دل ہر طرف بھٹکتا رہے، تو ایسا سجدہ مسجود (یعنی اللہ) تک نہیں پہنچتا۔

وفات آپ کی وفات ۱۱ رمضان ۶۴۳ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۲۰۳ء میں ہوئی۔ نماز تراویح کے بعد وتر کی نماز میں سجدے میں گئے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ”اَنَّا بَدَّوْا اِلَیْہِ الْجَوْنُ۔“ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب فون ہوئے۔ ”خَرَّ اللہُ مَرْدَا۔“ (تاریخ صوفیائے ناگور ص ۲۳)

حضرت الشیخ ابوالسعود ابی العیسا رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۴۲ھ

آپ مصر کے اجل مشائخ میں سے ہیں۔ بادشاہ وقت بھی برابر زیارت کیلئے حاضر ہوتا تھا۔
ارشاد افراتے تھے کہ: جو اپنے آپ کو نصیحت نہ کرے وہ تم کو نصیحت کیا کرے گا۔
 اور جس نے خود اپنے سے خیانت کی اسکی خیانت سے مامون نہ رہو۔

فرماتے تھے کہ: جو تم کو دنیا یا ددلائے اور اس کی مدح کرے تو اس سے بھاگو
 اور جو شخص تمھارے مولیٰ تعالیٰ سے غفلت کا سبب ہو تو تم اس سے اعراض کرو۔ اور
 ان وساوس کو نیست و نابود کر دو جو دنیا کی محبت کا باعث ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ
 کے ذکر کے ذریعہ ان کی طرف سے توجہ ہٹاؤ۔

فرماتے تھے کہ دل کی صلاح و درستگی توحید و صدق میں ہے اور اس کا فساد
 شرک و ریا میں ہے۔ فرماتے تھے کہ اولیاء اللہ جس مقام تک پہنچے ہیں
 وہ کثرت اعمال کی بنا پر نہیں بلکہ ادب کے ذریعہ سے پہنچے ہیں۔ (طبقات ۱۶۸)
 فرماتے تھے کہ: سالک پر واجب ہے کہ جب اپنے نفس میں کوئی برائی مثلاً
 کبر، شرک، بخل یا سوء ظن دیکھے تو جس کی طرف نفس بلائے اس کے خلاف
 کرے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے حول اور قوت اور اپنے
 مجاہدات کے ذریعہ مدد چاہے۔ اسے اس کے نفس کی برائیاں کمزور ہو جائیں گی اور اس کے
 قلب کا نور قوی ہو جائیگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا ایک ذہ اس کے دل میں
 ڈال دیا، جس سے بغیر ریاضت کے یہ برائیاں چھوٹ جائیں گی اور شہوات و مآلوفات سے
 اس کو نجات مل جائے گی۔

فرماتے تھے کہ مریدین کو اپنے کام کی بنیاد ان چار اصولوں پر رکھنا چاہئے۔

اول: حضور قلب کے ساتھ زبان کو ذکر اللہ میں مشغول رکھنا۔ دوم: اللہ تعالیٰ کے مراقبہ پر قلب کو پابند کرنا۔ سوم: اللہ تعالیٰ کیلئے نفسِ مہوی کی مخالفت کرنا۔ چہارم: تحصیلِ عبودیت کیلئے لقمہ طیب کو حاصل کرنا۔

ف: اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ اس میں کونسی اصل شریعت کے خلاف ہے۔ لہذا ہر شخص کو ان اصول پر عمل پیرا ہونا چاہئے اس لئے کہ آج انہی اصول پر عمل نہونے کی وجہ سے ہلوگ محروم ہیں۔ بزرگوں نے فرمایا کہ اصول پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ہی لوگ اصول سے محروم ہیں۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ کا مراقبہ ہر سعادت کی کلید ہے اور یہی آرام و راحت کی مختصر راہ ہے۔ اسی سے قلب پاک صاف ہوتا ہے اور نفسِ تپہ مردہ ہو جاتا ہے اور اُنس قوی ہو جاتا ہے۔ تب کہیں جا کر محبت نازل ہوتی ہے اور صدق حاصل ہوتا ہے اور یہ مراقبہ ایسا محافظ ہے جو سوتا نہیں اور ایسا قیوم ہے جو غافل نہیں ہوتا۔

فرماتے تھے کہ: جس مریض نے نفس کا مجاہدہ ترک کر دیا اور اس کو آرام نہ کر لیا اور اس کے اخلاق راسخ ہو گئے، تو پھر ہر روز اسی بنیاد پر تعمیر کرتا چلا جائیگا اور ہر لحظہ اسکو مضبوط کرتا چلا جائیگا، یہاں تک کہ بیماری اور حسرت کیساتھ مر جائیگا۔ اس لئے کہ ایسے لوگ کم ہیں جنکو جاہ و شہرت پسند ہو پھر وہ اس سے نکل سکیں۔ پس لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہی استغاثہ کرے اور اپنی گردن کو تھکائے رکھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا رہے اور ہر قسم کے دعویٰ سے سکوت اختیار کرے۔

فرماتے تھے کہ: جس شخص سے مخلوق پر گشتہ ہو جائے اور اس کے اندر ذہن و باطن تغیر ہو جائے تو سمجھ لو کہ وہ ابھی مخلوق کے ساتھ واقف ہے اور اپنے پروردگار کے ساتھ مشرک ہے۔

وفات: آپ کی وفات ۱۲۷۷ھ میں قاہرہ میں ہوئی۔ (رحلۃ اللہ تعالیٰ بطبقات ص ۱۶۲)

سِر حلقہ شاذلیہ

حضرت الشیخ ابوالحسن الشاذلی المتوفی ۷۵۴ھ

نام و نسب | نام علی، کنیت ابوالحسن، والد کا نام
عبد اللہ ہے۔

حالات | آپ نباحسنی ہیں۔ آپ کا وطن اسکندریہ ہے۔ آپ اپنے دور
کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ اسکندریہ کی ایک بڑی جماعت
آپ کی خدمت میں رہی اور آپ سے فیضیاب ہوئی۔ آپ طریقت
شاذلیہ کے امام ہیں۔

پہلے اپنے وطن میں علوم شرعیہ کی تحصیل کر کے ایسی مہارت حاصل کی
کہ باوجودیکہ بصارت ظاہری نہ تھی، مسائل علمیہ میں علماء سے بحثیں کرتے تھے
اس کے بعد آپ کامیلان نقوف کی طرف ہو گیا اور تزکیہ باطن کے لئے
بڑے بڑے ریاضات و مجاہدات کئے، تا آنکہ غیر معمولی صلاحیت کا ظہور ہوا۔
اور اس راہ میں ان کی روش کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ پھر سیاحت
کا خیال پیدا ہوا۔ اور بہت سے ملکوں کی سیر کے بعد اسکندریہ پہنچے اور وہیں
سکونت اختیار کر لی۔

حضرت شیخ تقی الدین بن ذوق العید جیسے یگانہ روزگار امام علم و فن
اور عارف باللہ نے اُن کے حق میں فرمایا ہے: مَا دَأَيْتُ اَعُوْكَ بِاللّٰهِ
هِنَّ۔ (میں نے ان سے بڑا اللہ نکلے کا عارف نہیں دیکھا) اس کے باوجود ان کو اذیت

پہنچائی گئی، اور دیا ر مغرب سے ان کو منع ان کی جماعت کے جلا وطن کیا گیا۔ اسکندریہ آئے تو ان کے اہل وطن نے یہاں بھی ان کی شکایت لکھ بھیجی یہاں بھی لوگ درپے ایذا ہوئے۔ مگر اُن کی کرامت کے مشاہدہ کے بعد ان کے معقد ہو گئے۔ اور ایسے معقد ہوئے کہ جب ان کی سواری نکلتی تو اکابر فقراء کے علاوہ بڑے بڑے رؤسا ان کی سواری کے ساتھ پیدل چلتے تھے۔

امام شاذلیؒ نے متعدد حج کئے ہیں۔ بلکہ حج کے سفر میں ہی اُن کا انتقال بھی ہوا۔ (ایمان الجراح ص ۱۷ ج ۲)

دردنوں کے ساتھ انس | آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دوران سفر مجھ کو تمام رات جنگل میں قیام کرنا پڑا تو رات میں تمام دردندے میرے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اُس رات ایسا انس حاصل ہوا جو اُس سے پہلے کبھی نہیں حاصل ہوا تھا۔ تو اُس وقت میرے دل میں خیال گزرا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے عطیات میں سے کچھ مل گیا ہے۔ اس کے بعد میں نہر کے کنارے پر آیا، تو وہاں پر چکوروں کا غول تھا جب ان کو اہٹ ہوئی کہ کوئی آ رہا ہے۔ تو سب کے سب اُٹ گئے۔ تو اس سے میرے دل میں ایک طرح کا خوف پیدا ہو گیا تو اُس وقت میں نے سنا کہ کوئی مجھ کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ کل شب تو نے دردنوں کے ساتھ انس حاصل کیا اور اب کیا ہو گیا کہ ان چکوروں کے اُڑنے سے ڈر گیا۔ ہاں کل تو ہمارے ساتھ تھا اور آج اپنے نفس کے ساتھ ہے۔

سبق آموز واقعات | آپ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں اتنی دن بھوکا

رہا تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ تو کل کی وجہ سے ہوا ہے۔ ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ میں نے ایک غار سے ایک عورت کو باہر آتے دیکھا جو شکل و صورت میں بے مثال تھی اور اس کا چہرہ سورج کی طرح چمک رہا تھا، مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اے بد نصیب! اسی دن تک بھوکا رہا اور پھر ٹھہر گیا اور اپنے اس عمل پر اللہ کے ساتھ نازاں ہے۔ مجھے دیکھا چھ ماہ گزر چکے ہیں، میں نے کھانا نہیں چکھا ہے۔

ف: یہی تربیت الہی ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے ایسے ہی موقع پر اللہ تعالیٰ اس کی تربیت فرماتے ہیں۔ (مرتب)

آپ فرماتے ہیں کہ میں غار میں تھا اور میں نے کہا کہ یا الہی! میں تیرا شاگرد بن رہا ہوں، تو میں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ جب تک تو اپنے غیر کو نہ دیکھے گا جس پر اللہ کا انعام ہوا ہے اُسی وقت تک تو شاگرد ہے۔ تو میں نے جواباً کہا کہ کیوں میں کسی اور کو انعام پانے والا نہ سمجھوں، حالانکہ آپ نے انبیاء علیہم السلام پر انعام کیا ہے، اسی طرح بادشاہوں پر انعام فرمایا ہے۔ تو اس کے بعد میں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام نہ ہوتے تو تو کیسے راہ راست پاتا اور اگر علم نہ ہوتے تو تو کسی کی پیروی کیسے کرتا، اور اگر بادشاہ نہ ہوتے تو تو کس طرح امن و امان میں رہتا۔ یہ سب تم پر میری نعمتیں ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: **طَهَّرْتُ ثِيَابَكَ مِنَ الذَّنْصِ تَحْظُ بِمَدَدِ اللَّهِ فِي كُلِّ نَفْسٍ**۔ (اے علی! تو اپنے کپڑوں کو میل کچیل سے پاک رکھ، تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے تو ہر لحظہ کامیاب ہو) تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم

میرے کپڑے کون ہیں؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو پانچ خلعتیں پہنائی ہیں، ۱۔ خلعتِ محبت، ۲۔ خلعتِ معرفت، ۳۔ خلعتِ توحید، ۴۔ خلعتِ ایمان، ۵۔ خلعتِ اسلام۔ جو شخص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو دوست رکھتا ہے اُس پر ہر چیز آسان ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے اُس کی نظر میں تمام چیزیں بہت ہی معمولی نظر آتی ہیں۔ اور جو شخص اللہ کو ایک جانتا ہے تو کسی کو اُس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتا۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ ہر چیز سے بے خوف ہو جاتا ہے اور جو شخص اسلام پر ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا گنہگار نہیں ہوتا۔ اور اگر گناہ کرتا بھی ہے تو توبہ کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما لیتے ہیں۔

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ مجھے ”وَنِيَابِكَ فَطَهِّرْ“ کا مطلب یہاں سے سمجھ میں آگیا۔

آپ کی نصیحت | آپ کے ایک شاگرد ابو العباس مزی فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ شریف میں امیر المومنین حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کا ارادہ کیا، تو ایک اور شخص میرے ساتھ ہو لیا۔ ہم جب وہاں پہنچے تو آپ کے مزار کا دروازہ بند تھا، لیکن حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے وہ کھل گیا۔ تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص دعا میں مشغول ہے تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ شخص ابدال میں سے ہے اس وجہ سے جو بھی دعا مانگی جائے گی وہ قبول ہوگی۔ لہذا جو بھی دعا مانگنا ہو مانگ لو۔ تو اُس شخص نے دعا کی کہ اے اللہ! ہر روز مجھے ایک اشرافی عطا فرما دیجئے۔ اور میں نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھ کو بلائے دنیا اور عذابِ آخرت سے نجات عطا فرما دیجئے جب

واپس ہوئے تو مدینہ کے قریب ایک شخص نے اُس کو ایک اشرفی دی۔ اور جب ہم مدینہ پہنچے تو شیخ ابوالحسن کی نظر ہم پر پڑی۔ تو آپ نے اُس شخص کو مخاطب کر کے کہا، اے خسیس الہت! تو نے ایسی گھڑی پائی تھی جس میں دعا قبول ہوتی تھی، مگر تو نے اُس کو محض ایک دینار پر خرچ کر دیا۔ تو نے ابوالعباس کی طرح اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت نہ مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کر لیا۔ (نفحات الانس ص ۷۴)

ف: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کسی چیز کی کمی نہیں، مانگے تو بڑی ہی چیز مانگنی چاہئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کی پرواز اُس کی ہمت کے بقدر ہوتی ہے۔ (درتب)

دُعائے حزب البحر کا تعارف | معتبر علمائے بیان کیا ہے کہ حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ و شہر قاہرہ میں تھے کہ حج کے دن قریب آگئے۔ شیخ نے ان ایام میں اپنے دوستوں سے فرمایا کہ ہم کو اس سال غیب سے حج کرنے کا حکم ہوا ہے۔ جہاز تلاش کرو۔ دوستوں (مربیوں) کو بہت تلاش کے بعد ایک بوڑھے عیسائی کے جہاز کے سوا اور کوئی جہاز نہ ملا۔ سب اُسی جہاز میں سوار ہو گئے۔ جب بادبان اٹھا دیا تو قاہرہ کی آبادی سے نکلتے ہی مخالف ہوا چلنے لگی اور ایک ہفتہ تک قاہرہ کے قریب اس طرح ٹھہرے رہے کہ قاہرہ کے پہاڑ دکھائی دیتے تھے۔ مخالف لوگ طعنے دینے لگے کہ شیخ فرلتے ہیں کہ مجھ کو (غیب سے) حج کا حکم کیا گیا ہے اور حالت یہ ہے کہ حج کا وقت قریب آ گیا ہے اور ہم مخالف ہوا میں پھنسے ہوئے ہیں، یہ بات شیخ کے لئے دلی بے چینی کا باعث ہوئی، مگر وہ ضبط کی قوت سے بی جلتے

تھے۔ اتفاقاً شیخؒ دوپہر کو سو رہے تھے (قیلولہ فرما رہے تھے) کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دعا کا الہام کیا۔ شیخ نے نیند سے اُٹھ کر یہ دعا پڑھنی شروع کی، اور جہاز کے افسر کو بلا کر فرمایا کہ اللہ کے بھروسے پر بادبان اُٹھائے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر ہم بادبان اُٹھا دیں گے تو ہوا اسی وقت ہمارا امنہ بھیرے گی اور ہم کو قاہرہ میں پہنچا دے گی۔

شیخ نے فرمایا کہ تو دل میں دھک پکومت کر، ہم جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل کر اور اللہ تعالیٰ کی عجیب مہربانی دیکھ۔ جو نہی بادبان اُٹھایا وہیں موافق ہوا زور و شور سے چلنے لگی۔ یہاں تک کہ اُس رسی کو جس کے ساتھ جہاز کو میخ سے باندھ رکھا تھا کھول نہ سکے (ناچار) اُس کو کاٹ دیا۔ اور بڑی جلدی امن و امان اور سلامتی کے ساتھ مبارک مقصد پر پہنچ گئے۔ بوڑھے عیسائی کے بیٹے مسلمان ہو گئے اور وہ دل میں بہت غمگین ہوا۔ رات کو اُس نے خواب میں دیکھا کہ شیخ ایک بڑی جماعت کے ساتھ بہشت میں تشریف لے جا رہے ہیں اور اُس کے لڑکے بھی شیخ کے ساتھ جا رہے ہیں۔ اُس نے اپنے بیٹوں کے پیچھے جانا چاہا مگر فرشتوں نے جھڑکا کہ تو اُن لوگوں کے دین والوں میں سے نہیں ہے ان سے تیر کیا مطلب۔ صبح کے وقت اللہ کی ہدایت اُس کی مددگار ہوئی اور اس نے کلمہ توحید پڑھ لیا۔ اور سچ سچ اس کا مرتبہ یہاں تک پہنچ گیا کہ وہ بڑے (باطنی) مقامات والا ہو گیا اور اس طرف کے لوگ اس کی نزدیکی اور صحبت کے طالب ہونے لگے۔ (مناجات مقبول ص ۲۱۵)

ف: میں نے بغرض اختصار اس دعا کو حذف کر دیا۔ جو لوگ پڑھنا چاہیں وہ مناجات مقبول مولفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے مراجعت کریں۔ (درتب)

ارشادات

حضرت یافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

جب ان سے کوئی دعا کی درخواست کرتا تو فرماتے کہ کَانَ اللّٰهُ لَكَ اللّٰهُ تَعَالٰی
متھارا ہو جائے۔ اگر بہ نظر تحقیق دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ کلمہ تمام مطلوبات
کا جامع ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَنْ کَانَ لِلّٰهِ
کَانَ اللّٰهُ لَهُ یعنی جو اللہ کا ہو گیا، اس کا اللہ ہو گیا۔

انھوں نے فرمایا کہ حق کے مقابلہ میں خلق کو ہم کچھ نہیں سمجھتے۔ اور اگر کچھ سمجھنا
ضروری ہی ہو تو ایسا ہے جیسا کہ فضائیں ہبازہ کہ اگر اس کو پانا چاہو تو کچھ نہ پاؤ۔
ف: سبحان اللہ کسی عمدہ مثال دی جو قابل صد آفریں ہے۔ (مرتب)

آپ نے فرمایا کہ تمھاری دعا کا حظ دھسے بس اتنا ہی نہیں ہونا چاہئے کہ قصائے
حاجات پر خوش ہو جاؤ، بلکہ خود اپنے محبوب حقیقی سے دعا و مناجات کے کر لینے
پر فرح و سرور ہونا چاہئے (خواہ دعا قبول ہو یا نہ ہو) اگر ایسا نہ ہو تو تم محبوب قرار پاؤ گے۔

(تقصار جود الاحرار ص ۷)

ف: سبحان اللہ، کتنی نفیس اور معرفت کی بات ارشاد فرمائی جو آئین
سے لکھ جانے کے قابل ہے۔ اس لئے کہ اس ملفوظ میں یہ حقیقت ارشاد فرمائی
کہ دعا کرنے سے حاجات و مطلوبات کا حصول ہی سب کچھ نہیں ہے، بلکہ
خود بندہ ناکارہ کا۔ بجناب رب العزت اپنے عجز و نیاز کا مظاہرہ اور واجب
العطیات سے التجار و سرگوشی کی سعادت خود نعمت عظیمہ اور موجب فرح
و سرور ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر لطف کی اور کیا بات
ہو سکتی ہے کہ بندہ اپنے محبوب حقیقی سے ہمکلام ہو۔ (مرتب)

آپ طریقہ شاذ لیہ کے امام ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے کہ: استغفار کو اپنے اوپر لازم کرو، گو کوئی گناہ صادر نہ ہوا ہو۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استغفار فرمانے سے نصیحت حاصل کرو۔ اس لئے کہ آپ کو تو اپنے اگلے پچھلے سبھی گناہوں کی مغفرت کا یقین تھا اور آپ کو اس کی بشارت سنادی گئی تھی پھر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استغفار فرماتے تھے۔ **ف**! پس یہ آپ کا حال ہے جو گناہوں سے بالکل پاک و صاف تھے تو اس شخص کا کیا حال ہونا چاہیے جس کا کوئی وقت بھی عیب و گناہ سے خالی نہیں گزرتا، بلکہ اس کا یہ حال ہو۔

بے گنہ نہ گزشت بر من ساعتے با حضور دل نہ کردم طاعتے
اس لئے اس کو تو بہت زیادہ توبہ و استغفار کرتے رہنا چاہئے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جب تمہارا کشف کتاب و سنت کے معارض ہو تو کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑو۔ اور اپنے کشف کو بالائے طاق رکھو۔ فرماتے تھے کہ جب تم پر وسوس کا ہجوم ہو تو یہ پڑھا کرو: سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْخَلَّاقِ اِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ۔
(ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو سارے جہان کا بادشاہ اور پیدا کرنے والا ہے، اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کرے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کو کچھ مشکل نہیں۔)

فرماتے تھے کہ اگر دنیا اور اہل دنیا سے زہد اختیار نہ کرو گے تو ولایت کی خوشبو بھی نہ پاؤ گے۔ فرماتے تھے کہ جب فقیر اپنے نفس کے لئے انتقام لے اور اس کی طرف سے جواب دے تو اس میں اور مٹی میں ذرا بھی فرق نہیں ہے۔

فرماتے تھے کہ جب فقیر پانچوں وقت کی نماز کے لئے جماعت میں حاضر ہو کر پڑھ لے تو اس کا کوئی درجہ و رتبہ نہ سمجھو۔

ف: ہاں اگر عذر معقول ہو تو اور بات ہے۔ ایسی حالت میں شرعاً معذوری ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جب تم اپنے احوال باطنی یا ظاہری میں سے کسی حال کو بھی مستحسن و اچھا سمجھو تو کہا کرو، مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

فرماتے تھے کہ عالم کا سلوک تمام نہیں ہوگا جب تک کہ کسی صلح بھائی یا صاحب شیخ کی صحبت اختیار نہ کرے۔ فرماتے تھے کہ سائے جہان کے لوگ سچے صاحب یقین کی تکذیب کر دیں تو بھی اس کی تکلیف و ثبات میں کوئی فسرق نہ آئے گا، بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوگا۔ فرماتے تھے کہ میں نے ایک ہاتھ سے سنہ اگر میری کرامت چاہتے ہو تو میری طاعت کو لازم پکڑو اور میری معصیت سے اعراض کرو۔ فرماتے تھے کہ جس نے درجات کمال تک پہنچنے سے پہلے مخلوق کی طرف توجہ کی تو وہ اللہ کی نظروں سے گر گیا۔ پس تم لوگ اس مرض عظیم سے بچو اس لئے کہ بہت سے لوگ اس کے شکار ہو چکے ہیں، اور انھوں نے اپنی شہرت اور دست بوسی پر قناعت کر لی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑو، تو اللہ تعالیٰ تم کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرے گا۔

ف: معنی افادہ و افاضہ کا کام درجہ کمال تک پہنچنے کے بعد کرنا چاہئے ورنہ خود اپنے لئے نقصان کا خطرہ ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ یکے بعد دیگرے معصیت کے کرنے سے اجتناب کرو۔ اس وجہ سے کہ جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ ظالم ہے۔ اور ظالم امام و مقتدا نہیں ہو سکتا۔ اور جس نے معاصی کو ترک کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی آزمائش پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ و وعید کا یقین کیا تو وہ امام ہے

چاہے اس کے متبعین کم ہی کیوں نہ ہوں۔

فرماتے تھے کہ جب قلب انوار الہیہ سے بھر جاتا ہے تو اس کی بصیرت اللہ کے مومن بندوں کے نقائص و قبائح سے اندھ ہی ہو جاتی ہے۔ (طبقات چہارم)
ف: اس لئے کہ ایسی صورت میں خود اپنے عیوب و نقائص پیش نظر ہو جاتے ہیں، اور اسی میں آدمی غلطاں و پیچاں رہتا ہے۔ تو پھر دوسرے کے عیوب کو دیکھنے کی اس کو کب مہلت ملے گی۔ اور اسی بصیرت کے مناسب حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحبؒ کا کتنا عمدہ شعر ہے۔

کھل گئی جب سے چشم بصیرت اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم
 فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی چشم بصیرت کھل جانے کا دعویٰ کرے، اس کے باوجود
 اللہ تعالیٰ کی طاعت میں تصنع کرے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ہاتھوں میں
 جو مال و دولت ہے اسکی طمع کرے، تو وہ کاذب ہے۔

فرماتے تھے کہ اگر کلام میں صدق کے طالب ہو تو سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِی
 لَیْلَةِ الْقَدْرِ پڑھا کرو۔ اور اگر تمام احوال میں اخلاص کے خواستگار ہو تو
 قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا کرو۔ اور اگر رزق میں آسانی کو چاہو تو قُلْ
 اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ پڑھا کرو۔ اور اگر ہر شے سے سلامتی کا ارادہ کرو
 تَوَقَّلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی تلاوت کیا کرو۔

میں کہتا ہوں کہ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان مقاصد کے حصول
 کیلئے مذکورہ سورتوں کو روزانہ کم از کم ستر سے لے کر سات سو مرتبہ تک
 پڑھنا چاہئے۔ (طبقات چہارم) **ف:** حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص صبح و شام تین تین
 مرتبہ سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھے گا وہ تمام شرور سے محفوظ رہے گا۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ اگر ایک خصلت آدمی اختیار کر لے تو اہل زمانہ کا امام ہو جائے اور وہ دنیا سے اعراض اور اہل دنیا کی ایذا کا تحمل ہے۔ فرماتے تھے: جو شخص اہل اللہ کے احوال پر اعتراض کرتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی موت سے پہلے تین مزید اور اموات کا مزہ چکھے۔ ایک ذلت کی موت، دوسرے فقر و فاقہ کی موت، تیسرے لوگوں کی طرف اپنی حاجت کو لے جانے کی موت۔ پھر کسی کو بھی نہ پتاؤ گے کہ اس پر رحم کرے۔ (طبقات ج ۲ ص ۷)

ف: سبحان اللہ، کیسے مفید ارشادات ہیں۔ جن افعال کے کر لے کا حکم فرمایا ہے اُن کو کرنا اور جن اعمال سے منع فرمایا ہے اُن سے بچنا کس قدر سعادت کی بات ہے۔ (مرتب)

وفات

۶۵۴ھ میں آپ مکہ مکرمہ کا سفر کر رہے تھے، دوران سفر ایسے جنگل میں پہنچے کہ وہاں صرف کھارا پانی تھا۔ اسی جگہ پر آپ کا انتقال ہو گیا۔ تو آپ کی برکت سے وہ کھارا پانی میٹھا ہو گیا۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(نفحات الانس ص ۸۳)

حضرت شیخ علی ابوالحسن مغربی قدس سرہ المتوفی ۶۵۲ھ

اللہ تعالیٰ کا انعام

انھوں نے فرمایا اے اللہ! تیرا میں کب شکر گزار بندہ قرار پاؤں گا؟
 ندا آئی کہ جب اپنے علاوہ کسی دوسرے کو مُنعم علیہ (جس پر انعام کیا گیا ہو)
 نہ سمجھو گے۔ تو عرض کیا کہ یہ کیسے؟ جب کہ آپ نے انبیاء، علماء اور بادشاہوں
 پر انعام فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اگر انبیاء نہ ہوتے تو ہدایت کہاں سے پاتے
 اور اگر علماء نہ ہوتے تو اقتدار کس کی کرتے، اور اگر یہ بادشاہ نہ ہوتے تو کیسے
 مامون و محفوظ رہتے؟ پس سمجھو کہ ہماری یہ سب نعمتیں تم ہی پر ہیں۔

و: سبحان اللہ کیسی عمدہ بات ہے جو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے۔ (میں)

ارشادات

آپ کے منجملہ ارشادات کے یہ ہے کہ تیری خوشی صرف مراد کے پانے اور
 حاجات کے حاصل ہونے ہی سے نہ ہو بلکہ تمھاری خوشی بدرگاہ الہی
 دعا و مناجات اور عرض حاجات سے ہونی چاہئے، ورنہ تم مجوہین میں سے
 سمجھے جاؤ گے۔

وفات

آپ کی وفات ۶۵۲ھ میں واقع ہوئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

(تقصیر جود الاحرار ص ۹۱)

حضرت جمال الدین احمد ہالنسوی المتوفی ۷۵۹ھ

نام و نسب، ولادت نام احمد، لقب جمال الدین، والد کا نام محمد ہے آپ کی ولادت ۶۲۵ھ میں ہوئی۔

فضل و کمال آپ بہت بڑے خطیب و مقرر تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب امام ابو حنیفہؒ سے ملتا ہے۔ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے

بڑے خلفاء میں سے تھے، کمالات ظاہرہ اور باطنیہ کے حامل تھے، شیخ فریدؒ کو آپ سے بڑی محبت تھی، اسی وجہ سے انھوں نے بارہ برس آپ کے پاس

ہانسی میں گزار دیئے۔ وہ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ”جمال ہمارا جمال ہے۔“ اولہ کبھی یوں فرماتے کہ ”جمال، میری خواہش ہے کہ تمھارے اگر دچکر لگایا کروں۔“ شیخ

فریدؒ جس کسی کو خلافت دیتے اسے حضرت جمال کے پاس بھیج دیتے، اگر شیخ جمال اُس کو قبول کر لیتے تو خلافت کو قائم رکھتے اور اگر شیخ جمال اس کو ناپسند کرتے

تو اس کی خلافت ختم کر دیتے تھے اور پھر شیخ فریدؒ اسے دوبارہ قبول نہ فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ جس کو جمال پھاڑ دے اُسے فرید نہیں سی سکتا۔ (اخبار الاخیار ص ۱۵۱)

ایک دن ایک آدمی ہانسی سے شیخ فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ ہمارے جمال کا کیا حال ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ ہمارے

مخدوم (یعنی شیخ جمال) نے جس روز سے آپ سے تعلق قائم کیا ہے اُس وقت سے ریاضت اور مجاہدہ میں مصروف رہتے ہیں، آنا جانا سب کچھ ترک کر دیا ہے،

اور فاتے بہتے ہیں۔ شیخ فریدؒ یہ سن کر خوش ہوئے اور کہا، الحمد للہ، اور یہ پھر

دعاوی کہ اللہ انہیں خوش رکھے۔

منقول ہے کہ ایک دن شیخ جمال احمد ہانسویؒ نے یہ حدیث سنی کہ
القبور دوضة من رياض الجنة او حفر من حفرة النار (یعنی
قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک
گڑھا) تو بہت پریشان و حیران ہوئے اور حدیث کی اس تبنیہ کو سننے
کے بعد بیقرار رہنے لگے۔ آپ کے انتقال کے بعد لوگوں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ
آپ کی قبر پر گنبد بنادیں، آخر کار گنبد بنانے کیلئے کھدائی کی گئی، جب کھدائی
کرتے کرتے لوگ لحد کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ قبلہ کی جانب ایک کھڑکی ہے
جس میں سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اُسی وقت اس
کھڑکی کو بند کر دیا اور وہاں سے ہٹ گئے۔ پھر قبر کو اوپر سے بند کر کے
گنبد بنادیا۔ (اخبار الاخبار ص ۱۵۲)

تعلیمات

شیخ احمد ہانسویؒ کے متعدد رسالے اور اشعار ہیں۔ ایک
رسالہ عربی میں بھی ہے، جس میں مختلف کلمات کو بحیثیت جمع
جمع کیا گیا ہے، جس کا نام ”لمعات“ ہے۔ آپ نے ایک جگہ اس میں لکھا ہے کہ
”فقر ایک عمدہ اور بہترین خصلت ہے جس سے یہ صفات معرض وجود
میں آتی ہیں: صلاحیت، عفت، زہد، پاکیزگی، تقویٰ، طاعت، عبادت،
فاقر کشی، مسکنت و قناعت، مروت و جوارمردی، دیانت و حفاظت،
امانت و بیداری، تہجد و خضوع، خشوع و عاجزی، تواضع و تحمل،
برداشت و عفو اور چشم پوشی، مہربانی و انفاق فی سبیل اللہ، ایشاء
کھانا کھانا، اکرام و احسان، ماسوی اللہ سے نفرت، اللہ کی عبادت میں غلاصہ“

مخلوق سے انقطاع و جدائی، سچائی و صبر، خاموشی و بردباری، رضا و حیا، سخاوت و ناداری، خوف و امید، ریاضت و مجاہدہ اور مراقبہ، موافقت و دوستی اور مداومت علی العبادۃ اور معاملت، توحید و تہذیب، تجرید و تفرید، سکوت، وقار، ملاقات، محبت و الفت، عنایت، رعایت، شفقت، سفارش، لطف و کرم، مجاہدہ، شکر، فکر، ذکر، عزت، ادب و احترام، طلب و رغبت، غیرت و عبرت، بصیرت و بیداری، حکمت، للہیت، ہمت، معرفت و حقیقت، خدمت و تسلیم، توکل، پریشانی، یقین و اعتماد، غنا و ثبات اور حسن خلق۔“ اور فرمایا کہ:-

وکل فقیر اذا وجدت فیہ ہذا
الصفات سعی فقیرا کمالا و اذا
فقدت لم یسعی فقیرا۔
ہر وہ فقیر جس کے اندر یہ جملہ صفات ہوں گی وہ
کمال فقیر ہوگا، اور جس کے اندر یہ صفات نہ ہوں گی
وہ فقیر کمال نہ کا حقدار نہیں۔

شیخ جمال احمد کامران ہنسی میں ہے جو اپنے تین بھائی سمیت ایک ہی گنبد میں آرام فرما رہے ہیں۔
منقول ہے کہ شیخ احمد ہانسوی کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھ کر حالات
پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ قبر میں دفن کرنے کے بعد عذاب کے دو فرشتے میرے پاس آئے اور ان کے بعد
ہی فوراً دو فرشتے اور آئے اور یہ حکم لائے کہ ہم نے اسے بخش دیا، اس لئے کہ یہ مغرب کی نماز کے
فوراً بعد ہی دو رکعت جمیں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بروج اور سورہ طارق ہے پڑھا کرتا
تھا اور ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا تھا۔ (اخبار الاخیار ص ۱۵۳)

وفات | ”اخبار الاخیار“ میں آپ کی وفات ۱۲۵۹ھ میں درج ہے۔ اور
”تالیخ دعوت و عزیمت“ پر ۱۲۵۹ھ میں درج ہے۔

نَوَسَّ اللَّهُ مَرَّةً قَدَا۔

شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام المتوفی

نام و نسب نام عز الدین، لقب سلطان العلماء، والد کا نام عبد السلام ہے۔ بعض لوگوں نے ملک العلماء کا لقب دیا ہے۔

تعلیم و ولادت عز الدین بن عبد السلام دمشق میں ۵۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اساتذہ دمشق اور مشاہیر علماء سے تعلیم حاصل کی جن میں فخر الدین

بن عساکر، سیف الدین آمدی، حافظ ابو القاسم بن عساکر جیسے اجد علماء و اساتذہ وقت تھے۔ بعض روایتوں کے مطابق انھوں نے جوانی میں پڑھنا شروع کیا، لیکن جلد تمام علوم میں تبحر حاصل کر لیا، اور ان کے معاصرین نے اُن کی علمی جلالت شان اور عظمت کا اعتراف کیا۔ علامہ ابن دقیق العید نے اپنی بعض تصانیف میں اُن کو سلطان العلماء کے لقب سے یاد کیا ہے۔ وہ جب

۶۳۹ھ میں مصر تشریف لے گئے تو حافظ عبد العظیم المنذری صاحب کتاب "الترغیب والترہیب" نے فتویٰ دینے سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ جس شہر میں عز الدین بن عبد السلام ہوں، وہاں دوسرے کو فتویٰ دینا درست نہیں، شیخ جمال الدین بن الحاجب کا قول ہے کہ فقہ میں عز الدین کا پایہ امام غزالی ج سے بلند ہے۔

زہبی اپنی کتاب "العبس" میں لکھتے ہیں :-

"انتهت الیہ معرفة المذهب فقہ کے علم اور زہد و ورع میں انکو مع الزهد والودع وبلغ کمال حاصل تھا اور درجہ اجتہاد کو

دبۃ الاجتهاد۔ پیچھے ہوئے تھے۔

شیخ عز الدین بن عبد السلام نے عرصہ تک دمشق میں ”زاویہ غزالیہ“ میں درس دیا، جامع اموی میں خطابت و امامت کے منصب پر عرصہ تک فائز رہے شیخ شہاب الدین ابوشامہ کا بیان ہے کہ اُن کی وجہ سے بدعات کا ازالہ ہوا جو اُن کے زمانہ میں رواج پذیر ہو گئی تھیں۔ صلوٰۃ الرغائب اور نصف شعبان کے رسوم کی کھل کر مخالفت کی اور اُن کو بدعت ثابت کیا۔ بعض اکابر علماء اُن کے بارے میں ساکت اور متردد تھے۔ الملک الکامل نے دمشق کے عہدہ قضاء کے لئے بڑا اصرار کیا، شیخ نے بڑی شرطوں کے ساتھ اُس کو منظور کیا۔ اسی عرصہ میں ایک بار وہ الملک الکامل کی طرف سے دربار خلافت (بغداد) میں سفیر بن کر گئے۔

سلاطین کو صلاح نیک اور اسلام و مسلمانوں کی خیر خواہی کی شخصیت

شام میں سب سے بڑی دینی شخصیت تھی، جس کا سلاطین وقت تک احترام کرتے تھے۔ وہ بڑے باوقار، باعزب اور خوددار تھے، اُنھوں نے کبھی کسی بادشاہ کے یہاں حاضری دینا یا دربار داری کرنا گوارا نہیں کیا۔ جب کبھی بادشاہ وقت نے خود تشریف آوری کی درخواست کی تو تشریف لے گئے اور اُس کو صحیح مشورہ

عہ صلوٰۃ الرغائب ایک نماز تھی جو ستائیس رجب کو بارہ رکعتوں اور خاص ترکیب کے ساتھ پڑھی جاتی تھی اور اس کی بڑی فضیلت بیان کی جاتی تھی۔ یہ نماز ۴۴۰ھ میں ایجاد ہوئی۔ اسی طرح نصف شعبان پندرہویں شب کو سو رکعت خاص ترکیب کے ساتھ پڑھی جاتی تھی۔ علماء اہل سنت کے نزدیک یہ دونوں بدعت ہیں۔ ابن سبکی نے اس کو بدعت مذمومہ لکھا ہے۔ امام نووی نے اس کیلئے موضوع، منکر اور قبیح کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ (اتحاف السعاده ۵۷۲) (دعوت و دعوتِ مقلد)

دیا، اور اس کی اور اسلام و مسلمانوں کی خیر خواہی میں کمی نہیں کی۔

سلطان الملک الاشرف نے مرض الموت میں اپنے سب سے بڑے عمدہ دار کو شیخ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ آپ کا محب موسیٰ ابن الملک العادل ابو بکر سلام عرض کرتا ہے اور عیادت اور دعا کی درخواست کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ آپ اس کو کوئی ایسی نصیحت فرمائیں جو کل خدا کے سامنے اُس کو کچھ کام آئے شیخ نے سن کر کہا کہ یہ عیادت افضل عبادت ہے، اس لئے کہ انشاء اللہ اس کا نفع متعدی ہے۔ چنانچہ تشریف لے گئے۔ سلطان اُن کی تشریف آوری سے بیحد مسرور ہوا، اُن کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اُس سے پہلے سلطان کو کچھ غلط فہمی ہو گئی تھی اور سلطان عرصہ تک اُن سے ناراض رہا تھا، سلطان نے اس کی معافی چاہی اور کہا کہ آپ مجھے معاف فرمائیں، میرے لئے دعا بھی فرمائیں اور مجھے کچھ نصیحت بھی فرمائیں۔

شیخ نے فرمایا کہ جہاں تک معاف کرنے اور باز پرس کرنے کا تعلق ہے میں روزانہ سونے سے پہلے اللہ کے بندوں کو اپنی طرف سے معاف کر دیتا ہوں، اور اُس وقت سوتا ہوں جب کہ کسی کے ذمہ میرا کوئی حق یا مطالبہ یا شکایت باقی نہیں رہتی، اور میرا جو مخلوق کے بجائے اللہ کے ذمہ ہوتا ہے۔ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ۔

باقی رہی دعا، تو میں سلطان کے لئے اکثر دعا کیا کرتا ہوں، اس لئے کہ اسکی صلاح میں اسلام اور مسلمانوں کی خیر و فلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ سلطان کو اُن امور کی بصیرت عطا فرمائے جن سے وہ اللہ کے سامنے سرخرو ہو۔

بادشاہ کو نصیحت | رہی نصیحت، تو اب وہ سلطان کی آمادگی اور تقاضہ کی

وجہ سے فرض واجب ہو گئی ہے۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ آپ کی فتوحات اور دشمنوں پر غلبہ کی دھوم ہے، اس وقت حالت یہ ہو رہی ہے کہ تاتاری اسلامی ممالک میں گھسے چلے جا رہے ہیں، اُن کو اس بات سے شہ ملی ہے کہ آپ کو اس وقت اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور مسلمانوں کے حریفوں سے جنگ کرنے کی فرصت نہیں، اس وقت آپ کا رخ الملک الکامل سے جنگ کرنے کی طرف ہے اور آپ اُن کے مقابلہ کے لئے پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں۔ الملک الکامل آپ کی بھائی اور قریبی رشتہ دار ہیں۔ میں صرف یہ عرض کروں گا کہ آپ اپنا رخ اپنے بھائی کی طرف سے ہٹا کر دشمنان اسلام کی طرف پھیر لیں اور اس اخیر وقت میں اپنا رشتہ نہ توڑیں۔ آپ اللہ کے دین کی مدد اور اُس کی سربلندی کی نیت کریں، اگر اللہ تعالیٰ سلطان کو صحت عطا فرماتا ہے تو ہم اللہ سے کفار پر آپ کے غلبہ کی امید رکھتے ہیں، اور آپ کے نامہ اعمال میں یہ سعادت لکھی جاتی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کا کچھ اور فیصلہ ہے تو سلطان اپنی نیت کی برکت کے ساتھ دنیا سے جاتے ہیں۔

سلطان نے کہا، اللہ تعالیٰ آپ کو اس بد وقت تنبیہ اور مخلصانہ مشورہ پر جزائے خیر عطا فرمائے، اُسی وقت حکم دیا کہ فوج کا رخ بجائے مصر کے (جو الملک الکامل کی جانب تھا) تاتاریوں کی طرف کر دیا جائے، اور فوج اُس مقام سے کوچ کر کے مقام قصیرہ میں پڑاؤ ڈالے۔ چنانچہ دن کے دن اس کی تعمیل ہوئی۔ اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ بادشاہ کا ارادہ اب تاتاریوں سے مقابلہ کرنے کا ہے۔

الملک الاشراف نے مزید نصیحت کی فرمائش کی۔ شیخ نے فرمایا کہ بادشاہ تو

اس حال میں ہے، اور نابین سلطنت اور اہلکاران حکومت رنگ رلیاں کر رہے ہیں، شراب کے دور چل رہے ہیں، گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے، نئے نئے محاصل اور ٹیکس مسلمانوں پر لگائے جا رہے ہیں۔ آپ کے لئے اللہ کے حضور میں سب سے افضل عمل پیش کرنے کا یہ ہو سکتا ہے کہ ان سب گندگیوں کو دور کریں، یہ نئے نئے ٹیکس بند کریں اور تمام ظالمانہ کارروائیاں روک دیں، اور اہل معاملہ کی دادرسی کریں۔ الملک الاشراف نے اُسی وقت ان سب چیزوں کی ممانعت کے احکام جاری کئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس دینی خدمت اور خیر خواہی پر تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے۔ اور اپنے لطف و کرم سے مجھے جنت میں آپ کی معیت نصیب فرمائے۔ اسی کے ساتھ ایک ہزار دینار مصری نذر کئے شیخ نے قبول کرنے سے معذرت کی اور فرمایا کہ میری یہ ملاقات خالصۃً لوجہ اللہ تھی میں اس میں دنیا کی کوئی آمیزش نہیں کرنا چاہتا۔

الملک الاشراف کے
بادشاہ شام کے مقابلہ میں جرأتِ استقامت | جانشین صالح اسماعیل

(ابوالنجش) نے الملک الصالح نجم الدین ایوب بادشاہ مصر کے مقابلہ میں (جس کے شام پر حملہ کا خطرہ تھا) فرنگیوں سے مدد چاہی، اور حق الخدمت کے طور پر شہر صیدا اور ثقیف اور چند قلعوں کا پروانہ لکھ دیا۔ اس دوستانہ تعلق کی بنا پر فرنگی اتنے بے تکلف ہو گئے کہ دمشق میں آکر ہتھیار خریدتے، شیخ کو اس بات سے بڑا صدمہ ہوا کہ فرنگی مسلمانوں کے شہر میں آکر ان سے ہتھیار خرید کر مسلمانوں کی گردنوں پر چلائیں، تاجرانِ اسلحہ نے شیخ سے فتویٰ پوچھا، شیخ نے صاف کہا کہ فرنگیوں کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا حرام ہے، اس لئے کہ تم کو خوب

معلوم ہے کہ یہ کھالے مسلمان بھائیوں کے خلاف کام آئیں گے۔ شیخ کی طبیعت پر بادشاہ کی اس بے حیاتی اور اسلام کی اس ذلت و بے بسی کا بڑا اثر تھا، انھوں نے بادشاہ کے لئے خطبہ میں دعا ترک کر دی، اس کے بجائے وہ منبر پر دونوں خطبوں سے فارغ ہو کر بڑے جوش کے ساتھ دعا کرتے تھے کہ الہی! اسلام اور حامیان اسلام کی مدد اور نصرت فرما، اور طہدین و دشمنان دین کو ذلت و نکبت نصیب فرما۔ اور تمام مسلمان بڑی رقت و اثر کے ساتھ آمین کہتے تھے۔ حکومتی آدمیوں نے بڑھا چڑھا کر سلطان کو اس واقعہ کی اطلاع دی، شیخ کی گرفتاری کا فرمان صادر ہوا۔ شیخ ایک عرصہ تک دس رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ دمشق سے بیت المقدس منتقل کئے گئے۔

اسی اثنا میں سلطان صالح اسماعیل، الملک المنصور والی حمص اور سلطین فرنگ اپنی افواج و عساکر کے ساتھ مصر کے ارادہ سے بیت المقدس آئے، صالح اسماعیل کے دل میں شیخ عز الدین کی ناراضگی برا بکھشتی رہتی تھی، اور اس کو اس کی فکر تھی، اس نے اپنے عمائد و خواص میں سے ایک شخص کو اپنا رومال دیا اور کہا کہ یہ رومال شیخ کی خدمت میں پیش کرنا اور انتہائی خوشامد و استمالت کے ساتھ ان سے کہنا کہ سابقہ خدمات و مناصب پر آپ پورے اعزاز کے ساتھ واپس آسکتے ہیں، اگر وہ منظور فرمائیں تو میرے پاس بے آنا، اگر منظور نہ کریں تو میرے خیمہ کے پہلو میں دوسرے خیمہ میں ان کو مجبوس کر دینا۔ امیر نے شیخ سے بڑی خوشامدانہ باتیں کیں اور ان کی تعظیم و تکریم اور ان کی دلجوئی میں کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا، اور آخر میں کہا کہ آپ ذرا بادشاہ سے نیازمندانہ مل لیں اور اس کی دست بوسی کر لیں، تو یہ قصہ رفع دفع ہو جائیگا

اور آپ اضافہ و ترقی کے ساتھ اپنے سابقہ عہدوں پر واپس آجائیں گے، شیخ نے اُس کا جو جواب دیا وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔
اُنھوں نے فرمایا:-

واللہ یا مسکین ما ارضاک
ان یقبل یدی فضلائک
اقبل یدہ، یا قوم انتہ فی
واد و انافی واد والحمد للہ
الذی عافانی مما ابتلاکم بہ
(طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۱۰۱)

اے نادان! میں تو اس کا بھی روادار نہیں
کہ بادشاہ میمے ہاتھ کو بوسہ دے چہ جائیکہ
میں اس کی دست بوسی کروں؟ لوگو! تم کسی اور
عالم میں ہو، میں کسی اور عالم میں، اللہ کا
شکر ہے کہ میں اُس سے آزاد ہوں جس میں
تم گرفتار ہو۔

یہ جواب سن کر امیر نے کہا کہ پھر مجھے حکم ہے کہ میں آپ کو گرفتار کر لوں شیخ نے
کہا، شوق سے جو کچھ تم سے ہو سکے اُس سے دریغ نہ کرو۔ امیر نے انکو بادشاہ کے
خیمہ کے پہلو میں دوسرے خیمہ میں رکھا۔ شیخ اپنے خیمہ میں قرآن مجید پڑھتے بہتے
تھے اور بادشاہ اپنے خیمہ کے اندر سنا تھا۔ ایک روز بادشاہ نے فرنگی بادشاہوں
سے کہا کہ تم شیخ کو قرآن مجید پڑھتا ہوا سنتے ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ ہاں، کہا، جلتے
ہو، یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا پادری ہے (ہذا اکبر قسوس ملسمین)
میں نے اس کو اس لئے قید کیا ہے کہ وہ تم کو مسلمانوں کے قلعہ سپرد کر دینے کے خلاف
تھا اور اُس پر معترض تھا، میں نے اس کو دمشق کی خطابت اور دوسرے منصبوں
سے معزول کیا اور اس کو دمشق سے شہر بدر کر دیا۔ اب میں نے تمھاری خاطر پھر
اس کو قید کر دیا ہے۔ عیسائی بادشاہوں نے کہا کہ اگر یہ ہمارا پادری ہو تا تو ہم
اس کے پاؤں دھو کے پیتے۔

اسی عرصہ میں مصری افواج آئیں، صالح اسماعیل کو شکست ہوئی، فرنگی افواج قتل و غارت ہوئیں، اور شیخ صحیح سلامت مصر روانہ ہو گئے۔ راستہ میں جب کرک کی ریاست سے گزرنا ہوا تو والی کرک نے قیام کی درخواست کی، فرمایا کہ تمہارا یہ مختصر شہر میرے علم کا تحمل نہیں ہو سکتا۔

شیخ عز الدین مصر میں | مصر میں سلطان مصر الملک الصالح نجم الدین نے شیخ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جامع عمرو ابن العاص

کا خطیب مقرر کیا۔ اور الوجہ القبلی مصر کا عمدہ قضا اور ویران مساجد کی آباد کاری کا کام سپرد کیا۔ سلطان نے جب مدرسہ صالحیہ کی تعمیر کی تو مذہب شافعی کی تعلیم شیخ عز الدین کے سپرد کی، اور انھوں نے پورے انہماک کے ساتھ تعلیم و اشاعت علم کا فرض انجام دیا اور لوگوں کو بہت نفع ہوا۔ (دعوت و عزیمت ص ۱۳)

شیخ کی حق گوئی و بیباکی | اسی دوران میں ایک مرتبہ فخر الدین عثمان نے جو قصر شاہی کا مہتمم اور عملاً سلطنت مصر کا

منتظم اعلیٰ تھا مصر کی ایک مسجد کی چھت پر طبل خانہ کی عمارت بنوائی اور وہاں طبل و نقارہ بجنے لگا۔ شیخ عز الدین کو جب اس واقعہ کی تحقیق ہوئی تو انھوں نے (بحیثیت قاضی و مہتمم مساجد کے) اس عمارت کے انہدام کا حکم دے دیا، اور اس جرم میں فخر الدین کو ساقط الشہادۃ قرار دیا، اور ساتھ ہی ساتھ عمدہ قضا سے استعفی دے دیا۔ اس کارروائی سے سلطان کی نگاہ میں شیخ کی منزلت کم نہیں ہوئی، مگر اُس نے عمدہ قضا پر شیخ کا دوبارہ تقرر نہیں کیا، اصرار شیخ کے فیصلوں کا اتنا احترام اور اُن کا دینی نفوذ و اثر اس قدر تھا کہ اسی زمانہ میں الملک الصالح سلطان مصر نے خلیفہ بغداد کی خدمت میں ایک

سفارت بھیجی، جب سفیر کی باریابی ہوئی اور اُس نے سلطان مصر کا پیغام پہنچایا تو اُس سے دریافت کیا گیا کہ یہ پیغام تم نے خود سلطان مصر کی زبان سے سنا ہے یا کسی کے واسطے سے؟ اُس نے کہا کہ میں نے یہ پیغام مہتمم قصر شاہی فخر الدین کی زبان سے سنا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ فخر الدین کی شہادت معتبر نہیں، اُس کو شیخ عز الدین نے ساقط الشہادۃ قرار دیا ہے، اس لئے ہم اُس کی روایت قبول نہیں کر سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سفارت پھر مصر واپس آئی اور براہ راست سلطان سے پیغام سن کر بغداد واپس ہو کر خلیفہ کو پیغام پہنچایا۔

اُن کی جرات کا اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ عید کے دن قلعہ میں دربار شاہی تھا، بادشاہ اپنے تزک و احتشام کے ساتھ سریر پر اتر تھا، دو روئیہ افواج شاہی دست بستہ کھڑی تھیں، اُمراء حاضر ہو کر آداب تسلیمات بجالاتے تھے اور زمیں بوس ہوتے تھے۔

اس بھرے دربار میں دفعۃً شیخ نے بادشاہ کو نام لے کر خطاب کیا اور کہا کہ ایوب! اند کو تم کیا جواب دو گے، جب پوچھا جائے گا کہ ہم نے تم کو مصر کی سلطنت اس لئے دی تھی کہ شراب آزادی سے پی جلے؟ بادشاہ نے کہا کہ کیا یہ واقعہ ہے؟ شیخ نے بلند آواز سے فرمایا، ہاں! فلاں میخانہ میں شراب آزادی سے پک رہی ہے، اور دوسرے ناگفتنی کام ہو رہے ہیں، اور تم یہاں بیٹھے داعیش دے رہے ہو۔ بادشاہ نے کہا کہ جناب والا، مجھے اس میں کچھ دخل نہیں، یہ مرے والد کے زمانہ سے ہو رہا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ، پھر تم بھی اُنہی لوگوں میں سے ہو، جن کا جواب یہ ہوتا ہے: اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰی اُمَّةٍ (یہ ہمارے باپ دادا کے زمانہ سے چلا آیا ہے) سلطان نے فوراً اُس شرابخانہ کی بندش کا حکم جاری کیا۔

شیخ کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ دربار سے واپسی پر میں نے عرض کیا کہ حضرت! کیا واقعہ ہے؟ فرمایا کہ میں نے جب بادشاہ کو اس شان و شوکت کے ساتھ اجلاس کرتے ہوئے دیکھا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ منظر دیکھ کر اُس پر تکبر کا حملہ ہو، اور وہ اپنے نفس کا شکار ہو جائے، میں نے اُس کی اصلاح کے لئے یہ بات کہی۔ میں نے کہا کہ آپ کو کچھ خوف نہیں معلوم ہوا؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ کی ہیبت و جلال اُس وقت ایسا مستحضر اور پیش نظر تھا کہ وہ مجھے اُس کے مقابل میں ایک بے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۹۵)

مکارم اخلاق | شیخ اپنے علم و فضل، وقار و ہیبت کے ساتھ بڑے کیم النفس، فیاض اور مخیر تھے۔ قاضی القضاۃ بدر الدین بن جامعہ ناقل ہیں کہ دمشق کے زمانہ قیام میں ایک سال بڑی گرائی کا آیا۔ باغات کے دام بہت گر گئے اور بہت سستے بن گئے۔ شیخ کی اہلیہ محترمہ نے اُن کو ایک زیور دیا کہ گرمی گزارنے کے لئے ایک باغ خرید لیں، اُنھوں نے وہ زیور فروخت کر کے ساری قیمت خیرات کر دی۔ اہلیہ نے پوچھا کہ آپ نے باغ خرید لیا؟ فرمایا کہ ہاں! مگر جنت میں، میں نے دیکھا کہ لوگ بڑی عسرت اور تکلیف میں ہیں، میں نے اُس کی قیمت اُن پر نشان حال لوگوں پر صرف کر دی۔ اُنھوں نے فرمایا ”جزاک اللہ۔“

قاضی القضاۃ موصوف یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ شیخ تنگ حالی کے باوجود بڑے فراخ دست اور مخیر تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اُن کے پاس کچھ دینے کو نہ ہوتا تو اپنا عمامہ چیر کر اُس کا ایک ٹکڑا دیدیتے۔

شیخ غزالدین صرف سلاطین ہی کے مقابلہ میں جبری اور حق گو نہ تھے، بلکہ اپنے نفس کے معاملہ میں بھی اسی طرح بے باک اور حق شناس تھے۔

ابن السبکی اور سیوطی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مصر کے زمانہ قیام میں اُن سے ایک فتویٰ میں غلطی ہو گئی، تو اُنھوں نے اعلان کر دیا کہ جس کو ابن عبدالسلام نے فلاں فتویٰ دیا ہو وہ اُس پر عمل نہ کرے، اس لئے کہ وہ غلط ہے۔

ابن السبکی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علوم ظاہری کے کمالات کے ساتھ دولت باطنی سے بھی مالا مال تھے۔ اگرچہ اُن کے ایمان و یقین، اعتماد علی اللہ، یخوفی، وشجاعت، ارباب دنیا کی بے وقعتی کے واقعات خود اس پر دلیل ہیں، لیکن ابن السبکی نے ”طبقات“ میں تصریح کی ہے کہ اُنھوں نے امام طریقت شیخ شہاب الدین سہروردی سے استفادہ کیا تھا اور اُن کی طرف سے ارشاد و تربیت کے لئے مجاز تھے۔

وفاات

۹ جمادی الاولیٰ ۷۶۸ھ میں تراسی سال کی عمر میں شیخ کی وفات ہوئی۔ یہ الملک الظاہر بیبرس کا عہد حکومت تھا، اُس کو شیخ کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا، کہتا تھا کہ خدا کی شان ہے، شیخ کی وفات میرے ہی عہد حکومت میں مقدر تھی۔ جنازہ میں اُمراء دربار، ارکان سلطنت اور افواج شاہی شریک تھیں، سلطان نے خود کا ندھا دیا اور تدفین میں شریک ہوا۔

شیخ کا جنازہ جب قلعہ کے نیچے سے گزرا اور سلطان نے خلعت کا ازدحام دیکھا تو اپنے خواص میں سے کسی سے کہا کہ آج میں سمجھتا ہوں کہ میری سلطنت مضبوط ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ شخص جو مرجع خلافت ہے اگر اشارہ کر دیتا تو میری سلطنت جلی جاتی۔ اس کے انتقال کے بعد مجھے اپنی سلطنت کی طرف سے اطمینان ہوا ہے۔

رحمۃ اللہ رحمۃ وسیعہ۔ (دعوت وعزیمت ص ۲۱)

حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ۶۶۴ھ

نام و نسب نام مسعود، لقب فرید الدین، والد کا نام شیخ کمال الدین۔ آپ عام طور سے گنج شکر کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ آپ نسباً فاروقی ہیں۔

ولادت آپ کے جد بزرگوار قاضی شعیب تاتاریوں کے ہنگامہ میں کابل سے لاہور تشریف لائے، کچھ عرصہ قصور میں قیام فرمایا، قصبہ کہنیوال کی قضاء و جاگیر عطا ہوئی۔ یہیں ۶۶۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

فضل و کمال جس طرح حضرت خواجہ معین الدینؒ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے مؤسس و بانی ہیں، خواجہ فرید الدینؒ اس کے مجدد اور اس سلسلہ کے آدم ثانی ہیں۔ آپ ہی کے دو خلفاء سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین دہلویؒ اور حضرت شیخ علاؤ الدین علی صابریؒ ان کیلیری کے ذریعہ یہ سلسلہ ہندوستان میں پھیلا اور ان کے خلفاء و اہل سلسلہ کے ذریعہ اب بھی زندہ و قائم ہے۔

خسہ و خچانہ با مہر و نشان است

تعلیم و تربیت صغر سنی میں ملتان کا سفر کیا (جو اُس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا علمی و دینی مرکز تھا) شہر کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، مولانا منہاج الدین ترمذی سے فقہ کی کتاب "الشفاع" پڑھی وہیں ۷۸۶ھ میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زیارت ہوئی اور اُن سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ فرید الدینؒ آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ تعلیم کے سلسلہ کو خیر باد کہہ کر ہر کاب ہو جلنے کا عزم کیا۔ شیخ کامل نے منع کیا اور

تکمیل کی ہدایت کی۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جا کر علوم کی تکمیل کی۔
(تاریخ دعوت و عزیمت ص ۳۳)

تعلیم کی تکمیل کے بعد شیخ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ شیخ نے ان کے قیام کے لئے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی، جہاں وہ ریاضت و مجاہدے میں مشغول ہو گئے۔ سلوک کی تکمیل کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے اور شیخ کی اجازت سے ہانسی میں قیام اختیار کیا جو ان کے ایک مخلص (جو بعد میں خلفا کبار میں ہوئے) شیخ جمال الدین خطیب ہانسی کا وطن تھا۔ شیخ کا انتقال ہوا تو وہ ہانسی میں تھے۔ انتقال کے تیسرے روز دہلی پہنچے۔ مزار شیخ پر فاتحہ پڑھی، قاضی حمید الدین ناگوری نے شیخ کی وصیت کے مطابق ان کا خرقہ اور دوسری باتیں سپرد کیں۔ یہ گویا جانشینی کا اعلان تھا۔ شیخ نے دو گنا نہ پڑھ کر اس کو زیپ تن کیا اور شیخ کی جگہ پر بیٹھے۔

دہلی کی آمد
شیخ کی جانشینی کا تیسرا روز تھا کہ ہانسی کا آپ کا ایک آشنا قیام
و معتقد سرہنگا نامی آپ کے اشتیاق میں دہلی آیا، خادموں نے اسے
اندر نہیں جانے دیا۔ معتقدین و خدام کے ہجوم سے اُس درویش کو ملاقات میسر
نہ آئی۔ منتظر تھا کہ ایک روز حضرت شیخ باہر تشریف لائے، سرہنگا قدموں پر گر گیا
اور رو کر کہا کہ جب تک آپ ہانسی میں تھے آسانی اور بے تکلفی سے مل لیا کرتا تھا، اب
یہاں ہم جیسے غریبوں کا کام نہیں۔ شیخ کے دل پر چوٹ لگی اور سمجھے کہ تنبیہ غیبی ہے
دہلی میں سکون اور عوام و فقراء سے ملنے جلنے کا موقع نہیں، اپنی مزید تکمیل و ترقی
مطلوب تھی۔ آپ نے اُسی وقت اپنے دوستوں سے کہا کہ میں ہانسی جاؤں گا حاضرین
نے عرض کیا کہ شیخ قطب الدین نے تو آپ کو اس جگہ پر بٹھایا ہے، آپ کہاں جاتے ہیں؟

فرمایا کہ ”پیر نے اپنی امانت سپرد کر دی ہے، شہر میں رہوں یا بیابان میں وہ ساتھ ہے۔“

(سیر الاولیاء ص ۷۷)

ہانسی کا قیام اس لئے اختیار کیا تھا کہ وہاں سکون اور گمنامی ہے گی۔ یہاں خواجہ قطب الدین کے ایک مرید مولانا نور ترک کی وجہ سے (جنھوں نے اہل ہانسی کو آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کر دیا) آپ کی شہرت ہو گئی اور خلق نے ہجوم کیا، آپ کے کہنوال کا رخ کیا جو وطن قدیم تھا، کہنوال ملتان سے قریب تھا اور ان کی شہرت اور عظمت کا آواز اب دور دور بلند ہو رہا تھا۔

اجودھن کا قیام | آپ نے اجودھن کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا اور ارشاد ہوا کہ: وہاں کے لوگ دیر اعتقاد اور نا آشنا ہیں، اور جگہ بھی غیر معروف ہے۔ لیکن یہاں بھی بہت جلد رجوع شروع ہو گیا اور خلایق نے ہر طرف سے ہجوم کیا، آفتاب شہرت و عظمت نصف النہار پر تھا اور اس کی شعاعیں دور دور پہنچ رہی تھیں اور طالبن خدا کے قلوب کو گرم کر کے کھینچ کھینچ کر لا رہی تھیں۔ تھوڑے دنوں میں مرجعیت یہاں تک بڑھی کہ آنے والوں کا سلسلہ ختم ہونے کو نہ آتا۔ آدھی رات تک دروازے کھلے رہتے۔ (دعوت و عزیمت ص ۳۶)

اخلاق | ابتدا قیام میں عرصہ تک نہایت تنگی اور عسرت و فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی گزاری۔ بیلو کے پھل اُبال لئے جاتے اور اُن میں کچھ نمک ڈال کر فقر کو تقسیم کر دیئے جاتے اور خود بدولت اپنے مہمانوں اور خادموں کے ساتھ تناول فرماتے۔

کچھ عرصہ کے بعد یہ حال ہو کہ دن رات مطبخ شاہی گرم رہتا اور آدھی رات گئے

۷ اجودھن کو اب پاکستان میں جو پاک چین کتے ہیں جو پاکستان کا ایک قصبہ ہے۔

ایک کھانے والوں کا سلسلہ رہتا، جو آتا اس خوانِ نعمت سے حصہ پاتا۔ جو شخص بھی آتا کہے باشند اپنا حصہ پاتا۔

شفقت و دلداری سب کے ساتھ یکساں تھی۔ حضرت خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ عجب قوت اور عجب طرزِ زندگی تھا، جس کا تحمل کسی سے ہونا آسان نہیں نئے آنے والے جو کبھی نہیں آئے اور برسوں کے ساتھ رہنے والے سب سے یکساں لطف و مہربانی اور توجہ و التفات کے ساتھ پیش آتے۔ مولانا بدر الدین اسحق فرماتے ہیں کہ: میں خادم خاص تھا، جو بات کہنی ہوتی، مجھ سے فرماتے تھے۔ خلوت و جلوت میں یکساں حال تھا، ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہ تھا۔ برسوں خدمت کرنے اور ساتھ رہنے کے باوجود کوئی تفاوت نہ دیکھا۔

خشیت و رقت کا بڑا غلبہ تھا، کوئی عبرت انگیز و رقت خیز بات سنتے، یا مجلس میں کوئی عاشقانہ شعر پڑھا جاتا، یا کسی بزرگ کا کوئی مؤثر واقعہ سُننے تو بے اختیار روتے۔ بعض اوقات دھاڑیں مار مار کر روتے۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، قرآن مجید کے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کا بڑا ذوق تھا، اور دونوں چیزوں (روزہ اور حفظ قرآن) کی اپنے خلفاء خاص و مریدانِ بااختصاص کو وصیت و تاکید فرماتے تھے۔

ساری زندگی کا اصول اہلِ دُور و اربابِ حکومت سے بے تعلقی، کنارہ کشی، اخفائے حال اور درویشانہ زندگی تھا۔ اپنے مشائخِ کرام کا مسلک جان کر اور اسی میں خلوص کی حفاظت اور طریقہ کی اشاعت کا راز سمجھ کر اس روش پر سختی اور مضبوطی سے قائم تھے۔ ان کے ایک برادرِ طریقت شیخ بدر الدین غزنوی نے (جو حضرت خواجہ قطب الدین کے خلفاء کبار میں سے تھے) بعض اعیانِ سلطنت سے

خصوصی تعلق رکھتا تھا اور اُس نے اُن کے لئے دہلی میں خانقاہ تعمیر کی تھی اور انکی مخصوص طریقہ پر خدمت کرتا تھا۔ انقلاب روزگار سے جب وہ امیر عتاب شاہی میں آیا تو شیخ کو بھی زحمت و کلفت پیش آئی۔ آپ نے شیخ کبیر سے دعا کی درخواست کی، شیخ نے جواب میں لکھا:-

”جو اپنی روش پر چلے گا وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتار ہوگا جس سے ہمیشہ بے چین رہے گا۔ آپ تو بیران پاک کے معتقدین میں ہیں، پھر اُن کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی، اور اس میں کیوں بیٹھے؟ حضرت خواجہ قطب الدینؒ اور حضرت خواجہ معین الدینؒ کا تو یہ طریقہ اور روش نہیں تھی کہ اپنے لئے خانقاہ بنا کر دکان جمائیں۔ اُن کا شیوہ تو گمنامی و بے نشانی تھا۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۳)

عشق الہی حضرت خواجہ فرید الدینؒ کی زندگی کا اصل جوہر اور معاصرین میں ان کا امتیاز وہ ذوق و شوق، درد و عشق اور جذب الہی، و خدا مستی ہے۔ جس نے حضرت خواجہ نظام الدینؒ و حضرت علاؤ الدینؒ علیؒ برسیے عاشقوں اور درد مندوں کی تربیت کی اور جو ادھن کی اس دکان عشق کا خاص سودا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ ایک روز کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ کبیر (حضرت خواجہ فرید الدینؒ) حجرے میں تھے، سر برہنہ تھا اور چہرے کا رنگ متبغیر، حجرے میں والہانہ کیفیت میں پھرتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے تھے ۵

خواجہم کہ ہمیشہ درد و فائے تو زیم خا کے شوم و بذر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی از بہر تو میرم و از برائے تو زیم
(ترجمہ: میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کا ہو کر جیوں، خاک ہو جاؤں اور آپ کے قدموں

نیچے زندگی گزرے مجھ مسکین بے چارے کا دونوں جہان میں مقصود آپ ہی ہیں۔ آپ ہی کیلئے جیتا ہوں، آپ ہی کیلئے مڑتا ہوں۔

یہ اشعار پڑھ کر سجدے میں سر رکھ دیتے تھے، پھر یہی اشعار پڑھتے تھے اور حجرے کا پیکر لگاتے تھے۔ پھر سجدے میں پڑ جاتے تھے۔ در تک یہی کیفیت رہی۔ (سیرالاولیاء)

بادشاہ کی عقیدت ایک بار سلطان ناصر الدین محمود کا پورا لشکر جو بادشاہ کے اوج اور تان کے سفر میں ہر کاب تھا خواجہ کے زیارت کے لئے اُجودھن حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اس کا حال بیان کرتے ہیں:-

”ہجوم قابو سے باہر تھا۔ آخر کار خدام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حضرت خواجہ کے پیراہن کی آستین بالا خانہ سے لٹکادی، اہل لشکر آتے تھے اور اس کو بوسہ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ آستین تار تار ہو گئی۔ مجبوراً آپ مسجد میں تشریف لائے اور خدام سے فرمایا کہ ”میرے گرد حلقہ بنالو، کوئی اس حلقہ کے اندر نہ آنے پائے“ لوگ آتے تھے اور حلقہ کے باہر کھڑے ہو کر سلام کر کے رخصت ہو جاتے تھے۔ اچانک ایک بوڑھا فراش حلقہ توڑ کر اندر آگیا اور شیخ کے پاؤں پر گر گیا، پاؤں پکڑ کر بوسہ لیا اور کہا۔ شیخ فرید! تنگ آگئے؛ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا اس سے زیادہ شکریہ ادا کرو۔ شیخ نے یہ سن کر نعرہ مارا، اور اُس فراش کو بہت نوازا اور اُس سے معذرت کی۔“ (سیرالاولیاء ص ۵۵)

سلطان ناصر الدین نے خود حاضر ہی کا قصد کیا۔ نائب السلطنت غیاث الدین ملہن نے جو ہر کاب تھا عرض کیا کہ لشکر بہت ہے اور اُجودھن ایک بے آب و گیاہ مقام ہے، اگر فرمان ہو تو میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور جہاں پناہ کی طرف سے معذرت

اور ہدیہ و فتوح پیش کروں۔ چنانچہ کچھ نقد اور چار گاؤں کا فرمان لے کر حاضر ہوا، اور نقد اور فرمان پیش کیا۔ شیخ نے فرمایا۔ یہ کیا ہے؟ غیاث الدین نے کہا کہ: یہ کچھ نقد ہے اور یہ جاگیر کا فرمان سلطانی۔ شیخ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ: نقد تو ہم کو دیدو، اور فرمان آپس لے جاؤ کہ اس کے طالب بہت ہیں۔ یہ کہہ کر ساری رقم اُسی وقت درویشوں میں تقسیم کر دی۔

سلطان غیاث الدین حضرت سے معتقدانہ تعلق رکھتا تھا۔ دہلی کی سلطنت کا حصول بھی حضرت کی دعا اور محبت کا نتیجہ سمجھتا تھا اور خدام کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتا تھا۔

حضرت شیخ فرید الدینؒ کے اپنے نامور معاصرین اور دوسرے سلسلہ کے مشائخ کبار سے دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے اور وہ ان کے پورے مرتبہ شناس اور قدردار تھے۔ شیخ الاسلام شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ جو سلسلہ اسہروردیہ کے نامور شیخ اور ہندوستان کے عظیم ترین روحانی پیشواؤں اور داعیوں میں گزرے ہیں ان کے ہم عصر تقریباً ہمعصر تھے، دونوں کے بڑے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے اور آپس میں بہت دلچسپ اور بے تکلفی کی خط و کتابت ہوتی تھی۔ شیخ فرید الدینؒ شیخ بہاؤ الدینؒ کو شیخ الاسلام کے لقب سے مخاطب کرتے تھے۔ دونوں کے خلفاء اور مریدین بھی آپس میں ایک دوسرے سے بڑے خلوص و محبت سے ملتے تھے اور ایک دوسرے کا اعتراف اور بزرگداشت کرتے تھے۔ شیخ الاسلامؒ کے پوتے شیخ رکن الدین ابو الفتح اور شیخ کبیر کے خلیفہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے درمیان بڑی محبت اور گہرا تعلق تھا۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۱۱)

ف: اپنے بزرگوں کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ باہم کس قدر محبت و مودت

تھی اور ایک دوسرے کا کس قدر اکرام و احترام فرماتے تھے، جو ہم میں غفقا معلوم ہوتا ہے، جبکہ ہم انہی حضرات کے منتسبین میں سمجھے جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ (مرتب)
 حضرت شیخ محدث عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ آپ کے کمالات یوں نقل فرماتے ہیں :-
 ”آپ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ کے خلیفہ اور خواجہ جیری سے فیض یافتہ تھے۔ آپ کا شمار اکابر اولیاء کرام میں سے ہے۔ ریاض مجاہدہ، فقر اور ترک دنیا آپ کے محبوب ترین مشغلے تھے۔ آپ کشف و کرامت کی علامت اور ذوق و محبت کی درخشندہ نشانی تھے، ہمیشہ سروخی میں کوشاں رہتے، خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھتے اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی جانب کوچ فرماتے رہتے۔ آخر کار اجودھن (موجودہ پاکستان) تشریف لائے۔

ایک دفعہ آپ کا زیب تن لباس پارہ پارہ اور بوسیدہ ہو گیا تھا، تو ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک کڑتہ لایا، آپ نے وہ کڑتہ زیب تن فرمایا، اور پھر فوراً ہی اتار کر شیخ نجیب الدین المتوکل کو دے دیا اور فرمایا: جو لطف اور سرور مجھے اُس پرانے کڑتے میں ہے وہ نئے کڑتے میں نہیں آتا۔

حکایت ہے کہ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ کا نوکر ایک دن ایک پیسہ کا نمک اُدھار لے کر آیا، جب اُس نے کھانا پکا کر شیخ رحمہ اللہ کے پاس بھیجا تو آپ کو باطنی نور کے ذریعہ معلوم ہوا۔ تو نوکر سے فرمایا کہ اس کھانے سے خیانت کی بواہر ہی ہے، میرے لئے یہ کھانا جائز نہیں۔ چنانچہ وہ کھانا واپس کر دیا۔ کھایا نہیں۔

گنج شکر کہنے کی وجہ تسمیہ

آپ کے شکر گنج ہونے کی وجہ تسمیہ کا ایک واقعہ

یہ بھی مشہور ہے کہ سوداگر شکر لے جا رہے

تھے، شیخ فریدؒ نے اُن سے کچھ شکر مانگی۔ اُنھوں نے کہا کہ شیخ! آپ کو

مغالطہ ہوا، ہمارے اونٹوں پر شکر نہیں بلکہ نمک ہے۔ شیخ نے فرمایا: نمک ہی

ہوگا۔ سوداگروں نے اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد جب مال کھولا تو واقعی نمک

ہی تھا۔ (وہ سمجھ گئے کہ شیخ کی بددعا سے ایسا ہوا) اس لئے دوڑے دوڑے

شیخ کے پاس چلے آئے اور عرض کرنے لگے کہ واقعہ ہم سے غلطی ہوئی۔ آپ

معاف فرمادیں اور دعا کر دیں کہ وہ پھر سے شکر ہو جائے۔ چنانچہ وہ نمک

شیخ کی دعا سے شکر ہو گیا۔

حضرت گنج شکرؒ نے راہ سلوک کے طے کرنے میں بڑی بڑی محنتیں

محنت شاقہ

کیں۔ میرا اولیاء (ض) میں ہے کہ مرشد کے حکم سے ایک کنویں

میں چلہ معکوس کیا۔ "راحت القلوب" میں ہے کہ ایک بڑی مدت تک عالم تفسیر

کھڑے رہے، مطلق نہ بیٹھے۔ ان کے پاؤں سوچ گئے تھے اور اُن سے خون بہتا تھا،

اس درمیان میں ان کو یاد نہیں کہ اُنھوں نے کچھ کھایا ہو۔ فجر کی نماز کے بعد بڑی دیر

تک سجدے میں پڑے رہتے۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ اُن کے حجرے میں ان کو دیکھنے کے لئے تشریف

لے گئے تو ریاضت کی وجہ سے وہ اس قدر ضعیف ہو گئے تھے کہ تعظیم کے لئے

نہ اُٹھ سکے۔ اس قدر نحیف و زار ہو گئے تھے کہ اُٹھنے بیٹھنے میں بھی سہارا لیا کرتے

تھے۔ (خیر المجالس ص ۲۲۴)

ایک بار اُنھ کو تھوڑی دور چلنا چاہتے تھے، عصا کے سہارے اُٹھے، مگر

چند قدم چلے ہوں گے کہ چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا، ہاتھ سے عصا چھوڑ دیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ساتھ تھے، انھوں نے پریشانی کا سبب پوچھا، تو فرمایا، عصا پر سہارا کیا تھا اس لئے عتاب نازل ہوا کہ غیر کا سہارا لیتے ہو، اسی لئے عصا چھوڑ دیا اور محبوب ہوں۔

ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ اگر کوئی عارضہ بھی لاحق ہوتا تو بھی روزہ افطار نہ کرتے۔ رمضان میں ہر رات تراویح کی نمازیں دو کلام پاک ختم کرتے۔ کبھی دس دس پاؤں زیادہ بھی پڑھ جاتے۔ اور کچھ رات باقی رہتی تو تراویح سے فارغ ہو جاتے حضرت خواجہ نظام الدینؒ بھی ان کے ساتھ تراویح کی نمازوں میں شریک ہتے، تھے، خشیت الہی کا بڑا غلبہ رہتا تھا۔ مریدوں کی مجلسوں میں بات بات پر روتے، اور بعض اوقات دہاڑیں مار کر گریہ کرتے تھے۔ (بزم صوفیہ ص ۱۶۴)

فقروفاقہ تمام زندگی فقیرانہ عشرت اور درویشانہ استغناء کے ساتھ گزاری لباس و غذا میں بڑی شان بے تباہی پائی جاتی تھی،

اکثر شربت سے افطار کرتے تھے۔ ایک پیالہ شربت کا جس میں مٹھوڑی کشمش ہوتی حاضر کیا جاتا، تو اس میں سے نصف بلکہ دو تہائی حاضرین میں تقسیم کر دیتے اور باقی خود نوش فرماتے، پھر اُس میں سے بھی کسی کو عنایت کرتے۔ اگر گھر میں کچھ ہوتا، تو افطار کے بعد دو روٹیاں لائی جاتیں، ان میں سے ایک ٹکڑا خود کھاتے اور باقی حاضرین کو تقسیم کر دیتے۔ (ذوالفوائد ص ۵۱)

لنگر خانہ کی طرف سے طرح طرح کے کھانے دسترخوان پر چنے جاتے تو مہمان کھاتے، لیکن خود ستاول نہ فرماتے۔ زیادہ تر جوار کی روٹی پسند فرماتے۔ (سیرت مولانا) **استغفار** اس قدر عشرت اور تنگدستی کے باوجود بابا گنج شکرؒ اپنے مرشد

کی طرح مال و متاع دنیوی سے مستغنی رہے۔

ایک بار والی اجدھن نے کچھ گاؤں اور نقد رقم پیش کرنے کی کوشش کی، تو فرمایا اگر میں یہ گاؤں اور قسم لے لوں تو مجھے لوگ درویش نہ کہیں گے، مالدار کہیں گے، اُس کے بعد یہ منہ درویشوں کو دکھانے کے لائق نہ رہے گا اور میں ان کے درمیان کھڑا نہ ہوسکوں گا۔ (جواہر فریدی) وراحت القلوب، مجلس یادِ ہم

اور اگر کبھی کسی سے کچھ قبول کر لیتے، تو راہِ خدا میں تقسیم کر دیتے۔

جواہر فریدی "میں ہے کہ ایک بار سلطان بلبن نے اُن کے پاس ایک بڑی رقم بھیجی، اُس کے اصرار پر اس کو بادل نا خواستہ لے لیا، لیکن غریبوں میں تقسیم کر دینے کا فوراً حکم دیا۔ مولانا بدر الدین اسحق نے رات ہونے سے پہلے ہی یہ تمام رقم تقسیم کر دیں، رات کو چراغ لے کر دیکھا کہ کوئی سکہ رہ تو نہیں گیا ہے؛ ایک سکہ باقی رہ گیا تھا، جس کو مولانا بدر الدین اسحق نے اپنی ٹوپی میں رکھ لیا تاکہ دوسرے دن اُس کو بھی کسی مسکین کو دیدیں۔ بابا صاحبِ عشق کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے تو نمازیں اُن کا دل نہ لگا اور گرائی محسوس کی۔ مولانا بدر الدین سے پوچھا کہ ساری رقمیں تقسیم ہو گئیں کہ نہیں؟ مولانا بدر الدین نے کہا کہ ایک رہ گیا ہے بابا صاحب نے اُس کو لے کر پھینک دیا۔ اور پھر نماز سکون سے پڑھی، لیکن پھر رات بھر روتے رہے، کہ ہاتھ میں اُس کو لے کر آلودہ کیوں کیا۔ فرماتے تھے کہ جو کچھ بھی اور جتنا بھی اللہ کی راہ میں دیا جائے اسراف نہیں ہے۔ اور جو کچھ بھی غیر اللہ کیلئے خرچ کیا جائے اسراف ہے۔ (سیر الاقطاب ص ۱۶۹)

جب زائرین مٹھائی لاتے تو مٹھائیوں کا انبار لگ جاتا۔ لیکن یہ مٹھائیاں اجدھن کے بچوں اور درویشوں میں تقسیم کر دی جاتیں کوئی محروم نہ رہتا۔ (رحمۃ القلوب ص ۱۶۹)

نرمی و ملاطفت

طبیعت میں بید نرمی و ملاطفت تھی۔ ایک بار چار درویش آئے اور بابا صاحب سے درشت لہجہ میں گفتگو کی۔ اُنھوں پھر بھی اُن کی دلجوئی اور مہمان داری کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اُکے نہیں، جب جانے لگے، تو حضرت بابا صاحب نے ہدایت کی کہ وہ بیابان کی راہ سے نہ جائیں۔ لیکن وہ نہ مانے۔ اور جب جاچکے تو زار و قطار رونے لگے، جیسے کوئی ماتم کرتا ہو، بعد میں معلوم ہوا کہ بیابان میں بادِ سموم اُٹھی اور وہ چاروں درویش ہلاک ہو گئے۔ فوائد الفواد ص ۲۵۱

ایک بار ایک اور قلندر آیا۔ اُس نے بابا صاحب سے سخت لہجہ میں کہا کہ تم نے اپنے کو بُت بنالیا ہے، تاکہ لوگ تمھاری پرستش کریں۔ بابا صاحب نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کو نہیں بنالیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بنالیا ہے، کوئی اپنے کو نہیں بنا سکتا، بنانے والا اللہ ہے جو اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔ قلندر نے یہ سنا تو کہا ”آفریں بر تھل شہاباد“

تواضع و خاکساری

ایک بار بابا صاحب کے پاؤں میں کچھ تکلیف تو اُٹھی، اس لئے مریدوں کی مجلس میں چار پائی (کھاٹ) پر بیٹھے، تو اپنے کو اُونچی جگہ پر پا کر مریدوں سے معذرت کی اور اپنی تکلیف بتائی۔ حاضرین نے دعا کی اور کہا:-

”حیاتِ شہنامی باید و حیاتِ مامتعلق حیاتِ شہاست“

یعنی آپ کو صحت ہو، ہماری صحت آپ ہی کی صحت کے ساتھ ہے۔ حضرت خواجہ

نظام الدینؒ نے اُسی وقت یہ بیت پڑھی سہ

جانِ جہانیاں توئی دشمنِ جانِ بود کسے لے ہمہ دشمنان تو دشمنِ جانِ خوشن

(ترجمہ: سارے جہان کی جان تو آپ ہیں، بھلا جان کا دشمن کون ہوگا۔ اے شخص! جو لوگ آپ کی جان کے دشمن ہیں درحقیقت وہ اپنی ہی جان کے دشمن ہیں۔) حاجت مندوں کے لئے اُن کی خانقاہ کا دروازہ آدھی رات تک کھلا رہتا۔ ایک بار خانقاہ میں کچھ درویش آئے، گھر میں جوار کے سوا کچھ نہ تھا، خود ہی جوار پیسا اور اس کی روٹیاں بچا کر درویشوں کے پاس لائے۔

خدمت خلق اللہ | عبادت و ریاضت کے بعد صرف خلق اللہ کی خدمت ہی کی فکر زیادہ رکھتے۔ کوئی بیمار ہوتا تو اُس کے لئے دعا

فرماتے، زن و شو ایک دوسرے سے پکڑ جاتے تو دونوں کو اپنی کوشش سے پھر ملا دیتے، کوئی سرکاری عہدہ دار ظلم کرتا تو اس کو ظلم کرنے سے منع کرتے، بے قصور کو سزا سے بچاتے، کوئی فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا تو اس کو صحیح راستہ پر لگاتے اس کے اخلاق کو درست کرنے کی کوشش کرتے۔ اصلاح کا طریقہ یہ تھا کہ علیحدہ علیحدہ افراد کو اپنے پاس بلاتے، اور اپنی نگاہِ مرد مومن سے اس کی ماہیت قلب کرتے۔ (بزم صوفیہ ص ۷۱)

شہنشاہِ اکبر کو حضرت بابا کے مزار سے بڑی عقیدت تھی اس لئے اُس نے اجودھن کا نام پاک پٹن رکھا۔

تذکرہ نگاروں نے اُن کو ”زبدۃ التقیاء ابرار، شیر بیشہ تقدیس ربانی، محرم اسرار، مشیت ایزدی، ہمدن نواز قربت صمدی وغیرہ کے القاب یاد کیا ہے۔ (بزم صوفیہ ص ۷۱)

اشاعتِ اسلام | حضرت بابا صاحب کے ارشاد و ہدایت سے نہ صرف مسلمان مسلمان بنے، بلکہ غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد

بھی مشرفِ اسلام ہوئی۔ اجودھن کے قیام کے ابتدائی زمانہ میں ایک جوگی مہسی

شب بھونا تمھ خدمت اقدس میں حاضر ہوا، جو جادو، منتر اور استدراج میں مشہور تھا، بابا صاحب کو دیکھتے ہی اُس پر اُن کی مہیت اس قدر غالب ہوئی کہ زبان سے کچھ بول نہ سکا، پھر حضرت بابا صاحب کے کشف و کرامت سے ایسا متا ہوا کہ قدموں پر گر پڑا اور اپنے چیلوں کے ساتھ بابا صاحب کے ہاتھ پر ایمان لایا۔

کہا جاتا ہے کہ پاک پٹن کے اطراف میں زیادہ تر جو نو مسلم قومیں ہیں وہ حضرت بابا صاحب ہی کی برکت سے مسلمان ہوئی ہیں۔ ”جواہر فریدی میں ہے کہ پنجاب میں مرہنگو الیان، ہلیان، ادہرگان، جکر و الیان، بکان، ہکان، سیان، کھوکھران، سیال وغیرہ حضرت بابا ہی کی برکت سے مسلمان ہوئیں۔

تصنیفات حضرت گنج شکرؒ کی تصنیفات میں اُن کے ملفوظات کے مجموعے ہیں: راحت القلوب اور اسرار الاولیاء۔ ”راحت القلوب“ کو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، اور ”اسرار الاولیاء“ کو حضرت بدر الدین اسحقؒ نے مرتب کیا ہے۔ دونوں بزرگ حضرت گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے۔

تعلیمات و فرمودات ”راحت القلوب“ میں راہ سلوک کی بنیادی باتیں وہی ہیں جو ”انیس الارواح“، ”دلیل العارفين“

اور ”فوائد السالکین“ میں پائی جاتی ہیں۔ مگر اس میں ملفوظات نسبتاً زیادہ ہیں، اس لئے اُن سے بعض مسائل پر زیادہ روشنی پڑتی ہے۔ اس کتاب کے آخری حصہ میں چشتیہ سلسلہ کے اراد و وظائف اور اُن کے فضائل و برکات ذکر ہے۔

درویشی صفا درویش کی مختلف صفات آپ نے بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً درویش کی صفت پردہ پوشی اور خود فراموشی ہے۔ پردہ پوشی سے مراد

اللہ کے بندوں کی پردہ پوشی ہے۔

درویش کو چاہئے کہ چار باتیں اختیار کرے۔ (۱) اپنی آنکھوں کو بند کر لے کہ اللہ کے بندوں کے عیوب نہ دیکھ سکے۔ (۲) کانوں کو بہا کر لے کہ جو باتیں سننے کے لائق نہ ہوں، اُن کو نہ سُن سکے۔ (۳) زبان کو گونگی کر لے کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں، اُن کو نہ کہے۔ (۴) پاؤں کو لنگڑا کر لے، کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے، تو نہ جاسکے۔ اگر یہ باتیں اُسکو حاصل ہو گئیں تو درویش ہے، ورنہ دروغ گو ہے۔

جو درویش اس دُنیا لے دنی کی عزت و جاہ کا خواستکار اور اہل دنیا کے لطف و کرم کا خواہاں ہو، وہ درویش نہیں ہے، بلکہ درویشوں کو بدنام کرنے والا اور طریقت کا مرتد ہے۔

جس درویش کے دل میں ذرہ برابر بھی دنیا کی محبت ہوگی وہ مردِ درویشیت ہے۔ درویشوں کا طریقہ تحمل ہے اور تحمل بھی ایسا کہ اگر کوئی شخص اس کی گردن پر ننگی تلوار رکھے، تو بھی اُس سے وہ خوش رہے اور اُس کیلئے بددعا نہ کرے۔

درویش کا مذہب تین چیزوں میں ہے۔ (۱) دنیا کا جاننا اور اُس سے ہاتھ اٹھا لینا (۲) مولا کی اطاعت کرنا، اور آداب کی رعایت رکھنا (۳) آخرت کی آرزو اور اُس کو طلب کرنا۔

ف: اے کاش! یہ صفات حسنہ ہلوگوں کو بھی عطا ہو جاتیں۔ (مرتب)

حضرت گنج شکرؒ نے راہ سلوک میں دل کی صلاحیت پر **صلاحیتِ دل** زیادہ زور دیا ہے اور اس کو سلوک کی اصل کہا ہے اور یہ صلاحیت اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو لقمہ حرام سے پرہیز اور اہل دُنیا سے

اجتناب کرتا ہے۔ ایک جگہ حضرت یحییٰ معاذ رازی کا قول نقل کر کے فرمایا ہے کہ حکمت اُس کے دل میں قرار پا سکتی ہے جس کے دل میں دنیا کی حرص نہ ہو، رشک و حسد نہ ہو، اور شرف و جاہ کی خواہش نہ ہو۔

معرفت معرفت کی تعریف یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کو اپنی معرفت حاصل نہیں ہوتی وہ دوسروں کے پیچھے مبتلا رہتا ہے، لیکن جب اس کو

حق سبحانہ و تعالیٰ کی محبت ہو جاتی ہے، تو پھر اُس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ اگر اُس کے پاس ہزاروں فرشتے بھی آئیں تو انکی طرف لنگھیبوں سے بھی نہ دیکھے۔ اور اگر اُس کو آنے کی خبر ہو جائے تو وہ کاذب و دروغ گو ہے۔

کرامت کرامت کے متعلق فرمایا کہ اُس کا اظہار کرنا پست حوصلہ والوں کا کام ہے۔ مشائخ نے اس کے اظہار کو پسند نہیں کیا ہے۔ کیونکہ

اس سے نفس میں تکبر پیدا ہوتا ہے۔ (راحت القلوب ص ۱۳۳) (بزم صوفیہ)
”اسرار الاولیاء“ میں باب ۱۲ فصلیں ہیں اور ہر فصل میں تصوف کے مستقل موضوع پر حضرت گنج شکر کے ارشادات ہیں، جس سے اس موضوع کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

رزق ایک جگہ فرمایا: راہ سلوک میں بندہ صادق وہ ہے جو رزق حاصل کرنے کے لئے پریشان خاطر نہ ہوتا ہو۔ اور اگر وہ اس کیلئے پریشان رہتا ہے تو وہ بد دین اور بد دیانت ہے۔ رزق کی چار قسمیں ہیں:-

(۱) رزق مقسوم (۲) رزق مذموم (۳) رزق مملوک (۴) رزق موجود۔
رزق مقسوم وہ رزق ہے جو رزقِ اول سے لوح محفوظ پر لکھ دیا گیا ہے، اُس میں کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی۔ رزق مذموم وہ رزق ہے کہ جتنا بھی ملے اُس پر قناعت

نہ کی جلے اور رزق مملوک وہ رزق ہے جو ضرورت کی کفالت کے بعد جمع کیا جائے
 رزق موعود وہ رزق ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے
 اور اُس کا مناسبت و رسی ہے۔ (اسرار الاولیاء ص ۱۸)

راہ سلوک کی سچائی یہ ہے کہ سالک ہر قسم کے رزق سے بے غم ہے۔ اگر وہ رزق
 کے لئے اندوہ گیس رہتا ہے تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، خداوند تعالیٰ خود اس کا
 رزق اُس کے پاس پہنچائے گا۔ پھر اُس کا توکل یہ ہونا چاہئے کہ اُس کو جو کچھ بھی ملے،
 راہ خدا میں دیدے۔ اگر رزق جمع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی تمام عنایتوں سے محسوس
 ہو جاتا ہے۔

توکل آگے چل کر ایک فصل میں بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ عاقل وہی شخص ہے جو
 دنیا کے تمام معاملات میں اللہ پر توکل کرتا ہے۔ توکل کی تشریح اس طرح
 کی ہے کہ متوکل کے ایمان میں خوف، رجا اور محبت ہو۔ خوف سے وہ گناہ کو ترک
 کرتا ہے اور رجا سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور محبت سے اللہ تعالیٰ کی رضا
 کے لئے تمام کمزوریاں سے باز آتا ہے۔

راہ سلوک میں توبہ ایک اہم چیز ہے۔ بابا گنج شکرؒ نے توبہ کی کچھ قسمیں بتائی ہیں۔
 (۱) توبہ دل۔ حسد، ریا، لہو و لعب اور تمام نفسانی لذتوں اور شہوت سے
 صدق دل سے باز آنا۔ اس سے دل کی آلائش دور ہوتی ہے جس کے بعد بندہ
 اور مولیٰ کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔

(۲) توبہ زبان: ناشائستہ، بیہودہ اور ناروا کلمات زبان پر نہ لانا، زبان
 صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر اور کلام پاک کی تلاوت کے لئے وقف ہونی چاہئے۔
 عشق حقیقی میں وہی سالک ثابت قدم رہ سکتا ہے جس نے دل اور زبان کی توبہ

سچائی سے کر لی ہو۔ زبان کی توبہ کے بغیر صرف دل کی توبہ سے وہ انوارِ عشق کی تجلی نہیں دیکھ سکتا ہے۔ آنکھ، کان، ہاتھ اور نفس زبان ہی کے تابع ہیں، اس لئے زبان کی توبہ سے یہ تینوں چیزیں بھی محفوظ رہتی ہیں۔

(۳) توبہ چشم: حرام چیز کو نہ دیکھنا، کسی کا عیب نہ دیکھنا، ظلم ہوتے ہوئے نہ دیکھنا۔ سالک جب مشاہدہ حق کر چکا ہو، تو پھر اُس کو دنیا کی کسی چیز پر نظر نہیں ڈالنی چاہئے۔

(۴) توبہ گوش، ذکر حق کے سوا کوئی اور چیز نہ سننا۔

(۵) توبہ دست: ناروا اور ناجائز چیزوں کو ہاتھ نہ لگانا۔

(۶) توبہ پا: حرام چیزوں کی طرف نہ جانا۔

(۷) توبہ نفس: ماکولات، شہوات اور لذات سے باز آ جانا۔

اس تقسیم کے علاوہ توبہ کی تین قسمیں اور کی ہیں۔

(۱) توبہ حال (۲) توبہ ماضی (۳) توبہ مستقبل۔ حال کا توبہ، گناہوں سے پشیمان اور نادم ہو کر باز آنا ہے۔ ماضی کی توبہ، اپنے دشمنوں کو خوش کرنا ہے۔ اگر تائب نے کسی کا ایک درہم بھی غصب کر لیا ہو تو اُس کو دس درہم واپس کرنا چاہئے، اگر اُس نے کسی کو برا کہا ہو، تو اُس کے پاس جا کر معافی مانگے۔ اور اگر وہ مر گیا ہو تو معذرت کے بجائے اُس کے نام سے غلام آزاد کرے۔ اور اگر شراب پیتا رہا ہو تو توبہ کے بعد اللہ کے بندوں کو سرد اور لطیف پانی پلائے۔

مستقبل کی توبہ یہ ہے کہ تائب آئندہ تمام گناہوں سے پرہیز کرنے

کے لئے عہد کرے۔ (بزم صوفیہ ص ۱۸۲)

تلاوت کلام پاک | حضرت گنج شکرؒ نے اگلی دو فصلوں میں مرشد اور پیر

کی خدمت اور تلاوت کلام پاک کی فضیلت کا ذکر کیا ہے۔ کلام پاک کی تلاوت کے متعلق فرمایا ہے کہ اس سے بہتر اور افضل ترک کوئی عبادت نہیں، کلام پاک کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔ اسی سلسلہ میں تصوف اور صوفی کی بھی جستہ جستہ بحث آگئی ہے۔ بابا **صوفی** گنج شکرؒ نے فرمایا کہ: صوفی وہ ہے جس کے دل میں اتنی صفائی ہو کہ اس کے صفائے قلب کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے۔

تصوف مولیٰ کی صفائے دوستی کا نام ہے۔ اہل تصوف وہ ہیں جو ہر وقت خاموش اور عالم تحریر میں مستغرق رہتے ہیں۔ اہل تصوف ایک ایسی قوم ہیں کہ جب وہ خدا سے پیوستہ ہو جاتے ہیں تو پھر ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی خبر نہیں ہوتی۔

تصوف کا کمال یہ ہے کہ اصحاب تصوف ہر روز پانچوں وقت نماز میں اپنے کو عرش پر دیکھتے ہیں۔

تصوف ایک اخلاق ہے اس لئے حضرت گنج شکرؒ نے ارباب تصوف کو اخلاقی ہدایتیں بھی دی ہیں۔ مثلاً صوفی دنیا اور دنیا کے لوگوں سے بے نیاز اور مستغنی ضرور رہتا ہے مگر کسی حال میں وہ دنیا کی مذمت اور بھج نہیں کرتا ہے، نہ اُس سے محبت اور نہ اُس سے عداوت رکھتا ہے۔ (بزم صوفیہ ص ۱۵۷)

محبت رسولؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک جب کبھی آتا تو زار و قطار روتے۔ ایک بار آپؐ کی وفات کا ذکر خود ہی فرمایا، اور جب بیان کر چکے تو آہ کھینچی اور نعرہ مارا، اور روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ اور جب ہوش آیا تو فرمایا، جس کے واسطے تمام عالم پیدا کیا گیا جب اُسی کو اس عالم سے اٹھالیا

گیا تو دوسرے بندوں کی کیا حیثیت ہے جو زندگی کی خواہش کے۔ (ہرم صوفیہ ص ۸۶)
بعض مفید ملفوظات

حضرت شیخ گنج شکرؒ کے بعض ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے طے ہیں۔ جن میں لکھا ہوا ہے کہ:- چار چیزوں کے بالے میں سات سو مشائخ سے سوال کیا گیا، تو سب نے ایک ہی جواب دیا:-

- (۱) گناہوں کو چھوڑنے والا ہی سب سے زیادہ عقلمند ہے۔
 - (۲) دانا اور حکیم آدمی وہ ہے جو کسی چیز پر غرور نہیں کرتا۔
 - (۳) قناعت کرنے والا ہی سب سے زیادہ مالدار اور غنی ہے۔
 - (۴) تارک قناعت ہی سب سے زیادہ محتاج اور غریب ہے۔
- نیز لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ کوئی بندہ اُس کے دربار میں دست سوال دراز کرے اور وہ اسے خالی واپس کر دے۔
- فرماتے تھے کہ: لوگوں کی سر دکامی کی وجہ سے اپنی سرگرمی نہیں چھوڑنی چاہیے۔
- شیخ جلال الدین رومیؒ فرمایا کرتے تھے کہ باتوں کا دل پر اثر ہوتا ہے۔ اس لئے اولاً ہر بات کے اول و آخر کو خوب جانچو اور پرکھو۔ اگر وہ کام کی بات ہے اور اللہ کیلئے ہے تو بات کہو، ورنہ خاموش رہو۔

فرماتے تھے کہ: ذلیل ترین انسان وہ ہے جو اپنے کو کھانے پینے اور پہننے میں مشغول رکھتا ہے۔

سفارش نامہ

بابا فرید الدین گنج شکرؒ کو کسی نے ایک معروضہ پیش کیا کہ سلطان غیاث الدین بلبن کو میرے لئے ایک سفارش نامہ تحریر فرما دیجئے۔ چنانچہ شیخؒ نے لکھا کہ

اس شخص کا معاملہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے آپ تک پہنچاتا ہوں کہ
 ”فان اعطیتہ شیئاً فامعطی ہو اللہ وانت المشکور وان لم تعطہ
 شیئاً فامانع ہو اللہ وانت المذکور۔“ (اخبار الاخیار فارسی ص ۵۲)

(ترجمہ) اگر آپ اسے کچھ عطا کریں تو حقیقتہً ”معطی“ اللہ تعالیٰ ہیں اور آپ مشکور،
 اور اگر عطا نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ہی مانع ہیں اور آپ مذکور۔ (اخبار الاخیار ص ۵۲)

ف: سبحان اللہ۔ سفارش کے کلمات کتنے بلیغ و بامعنی ہیں کہ سفارش
 بھی فزادی اور بادشاہ کو اُس کی حیثیت بھی بتلا دی۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

آخر عمر میں بھی تسک

عام طور پر مشائخ کو ابستدانی زمانہ میں فقر و فاقہ رہتا ہے
 مگر آخر عمر میں فتوحات، ہدایا اور تحائف کا دور آ جاتا ہے
 اُن کے اس طبعی ذوق کی وجہ سے باوجود رجوع عام اور اُمراء و خواص کی عقیدت کے
 انتقال سے پہلے پھر عزت اور تنگی کا دور شروع ہو گیا۔ ”سیر الادیار“ میں ہے کہ حضرت
 خواجہ نظام الدین جرنے فرمایا کہ:-

”حضرت شیخ شیوخ العالم کو آخر عمر میں کہ انتقال کا زمانہ قریب تھا،
 تنگی پیش آئی۔ میں ماہ رمضان میں موجود تھا، اتنا تھوڑا کھانا آیا کرتا تھا
 کہ موجود لوگوں کو کافی نہ ہوتا تھا، کسی رات بھی میں نے اُن دنوں سیر
 ہو کر کھانا نہ کھایا۔ سامان بھی خریدکھنے میں آتا تھا بہت معمولی اور برائے نام
 تھا، میں جب اخصت ہونے لگا تو حضرت نے خرچ کے لئے مجھے ایک
 سلطانی عطا فرمایا۔ اُس روز مولانا بدر الدین سحی کے ذریعہ پیغام پہنچا

عہ سک (غالباً اُس وقت کاروبار)

کہ آج توقف کریں، کل جائیں۔ جب افطار کا وقت ہوا تو حضرت شیخ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا، مجھے معلوم ہوا تو میں حضرت شیخ کی خدمت میں گیا۔ اور میں نے عرض کیا کہ حضرت کی بارگاہ سے مجھے ایک سلطانی عطا ہوا تھا، اجازت ہو تو اُس سے کچھ کھانے کا انتظام کر لیا جائے؟ حضرت نے اجازت مرحمت فرمائی اور بڑی دعائیں دیں۔ (سیر الاولیاء ص ۵۷)

صاحب "سیر الاولیاء" حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی روایت سے وفات کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:-

وفات کا حال

محرم کی پانچویں تاریخ کو بیماری میں شدت ہوئی، عشاء کی نماز جماعت کے ادا کی، نماز کے بعد بیہوشی طاری ہو گئی، ایک گھنٹی کے بعد ہوش آیا تو دریا کیا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پڑھ لی ہے، فرمایا دوبارہ پڑھ لوں، کیا خبر کیا ہو؟ دوبارہ نماز پڑھی اور پھر بے ہوش ہو گئے اس مرتبہ بیہوشی زیادہ سخت اور طویل تھی، پھر ہوش آیا اور پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا کہ دوبارہ پڑھ چکے ہیں۔ فرمایا کہ ایک بار اور پڑھ لوں، کون جانے کیا ہو؟ تیسری مرتبہ پھر پڑھی۔ اس کے بعد واصل بحق ہوئے۔ (سیر الاولیاء ص ۵۷)

تاریخ وفات ۵ محرم ۷۶۴ھ روزہ شنبہ ہے۔ اجد صحن (پاک پٹن) میں مدفون ہوئے۔ بعد میں سلطان محمد تغلق نے گنبد تعمیر کیا۔ (دعوت و غربیت ص ۵۷)

رَحِمَهُ اللہُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً

شیخ الاسلام بہاؤ الدین ابو محمد زکریا ملتانی قریشیؒ

نام و نسب | نام بہاؤ الدین زکریا، والد کا نام وجیہ الدین محمد ہے۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کے جد امجد حضرت کمال الدین شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم آئے، اور وہاں سے آکر ملتان میں سکونت اختیار فرمائی، یہاں اُن کے فرزند مولانا وجیہ الدین محمد تولد ہوئے۔ جن کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی لڑکی سے ہوئی۔ مولانا حسام الدین تاتاریوں کے حملہ کی وجہ سے ملتان کے نواح قلعہ کوٹ کروڑ میں متوطن تھے۔ مولانا وجیہ الدین بھی خسر کے ساتھ قلعہ کوٹ کروڑ میں رہنے لگے۔ اور یہیں حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کی ولادت باسعادت ۶۶۶ھ میں ہوئی۔

تعلیم | باہ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار عالم جاودانی کو سدھارے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد کلام پاک حفظ کرنا شروع کیا، ساتوں قرار توں کے ساتھ حفظ کر چکے تو مزید تعلیم کے لئے خراسان کی طرف چل کھڑے ہوئے یہاں پہنچ کر سات سال تک بزرگان دین سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے۔ وہاں سے بخارا جا کر علم میں کمال حاصل کیا۔ اُن کے اوصاف پسندیدہ اول خاصا جمیدہ کی وجہ سے بخارا کے لوگ اُن کو بہاؤ الدین فرشتہ کہا کرتے تھے۔ یہاں آٹھ سال تک تحصیل علم کرتے رہے۔ پھر بخارا سے حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ گئے۔ وہاں سے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور پانچ سال تک جوار رسولؐ میں زندگی بسر کی۔ اس مدت میں مولانا کمال الدین محمد سے

جو اپنے عہد کے جلیل القدر محدث تھے حدیث پڑھی۔ مولانا کمال الدین محمد نے
ترین سال تک مجاور کی حیثیت سے حرم نبوی کی خدمت کی۔ حضرت بہاؤ الدین
زکریا نے حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد روضہ اقدس کے پاس تزکیہ قلب اور
تصفیہ باطن کے لئے مجاہدہ شروع کیا، پھر وہاں سے چل کر بیت المقدس پہنچے اور
وہاں سے بغداد شریف گئے۔

بیعت بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سروردی قدس سرہ العزیز کی
صحبت سے فیضیاب ہو کر خرقہ خلافت پایا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء
فرماتے ہیں کہ شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس سرہ نے اپنے مرشد کے پاس صرف شتر روز قیام
فرمایا تھا کہ ان کو پیر دستگیر کی طرف سے ساری روحانی نعمتیں مل گئیں اور خرقہ خلافت
سے بھی سرفراز کئے گئے۔ اس سے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سروردی
کے دوسرے مریدوں کے دل میں رشک پیدا ہوا اور شیخ سے عرض کیا کہ ہم نے
اتنے دنوں تک خدمت کی، لیکن ہم کو ایسی نعمت نہیں ملی۔ مگر ایک ہندوستانی
آیا اور تھوڑی سی مدت میں شیخ ہو گیا اور بڑی نعمت پائی۔

مگر شیخ نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ تم ترک لکڑیوں کے مانند ہو جن پر
آگ مشکل اور دیر سے لگتی ہے، بہاؤ الدین زکریا خشک لکڑی کے مانند تھے
جس میں آگ جلد اثر کرتی ہے۔

عظمت مرشد خرقہ خلافت پانے کے بعد حضرت بہاؤ الدین زکریا کو مرشد
کی طرف سے حکم ملا کہ ملتان واپس جا کر قیام کرو اور وہاں کے
باشندوں کو فیض پہنچاؤ۔ حضرت جلال الدین تبریزیؒ بھی شیخ الشیوخ کے ساتھ
مقیم تھے۔ جب حضرت بہاؤ الدین زکریا بغداد سے رخصت ہونے لگے

تو غایتِ محبت میں وہ بھی اپنے پیر سے اجازت لے کر اُن کے ساتھ ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال الدین تبریزی حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ ملاقات کے بعد واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ نے اُن سے دریافت کیا کہ آج کی سیر میں درویشوں میں کس کو سب سے بہتر پایا؟ بولے، شیخ فرید الدین عطار کو۔ حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ نے پوچھا کہ اُن سے کیا کیا صحبت رہی؟ جواب دیا کہ مجھ کو دیکھتے ہی اُنھوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کا کہاں سے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا، خطہ بغداد سے آیا ہوں۔ پھر استفسار کیا کہ وہاں کون درویش مشغول بحق ہے؟ تو میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ نے حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے پوچھا کہ اپنے مرشد شہاب الدین سہروردیؒ کا ذکر کیوں نہ کیا؟ جواب دیا کہ شیخ فرید الدین کی عظمت میرے دل پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کو بھول گیا۔ یہ سن کر شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کو بہت ملال ہوا، اور وہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے علیحدہ ہو کر ملتان چلے آئے اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ خراسان جا کر مقیم ہوئے۔

قیام ملتان | ملتان کی مدتِ قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا تھا اور اُن کا عہد خیر الا عصار کہلاتا ہے۔

شیخ محمد نور بخش مؤلف سلسلۃ الذہب میں رقمطراز ہیں :-
 ”حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ ملتان فی قدس سرہ ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے۔ علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات

کے مقامات و احوال میں کامل تھے۔ اُن سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے
منشعب ہوئے، لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور اُن کو کفر سے
ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت
سے روحانیت کی طرف لائے۔ اور اُن کی شان بڑی تھی۔

سفینۃ الاولیاء میں ہے:-

”حضرت شیخ الشیوخ سے رخصت ہو کر ملتان آئے اور

یہیں توطن اختیار کیا۔ رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے تو بہت سے

لوگوں نے اُن سے ہدایت کی برکت پائی۔ اور اُس دیار کے تمام

لوگ اُن کے مرید و معتقد ہو گئے۔ اُس دیار میں تمام مرید اُنہی کے ہیں۔

رشد و ہدایت عوام و خواص دونوں کے لئے تھی۔ اور دونوں طبقوں کو اپنی

ذات بابرکت سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے۔ اُس وقت ملتان کا حکمران

ناصر الدین قباچہ تھا، جو سلطان شمس الدین التمش کا حریف بھی تھا۔ حضرت شیخ

بہاؤ الدین زکریاؤ کا قلبی رجحان سلطان التمش کی طرف تھا، کیونکہ جیسا کہ ذکر

آچکا ہے وہ اپنے زہد و تقویٰ، دینداری اور شریعت کی پاسداری کے لحاظ سے

اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ناصر الدین قباچہ نے سلطان التمش کی بڑھئی

ہوئی سطوت و قوت کو دیکھ کر اُس کے خلاف معاندانہ سازش شروع کی۔ اس کو

ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی اور خود شیخ بہاؤ الدین زکریاؤ نے پسند

نہ کیا۔ قاضی شرف الدین اصفہانی بہت ہی متدین عالم تھے انھوں نے دین کی

فلاح اسی میں دیکھی کہ سلطان التمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دیں۔ شیخ

بہاؤ الدین زکریاؤ نے بھی اُن کی حمایت کی، اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان

التمش کو خطوط لکھے، مگر دونوں مکتوب قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے۔ قباچہ اُن کو پڑھ کر بہت مشتعل ہوا اور ایک محضر کے ذریعہ دونوں کو طلب کیا، جب وہ دونوں بزرگ مجلس میں تشریف لے گئے تو قباچہ نے شیخ بہاؤ الدین زکریا کو اپنی داہنی جانب بٹھایا اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے روبرو بیٹھنے کا حکم دیا، اور اُن کا خط اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاضی شرف الدین اصفہانی نے خط پڑھ کر خاموشی اختیار کی۔ قباچہ نے غصہ میں جلاؤ کو حکم دیا کہ اسی وقت یہ تہ تیغ کر دے جائیں جلاؤ نے آگے بڑھ کر سر قلم کر دیا۔

جب شیخ بہاؤ الدین زکریا کے ہاتھ میں اُن کا مکتوب دیا گیا، تو اُنھوں نے اُس کو دیکھتے ہی فرمایا کہ بیشک یہ میرا خط ہے، مگر میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔ یہ سن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہو گیا اور اُس نے معذرت کر کے شیخ بہاؤ الدین زکریا کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

فیاضی مگر خلق کی خاطر شاہی احکام کے ساتھ اشتراک عمل کرنے میں بھی دریغ نہ فرماتے۔ ملتان میں ایک بار سخت قحط پڑا، والی ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا نے غلہ کی ایک بڑی مقدار اپنے ہاٹ اُس کے پاس بھیجی۔ جب غلہ اُس کے پاس پہنچا تو اُس کے انبار سے نفرتی تنکے کے سات کوزے بھی نکلے۔ والی ملتان نے شیخ کو اس کی اطلاع دی۔ تو اُنھوں نے فرمایا، ہم کو پہلے سے معلوم تھا، لیکن غلہ کے ساتھ اسے بھی ہم نے بخشا۔

مع فائدہ الفوائد ص ۱۲۰، یہ العارفين ص ۱۱۳، تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۷۔ فائدہ الفوائد میں بھی ہے کہ قباچہ نے اُسی وقت کھانا منگوایا کہ اگر شیخ بہاؤ الدین زکریا کھانے میں اُس کے ساتھ شریک نہ ہوں گے تو اسی بہانہ سے اُن کو ایذا پہنچا دینگا۔ مگر شیخ بہاؤ الدین زکریا بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانے میں شریک ہو گئے۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے، لیکن اُن کو ان نعمتوں کے کھانے میں اُسی وقت لذت ملتی، جب وہ مہمانوں، مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے۔ جس شخص کو دیکھتے کہ وہ کھانا رغبت سے کھاتا ہے تو اس کو بہت دوست رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فقرہ کی ایک بڑی جماعت دسترخوان پر بیٹھ چکی تھی۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ نے ہر فقیر کے ساتھ لقمہ کھایا، ایک فقیر کو دیکھا کہ روٹی شور بے میں بھگو کر کھا رہا ہے۔ فرمایا: سبحان اللہ! ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے۔

استغفار | حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کو کبھی دولت کی کمی محسوس نہ ہوئی، مگر وہ خود اُس سے ہمیشہ مستغنی و بے نیاز رہے۔ ایک روز خادم سے فرمایا، جاؤ، جس صندوقچہ میں پانچ ہزار دینار سرخ رکھے ہیں اُس کو اٹھا لاؤ۔ خادم نے ہر چند تلاش کیا مگر صندوقچہ کہیں نہ ملا۔ وہ مایوس ہو کر واپس آیا اور شیخ کو اطلاع دی، تو کچھ تامل کے بعد فرمایا، الحمد للہ۔ تھوڑی دیر کے بعد خادم بھر آیا اور صندوقچہ مل جانے کی اطلاع دی، پھر الحمد للہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ حاضرین نے عرض کیا کہ حضرت نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمد للہ فرمایا، اور مل جانے پر بھی، اس میں کیا حکمت تھی؟ ارشاد فرمایا کہ فقیروں کے لئے دُنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں۔ اُن کو کسی چیز کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے اور نہ ان کے جلنے کا غم ہوتا ہے۔ اور پانچوں ہزار دینار حاجتمندوں میں تقسیم کرادیئے۔

بردباری | مزاج میں حلم و بردباری بہت تھی۔ ایک روز خانقاہ میں تشریف لے کر گئے تھے کہ دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور اُن سے مالی مدد کی خواستگار ہوئی۔ اُنھوں نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا،

اس پر قلندروں نے گستاخی شروع کر دی۔ وہ اینٹ پتھر سے اُن کو مارنے لگے۔ حضرت شیخ نے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو۔ جب دروازہ بند ہو گیا، تو قلندروں نے دروازہ پر پتھر مارنے شروع کئے۔ حضرت شیخ نے کچھ تامل کے بعد خادم سے فرمایا، دروازہ کھول دو، میں اس جگہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ کاٹھایا ہوا ہوں، خود سے نہیں بیٹھا ہوں۔ خادم نے دروازہ کھول دیا۔ اُس وقت قلندر نادام ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔

تواضع غایت تواضع میں اپنی تعظیم و تکریم پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار خانقاہ میں کچھ مرید حوض کے کنارے دھوکہ رہے تھے، حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ اُن کے پاس پہنچ گئے۔ مریدوں نے وضو ختم بھی نہیں کیا تھا کہ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور سلام عرض کیا، مگر ایک مرید نے وضو تمام کر کے مراسم تعظیم ادا کئے۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ نے فرمایا، تم سب درویشوں میں افضل اور زاہد ہو۔ شیخ نے اپنی تعظیم پر شریعت کی تعظیم کی قدر فرمائی۔ (درتبہ) مگر وہ خود دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جب وارد ہندوستان ہوئے اور ملتان آکر ٹھہرے تو حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ اُن سے تعظیم اور محبت و شفقت سے ملے اور اصرار کر کے کچھ دنوں ان کو اپنے یہاں روکا۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ بھی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ چنانچہ جب معتقدین نے ان کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاؤ الدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے، یہاں انہی کا تعلق ہے، انہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔

محبت و مودت حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ بابا گنج شکرؒ کی بھی بہت عزت

کرتے تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ دونوں خال زاد بھائی بھی تھے اور باہم بڑی محبت و مودت تھی۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ نے ایک موقع پر کسی بات کی معذرت کرتے ہوئے بابا صاحب کو لکھا:-

”میان ماوشما عشق بازی است“

(ترجمہ: ہمارے اور آپ کے درمیان عشق بازی ہے۔)

بابا گنج شکرؒ نے اس کا جواب دیا:-

”میان ماوشما عشق است بازی نیست“

(ترجمہ: ہمارے اور آپ کے درمیان عشق ہے کھیل تماشہ نہیں ہے۔)

(بزم صوفیہ ص ۱۳۳)

فراست | آپ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ کا شمار ہندوستان کے اکابر اولیاء میں ہوتا ہے۔ ظاہری کمالات، بلند مراتب اور اعلیٰ برکات و فیوض سے آراستہ تھے۔

منقول ہے کہ آپ جس وقت صاحب کمال و برکات ہو کر ملتان تشریف لائے تو اکابر ملتان میں کچھ حسد ظاہر ہوا۔ اور بطور کنایہ آپ کی خدمت میں دودھ سے لبالب بھرا ہوا ایک پیالہ بھیجا۔ مطلب یہ تھا کہ اس شہر میں کسی کی گنجائش نہیں ہے۔ شیخ نے اس اشارہ کا مطلب سمجھ کر دودھ کے پیالہ پر ایک پھول رکھ کر واپس فرما دیا۔ مقصود یہ تھا کہ ہمارا مقام اس شہر میں اس طرح رہے گا جس طرح دودھ پر پھول رکھا ہوا ہے۔ اکابر ملتان اس حسن ادا پر حیران رہ گئے اور آپ کی کرامات کے معترف و مطیع ہو گئے۔ (انجاء الایضار ص ۱۱۱)

ف: حضرت مصلح الامت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ جب اپنے وطن سے الگ ہوئے

تشریف لائے تو اس واقعہ کو اہل الہاد کو بار بار سنایا، شاید یہاں بھی حضرت کو شک ہوا ہو گا کہ یہاں کے مشائخ کو میرا آنا ناگوار خاطر نہ ہوا ہو، اسلئے اشارہ فرمایا کہ ہم بار خاطر نہیں بلکہ مفید ثابت ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی حضرت نے الہاد کے خواص و عوام کیساتھ سلوک فرمایا۔ (مرتب)

ارشادات

آپ کے ہم عصر ایک شیخ نے آپ سے فقر و غنا کے بارے میں گفتگو کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اپنے تمام اسباب کے ساتھ بھی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔
 قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ (یعنی آپ فرمادیجئے کہ دنیا کی بہار چند روزہ ہے)
 اور ظاہر ہے کہ اس تمام دنیا میں سے ہمارے پاس کتنا ہے۔ (جس کی کچھ وقعت ہو۔)

”جمع الاخبار“ میں شیخ بہار الدین کی نصیحتوں کے باب میں تحریر ہے کہ
 ”ہر بندہ پر لازم ہے کہ صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے
 اور یہ کیفیت اس وقت نصیب ہوگی جبکہ عبادت و ذکر میں غیر اللہ کی نفی اور
 دوسروں کا دل سے محو کر دینا ہو۔ اور اس حالت کا حصول احوال کی درستگی
 اور اقوال و افعال میں محاسبہ نفس پر موقوف ہے۔ لہذا بغیر ضرورت کے نہ کوئی
 بات ہو اور نہ کوئی کام۔ اور ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تعالیٰ سے التجا و تضرع
 اور اسی سے استعانت ہو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اسے نیک عمل کی توفیق دے۔“

ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک مرید کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ”ہمیشہ
 ذکر الہی میں مشغول رہو۔ کیونکہ ذکر سے طالب اپنے مطلوب تک پہنچتا ہے۔ اور
 محبت ایسی آگ ہے جو ہر قسم کے میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے۔ اور جب محبت

مستحکم ہو جاتی ہے تو ذکر مشاہدہ مذکور کے ساتھ ہوتا ہے اور یہی وہ ذکر کثیر ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے فلاح و کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" (یعنی بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔)

ایک دوسرے خط میں ایک مرید کو تحریر فرمایا کہ "کم کھانے سے جسم تندرست رہتا ہے اور گناہوں کے ترک کر دینے سے روح کو سلامتی ملتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے دین سلامت رہتا ہے۔" (اخبار الاخیار ص ۶۵)

ف: سبحان اللہ، کیا خوب نصیحتیں ہیں جو لائق عمل ہیں۔ (مرتب)

وفات

سند وفات میں اختلاف ہے۔ "راحتہ القلوب" میں سال وفات

۶۵۶ھ، "سیر الاولیاء" (ص ۹) میں ۶۶۷ھ، "اخبار الاخیار"

میں ۶۶۱ھ، "سفینۃ الاولیاء اور فرشتہ" میں ۶۶۶ھ اور "مرآۃ الاسرار"

میں ۵۶۵ھ ہے۔ نور اللہ مستدک۔

(بزم صوفیہ ص ۱۲۲)

حضرت الشیخ عبد الغفار قوصی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۶۷ھ

تعارف

آپ شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں خاص مقام رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طاعات میں اپنے نفس کے تابع تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ اپنے لڑکے کے ساتھ کد و تناول فرما رہے تھے اسی درمیان اپنے لڑکے سے فرمایا کہ کد و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرغوب تھا لڑکے نے کہا کہ یہ تو گندی چیز ہے۔ یہ سنتے ہی شیخ نے تلوار سے اپنے لڑکے کی گردن اڑادی اور صاحب شریعت علیہ السلام کی محبت کو اپنے ثمرہ دل کی محبت پر ترجیح دیا۔

ف: یہ تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت کا ثمرہ۔ مگر اب تو صرف دعوائے محبت ہے، حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ (مرتب)

ارشاد

فرماتے تھے کہ اہل اللہ پر منکرین کے کلام کی حیثیت پہاڑ پر مچھکے کے پھونک جیسی ہے کہ جس طرح اس کے پھونک سے پہاڑ پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا، ویسے ہی اہل اللہ منکرین کے انکار سے لٹس سے لٹس نہیں ہوتے۔

وفات

آپ کی وفات کچھ اوپر ۱۳۶۷ھ میں ہوئی۔ (طبقات ص ۱۶۱)

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۶۲ھ

نام و نسب | محمد نام، لقب جلال الدین، شہرت مولانا روم یا مولانا رومی کے لقب سے ہے۔ آپ کا نسب باپ کی جانب سے نو واسطوں سے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مل جاتا ہے۔ اور ماں کی جانب سے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے۔

مولانا کے آبائے کرام بلخ واقع خراسان کے رہنے والے تھے۔ مولانا ۷ کی وہیں پیدائش ہوئی۔ مولانا کے پدری و مادر سی سلسلہ میں اجلہ علماء اور سلاطین وقت ہیں۔ مولانا کی دادی ملکہ جہاں شاہان خوارزم کے خاندان سے تھیں۔

عہ اپنی خوش نصیبی، الحمد للہ علی احسانہ کہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصال اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی عقیقہ خاتون (رحمہا اللہ تعالیٰ) سے ۷۳۰ھ مطابقت ۷۶۲ھ میں عقد ہوا تو اس وقت میں دارالعلوم مئوین فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ عقد کے بعد حضرت کی خدمت میں بغرض تعلیم آگیا، یہاں ہمارے بھائی مکرم قاری محمد مبین صاحب زید مجدہ انہی کتابوں کو حضرت مصلح الامتؐ سے پڑھ رہے تھے، تو میں بھی شریک ہو گیا۔ ان اسباق میں "ثنوی مولانا روم" بھی زیر درس تھی، خود حضرت مصلح الامتؐ پڑھاتے تھے۔ ثنوی کی شرح "کلید ثنوی" مؤلفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحبہا تھانویؒ کے سامنے رہتی تھی، حضرت بہت فوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ چنانچہ دفتر اول و ششم کا مکمل حضرت نے درس دیا۔ فجر اہم اللہ تعالیٰ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بزرگوں کا ذوق و حال عطا فرمائے۔

۷۶۲ھ ۱۳۶۹ھ میں وفات ہو گئی۔ (مرتب)

مولانا کے والد کا نام محمد اور لقب بہاء الدین ولد تھا، ان کی ولادت غالباً ۷۳۳ھ میں ہوئی۔ حضرت بہاء الدین ولد نو عمری ہی میں تمام علوم میں کامل و ماہر ہو گئے تھے۔ آپ کے علم و فضل کی کیفیت یہ تھی کہ اقصاء خراسان سے مشکل فتاوے آپ ہی کے پاس آتے تھے۔ مجلس کا طریق بادشاہوں کا سا تھا، سلطان العلماء خطاب بھی تھا۔ معمول تھا کہ صبح سے دوپہر تک درس عام ہوتا، ظہر کے بعد اپنے خاص اصحاب کے حلقہ میں حقائق و معارف بیان فرماتے۔ دو شنبہ اور جمعہ کو عام وعظ کتے، مہیت منایاں رہتی اور ہمیشہ متفکر معلوم ہوتے۔ (دعوت و عزیمت ص ۳۳)

مولانا روم کی تاریخ ولادت | آپ کے صاحبزادہ مولانا جلال الدین رومی ۶۰۲ھ کو پیدا ہوئے، تو ۶۰۲ھ کا تاریخ اول ص ۱۰۲ | آپ کے والد سلطان العلماء نے اپنے مریدین میں سے ایک بلند پایہ بزرگ سید برہان الدین محقق ترمذی کو اپنے صاحبزادے کا اتالیق و مربی مقرر فرمایا۔ اور ۵۴ سال کی عمر تک مولانا آپ ہی کے زیر تربیت رہے۔ اور اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ ہی کے زیر ہدایت منازل سلوک طے کئے۔

مولانا کے والد ماجد کی بلخ سے ہجرت | مگر افسوس کہ مولانا کے والد ماجد کا جب اثر و رسوخ زیادہ بڑھا اور آپ کی دعوت و نصیحت کا حد سے زیادہ چرچا ہونے لگا، اور آپ کے مریدوں کی تعداد بے شمار ہو گئی تو بعض علماء عصر کو معصری کی بناء پر آپ سے رشک و حسد ہونے لگا، یہاں تک کہ بادشاہ سے جھوٹی شکایت کر کے بادشاہ کو بدظن کیا، جس کی وجہ سے آپ کو بلخ سے ہجرت کرنی پڑی۔ چنانچہ

آپ کے والد ماجد بلخ سے اس شان سے روانہ ہوئے کہ جس شہر کے قریب پہنچے تھے وہاں کے علماء و امراء شہر سے باہر نکل کر آپ کا استقبال کرتے تھے اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر لاتے تھے۔ بغداد، مکہ معظمہ، دمشق اور مختلف بلاد و مقامات سے ہوتے ہوئے آپ ملاطیہ پہنچے، آقشہر میں آپ نے چار سال قیام فرمایا اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آقشہر سے لارندہ تشریف لائے جو توابع قونیہ سے تھا۔

مولانا قونیہ میں | علاء الدین کی قباد سلطان روم کی خواہش و درخواست پر آپ ۶۲۶ھ میں قونیہ تشریف لے گئے، سلطان نے خود استقبال کیا، محل کے قریب گھوڑے سے اتر پڑا اور بڑی فروتنی کا اظہار کیا۔ آپ نے مدرسہ قونیہ میں قیام فرمایا۔ سلطان مع اکثر امراء کے مرید ہو گیا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیسہ من یشاء۔

یہاں تک کہ آپ کے والد محترم حضرت مولانا بہاء الدین ولد نے قونیہ میں دو برس قیام فرماتے کے بعد ۶۲۸ھ میں وہیں انتقال فرمایا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ اس تمام مدت میں مولانا ہمیشہ اپنے والد کے ہمراہ رہے اور علوم ظاہری و باطنی آپ سے حاصل کرتے رہے۔ ۶۲ برس کے سن میں آپ شہر (قونیہ) میں وارد ہوئے جو آئندہ آپ کا مسکن و مدفن بننے والا تھا۔

قونیہ میں سلطان کے اتالیق امیر بدر الدین گہر تاش نے آپ کے تبحر علمی اور خداداد ذہانت سے متاثر ہو کر آپ کے لئے مدرسہ خداداد تعمیر کیا، اور اس کے لئے بہت بڑا وقف کیا۔

سلطان علاء الدین کی قباد آپ کی بڑی تعظیم کرتا تھا اور آپ سے بڑی

عقیدت رکھتا تھا۔ سلطان نے جب قونیہ کا قلعہ تیار کیا تو ایک روز آپ نے سیر کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ ”دفعہ سیل و منع خیل کے لئے اچھا ہے، مگر مظلوموں کی تیر دعا کا کیا علاج آپ نے سوچا ہے جو ہزاروں لاکھوں برجوں سے گزر جاتی اور عالم کو خراب کر ڈالتی ہے، اس لئے عدل و انصاف کا قلعہ بنائیے، کہ اُس میں دنیا کا امن اور عاقبت کی خیر ہے۔“ سلطان پر اس نصیحت کا بڑا اثر ہوا۔

ف: سبحان اللہ! عالم ربانی نے سلطان وقت کو کیسی نصیحت فرمائی اور کلمۂ حق عِنْدَ سُلْطَانِ جَائِد کا حق ادا فرمادیا۔ کثر اللہ اَمَثَلُھُمْ اور سلطان کی بھی سعادت تھی کہ عالم ربانی کی نصیحت کو قبول کیا، برا نہ مانا۔ (مرتب)

چنانچہ مولانا بہار الدین ولد کے انتقال کے بعد سلطان وقت امر مار واکا بر کے اتفاق رائے سے آپ مولانا کے جانشین ہوئے اور آپ نے سلسلہ درس و تدریس اور تلقین و ارشاد کو بدستور جاری رکھا، سید برہان الدین محقق ترمذی جو آپ کے تالیق رہ چکے تھے اور ترمذ کو چلے گئے تھے، مولانا بہار الدین ولد کے انتقال کے بعد قونیہ تشریف لائے، مولانا آپ کے مدید ہو گئے، اور اپنے والد ماجد کے بعد مراتب سلوک آپ ہی سے ملے گئے۔ نو برس مولانا کی آپ سے صحبت رہی۔ ۶۳۷ھ میں انھوں نے انتقال کیا۔

ف: معلوم ہوا کہ یہ حضرات جب تک تمام سلوک پر اطمینان نہیں

عہ یعنی قلعہ تو محض سیلاب کے روکنے اور لشکر کے دفع کے لئے ہے۔

ہو جاتا تھا، یکے بعد دیگرے شیخ سے تعلق قائم فرماتے تھے۔ (مرتب)

مولانا روم کے تعلیمی سفر اور مشاغل | ۱۳۳۰ھ میں مولانا نے مزید تکمیل علوم و کتاب فیض کے لئے شام کا سفر

کیا اور حلب میں وارد ہوئے، حلب سے پھر دمشق تشریف لے گئے، پھر وہاں سے قونیہ میں مستقل قیام فرمایا، درس و تدریس کا مستقل سلسلہ قائم فرمایا، اس کے علاوہ مولانا کا دوسرا شغل یا فرض و عہدہ کنا تھا، فتویٰ نویسی کا شغل بھی مستقل تھا۔ بیت المال سے مولانا کے لئے ایک دینار مقرر تھا، اُسے اسی

فتویٰ نویسی کا معاوضہ تصور فرماتے تھے، اور اس معاملہ میں اس قدر سخت تھے کہ جب فقر کا رنگ غالب ہوا، اور مجلس میں مستغرق رہنے لگے، اُس وقت بھی حکم تھا کہ جس وقت بھی کوئی فتویٰ آئے فوراً خبر کی جائے، قلم و دوات ہمہ وقت ساتھ رہتا تھا اور جواب لکھتے رہتے تھے۔ (دعوتِ عربیت ص ۲۲)

انقلابِ حال | یہ حالت ۱۳۳۲ھ تک قائم رہی۔ اس کے بعد مولانا کی زندگی میں وہ واقعہ پیش آیا جس نے

زندگی میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا، اور مولوی جلال الدین قونوی کو مشہور روزگار مولانا نے روم بنادیا۔ یہ واقعہ مولانا کی شمس تبریز سے ملاقات اور اُن کی ذات سے شیفتگی و فانیّت تھی۔

مولوی ہرگز نہ مولائے روم تا غلامِ شمس تبریزی نشد
مولانا روم کی شیخ شمس تبریز سے ملاقات | آپ سے فرمایا کہ روم

جاؤ، وہاں ایک دل سوختہ ہے اُسے روشن کراؤ۔ دو شنبہ ۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ

کو قونیہ پہنچے اور شکر فرشتوں کے محلہ میں قیام فرمایا۔ ایک روز دیکھا کہ مولانا سوار چلے آ رہے ہیں اور لوگ گرد و پیش استفادہ کر رہے ہیں۔ شمس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ ریاضات و علوم کی غرض کیا ہے؟ مولانا نے کہا، آداب شریعت کا جاننا، شمس نے کہا، نہیں! غرض یہ ہے کہ معلوم تک رسانی ہو جائے، اور حکیم سنانی کا یہ شعر پڑھا ہے

علم کز تو ترانہ بستاند جہل ازاں علم بہ بود بسیار
(ترجمہ: علم جب تک تم کو اپنے اختیار سے نہ نکال دے، اُس وقت تک جہل اُس علم سے کہیں بہتر ہے۔)

مولانا اس سے متغیر و متحیر ہوئے اور تیر نشانہ پڑ بیٹھا۔ مولانا حضرت شمس کو ہمارے کر اپنے مقام پر آئے اور بقول افلاکی چالیس روز تک حضرت شمس کے ساتھ ایک حجرہ میں رہے، جس میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ سید سالار نے لکھا ہے کہ چھ ماہ تک صلاح الدین زرکوب کے حجرہ میں دونوں بزرگ عزت نشین رہے۔ سوائے شیخ صلاح الدین کے کسی کو مجال نہ تھی کہ حجرہ میں داخل ہو سکے۔

شمس کی ملاقات نے مولانا کو نئی روح اور حقائق و اذواق کی نئی دنیا

عہ صاحب الثنوی کی مختلف روایات میں اس لطیفیت کو انتخاب کیا گیا ہے، یہ روایت تذکرہ دولت شملہ کی ہے ۱۹۶۹ء
فرزاد فر نے اس سلسلہ کی تمام روایات کو نقل کر کے ان سے بے اطمینانی کا اظہار کیا اور شمس سے مولانا کے تاثر و فریفتگی کا سبب کسی اچانک واقعہ اور تصرف کو قرار نہیں دیا بلکہ مرغانِ خدا کی تلاشِ عشق و اہل عشق سے مولانا کی مناسبت فطری کو قرار دیا ہے۔ (دعوتِ دعوتیت ص ۱۲۵)

ماخوذ ہو، زندگانی جلال الدین محمد ص ۶۸-۶۹ (ندوی)

عطا کی۔ وہ خود فرماتے ہیں س

شمس تبریزی ہمارا حقیقت بنمود ماز فیض قدم اوست کہ ایمان داریم
درجہ: حضرت شمس تبریزی نے ہم کو راہ حقیقت دکھلایا، انہی کے فیض قدم
سے ہم صاحب ایمان ہوئے۔)

ابھی تک مولانا استادِ دوراں تھے اور خود صاحبِ سجادہ تھے، اور علماء
و طلبہ و صوفیہ مستفید و طالب، اب مولانا مستفید و طالب تھے اور شمس تبریزی
صاحبِ فیض و ارشاد۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شمس کی ملاقات کے بعد مولانا نے درس
و تدریس، وعظ گوئی وغیرہ سب یک قلم ترک فرمادیا۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۳۶)

شیخ صلاح الدین زرکوب | اس کے بعد مولانا روم کا ساتھ حضرت
شمس تبریزی سے چھوٹ گیا۔ جسکی تفصیل

کتاب دعوت و عزیمت میں پڑھی جاسکتی ہے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ اس کے بعد
مولانا روم نے صلاح الدین کو اپنا ہماراز و خلیفہ بنایا۔ ۱۳۱۶ھ میں آپ نے
ان کو اپنا جلیس خاص بنایا، اور حضرت شمس الدین کے بجائے ان کو اپنا
معین و دمساز قرار دیا۔

شیخ صلاح الدین قونیہ کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے
غریب والدین کی اولاد تھے جو ماہی گیری کیا کرتے تھے، خود شیخ صلاح الدین
نے زرکوبی کا پیشہ اختیار کیا، ابتدائے حال سے امانت و دیانت میں مشہور
تھے، سید برہان الدین جب قونیہ آئے تو آپ اُن کے مرید ہو گئے اور ان کی
نظروں میں اختصاص خاص پیدا کیا۔ سید کے انتقال کے بعد مولانا سے تجدیدِ بیعت
کی، انتقال سے دس برس قبل مولانا سے آپ کو وہ قرب حاصل ہوا۔ اس

دس سال مدت میں آپ مولانا کے خلیفہ خاص رہے۔ شیخ نے یکم محرم ۶۵۷ھ میں انتقال فرمایا۔

چلیپی حسام الدین | شیخ صلاح الدین کے انتقال کے بعد مولانا نے چلیپی حسام الدین ابن انخی ترک کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا۔ چلیپی حسام الدین مولانا کے ممتاز مریدوں میں سے تھے اور مولانا کے انتقال کے بعد گیارہ برس تک مولانا کی خلافت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ اصلاً ترک اور وطناً رموی تھے اور روم کے مشہور اور ذی اثر خاندان انخی سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت شمس تبریزی اور شیخ صلاح الدین سے بھی آپ کو ارادت تھی اور ان لوگوں کے فیض سے بھی آپ بیش از بیش متمتع ہوئے تھے۔ حضرت حسام الدین چلیپی نے اپنے تمام ملازموں اور غلاموں کو حکم دیدیا کہ اپنے طور پر کام کریں، آہستہ آہستہ اپنا کل ملوکہ مولانا کی خدمت میں صرف کر دیا۔ آخر میں غلاموں کو بھی آزاد کر دیا۔ مولانا کا پاس ادب اس قدر ملحوظ تھا کہ مولانا کے وضو خانہ میں کبھی وضو نہ کرتے، سخت سے سخت بُری ہوتی، برف پڑتی ہوتی، مگر گھر جا کر وضو کر کے آتے۔ دوسری طرف مولانا بھی آپ سے اس طرح بیش آتے کہ دیکھنے والوں کو گمان ہوتا کہ مرید ہیں۔

عہ چلیپی ترکی زبان میں سیدی کا ہم معنی ہے سے فروزانفر نے ان کی تاریخ ولادت ۶۲۲ھ لکھی ہے۔ سے مولانا کو جو کچھ فتوحات ہوئیں سب چلیپی کے پاس بھیج دیتے۔ صاحب زادہ سلطان ولد نے ایک مرتبہ شکایت کی تو فرمایا کہ ”واللہ باللہ تامل من کہ اگر صدر اکمل زاہد را حالت مخفہ واقع شود و بیم ہلاکت باشد و مارا یگتا ناں باشد آن را ہم (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

مثنوی کی تحریک | مثنوی شریف کی تصنیف اسی زمانہ کا کارنامہ ہے، اس میں حضرت حسام الدین کی تحریک کو بہت بڑا دخل ہے۔ بلکہ یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہو گا کہ ”مثنوی شریف کا وجود میں آنا آپ ہی کی وجہ سے ہوا۔“

رفقار کے انتخاب کا سبب | مولانا کو کسی نہ کسی رفیق کے بغیر راحت نہیں ملتی تھی۔ شمس الدین (شمس تبریز) کے بعد صلاح الدین، اور صلاح الدین کے بعد حسام الدین آپ کے ہمراز و مساز رہے۔ **فائدہ الحمد والممتہ**۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۵۵)

ف: اس کے علاوہ حالات کا مطالعہ کرنا چاہیں تو اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ (مرتب)

ابتدائی چند اشعار کی شرح

اب ہم مثنوی مولانا رومؒ کے ابتدائی چند اشعار کی شرح حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی ”کلید مثنوی“ سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جس کو آپ حضرات یقیناً ”مثنوی“ کا خلاصہ سمجھیں گے۔
واللہ الموفق۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بحضرت چلیپی فرستیم مولانا کو ان کے بغیر انسا طو شیفتگی نہیں ہوتی تھی۔ جس مجلس میں چلیپی نہ ہوتے مولانا کی طبیعت میں جوش و گرمی نہ پیدا ہوتی، اور اسرار و معرفت کی باتیں نہ کرتے۔ جن لوگوں کو یہ حقیقت معلوم تھی وہ مجلس میں سب سے زیادہ اس کا اہتمام کرتے کہ حضرت چلیپی موجود ہوں، تاکہ دریائے فیض جاری ہو۔ (ملاحظہ ہو زندگانی مشائخ ندوی)

بشنوار نے چوں حکایت میکند و ز جدا ایہا شکایت میکند
 ”نئے سے مراد روح انسانی ہے کہ عالم ارواح (ملکوت) میں محبت و معرفت
 حق میں مشغول و متفرق تھی، عالم اجسام (ناسوت) کے ساتھ متعلق ہونے سے
 صفات جسمانیہ شہوت و غضب کا اُس پر غلبہ ہوا اور اس وجہ سے صفات روحانی
 یعنی محبت و معرفت وغیرہ اس کی شروع ہوئی، اس میں اگر جذبہ غیبی یا کسی
 کامل کی صحبت یا دفا تر عشق و اہل عشق کے مطالعہ سے متنبہ ہوا اور دلائل یا
 ذوق سے اپنی اصلی حالت اور اصلی صفات یاد آگئیں تو اس کے فوت
 یا مغلوب ہونے پر افسوس ہوتا ہے۔ تو اُس وقت زبانِ قال یا زبانِ حال
 سے اس تأسف کو ظاہر کرتا ہے، حکایت سے یہی مراد ہے۔ اور اس افسوس
 و غم و آہ و نالہ ہی کے سبب اُسکونے سے تشبیہ دی گئی۔ اور چونکہ صفات
 حیدرہ روح کی بہت ہیں، محبت و معرفت و ذکر دائم، اور سب میں کمی
 پاتا ہے اس لئے ایک ایک کو سوچ کر پریشان ہوتا ہے کہ اُن سب سے
 جدائی ہو گئی، اس لئے فرماتے ہیں کہ کئی جدائیوں کی شکایت کرتا ہے۔
 کز نیستاں تا مرا ببردند از نفیسم مردوزن نالیدہ اند
 جب ”نئے کو روح سے تشبیہ دی گئی تو عالم ارواح کو نیستاں کہنا زیادہ ہو گا
 خلاصہ یہ کہ مجھ کو عالم ارواح سے جدا کر دیا گیا ہے اور ناسوت میں آکر وہ صفات
 مجھ سے جدا ہو گئی ہیں، تو اس درجہ شور و شیون میں مبتلا ہوں کہ سنتے دیکھتوں
 کا کلیجہ پھٹتا جاتا ہے۔ مردوزن سے مراد یہی ابنائے زمان ہیں۔ قاعدہ ہے
 کہ سچے درمند کا اردو سروں پر ضرور پڑتا ہے اس لئے اور لوگ دردناک
 ہونا جائے تعب نہیں۔

سینہ خواہم شرح شرح از فراق تا بگویم شرح درد اشتیاق
 ہر چند درد مند کے درد سے اکثر لوگ متاثر ہوتے ہیں، مگر بعض غایت
 سنگدلی سے اصلاً دل گیراختہ نہیں ہوتے، بلکہ خود اُس درد مند کو فریبی اور
 ریاکار سمجھتے ہیں۔ نے کی طرف سے ان کو جواب دیا جاتا ہے، کہ تم جو میرے حال
 کے منکر ہو اُس کی وجہ یہ ہے کہ تم کسی کے درد فراق میں مبتلا نہیں ہوئے اور اس
 غم کا مزہ نہیں چکھا۔ اور غم فراق کے سمجھنے کے لئے ایسا سینہ چاہئے جو خود کسی کے
 فراق سے پارہ پارہ ہو۔ اُس وقت البتہ اپنا درد اشتیاق کھولوں تب اسکی
 سمجھ میں آوے۔ اس تقریر میں تو سینہ سے مراد دوسرے شخص کا سینہ ہوا۔ او
 یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنا ہی سینہ مراد ہو۔ مطلب یہ ہو گا کہ میرے آہ و نالہ و فریاد
 و بکا سے کوئی شخص یہ نہ سمجھ کہ میں اس درد و غم سے نفور یا تنگدل ہوں،
 ہرگز نہیں۔ بلکہ میری تو یہ آرزو ہے کہ درد فراق سے اور بھی میرا جگر پاش پاش
 ہو جائے، تاکہ اور بھی درد اشتیاق کا اظہار کروں۔ قاعدہ ہے کہ عاشق کو خود
 اس درد عشق میں ایک خاص لذت ہوتی ہے کہ وہ اُس کا زوال نہیں چاہتا۔
 کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش باز جوید روزگار وصل خویش
 مطلب اس شعر کا ظاہر ہے۔ یعنی اس میں ”نے“ کی حکایت و شکایت کا
 سبب مذکور ہے کہ ہر شخص کا قاعدہ ہے کہ جب اپنی اصل سے جدا ہوتا ہے
 تو اُس زمانہ وصال کا جو یا ہوتا ہے۔ میں بھی چونکہ عالم ارواح سے جدا ہو گئی
 جس سے میرے وہ صفات ضائع ہو گئے، میں اُسی باغ و بہار
 کی بھیر طالب ہوں۔

من بہر جمعیتہ نالاں شدم جفت خوش حالاں و بد حالاں شدم
 ہر کسے از ظن خود شد یا ز من وز درون من نجست اسرار من
 عاشق و طالب کے درد کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے، مگر اکثر لوگ اجالا
 اتنا سمجھ سکتے ہیں کہ اُس پر کوئی صدمہ یا مصیبت ہے۔ اگر کچھ تفصیل سمجھ بھی
 تو یہ سمجھ کر اپنی حالت پر قیاس کر لینا کہ جس قسم کی مصیبت و بلا میں ہم مبتلا
 ہیں، ایسا ہی یہ بھی ہو گا۔ یا تو اس کی بیوی مر گئی ہو گی، یا کوئی بیماری ہو گی
 یا افلاس سے عاجز آ گیا ہے، یا کسی بازاری عورت نے بے وفائی کی ہے۔
 لیکن جو اُس کے دل کو لگ رہی ہے اُس کی کس کس خبر ہے۔ اس لئے وہ نے
 کہتی ہے کہ میرا آہ و نالہ کسی پر فحقی نہیں رہا، بھلے بڑے سب سے سابقہ رہا
 اور مجھ کو مصیبت نہ سمجھا اور اپنے اپنے گمان کے موافق میری ہمدردی
 بھی کی، مگر میرے درد کی حقیقت کہ طلب قربا لہی تھی کسی نے نہ سمجھی۔
 سر من از نالہ من دور نیست لیک چشم و گوش راں نور نیست
 یعنی میری حقیقت تو آہ و نالہ ہی سے مفہوم ہو سکتی تھی، مگر چونکہ وہ امر
 ذوقی ہے جب تک کسی کو ذوق حاصل نہ ہو اُس کو نہیں سمجھ سکتا، محض
 حواس ظاہری یا عقل معاش اُس کے ادراک کے لئے کافی نہیں اور ان کو
 اس کے ادراک کی قابلیت نہیں، نور سے مراد یہی قابلیت ادراک ہے
 اور کل امور ذوقی کی یہی حالت ہے۔ بھوک کو وہی سمجھے جس کو بھوک
 لگی ہو، ورنہ تمام جہان کے برابر بھی عقل ہو تو کیا، اس کے ادراک
 سے قاصر ہے۔

اخلاق و خصوصیات | مولانا شبلی مرحوم ”سوانح مولانا روم“ میں لکھتے ہیں :-

”مولانا جب تک تصوف کے دائرہ میں نہیں آئے آپ کی زندگی عالمانہ جاہ و جلال کی ایک شان رکھتی تھی۔ اُن کی سواری جب نکلتی تھی تو علماء اور طلبہ بلکہ امراء کا ایک بڑا گروہ رکاب میں ہوتا تھا۔ سلاطین و امراء کے دیباہ سے بھی ان کو تعلق تھا، لیکن سلوک میں داخل ہونے کے ساتھ یہ حالات بدل گئے، درس و تدریس افتار و افادہ کا سلسلہ اب بھی جاری تھا لیکن وہ پھیلی زندگی کی محض ایک یادگار تھی، ورنہ زیادہ تر محبت و معرفت کے نشہ میں سرشار رہتے۔“ (دعوت و عزیمت ص ۳۵۴)

ریاضت و مجاہدہ | ریاضت و مجاہدہ حد سے بڑھا ہوا تھا۔ سپہ سالار برسوں ساتھ رہے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے کبھی ان کو شب خروانی کے لباس میں نہیں دیکھا۔ بچھونا اور تکیہ بالکل نہیں ہوتا تھا، قصداً لیٹتے نہیں تھے، نیند غالب ہوتی تو بیٹھے بیٹھے سو جاتے۔

نماز کی کیفیت | نماز کا وقت آتا تو فوراً قبلہ کی طرف مڑ جاتے اور چہرہ کا رنگ بدل جاتا۔ نماز میں نہایت استغراق ہوتا تھا۔ سپہ سالار کہتے ہیں کہ بارہا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اول عشاء کے وقت سے نیت باندھی اور دو رکعتوں میں صبح ہو گئی۔ مولانا نے ایک غزل میں اپنی نماز کی کیفیت بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں سہ بخدا خبر ندارم چون از میگوام کہ تمام شدر کوئے کہ امام شدر فلانے

(ترجمہ: وانذا مجھے خبر نہیں ہوتی کہ میں نماز کیسے ادا کرتا ہوں، کہ کب رکعت تمام ہوئی اور کس امام نے نماز پڑھائی؟)۔

ایک دفعہ جاڑوں کے دن تھے، مولانا نمازیں اس قدر روئے کہ تمام چہرہ اور ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، جاڑے کی شدت کی وجہ سے آنسو جم کر تنج ہو گئے، لیکن وہ اسی طرح نماز میں مشغول رہے۔

زہد و قناعت | مزاج میں انتہا درجہ کا زہد و قناعت تھی، تمام سلاطین و امراء نقدی اور ہر قسم کے تحائف بھیجتے تھے، لیکن

مولانا اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے، جو چیز آتی اسی طرح صلاح الدین زرکوب یا چلیپی حسام الدین کے پاس بھیجا دیتے۔ کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ گھر میں نہایت تنگی ہوتی اور مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد اصرار کرتے تو کچھ رکھ لیتے۔ جس دن گھر میں کھانے کا سامان کچھ نہ ہوتا تو بہت خوش ہوتے اور فرماتے کہ آج ہمارے گھر میں درویشی کی بولاتی ہے۔

ف؛ سبحان اللہ، کیا حال تھا جو ہم دنیا داروں ہوسنا کوں کو کہاں نصیب۔ اسی کو کسی نے کہا ہے

ہر حریص نامرے ترکِ دنیا کے کند

شیر مرے باید و دریا دے مردانہ

(ترجمہ: ہر حریص نازیبا دنیا کو کب ترک کر سکتا ہے، اس کے لئے

شیر مر داورد دریا دل آدمی کی ضرورت ہے۔ (مرتب)

فیاضی و ایثار | فیاضی و ایثار کا یہ حال تھا کہ کوئی سائل آتا تو عباد یا گڑتا جو بھی بدن پر ہوتا اُتار کر دے دیتے، اسی

لحاظ سے گرتاجا کی طرح سامنے کھلا ہوتا تھا کہ اُٹانے میں زحمت نہ ہو۔

بے نفسی اور فنائیت | ایک دفعہ مریدوں کے ساتھ جا رہے تھے، راہ میں ایک تنگ گلی میں ایک کُتّا اس طرح

سورہا تھا کہ راستہ رُک گیا تھا، مولانا دیں رُک گئے اور دیر تک کھڑے رہے، اُدھر سے ایک شخص آ رہا تھا اُس نے کتے کو ہٹا دیا، مولانا نہایت آزرده ہوئے اور فرمایا کہ ناحق اُس کو تکلیف دی۔

ایک دفعہ دو شخص سہراہ لڑ رہے تھے، ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ اولعین! تو ایک کسے گا تو دس سُنے گا اتفاق سے مولانا کا اُدھر گزر ہوا، آپ نے اُس شخص سے فرمایا کہ بھائی جو کچھ کہنا ہو مجھ کو کہو، کہ تم مجھ کو اگر ہزار کہو گے تو ایک بھی نہ سُنو گے، دونوں مولانا کے پاؤں پر گر پڑے اور آپس میں صلح کر لی۔

کسب حلال | معاش کا یہ طریقہ تھا کہ اوقاف کی مد سے پندرہ دینار ماہوار روزینہ مقرر تھا۔ چونکہ مولانا مفت خوری کو نہایت ناپسند کرتے تھے، اس لئے اُس کے معاوضہ میں فتویٰ لکھا کرتے تھے۔ مریدوں کو تاکید تھی کہ اگر کوئی استفتاء لائے تو گویں کسی حالت میں ہوں مجھے ضرور خبر کر دو۔ تاکہ یہ آمدنی مجھ پر حلال ہو۔

مثنوی معنوی | مولانا کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے پُر جوش طبیعت پانی تھی، عشق اُن کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، ظاہری علم و عقیدت کے تو غل نے اس آگ کو دبا رکھا تھا، شمسِ نبیؐ کی آتشیں صحبت نے اُن کی فطرت کو چھیڑ دیا اور تربیت و ماحول نے اُس پر

جو پردے ڈال رکھے تھے وہ دفعۃً اُٹھ گئے اور وہ سراپا سوز و ساز بن گئے۔
 شعلہا آخسر ز ہر موم دمید از رگ اندیشہ ام آتش چکید
 (ترجمہ: ہمارے روئیں روئیں سے شعلے بھڑکنے لگے اور ہماری رگ اندیشہ
 سے آگ نکلنے لگی۔)

اس ساز سے جو نغمے نکلے اُن کے مجموعہ کا نام مثنوی ہے۔ یہ انکے خیالات
 و حالات، واردات و تاثرات اور مشاہدات و تجربات کا آئینہ ہے۔ اسیں
 صاحب کلام کا سوز و درد، جوش و مستی اور ایمان و یقین سے بھرا ہوا ہے
 اور یہی اُنکی عالمگیر مقبولیت اور بے نظیر تاثیر کی اصل وجہ ہے۔
 ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

دعوتِ عشق | ساتویں صدی میں علم کلام اور عقلیت کی جو سرد ہوا عالم اسلام
 میں مشرق سے مغرب تک چلی تھی اُس سے دل کی انگلیٹھیاں
 سرد ہو گئی تھیں، اگر کہیں عشق کی چنگاریاں تھیں تو راکھ کے نیچے دبئی ہوئی
 تھیں۔ ورنہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک افسردہ دلی بلکہ مردہ دلی
 چھائی ہوئی تھی۔ اور کہنے والا دیر سے کہہ رہا تھا کہ

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلمان نہیں خاک کا ڈھیر ہے
 اس سرد اور خواب آور فضا میں مولانا نے عشق کی صدا بلند کی،
 اور اس زور سے بلند کی کہ ایک بار پھر سے عالم اسلام کے جسم میں
 بجلی سی کوند گئی۔ مولانا نے کھل کر عشق کی دعوت دی اور محبت کی کرامت
 اور عشق کی کرشمہ سازیاں بیان کیں۔

از محبت تلخ تاثیریں شود وز محبت مستہ از ریں شود

(محبت کی وجہ سے تلخی اٹھ جائے اور محبت کی وجہ سے تانبے سونا بن جاتے ہیں)
 از محبت درد با صافی شود و از محبت درد با شافی شود
 (محبت سے تلخیاں صاف ہو جاتی ہیں اور محبت سے درد خود شفا بخش بن جاتے ہیں)
 و از محبت سخن گلشن می شود بے محبت روضہ گلخن می شود
 (محبت کی وجہ سے قید خانہ گلشن ہو جاتا ہے اور بغیر محبت کے گلستان بھی پھٹی بن جاتا ہے)
 از محبت سنگ روغن می شود بے محبت موم آہن می شود
 (محبت ہی کی وجہ سے پتھر گھل کر روغن ہو جاتا ہے اور بغیر محبت کے موم بھی لوہا بن جاتا ہے)
 از محبت سقم صحت می شود و از محبت قہر رحمت می شود
 (محبت کی وجہ سے بیماری صحت ہو جاتی ہے اور محبت کی وجہ سے قہر غصہ رحمت بن جاتا ہے)
 از محبت مردہ زندہ می شود و از محبت شاہ بندہ می شود
 (محبت کی کار فرائی سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے اور محبت کی وجہ سے بادشاہ مثل غلام ہو جاتا ہے)
 وہ عشق کی طاقتور نعمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
 جسم خاک از عشق برافلاک شد کوہ در رقص آمد و چالاک شد
 (عشق کی وجہ سے خاکی جسم آسمان پہنچ گیا، پہاڑ رقص میں آیا اور چالاک ہو گیا)
 عشق جان طور آمد عاشقا طور مست و خمر موسیٰ صعبا
 (اے عاشق! عشق جان طور ہے، طور مست ہو گیا اور موسیٰ بہوش ہو کر گریے)
 (تاریخ دعوت و عزیمت ص ۳۶۹)

اس فقرہ جسور اور عشق غیور کا جب وہ تذکرہ کرنے لگتے ہیں تو ان پر جوش و سرستی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ یہ خود ہو کر کہنے لگتے ہیں کہ
 ملک دنیا تن پرستان را حلال ما غلام ملک عشق بے زوال

(دنیا کا ملک تن پتوں کیلئے حلال ہے اور تم تو عشق کے لازوال ملک کے غلام ہیں)
وہ کہتے ہیں کہ عشق ہی وہ بیماری ہے جس سے بیمار کبھی شفا نہیں چاہتا،
بلکہ اُس میں اضافہ اور ترقی ہی کی دعا کرتا ہے۔

جس درنخو راں شفا جویند و این رنج افزوں جوید و درد و حسیں
(امراض جسمانی کے سبھی بیمار اپنی بیماریوں سے شفا چاہتے ہیں مگر
عاشق اپنے اس درد و رنج میں زیادتی کا طالب ہوتا ہے۔)

خوب تر زین سم ندیم شربتے زین مرض خوش تر نباشد صحتے
(میں نے اس نہر سے زیادہ شیریں کوئی شربت نہ پایا اور اس نہر سے اچھی کوئی صحت نہیں)
مولانا عشق کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محبوب بننا تو ہر ایک کے بس
میں نہیں، لیکن عاشق بننا ممکن ہے۔ اگر اللہ نے تم کو محبوب نہیں بنایا ہے تو تم
عاشق بن کر زندگی کا لطف حاصل کرو۔

تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش ہچو او باگریہ و آشوب باش
(جب تم یوسف نہیں ہو تو یعقوب ہی بن جاؤ، انکی طرح گریہ و دکھ درد کے ساتھ رہو)

ف: اس شعر میں آفت رسیدہ اشخاص کو ہدایت ہے کہ جس حال میں اللہ تعالیٰ
رکھے اُس پر راضی رہتے ہوئے اس کے تقاضہ کے مطابق اپنا حال رکھنا چاہئے
جیسا کہ سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے حزن و غم کے وقت اللہ تعالیٰ
سے ان الفاظ میں شکایت کی: "إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ"
اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر طائف میں اذیتوں کے وقت
اللہ تعالیٰ سے اس طرح شکایت فرمائی: "اللَّهُمَّ أَشْكُو ضَعْفَ قُوَّتِي
وَقِلَّةَ جِيلَتِي وَهَوَانِي عَلَى النَّاسِ"۔ (مرتب)

تو کہ شیریں نیستی فرہاد باش چوں نہی لیلیٰ تو مجنوں گرد فاش
(جب تم شیریں نہیں ہو، فرہاد بن کر رہو، اور جب تم لیلیٰ نہیں ہو تو پھر
کھل کر مجنوں کی شان اپنے اندر پیدا کرو۔)

برسوں کا مریض جب عشق کے ہاتھوں اپنے روحانی امراض کمنہ سے نجات
پاتا ہے تو سرور و بے خودی کے عالم میں پکار اٹھتا ہے ۛ

شاد باش اے عشق خوش سودا اے اے طبیب جملہ علت اے ما
(خوش رہ اے عشق جو ہمارا بہترین سودا ہے اور جو ہماری تمام بیماریوں کا طبیب ہے)

اے دوا اے نخوت و ناموس ما اے توافلاطون و جالینوس ما
(اے عشق جو ہماری نخوت و ناموس کی دوا ہے اور اے عشق جو ہمارے افاطون جالینوس)

عشق ایک شعلہ ہے جو خص و خاشاک کو جلا کر خاک کر دیتا ہے اور محبوب
کے سوا کسی کا روادار نہیں، وہ بڑا موحد، بڑا غیور ہے ۛ

عشق آں شعلہ ست کو چوں بر فروخت ہر چیز معشوق باقی جملہ سوخت
(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب یہ بھڑکتا ہے تو ہر سوئی معشوق کے رکتے جلا ڈالتا ہے) (تاریخ دولت علیہ السلام)

مولانا کا تصوف اور انکی تلقین تعطل، بے عملی اور رہبانیت
دعوتِ عمل کی مبلغ نہیں، وہ عمل، جدوجہد، کسب اور اجتماعی زندگی

کے داعی اور مبلغ ہیں۔ رہبانیت اور ترک دنیا کو اسلام کی روح کے منافی
اور تعلیمات نبوت کا مخالف سمجھتے ہیں۔ انکے نزدیک اگر اجتماعی زندگی

مطلوب نہ ہوتی تو مجموعہ جماعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تائید
کیوں ہوتی۔ فرماتے ہیں ۛ

مرغ گفتش خواہ در خلوت مایست دین احمد را ترہب نیک نیست

مرغ نے اُس (صیاد) سے کہا کہ اے خواجہ! خلوت میں قیام نہ کرو۔

دین احمدی میں (بلا ضرورت) رہبانیت اچھی نہیں۔

از تہیب الخ نہی فرمود اے رسول بدعتے چوں در گرفتے فصول

(از تہیب الخ) رہبانیت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا

ہے اے فصول (بیکار آدمی!) ایک بدعت تو نے کیوں اختیار کی۔

جمعہ شرط است و جماعت در نماز امر معروف و زمنکر احتراز

تم نے صحرا میں تنہا نشینی کیوں اختیار کی جبکہ اسکی شریعت

میں جمعہ فرض ہے اور نماز میں جماعت (بھی سنت مؤکدہ ہے اور) امر بالمعروف

اور نہی عن المنکر (بھی ضروری ہے) اور تنہائی میں یہ کام ناممکن ہے۔

در میان امت مرحوم باش سنت احمد مثل محکوم باش

(در میان الخ) لہذا تم کو لازم ہے کہ بستی میرا بہ اگر امت مرحوم کے

در میان رہو (اور) سنت احمدی کو مت چھوڑو (بلکہ شریعت) محکوم ہو کر رہو۔

کبر و عجب کی مذمت مولانا روم فرماتے ہیں

اوجوب بند خلق را سر مست خویش در تکبر می رود از دست خویش

وہ (سالک) جب ہر طرف سے مخلوق کو اپنا دیوانہ دست دیکھتا ہے تو تکبر

میں مبتلا ہو کر اپنے ہاتھ سے بھی نکل جاتا ہے، یعنی خود اپنے قابو میں نہیں پاتا اور کبر

وغرور میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔

ف: یقیناً مولانا روم کا یہ شعر عین حقیقت ہے۔ اس لئے کہ عموماً دیکھا جاتا

ہے کہ ہر آدمی اپنی کوتاہیوں و کمزوریوں کو بخوبی جانتا ہے، مگر اس کے باوجود

جب لوگ اسکی مدح و تعریف کرنے لگتے ہیں تو اسکی طرف اس کی نظر ایسی

جنتی ہے کہ اپنی بدیہی کمزوریاں اسکی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں اور اپنے متعلق وہ یہ گمان کر لیتا ہے کہ یہ لوگ جن خوبیوں پر ہماری تعریف کر رہے ہیں وہ سب ہمارے اندر موجود ہیں۔ بلکہ ذہنیت یہاں تک پہنچ جاتی ہے، کہ بہت سے لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ لوگ ہمارے اُن کاموں کی بھی تعریف کریں جن کو ہم کرتے بھی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا اور بن کے پر اپنی تعریف چاہتے ہیں۔

اور اسی خود فریبی و کبر نفسی کے حال میں آدمی پوری زندگی گزار دیتا ہے، اور اپنے حال زار پر ذرا غور نہیں کرتا اور سوچ سمجھ کر اپنے اخلاق کی اصلاح اور اپنے نفس کو نہیں سنوارتا۔ پس خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ایسے لوگ دور ہی ہوتے جاتے ہیں اور اس شعر کے مصداق ہو جاتے ہیں یہ
زاں نمی پرد بسوئے ذوالجلال کو گمانے می برد خود را کمال
(وہ اللہ کی طرف اسلئے نہیں ترقی کر رہا ہے کہ اپنے متعلق کمال کا گمان کرتا ہے)

ظاہر ہے کہ جب آدمی کا یہ حال ہوگا تو پھر اللہ کا قرب و قبول کیسے نصیب ہوگا۔ اس لئے کہ اُس ذات پاک کی درگاہ میں عجز و نیاز کی قدر ہے نہ کہ خود بینی اور خود ستائی کی۔

بدرگاہ لطف و بزرگیشن بزرگاں نمازہ بزرگی ز سر
دترجمہ: حق تعالیٰ کے لطف و عظمت کے دربار میں بڑے بڑے لوگ
اپنی بزرگی کا خیال نکال دیتے ہیں، حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں یہ
سخن ماند از عاتق لاں ایگار ز سعدی ہمیں یک سخن یا ددار
گنہ گار اندیشہ ناک از خدائے بہ از پار سائے عبادت نمائے

یعنی دستور ہے کہ عاقلوں کی باتیں یاد رکھی جاتی ہیں، لہذا تم بھی سعدی کی یہی ایک بات یاد رکھو اللہ کا خوف رکھنے والا گنہگار اُس پر اس سے بہتر ہے جو اپنی عبادت کی نمائش کرتا ہو۔

اسی لئے مولانا رومؒ بطور نصیحت یوں ارشاد فرماتے ہیں ۷
ہر کہ نقص خویش را دید و شناخت سوئے استکمال خود و واسیہ تاخت
(یعنی جس نے اپنے نقص اور کمی کو دیکھا پہچانا، وہ اپنی تکمیل کی طرف تیزی سے دوڑا)
اس قسم کے مضامین ہمارے اکابر نے بکثرت بیان فرمائے ہیں جو کتابوں میں لکھے بھی ہیں۔ مگر اے کاش کہ ہم ان کو پڑھتے تو طریق واضح ہو جاتا اور ہم راہ یاب ہو جاتے اور منزل مقصود تک پہنچ جاتے۔ وبالله التوفیق۔ (مرتب)

مثنوی کا اثر | مثنوی نے عالم اسلام کے افکار و ادبیات پر بڑا گہرا اور دیر پا اثر ڈالا۔ اسلامی ادب میں ایسی کتابیں شاذ و نادر ملیں گی جنہوں نے عالم اسلام کے اتنے وسیع حلقہ کو اتنی طویل مدت تک متاثر رکھا ہے۔ چھ صدیوں سے مسلسل دنیائے اسلام کے عقلی، علمی، ادبی حلقے اس کے نغموں سے گونج رہے ہیں، اور دماغ کو نئی روشنی اور نئی حرارت بخشنے لگے ہیں۔

اس سے ہر دور میں شاعروں کو نئے مضامین، نئی زبان، نیا اسلوب ملتا رہا، اور وہ ان کے قوائے فکر اور ادبی صلاحیتوں کو ابھارتی رہی، تعلیم و تہذیب کو اپنے زمانہ کے سوالات و شبہات کو حل کرنے کے لئے اس سے نئے نئے دلائل، دلنشین مثالیں، دلائل و حجتیں اور جواب کی نئی نئی راہیں ملتی رہیں اور وہ اس کے سہارے اپنے زمانہ کی بے چین طبیعتوں اور ذہین نوجوانوں کو

مطمئن کرتے رہے۔ اہل سلوک و معرفت کو اس سے عارفانہ مضامین، دقیق و عمیق علوم اور سب سے بڑھ کر محبت کا پیغام اور سوز و گداز اور جذب و مستی کا سامان ملتا رہا، اور وہ ان کی خلوتوں اور انجمنوں کو صدیوں ترپاتی اور گرماتی رہی، اس لئے ہر دور کے اہل محبت اور اہل معرفت نے اس کو شمع محفل اور ترجمان دل بنا کر رکھا

انصاف کی بات | اس کے مضامین کیسر تنقید سے بالاتر اور ہر قسم کی لغزش اور خطا سے مبرا نہیں، بہت سے فاسد العقیدہ صوفیوں اور اہل ہوی نے اس سے کبھی کبھی غلط فائدہ بھی اٹھایا ہے، وحدت وجود کے قائلین کو اب بھی اس سے اپنے مسلک کے لئے دلائل و شواہد مل جاتے ہیں، وہ بہر حال ایک انسان کا کلام ہے، جو معصوم نہ تھا، اور جس کے مضامین میں اس کے قلبی واردات اور خارجی تاثرات کو بھی دخل ہے، اس کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے وقت کا ایک بڑا علمی کارنامہ اور اسلام کی عقلی برتری اور اسکی غیر فانی زندگی کا ثبوت ہے۔ اس نے عالم اسلام کے فکری تعطل، علمی وادبی جمود اور تقلیدی ادب و علم کلام پر کاری ضرب لگائی۔ اور اسلام کے کاروان فکر کو جو ساتویں صدی میں آمادہ قیام اور مائل بہ آرام تھا دوبارہ متحرک و سرگرم سفر کر دیا۔

ف : ما شاء اللہ مفکر عصر حضرت مولانا ندویؒ نے کیا خوب فیصلہ فرمایا جو صرف مولانا ہی کا حق تھا۔ فجر، اہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ (مرتب)

دور انقلاب میں شنوی کا اثر | شنوی اس دور انقلاب میں بھی رفیق راہ بن سکتی ہے۔ اس مادہ پرست دور کی

سب سے زیادہ نایاب جنس سوز و گداز اور محبت پاکباز ہے، جیسا کہ بیسویں
صدی کے مفکر ڈاکٹر محمد اقبال فرماتے ہیں ۛ

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے پھر اسمیں عجب کیا کہ تو بیاک نہیں ہے
وہ آنکھ کہ ہے سرمہ افرنگ سے روشن پُرکار و سخن ساز ہے نمناک نہیں ہے
یہ دولت بیدار ثنوی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ عصر حاضر کے نوجوانوں
کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۛ

پیر رومی را رقیبِ راه ساز تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکہ رومی مغز را داند ز پوست پائے او محکم فتد در کوئے دوست
(ترجمہ: پیر رومی کو اپنی راہ کا رفیق بنا لو، تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو سوز و گداز سے مشرف
فرمائے۔ کیونکہ مولانا رومی مغز و پوست میں فرق کو خوب سمجھتے ہیں اور ان کا قدم
کوئے دوست میں مضبوطی سے پڑتا ہے۔) (دعوت و عزیمت صفحہ ۱۸)

ارشادات

ہندوستان کے شہرہ آفاق مصنف و مولف نواب صدیق حسن خاں
والی بھوپال (۱۳۷۷ھ) اپنی تصنیف ”تقصار جیود الاحرار من
تذکار جنود الابرار“ میں لکھتے ہیں :-

مولوی معوی جلال الدین بلخی رومیؒ حضرت شمس تبریزیؒ کے مرید تھے
ان کا ارشاد ہے کہ۔ ”جو مرغ زمین سے آسمان کی طرف اُڑتا ہے، وہ اگر
آسمان تک نہ بھی پہنچے مگر نفس سے تو چھٹکارا پایا ہی جاتا ہے۔ اسی طرح
جو شخص درویشی اختیار کرتا ہے تو وہ اگر درویشی کے کمال تک نہ بھی پہنچے

تو کم از کم عوام اور بازاری لوگوں سے تو ضرور ہی متاثر ہو جاتا ہے اور دنیا کی زحمتوں سے نجات پا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ”نجح المخفقون وھلک المشقلون“ (ہلکے پھلکے لوگ نجات پا جاتے ہیں اور گراں بار لوگ ہلاکت کے شکار ہو جاتے ہیں)۔

ایک دنیا دار نے آپ کی خدمت میں کم آنے کا عذر کیا، تو ارشاد فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ تمھارے آنے سے دوسرے لوگوں کو جتنی مسرت ہوتی ہے اُسی قدر میں تمھارے نہ آنے سے خوش اور ممنون ہوتا ہوں۔

منت از نامدن از آمدن فزول بود

یعنی تمھارا نہ آنا بہ نسبت آنے کے زیادہ موجب احسان ہے) ایک شخص نے کہا کہ فلاں آدمی کہہ رہا تھا کہ میرا دل تو بس مولوی (روم) کی خدمت میں رہتا ہے۔ تو فرمایا کہ چپ رہو، اس زمانہ میں اس قسم کا جھوٹ رائج ہو گیا ہے۔ ارے اُس نے کب ایسا دل پایا ہے جو مردانِ خدا کی خدمت میں حاضر باش رہے۔ ف؛ سبحان اللہ، کیا ہی خوب معرفت و بصیرت کی بات فرمائی۔ (مرتب) آپ اپنے خادم سے دریافت فرماتے کہ گھر میں کچھ مال و متاع ہے؟ تو اگر وہ جواب دیتا کہ نہیں! تو فرماتے، آج میرا گھر پیغمبر کے گھر کے مشابہ ہے۔ اور اگر وہ کہتا کہ، ہاں کچھ ہے! تو عمگین ہوتے، اور فرماتے کہ میرے گھر سے قارونؑ بوا کر ہی ہے۔

انھوں نے ارشاد فرمایا کہ، شریف آدمی وہ ہے کہ اگر کوئی اسے تکلیف پہنچائے تو رنجیدہ نہ ہو، اور جو آدمی مرد وہ ہے جو ایسے شخص کو رنجیدہ کرنے سے احتراز کرے جو اس کا مستحق ہے۔

ایک شخص ایک درویش کی خلوت میں چلا گیا اور کہا کہ کیوں تنہا بیٹھے ہو؟ تو جواب دیا کہ اب میں تنہا ہو گیا جب کہ تم یہاں آگئے، اور حق تعالیٰ سے منع ہو گئے (یعنی اب تک میرے جلیس و ہم نشین حق تعالیٰ تھے، تمہارے آنے سے میری یہ دولت چھن گئی اور انکی معیت سے محرومی ہو گئی)۔ **ف** حدیث پاک ہے "أَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي" (یعنی میں اُس کا جلیس ہوتا ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے) تو ظاہر ہے کہ ناجنس کی آمد سے ذکر کا انقطاع ہوگا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی معیت سے یقیناً محرومی ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہ۔ (مرتب)

نیز ارشاد فرمایا کہ حضرت شمس تبریزیؒ نے فرمایا کہ: مرید مقبول کی علامت یہ ہے کہ وہ ناجنسون کی مصاحبت پر ذرا قادر نہ ہو، اگر اس کا کبھی اتفاق ہو جائے تو اُن کے ساتھ اس طرح بیٹھے جیسا کہ منافق مسجد میں، بچہ مکتب میں اور قیدی جیل خانہ میں۔

حضرت رومیؒ نے اپنے اجاب کو وصیت کے سلسلہ میں یوں ارشاد فرمایا ہے:-

اور صیکم بتقوی اللہ فی السر	میں تم سب کو پوشیدہ اور علانیہ
والعلانیۃ وبقلة الطعام	ہر حال میں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں نیز
وقلة المنام وقلة الكلام	کم کھانے، کم سونے اور کم بولنے کی تاکید
وهجران المعاصی والاثام	کرتا ہوں، نیز معاصی اور گناہوں سے
ومواظبة الصیام ودوام القیام	اجتناب اور رونے پر مواظبت اور قیام
وترک الشهوات علی الدوام	پر ملاومت اور ہمیشہ شہوات کے ترک

واحتمال الجفاء من جميع
الانعام وترك مجالسة السوء
والعوام ومصاحبة الصالحين
والكرام وان خير الناس من
ينفع الناس وخير الكلام ما
قل ودل الحمد لله
وحده -

اور ہر شخص کی جفا و زیادتی کے تحمل کی
نصیحت کرتا ہوں۔ نیز عوام اور نادانوں
کی مجالست سے اجتناب اور صالحین
اور شریفوں کی مصاحبت کی وصیت
کرتا ہوں۔ یقیناً بہترین آدمی وہ ہے
جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہو اور عمدہ
ترین کلام وہ ہے جو الفاظ کے اعتبار
سے کم اور معنی کے اعتبار سے زیادہ
ہو۔ حکم کا مستحق تو بس اللہ ہی ہے۔

(تقصار جود الاحرار ص ۶۲)

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ نصیحت ہیں جو ہر مسلمان کیلئے کارگر
و مفید ہیں، خصوصاً مولانا رومؒ کے ماننے والوں اور مثنوی شریف سے
شغف رکھنے والوں کے لئے تو حریرِ جان بنانے کے لائق ہیں۔

وبالله التوفيق - (مرتب)

وفات سپہ سالار کا قول ہے کہ مولانا کے انتقال سے قبل قونبرہ میں چالیس روز زلزلہ آتا
رہا۔ افلاکی کا بیان ہے کہ مولانا ہنوز صاحبِ فراش تھے کہ سات روز برابر

زلزلہ رہا، تمام لوگ عاجز ہو گئے، مولانا سے طلبِ امداد کی، فرمایا زمین بھوکی ہو گئی ہے لہذا چوب
چاہتی ہے، جلد کامیاب ہو جائیگی، اور یہ زحمت تم لوگوں سے دفع ہو جائے گی۔

۵ جمادی الاخریٰ ۶۲ھ کو بوقت غروبِ قاتب خائف و معارف بیان فرماتے
ہوئے انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۸ برس ۳ ماہ تھی۔ رحمۃ اللہ رحمتہ واسعة

(دعوت و عربیت ص ۳۵۵)

حضرت شیخ حمید الدین صوفی قدس سرہ المتوفی ۶۷۳ھ

نام و نسب | نام محمد، کنیت ابواحمد، لقب سلطان التارکین۔ والد کا نام احمد بن محمد ہے۔

ولادت | آپ کی ولادت ۶۵۵ھ میں ہوئی۔

تعارف | آپ کو سعید ناگوری سوالی بھی کہتے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے بڑے نامور خلفاء میں سے تھے۔

ترک دنیا اور خلوت نشینی میں اونچا مقام تھا۔ آپ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ملفوظات آپ کی تصانیف سے منتخب کر کے اپنے دست مبارک سے لکھے تھے۔ آپ کی تصانیف میں مکتوبات اور اشعار بکثرت موجود ہیں۔

تصنیف لطیف | آپ کی سب سے شہور تصنیف ”اصول الطریقت“ ہے۔

اسی میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

راہ سلوک کے جو الخرزوں کا مقصود بارگاہ رب العزت ہے۔ وہ تین قسم

کے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:-

الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ

عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ

لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ

وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ

درمیانہ ہیں، اور بعض وہ ہیں جو نیکیوں

يَا ذَرْنِ اللّٰهَ۔ میں اللہ کے حکم سے سبقت لے جانے والے ہیں۔

یعنی ظالم کو معذور، مقتصد کو مشکور اور سابق کو فانی کا لقب دیا جاتا ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ:-

معذور وہ ہیں جو کہ ذات باری تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں مگر حق تعالیٰ کی وحدت و توحید کا اقرار و اعتراف کرنے کے بعد آپ کے دربار میں بارادہ عبادت حاضری نہیں دیتے۔ اور اگر کبھی آتے بھی ہیں تو اُن کے آنے کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انکے آنے میں کلمی اور دیر کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے اور اللہ کے فرمان ”سَارِعُوا“ (جلدی آؤ) سے کسر غافل رہتے ہیں۔

مشکور وہ ہیں، جو ایمان کی قید میں مقید اور اپنے قول و اقرار پر لیل و نہار عامل ہیں یعنی خداوند کریم کے تمام احکام بدل و جان تسلیم کرتے اور اُن پر عمل کرتے ہیں۔

فانی وہ ہیں جو خطاب ”اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں اور کسی وقت بھی اس کو اپنے دلوں سے زائل نہیں کرتے، اور پھر اس کے جواب میں ”قَالُوا بَلٰی“ پر عمل پیرا رہتے ہیں۔

ارشادات

طلب کے معنی: ایک جگہ فرماتے ہیں: جو شخص آئینہ میں اپنی شکل و صورت کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اولاً آئینہ کو (گرد و غبار سے) صاف کرتا ہے۔ اگر اسے صاف نہیں کرتا تو اسے اپنی صورت کو دیکھنا محال و ناممکن ہوتا ہے۔ اسی طرح طلب حق کے سلسلہ میں جو شخص اپنے قلب کے چہرے کو بشری اوصاف سے صاف

نہیں کرتا وہ ایک محال و مشکل امر کو تلاش کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنے دل کی تختی کو نقوش بشریہ سے پاک و صاف نہیں کرتا (اور کہتا ہے کہ میں وصل کا طلبگار ہوں) تو وہ بکواس کرتا ہے۔ طلب کے معنی یہ نہیں کہ اس ذات کا اثبات کیا جائے، بلکہ طلب کے معنی یہ ہیں کہ خود کو فنا اور محو کر دو۔ طلب اسے نہیں کہتے کہ اس کے لئے دوڑتے چلے جاؤ، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی ہستی اور ذات سے ہاتھ دھو لو۔ (پھر کہتا ہوں) کہ طلب یہ نہیں ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کو ڈھونڈھ لو، بلکہ طلب تو یہ ہے کہ اپنی ذات سے انانیت اور خودی کو ختم کر دو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ اپنے آئینہ کو صاف کر لیں گے تو اُس میں لازماً محبوب حقیقی کا عکس نظر آئے گا۔

ف؛ سبحان اللہ، طلب کی کیسی کچھ وضاحت فرمائی جو سمجھنے سمجھانے
بلکہ اپنے اندر پیدا کرنے کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ایسی ہی طلب صادق سے نوازے۔ آمین! (مرتب)

طریق سلوک کے درجات | ایک جگہ شیخ فرماتے ہیں کہ طریق سلوک کے منجملہ مدارج و درجات کے یہ ہیں:-

پہلا درجہ: علم ہے۔ کیونکہ علم کے بغیر عمل کے مقررہ طریقوں سے بھٹکا جلتے کا شدید خطرہ ہے۔ دوسرا درجہ سلوک کا عمل کرنا اور اس کو لازم پکڑنا ہے کیونکہ عمل کے بغیر نیت کا وجود بیکار اور کالعدم ہے۔

تیسرا درجہ اللہ تعالیٰ کے دربار تک بذریعہ عمل رسائی حاصل کرنے کیلئے نیت شرط ہے۔ پھر محض نیت سے یہ کام نہیں چلے گا، بلکہ اس کے لئے نیت صحیح ہونی چاہئے۔ کیونکہ بلا درستگی نیت کے اعمال صالحہ کے بجائے

اعمال باطلہ صادر ہوتے ہیں۔

چوتھا مرتبہ و درجہ صدق و سچائی ہے۔ کیونکہ صدق کے بغیر عشق تک رسائی امر محال ہے۔ پانچواں مرتبہ عشق ہے۔ اس راستہ پر چلنے والے کو عاشق ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ عشق کے بغیر سالک اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ چھٹا مرتبہ توجہ ہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر طریق سلوک ملتا ہی نہیں۔ ساتواں مرتبہ سلوک ہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر اللہ کی حضوری کا دروازہ نہیں کھلتا۔

آٹھواں مرتبہ حضوری ہے۔ اس لئے کہ حضوری کے بغیر انسان مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور سلوک کا اول مرتبہ یہ ہے کہ دُعا الم سے بے خبر ہو کر اللہ تعالیٰ سے نو لگائی جائے۔ اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-
 كُلُّ شَيْءٍ عِندَ هَآلِكٍ إِلَّا وَجْهَهُ (یعنی تمام چیزیں بجز اللہ کی ذات کے ہلاک ہونے والی ہیں) جب تمام چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں تو پھر کیوں اس سے صرف نظر کر کے قائم و دائم سے جمیع تعلقات کو وابستہ کر لیا جائے!
ف : سلوک کے ان مدارج کا کیسے کوئی انکار کر سکتا ہے؟ جبکہ یہ سب کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔ واللہ الموفق و مہدٰی الی سواہ السبیل۔
 (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۲۹ ربیع الاول ۶۴۳ھ میں ہوئی۔ شہر ناگوریں
 آپ کی مزار ہے۔ (اخبار الاخیر ص ۶۱) فَوَدَّ اللّٰهُ مَرَقَدَکَ۔
ف : یہ حقیر آپ کے مزار پر حاضر ہوا ہے۔ (مرتب)

حضرت ابو العباس سیدی احمد البدوی الشریف المثنویؒ

نام، نسب، تعارف نام احمد، کنیت ابو العباس، البدوی لقب ہے۔

آپ کا مولد شہر فاس ہے، جو ملک مغرب کا مشہور شہر ہے۔ چونکہ آپ کے اجداد حجاج کے زمانہ میں جب اُس نے بہت سے سیدوں کو قتل کر دیا تھا وہاں سے ہجرت کر کے فاس چلے آئے تھے۔ اور جب آپ کی عمر سات سال ہوئی تو آپ کے والد ماجد نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کتا ہے کہ اے علی! اس ملک سے مکہ مشرفہ کی طرف ہجرت کرو، اس وجہ سے کہ اس میں ہمارا ایک بڑا مقصد ہے۔ اور یہ واقعہ ۶۲۳ھ کا ہے۔

آپ کے بھائی سید حسن کہتے ہیں کہ ہم لوگ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے اور اثنائے سفر ہم لوگوں کا گزر قبائل عرب پر سے ہی ہوا، تو تمام قبائل نے ہم لوگوں کا کھلے دل سے استقبال کیا اور ہم لوگوں کی تعظیم و تکریم کی اور ۶۲۴ھ میں ہمارے والد نے اس دار فانی سے دار بقا کی طرف سفر کیا اور باب المعلاۃ میں آپ کی تدفین ہوئی۔

ایک خاص وصف آپ ہر وقت سر پر رومال باندھے رہتے تھے، اس وجہ سے آپ کو بدوی کا لقب دیا گیا۔ آپ

بہت زیادہ جری اور دیر تھے، بلکہ مکہ معظمہ میں آپ سے بڑھ کر کوئی دیر نہ تھا۔ اسی وجہ سے کہ والوں نے آپ کا نام عطاء رکھ دیا تھا۔ (طبقات ص ۱۸)

وف : سبحان اللہ، قوت قلبی و باطنی کے ساتھ قوت جسمانی و ظاہری بھی

رکھتے تھے جو محمود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف ترغیب ہی ہے۔ (قرآن)

ارشادات

آپ نے عراق کا سفر کیا تو وہاں کے شیوخ سیدنا عبد القادر جیلانیؒ اور سیدنا احمد رضاؒ سے ملاقات کی۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ اے احمد! عراق، ہند، یمن، روم، مشرق اور مغرب کی مفتاح (کنجیاں) ہمارے ہاتھوں میں ہیں، لہذا جہاں کی بھی مفتاح آپ پسند کریں قبول فرمائیں۔ تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ ”لا حاجة لی بمفتاحی حکما ما اخذ المفتاح الا من الفتاح“ یعنی آپ حضرات کی مفتاح کی مجھے حجت نہیں، میں تو وہی مفتاح لوں گا جو فتح یعنی اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ (طبقات ص ۱۸۳)

و؛ سبحان اللہ! کس قدر استغفار عن الخلق اور توحید اللہ اور توکل علی اللہ کا جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دولت سے ہم کو بھی نوازے۔ آمین (قرآن)

وفات

آپ کی وفات ۶۵۷ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ واسعہ

(طبقات ص ۱۸۳)

حضرت شیخ الاسلام محی الدین امام نوویؒ المتوفی ۶۷۴ھ

نام و نسب | یحییٰ نام، ابو زکریا کنیت، اور لقب محی الدین تھا۔ والد کا نام یحییٰ ہے۔

ولادت و وطن | محرم ۶۳۱ھ میں نوایں پیدا ہوئے، یہ ملک شام میں حوران کا ایک گاؤں تھا۔ اسی کی نسبت سے وہ نووی اور نووی مشہور ہیں، اور حوران کے تعلق سے حورانی کہلاتے ہیں۔ اور نسبت حرامی، ان کے جد اعلیٰ حرام کی جانب نسبت ہے۔

سیر و سیاحت | امام نووی ۷ پہلے ۶۲۹ھ میں دمشق تشریف لے گئے اور رواجیہ میں قیام کر کے باقاعدہ علم و فن کی تحصیل شروع کی۔ دو سال کے بعد وہ اپنے والد کے ہمراہ حج بیت اللہ کیلئے روانہ ہوئے اور ڈیڑھ ماہ تک مدینہ کے فضلاء سے استفادہ کرتے رہے۔ اور پھر وہاں سے واپسی کے بعد اپنے وطن میں پورے انہماک کے ساتھ تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ آخر میں بیت المقدس کی زیارت کی۔ (تذکرۃ المحققین ص ۳۸۹)

حفظ و ضبط | ائمہ فن اور تذکرہ نگاروں نے ان کے حفظ و ضبط اور عدالت اور ثقاہت کا اعتراف کیا ہے اور ان کو متقن، حجت اور ثقہ و ثابت لکھا ہے۔

حدیث میں بلند پایگی | امام نووی ۷ کو علم حدیث اور اس کے متعلقات سے غیر معمولی شغف تھا،

اور وہ اکابر محدثین اور ممتاز شراح حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں۔ علمائے طبقات و تراجم نے ان کو حدیث میں ماہر فن اور امام وغیرہ بتایا ہے۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ حدیث، فنون حدیث کے حافظ و تبحر عالم رجال و اسناد اور صحیح و مستقیم حدیثوں کی پرکھ کے ماہر تھے۔ یافعیؒ نے انھیں حدیث میں وسیع النظر اور کثیر المعرفت لکھا ہے۔ حدیث میں انکی بلند پایگی اور عظمت کی بنا پر ان کو حافظ ابو شامہ جیسے جلیل القدر محدث کا جانشین مقرر کیا گیا اور ان کی وفات کے بعد دار الحدیث دمشق کی تولیت و صدارت کے منصب پر فائز کیا گیا،

جامعیت | اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جامع کمالات اور متعدد علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ فخر جنبل کا بیان ہے کہ وہ تمام علوم میں پختہ تھے۔ یافعی کا بیان ہے کہ فقہ و حدیث کے علاوہ دیگر فنون کے بھی وہ ماہر و واقف تھے۔

انہماک فی العلم | وہ شب و روز علم کی تحصیل، درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور اشاعت علم و فن میں مشغول رہتے، ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرتے، راستہ چلتے وقت بھی پڑھنے کا سلسلہ موقوف نہ کرتے مدتوں اس حال میں گزارا کہ پہلوزمین پر دکھ کر اطمینان اور چین سے سونا نصیب نہ ہوا۔ بچپن میں بھی ان کو لکھنے پڑھنے کی دھن کے سوا اور کسی چیز سے کوئی رغبت نہ تھی، ان کے ہم عمر لڑکے ان کو کھیلنے کے لئے مجبور کرتے تو وہ بھاگنے کی کوشش کرتے، اور اگر مجبوراً ان کے ساتھ رہنا پڑتا تو قرآن مجید زبانی پڑھا کرتے۔ ایک دفعہ ان کے والد نے انھیں ایک مکان

پر کر دیا، مگر بیع و شرا کی مشغولیت کے باوجود ان کے علمی ذوق و شوق میں کمی نہ آئی، ان کے اسی شوق اور دلچسپی کی وجہ سے یسین بن یوسف زرکشی نے بچپن ہی میں ان کے متعلق یہ پیشین گوئی کی تھی کہ آئندہ یہ بچہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم و زاہد ہوگا۔ اور لوگوں کو اس سے بڑا فیض پہنچے گا۔ ان کے علمی انہماک کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امام نوویؒ روزانہ بارہ فنون کا سبق لیتے تھے۔ پہلا سبق حدیث کی شرح و تحقیق کا ہوتا اور بقیہ اسباق کی تفصیل یہ ہے:-

دوسرا اور تیسرا سبق کتاب الہیسیط کا، چوتھا سبق مہذّب کا، پانچواں سبق الجمع بین الصحیحین کا، چھٹا سبق صحیح مسلم کا، ساتواں ابن جنی کی کتاب اللع کا، آٹھواں ابن السکیت کی اصلاح المنطق کا، نواں صرف کا، دسواں اصول فقہ کا، گیارہواں اسماء الرجال کا اور بارہواں اصول دین کا ہوتا تھا۔

اسباق اس شوق و محبت سے پڑھاتے کہ کسی قسم کا کوئی اشکال باقی نہیں رہ جاتا تھا۔

اس سے ان کی غیر معمولی ذہانت و فطانت کا بھی پتہ چلتا ہے، ان کے کثرت اشتغال اور ذہانت و فطانت ہی کی وجہ سے ان کے کاموں میں بڑی برکت ہوئی اور ۵۴ سال کی مختصر سی عمر میں انھوں نے متنوع علمی کمالات اور گوناگوں اہم خدمات انجام دیں۔ سارے چار مہینہ کے اندر شافعی مذہب کی اہم اور جامع کتاب التنبیہ کو نہ صرف ختم کر دیا بلکہ زبانی یاد بھی کر ڈالا۔ (تذکرۃ المحرّین ص ۲۹۲)

زہد و اتقا امام نوویؒ بڑے متدین اور عابد و زاہد شخص تھے

برابر عبادت، ذکر الہی، اوراد و وظائف میں مشغول رہتے تھے، حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ انھوں نے مجاہدہ و تزکیہ نفس مراقبہ و تصفیہ باطن، تقویٰ، طہارت اور معمولی اور جزئی باتوں میں احتیاط کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اور اپنی خواہشات نفس کو یکسر پامال کر دیا تھا۔

یافعیؒ کا بیان ہے کہ وہ عابد و زاہد، متورع، باعمل، شب بیدار، حامی دین اور ناصر سنت تھے۔ عبادت و طاعت، تلاوت قرآن اور تصنیف و تالیف میں ان کا تمام وقت بسر ہوتا، دنیا اور اس کے تعیشات بالکل دست کش رہتے اور تمام تر توجہ دین بنانے پر مرکوز رکھتے تھے۔ زہد و قناعت، اتباع سنت اقتدائے سلف، نیکی و صلاح اور خیر خیرات کے کاموں میں لگے رہنا انکی زندگی کا دستور تھا۔ ورع و تقویٰ میں بے مثال تھے، راتیں عبادت میں گزرتیں اور اس قدر روتے کہ ڈاڑھی اور چہرہ تر تر ہو جاتا، ان کی طرح کسی شخص کو زہد و عبادت، حزم و احتیاط اور لوگوں سے حذر و اجتناب پر قابو نہیں ہو سکتا۔

فخر جنبلیؒ کا بیان ہے کہ وہ بڑے متقی و پرہیزگار تھے، اکثر روزے رکھتے اور دوبار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ اسی دینی جذبہ اور ترویج کی وجہ سے انھوں نے اپنی زندگی اسلامی علوم خصوصاً حدیث و سنت کی خدمت و اشاعت میں گزاری اور انکی اصل دلچسپی کامرکز فقہ و حدیث تھا، دوسرے علوم سے عدم رغبت ہی نہیں ایک گونا گونا قباض ہوتا تھا جیسا کہ وہ خود بیان کرتے ہیں:-

”ایک دفعہ طب پڑھنے کا خیال ہوا، اس لئے میں نے شیخ کی قانون

خریدی، مگر میرے دل پر ایسی ظلمت چھائی اور میرا حال ایسا ہوا کہ مجھ کو اس سے کسی قسم کا اشتغال ہی نہ ہو سکا۔ میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا سبب میرا طب کی جانب سے اعتنا ہے۔ یہ خیال آتے ہی میں کتاب قانون فروخت کر دی۔ اور پھر میرا قلب منور ہو گیا۔

ف: سبحان اللہ! کیسا صحیح ذوق اور لطیف احساس تھا جو ہم سب کیلئے موجب عبرت و نصیحت ہے۔ (مرتب)

سادگی و قناعت | زہد و اتقا کی بنا پر وہ نہایت صبر و قناعت کی زندگی گزارنے کے عادی ہو گئے تھے، کھانے

پینے، رہنے پہنے، لباس اور پوشاک ہر چیز میں سادگی پسند کرتے تھے تکلف، آرائش اور دنیاوی تعیشات سے اُن کو سخت نفرت تھی۔

ہدیے اور تحفے نہ قبول کرنا | ہدایا اور تحائف قبول نہ کرتے تھے، خصوصاً ہدیے اور تحفے نہ قبول کرنا | غیر متعلق لوگوں کے ہدیے لینے میں انھیں

سخت پس و پیش ہوتا تھا۔ البتہ جن لوگوں سے واقفیت ہوتی تھی اور اُن کے ہدایا کے بارے میں اطمینان ہوتا ان کو لینے میں زیادہ پرہیز نہ کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک فقیر نے ہدیہ کیا تو اس کو قبول کر لیا۔ احتیاط اور تورع کی بنا پر علمی و دینی خدمت پر معاوضہ لینے سے بھی پرہیز تھا۔

تصوف | امام نوویؒ بادلہ معرفت کے لذت شناس اور مشہور صوفی یسین بن یوسف زرکشی کے حلقہ بگوش اور عقیدہ مند تھے

سلوک کے آداب اور طریقت کے اشارات ان ہی سے سیکھے تھے۔ صوفیہ و مشائخ سے بڑی محبت و عقیدت رکھتے تھے، پورے شوق سے ان کی

صحبتوں میں حاضر ہوتے تھے۔ تصوف اور صوفیہ کے مخالفین پر برہمی کا اظہار کرتے تھے۔ (تذکرۃ المجتہدین ص ۳۹۴)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر | وہ فریضہ امر بالمعروف و نہی

عن المنکر کی ادائیگی سے کبھی غافل نہیں رہے۔ امراء و سلاطین کو بھی معروف کی تلقین کرتے اور منکر سے روکتے تھے۔ اس معاملہ میں بڑے جری اور بیباک تھے۔ اور اس میں کسی مصلحت و م다ہنت کے قائل نہ تھے۔ حق گوئی کی یاداش میں ان کو امرائے غیظ و غضب کا نشانہ بھی بننا پڑا۔

علامہ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ وہ گوناگوں مصروفیتوں و علمی اشتغال کے باوجود اصلاح خلق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بھی انجام دیتے، بادشاہوں اور ظلم و جفا پر ور لوگوں کے روبرو حق بات کہتے، اور ان کے غلط کاموں پر سخت رد و نیکر فرماتے۔ انھوں نے سلاطین و امراء کو خطوط لکھ کر امور خیر کی تلقین اور معاصی سے بچنے کی دعوت دی۔

ایک دفعہ ملک ظاہر کو ایک خط لکھا، تو وہ سخت برہم ہوا اور آپ کو گرفتار کرنا چاہا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے تشدد سے اُن کو بچا لیا۔ بعد میں یہی ملک ظاہر آپ کا معتقد ہو گیا اور بڑی تعظیم و تکریم کرنے لگا۔

اعترافِ عظمت و کمال | امام نوویؒ کی عظمت و کمال اور جامعیت کے بارے میں علمائے فن اور مورخین کا

اتفاق ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے ان کو امام، حافظ، یکتائے روزگار، قدو، شیخ الاسلام اور مترجح اولیاء وغیرہ کہا ہے۔

ابن فرح فرماتے ہیں: اُن میں تین ایسی خوبیاں تھیں، جن میں سے اگر ایک بھی کسی کے اندر ہو تو لوگ اُس کے پاس سفر کر کے آئیں اور وہ مرجع خلائق بن جائے۔ یعنی علم، زہد اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر امام نوویؒ میں یہ تینوں خصوصیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

(تذکرۃ المحدثین ص ۳۹۴)

محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ
فضل و کمال | یوں رقم طراز ہیں:-

ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ بیس برس تک شب و روز طلب علم میں انھوں نے ایسی محنت و مشقت برداشت کی کہ اپنے تمام ہمسروں سے فائق ہو گئے۔

اس علمی امتیاز کے باوجود اس عہد کے ولی کامل شیخ یسین حجام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے روحانی کتاب فیض میں وہ کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

امام نوویؒ نے تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی علم کی بڑی خدمت کی ہے۔ شرح صحیح مسلم، تہذیب الاسماء و اللغات، ریاض الصالحین، کتاب الاذکار

اور کتاب الاشارات چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور اہل علم کو ان سے بہت فائدہ پہنچا ہے، بالخصوص شرح مسلم کہ اس سے ہندوستان کے تمام اہل دین

و تدریس نے فائدہ اٹھایا ہے اور اس بنا پر سب امام نوویؒ کے مہربان منت ہیں۔ (ایضاً ص ۳۹۴)

ف: انہی وجوہ کی بنا پر اس حقیر کے دل میں یہ داعیہ و جذبہ پیدا ہوا کہ امت کے نفع کے لئے آپ کی تصنیف ”کتاب الاذکار“ کا اردو میں

ترجمہ کروں، اور شروع بھی کر دیا، اور اس کا معتد بہ حصہ ترجمہ ہو بھی گیا تھا جس کا کچھ حصہ حضرت مکرم مولانا مجیب اللہ ندوی نے اپنے موقر رسالہ

اثنائے ترجمہ حضرت محدث عصر مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ سے جب
 اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ ضرور اس کا ترجمہ کرو، اس کے مصنف
 علامہ نوویؒ محض محدث ہی نہیں تھے بلکہ صوفی بھی تھے۔ لہذا ہم نے اسکی
 کئی فصلوں کو ”گلستہ اذکار“ میں درج بھی کر دیا ہے جسے علمائے پسند
 بھی فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو قبول فرمائے اور علامہ کے فیوض
 علیہ وقلبیہ سے ہم کو مستفیض فرمائے۔ آمین! وما ذالک علی اللہ بعزیز (ترجمہ)
 عظیمی | الحمد للہ کہ آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ”ریاض الصالحین“
 کو اس حقیر نے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
 قدس سرہ سے سبقاً سبقاً پڑھا ہے۔ اس کی شرح ”دلیل الفالحین“ کو بھی
 اس کے تحت پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اس کے مقدمہ میں علامہ نذوی رحمہ اللہ نے یہ مبارک اشعار نقل فرمائے ہیں

اِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا اَفْنٰا طَلَعُوا الدُّنْيَا وَخَافُوا الْفِتْنٰا
(اللہ کے کچھ زیرک ہوشیار بندے ہیں جنہوں نے دنیا کو طلاق دے دیا اور فتنوں سے ڈر گئے)
نَظَرُوْا فِيْهَا فَلَمَّا عَلِمُوْا اَنْهَا لَيْسَتْ لِحٰی وَطَنًا
(جب اس دنیا دنیہ میں نظر عنایر سے دیکھا، سمجھ لیا کہ یہ زندوں کیلئے رہنے کی جگہ نہیں ہے)
جَعَلُوْهَا لِحْجَةً وَّ اَتَّخَذُوْا مٰلِ الْاَعْمَالِ فِيْهَا سَفْنًا
(دو دنیا کو مثل سمندر کے بنایا اور اعمال صالحہ کو کشتی قرار دیا اور بحفاظت ساحل عافیت تک پہنچ گئے)

جو سب کو لائحہ عمل بنانے کے لائق ہے۔ اولیٰ کاغذ ہی پر نہیں بلکہ سودائے قلب میں نقش کئے جانے کے لائق ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح الامت رحمہ کو یہ اشعار استفادہ پسند تھے کہ مجھ سے فرمایا کہ علیحدہ کاغذ پر اس کو نقل کر دو، تو اس حقیر نے حسب الحکم نقل کر کے کاغذ دیا تو اُسے اپنے سر ہانے رکھا جو عرصہ تک محفوظ رہا۔ ظاہر ہے کہ یہ حضرت مصلح الامت رحمہ کے اصلاح اعمال، تزکیہ نفس اور فکر آخرت پر بین ثبوت ہے۔ اہل اللہ کا یہی حال ہوتا ہے کہ ایسے مضامین سے بے حد متاثر ہوتے ہیں اور اس کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہیں۔

دوسری کتاب آپ کی کتاب الاذکار ہے۔ یہ بھی بہت مفید کتاب ہے اور لائحہ عمل بنانے کے لائق ہے۔ اس لئے حضرت مصلح الامت رحمہ اپنی آخر عمر میں اس سے بکثرت مضامین سناتے تھے۔ اسی افادیت کے مد نظر اس کتاب کے متعلق کسی کا مشہور مقولہ ہے ”بِيع الدَّارَ وَ اشْتَرِ الْاَذْكَارَ“ (یعنی گھر بیچ کر اذکار کو خرید لو۔) (مرتب)

علامہ نووی رحمہ اپنی لا جواب تصنیف ”کتاب الاذکار“ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

ارشادات

فصل: یہ بات بخوبی سمجھ لو کہ اگر فضائل اعمال میں سے کسی عمل کی روایت جس کسی کو پہنچے تو اسکو چاہئے کہ اس پر عمل کرے اگرچہ ایک ہی مرتبہ بھی، تاکہ اُس سنت پر عمل کرنے والوں میں اس کا شمار ہو جائے۔ اور یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اس کو بالکل ہی ترک کر دے، بلکہ جس قدر بسہولت ہو سکے بجالائے جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں مذکور ہے۔ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَاَتَوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ یعنی جب میں کسی چیز کا امر کروں تو حتیٰ الوسع اس کا امتثال کرو۔ فصل: نیز فرمایا کہ یہ حقیقت بھی بیش نظر رکھو کہ ذکر کی فضیلت کوئی تسبیح

تہلیل، تحمید اور تکبیر وغیرہ میں مختصر نہیں ہے۔ پس جو شخص اللہ کیلئے انکی کسی طاعت میں مشغول ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، جیسا کہ اس کو علماء میں سے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے فرمایا ہے۔

اور حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذکر کی مجالس حلال و حرام کی مجالس ہیں۔ جس میں یہ بیان کیا جائے کہ کیسے تم شریعت کے مطابق خرید و فروخت کرو اور کیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ ادا کرو۔ اور کس طرح (سنت کے مطابق) نکاح کرو جب طلاق (کی نوبت) آجائے تو اسکو کیسے انجام دو (ناگہنگار نہ ہو) (کنالہ کبار) ف: سبحان اللہ، مجالس ذکر کا مفہوم اتنا عام ہے کہ آدمی کیلئے الذاکرین اللہ کثیراً کی مبارک جماعت اور زمرہ میں داخل ہونا کچھ مشکل نہیں ہے۔ (مرتب)

وفات

۴۵ سال کی عمر میں بروز چار شنبہ ۲۴ رجب ۶۷۶ھ کو آنحضرت نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اپنے وطن میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔
(تذکرۃ المحررین ص ۳۹۹)

حضرت ابراہیم دسوقی قرشی رحمۃ اللہ المتوفی ۶۷۶ھ

تعارف

آپ کرامات ظاہرہ، مقامات فاخرہ، بصائر باہرہ، احوال خارقہ، انقباض صادقہ، اشارات نورانیہ، نفحات روحانیہ، اسرار ملکوتیہ کے حامل تھے۔ اہل طریق کے نزدیک آپ کا کلام نہایت اعلیٰ و برتر سمجھا جاتا ہے۔

ارشادات

فرماتے تھے کہ جو شیخ اپنی ہدایت کے سلسلہ میں خود سخت یا ضحّت مجاہدہ نہ کرے گا اس کے مرید کو کبھی فلاح نہ ملے گی۔ اس لئے کہ جب وہ سوئے گا تو مریدین بھی سوئیں گے۔ اور جب وہ قیام لیں گے گا تو اس کے مریدین شب بیداری کے پابند ہوں گے۔ پس اگر وہ لوگوں کو عبادت کا حکم دے گا اور خود لغو میں مبتلا رہے گا یا ان کو بیچار باتوں سے توبہ کرنے کا امر کرے گا اور خود اس کا ترک ہوگا تو لوگ اس پر ہنسیں گے۔ اور اس کی اطاعت و فرماں برداری نہ کریں گے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص متشرع، پاک صاف، پارسا و شریف نہ ہو، وہ میری اولاد نہیں ہے، خواہ وہ میرا اصلی لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو مرید شریعت، حقیقت، طریقت، دیانت، صیانت، زہد و ورع اور قلبی طبع سے بہرہ ور ہو وہی میری اولاد ہے۔ اگرچہ وہ دور دراز ہی کا باشندہ کیوں نہ ہو۔

فرماتے تھے کہ قلبی اولاد صلی اولاد سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ صلی اولاد کو

مال و دولت کی میراث سے حصہ ملے۔ اور قلبی اولاد کو بطنی اسرار سے حصہ ملے۔ فرمایا کرتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اسی کو دوست رکھتا ہے جو سب سے زیادہ اپنے دل و شرمگاہ اور ہاتھ و زبان کو پاک و صاف رکھنے والا ہو اور سب سے زیادہ پارسا ہو، اور سب سے زیادہ درگزر کرنے والا ہو۔ اور سب سے زیادہ فراخ دل ہو۔ فرماتے تھے کہ جیتک بمختاری زبان حرام چیزوں کا مزہ چکھتی رہی اس وقت تک اس بات کی خواہش نہ کرو کہ تم کو حکمت و معرفت کا کچھ مزہ میسر ہوگا۔ فرمایا کرتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ سے محبت کرو تو آسمان و زمین والے بھی تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو تو جن و انس تمہاری اطاعت کریں گے۔ اور سمندر تمہارے لئے خشک ہو جائیں گے اور ہوا تمہارے لئے مسخر ہو جائے گی۔ (جیسا کہ پہلے ہو چکا ہے)

فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے بچو! ولیوں کے اخلاق اختیار کرو تاکہ تم کو سعادت حاصل ہو۔ اور اگر تم نے فقط اجازت نامہ لے لیا اور اولیاء اللہ کے اخلاق کے ساتھ متعلق نہ ہوئے، اور جہاں کسی نے ذرا ٹوکا تو جھٹ اپنا اجازت نامہ کھول کر دکھلا دیا تو سنو یہ کچھ بھی نہیں ہے بلکہ محض نفسانیت ہے ہاں تم کو یہ چاہئے کہ اس اجازت نامہ کو بغور پڑھو اور جو وصایا و فضائل اس میں مذکور ہیں ان پر عمل کرو تو اس سے مکلفائدہ ہوگا اور اس سے تم کو بزرگی نصیب ہوگی۔ لے بچو! مقامات اولیاء تک پہنچنے کا ہمیشہ سے یہی طریق رہا ہے۔ اور تاقیامت یہی رہے گا۔

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ نصیحت ہے۔ کاش مشائخ کے اجازت یافتہ حضرات اس کو مستحضر رکھتے تو خود ان کو بھی فائدہ پہنچتا اور وہ دوسروں کیلئے

بھی مفید ثابت ہوتے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کسی بندے کو اس لئے ابتلا میں ڈالتا ہے کہ اس کو اپنے خاص بندوں کے درجات تک پہنچا دیں پس اگر اس نے صبر کیا اور حلم اختیار کیا اور عفو سے کام لیا اور فیاضی کا معاملہ کیا تو اس کے درجہ کو بلند فرمادیتے ہیں، ورنہ اس کو مردود فرمادیتے ہیں۔ فرماتے تھے کہ تم کیونکر چاہتے ہو کہ تمہاری کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوں اور تمہاری مویشتیاں دودھ سے مالا مال ہوں، جبکہ تم امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد پر تلوار کھینچتے ہو اور ان کے خون سے اپنی تلواروں کو رنگین کرتے ہو۔

ف: یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کیسے رحم کا معاملہ کرے گا۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ مرید جب کسی دن اپنا وظیفہ ترک کرے تو اللہ تعالیٰ اس دن اس سے اپنی امداد کو روک لیتے ہیں۔

ف: اس وظیفہ میں جیسے نماز، تلاوت اور ذکر ہے اسی طرح حسن خلق بھی اس میں داخل ہے۔ اس لئے اس پر مداومت کرنی چاہئے۔ حدیث پاک ہے: احب الاحمال الی اللہ اذومہا وان قل (مشکوٰۃ ص) پس جب عمل میں دوام ہو گا تو امداد الہی میں بھی تسلسل و دوام ہو گا، جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھتا ہے پس اگر کوئی حسن خلق کو اپنائے گا، تو وہ اللہ تعالیٰ کے قرب قبول سے نوازا جائے گا۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ سب صحیح سالم تفسیر تو وہ ہے جو سلف سے مروی ہے اور سب اجنبی و عجیب وہ تفسیر ہے جو ہر زمانہ میں قلوب پر مفتوح ہوتی ہے۔ اگر ہمارے قلوب کو کوئی محرک حرکت نہ دیتا تو ہمارے قلوب بھی دہی کتے جو سلف سے

مروی ہے۔ پس جب کوئی وارد ہمارے قلب کو حرکت دیتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ کے دروازے کو کھٹکھٹاتے ہیں اور ان سے اجازت کے طالب ہوتے ہیں اور ان کے کلام کی فہم کا سوال کرتے ہیں۔ پس اس وقت بقدر فتح کے ہم کلام کرتے ہیں، لہذا تم لوگ اس کو تسلیم کرو تو سالم رہو گے۔ اس لئے کہ ہم خالی ظرف ہیں اور اس میں علم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ فرماتے تھے کہ جس کو خلق اللہ پر شفقت نہ ہو گی وہ اہل اللہ کے درجات تک نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بکریوں کو چرایا تو انہیں سے کسی کو بھی چھڑی سے نہ مارا، اور نہ بھوکا چھوڑا۔ اور نہ کسی قسم کی اذیت دی۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے انکی غایت شفقت کو ملاحظہ فرمایا تو نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور انکو حکیم بنا دیا۔ اور بنی اسرائیل کا راعی مقرر فرمایا اور ان سے سرگوشی فرمائی۔ پس جو شخص بھی مخلوق کا اعزاز کرے اور ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرے گا تو اولیاء اللہ کے درجات تک ترقی کرے گا۔ والسلام۔ (طبقات ص ۱۶۵)

فرماتے تھے کہ شیخ مرید کا طبیب ہے۔ لہذا جب مریض طبیب کی ہدایت پر عمل نہ کرے گا تو وہ شفا یاب نہ ہوگا۔

فرماتے تھے کہ جسم کے تین جز ہیں۔ دل، زبان اور اعضا۔ پس اعضا و زبان پر تو فرشتے متعین ہیں اور دل اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہے۔

فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ حقیقی اولاد ہو اور مخلص پیرو ہو تو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاؤ۔ اور اپنے دل کو اپنا واعظ بناؤ اور خوب عمل کرو۔ اور کسی سے مال کے طالب نہ ہو۔ یہی میرا طریقہ ہے۔ جو شخص مجھ سے سچی محبت رکھتا ہو گا وہی میرے ساتھ اس طریقہ پر چلے گا۔ کیونکہ حقیقی سالک درویش وہی ہے جو اس طریقہ پر چلے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے بچو! اگر تم ہمیشہ روزے سے رہتے ہو اور رات میں

مستقل عبادت کرتے ہو، اور بمقتدارِ ادل پاک صاف اور معاملہ اخلاص کے ساتھ درست ہو، تب بھی اپنے کمال کا دعویٰ نہ کیا کرو۔ بلکہ صرف یہ کہو کہ میں گنہگار و ناکارہ ہوں۔ نفس کے شر و غرور سے پُر حذر رہو، اس لئے کہ بہت سے فقیر اسی کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئے۔ ف: سالکین کیلئے بہت ہی ضروری نصیحت فرمائی اللہ تعالیٰ علیہ توفیق دے۔ (مرب)

فرمایا کرتے تھے کہ اے میری اولاد! اگر کسی کی غیبت کا جی چاہے تو اپنے والدین کی غیبت کیا کرو۔ اس لئے کہ بھتیجیوں کی غیبتوں کے وہ زیادہ مستحق ہیں۔

فرماتے تھے کہ تم میں کاکوئی شخص صالح ہونے کا کیسے دعویٰ کرتا ہے جبکہ وہ اعمال بد کا ارتکاب کرتا ہے۔ چنگی وصول کرنے والوں، رشوت لینے والوں، سود کھانے والوں، ظالموں اور ان کے مددگاروں کے یہاں جا کر کھانا کھاتا ہے۔ اور کیسے نیک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ جبکہ وہ جھوٹ، غیبت، بدگوئی اور آبروریزی میں مبتلا رہتا ہے۔ اور کیسے اس بات کا طالب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صادق، دلی، حبیب لکھا جائے جبکہ وہ معاصی میں منہمک ہے اور اس پر طرہ یہ کہ اب تک اس نے توبہ تک نہ کی۔ تو آخر کیسے وہ طریقت کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسروں کو توبہ کراتا پھرتا ہے۔

فرماتے تھے کہ حاملِ قرآن پر واجب ہے کہ اپنے پیٹ کو حرام کھانے سے نہ بھرے۔ اور نہ اپنے جسم کو حرام کپڑے سے ڈھانکے۔ پس اگر وہ ایسا کرے گا تو قرآن اس کے اندر سے اس کو لعنت کرے گا اور کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اس شخص پر لعنت ہو جس نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعظیم نہ کی۔

فرماتے تھے کہ اے میرے بچو! اپنے پاس آنے جلنے والوں خاص طور سے بد عملوں سے پُر حذر رہا کرو۔ اگر تم اپنے بھائی سے سختی یا حسد کو دیکھو تو تم اس کے

ساتھ نیک سلوک کرو۔ اور اس کے ضرر سے اپنے کو محفوظ رکھو۔ رہا تمہارا دوست، تو اگر وہ دوستی کو نباہے تو تم بھی اسکی رعایت کرو۔ سچ بات تو یہ ہے کہ اے میرے بچو! اب آدمی کو اس سے چارہ نہیں کہ سبھی سے پُرہذر رہے اس لئے کہ ہم لوگ آخری زمانہ میں ہیں جس میں خیر خواہی کم ہو گئی ہے۔ پس شاید ہی تم کو کوئی خیر خواہ ملیگا۔ اور ایسے لوگوں سے تو بہت دور رہو جن کے خوشی کے تم درپے ہو اور وہ تمہارے درپے آزار ہوں۔ اور تم ان کو بلند کر لجاؤ اور وہ تم کو پست کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ چنانچہ اس دور میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر ان کے ساتھ نیکی نہ کرو تو وہ تمہارے ساتھ بُرائی کریں گے۔ بلکہ بہتر ہے ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے ساتھ نیکی کا بھی معاملہ کرو تو وہ تمہارے ساتھ بُرائی ہی کا معاملہ کریں گے۔ تم ان کے ساتھ کتنے ہی لطف و کرم سے پیش آؤ گے مگر وہ تم پر ظلم و ستم ہی ڈھائیں گے۔ تم ان کو فائدہ پہنچاؤ گے مگر وہ تم کو ضرر پہنچائیں گے۔ تم ان کے ساتھ بھلائی کے خواہاں ہو گے مگر وہ تم پر جھگڑنے پر تھے ہوں گے۔ تم ان سے وصل کا معاملہ کرو گے اور وہ لوگ قطع ہی کو اپنا شیوہ بنائیں گے۔ تم تو ان کو کھانا کھلاؤ گے اور وہ تم کو محروم رکھیں گے۔ تم تو ان کو بڑھاؤ گے اور وہ اگر موقع پائیں گے تو تم کو پیچھے ہٹا دیں گے۔ اور جنکی تم نے پرورش کی ہے وہ کہیں گے ہم نے ہی تمہاری پرورش کی ہے۔ اور تم ان کے ساتھ انتہائی صفائی کے ساتھ معاملہ کرو گے مگر وہ تمہارے ساتھ خیانت کو روا رکھیں گے۔ اور تم تو ان سے بشتاشت سے ملو گے مگر وہ تم سے ترش روئی اور تمکدر سے ملیں گے۔ ہائے رے دنیا۔

اے اہل دنیا! خود غور کرو کہ جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ

میں نفاق موجود تھا، تو ساتویں صدی بھلا کیسے اس سے خالی ہو سکتی ہے
اس لئے اے میرے بچو! بروں سے الگ رہو اور نیکیوں سے نیکی حاصل کرو۔
(طبقات ۱۶۵ ج ۱)

و: حضرت شیخ نے اپنے مریدین و متعلقین سے اپنے زمانہ کا یہ حال
بیان فرمایا ہے اور نصیحت فرمائی ہے کہ کبھی سے پُر حذر رہنا چاہئے۔ تو آج کل کا دور
تو اس سے کہیں زیادہ بدتر ہے۔ لہذا بہت پُر حذر رہنے کی کیسی کچھ ضرورت ہے۔
حضرت علامہ شعرانی نے حضرت شیخ ابراہیم دسوقی کے بہت سے اقوال
نقل کئے ہیں۔ مگر ان میں سے چند ہی کو ہم نے درج کیا ہے۔ لیکن اگر اتنے ہی کو ہم
پیش نظر رکھیں تو بڑی ہی سعادت کی بات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل
کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۶۶۶ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ
(الاعلام ص ۵۹)

حضرت ابو الشیخ عتبہ رضی اللہ عنہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۷ھ

تعارف | آپ جلیل القدر بزرگ تھے۔ فقرہ کی بہت تعظیم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت رکھتے ہیں اس لئے ان کی طرف منسوب ہیں۔

یہ اپنے مریدوں سے عمد لیتے تھے کہ اپنے گھروں میں ایک ہی قسم کا کھانا پکوا کر میں تاکہ ایک کو دوسرے پر امتیاز حاصل نہ ہو۔ ایک مرتبہ ان کے اصحاب میں سے ایک صاحب نے اپنی بیوی سے کہا کہ کس کھانے کا تیراجی چاہتا ہے بتا، تاکہ وہی چیز خرید کر پکائی جائے۔ تو بیوی نے کہا کہ تم اپنی لڑکی سے اس کے متعلق دریافت کرو۔ چنانچہ انھوں نے اپنی بیٹی سے اس کے متعلق پوچھا کہ تمہارا کس چیز کے کھانے کا جی چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا جی جس چیز کو چاہتا ہے آپ اس کو پورا نہیں کر سکتے۔ انھوں نے کہا کہ بیٹی کہو، ضرور پورا کروں گا اگرچہ وہ ایک ہزار دینار کی کیوں نہ ہو۔ تو اس نے کہا کہ میرا نکاح حضرت قرشی سے کر دیجئے۔ جبکہ قرشی نابینا تھے اور ایسے جذامی تھے کہ عورتیں ایسے شخص سے نکاح کو پسند نہیں کرتیں۔ اس شخص کا بیان ہے کہ بالآخر میں نے حضرت قرشی کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا۔ حضرت قرشی نے قاضی کو بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ قاضی نے آکر نکاح پڑھایا۔ وہ لڑکی آراستہ پیراستہ کر کے حضرت کے پاس حاضر کر دی گئی۔ جب سب عورتیں چلی گئیں تو حضرت غلخانہ گئے اور وہاں سے نکلے تو اچھے خاصے خوبصورت نوجوان عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے اور ان کے بدن سے بہت عمدہ خوشبو آرہی تھی۔ اس لڑکی نے شرم کرنا اپنا چہرہ چھپا لیا۔ حضرت قرشی نے

فرمایا کہ تم پردہ نہ کرو، میں وہی قرشی ہوں جس سے تمہارا نکاح ہوا ہے۔ لڑکی نے کہا کہ تم ہرگز قرشی نہیں ہو، تو انھوں نے اللہ کی قسم کھائی کہ میں قرشی ہی ہوں۔ لڑکی نے پوچھا کہ یہ شکل و صورت کیسی ہے؟ وہ تو ایسے نہ تھے۔ تو فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ اسی شکل و صورت میں رہا کروں گا۔ اور تمہارے علاوہ دوسرے کے ساتھ اپنی پہلی شکل میں۔ لیکن جب تک مجھے موت نہ آجائے کسی سے یہ بات نہ کہنا۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ مگر میں آپ کی اُسی ہیئت کو خیر و بہتر سمجھتی ہوں جیسے آپ دوسروں کے ساتھ رہتے سہتے ہیں۔ اس کو سن کر شیخ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر دے۔ چنانچہ اس لڑکی نے اسی حالت میں ان کے ساتھ زندگی بسر کی۔ جب شیخ قرشیؓ کی وفات ہوئی تب اس لڑکی نے ان کے یہ حالات لوگوں سے بیان کئے۔ چنانچہ درویشوں اور اولیاء اللہ کے درمیان انکی ایسی ہی حرمت و عزت ہوئی جیسی کہ حضرت قرشیؓ کی تھی۔ (طبقات ج ۱ ص ۱۵۱)

ف: اس واقعہ سے جیسے حضرت قرشیؓ کی کرامت کا ظہور ہوا، اس سے بڑھ کر اس لڑکی کا کمال ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی خواہشات قربان کر دیا۔ جس کا ثمرہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی عطا فرمایا کہ اہل اللہ کے قلوب میں اس کی حرمت و عظمت کو ڈال دیا اور اپنی نسبت و محبت سے سرفراز فرمایا اور آخرت کے اجر و ثواب اور قرب و قبول کا کوئی بُشر کیا اندازہ کر سکتا ہے جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ (مشکوٰۃ ص ۴۹)

(نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے قلب پر اس کا خیال گزرا۔) (درتب)

وفات آپ کی وفات ۶۷ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ (شذرات الذہب ص ۳۶۱)

حضرت شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ المتوفی ۶۸۲ھ

نام و نسب | نام صدر الدین، والد کا نام شیخ الاسلام
زکریا ملتانویؒ ہے۔

ولادت | آپ کی ولادت باسعادت ۵۹۹ھ میں ہوئی۔

تعارف | والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مسند ارشاد و اصلاح پر جلوہ افروز ہوئے۔ اکثر و بیشتر اولیاء کرام آپ کے ارادت مند اور مرید تھے۔ مشہور بزرگ میر حسینی سادات بھی آپ کے مرید تھے۔

ملفوظات و نصح | شیخ کے ملفوظات و نصح کا مجموعہ "کنوز الفوائد" کے نام سے معروف ہے جو درحقیقت وہ نصیحتیں ہیں جو شیخ صدر الدین نے اپنے مریدین کے نام تحریر فرمائی تھیں۔ اُن میں سے بعض نقل کرتا ہوں۔

ایک جگہ لکھا ہے کہ: حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حِصْنِي فَمَنْ دَخَلَهُ آمَنَ مِنْ عَذَابِي دَلَالًا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
میرا قلعہ ہے، جو اس میں داخل ہو جائے گا وہ میرے عذاب سے مامون
و محفوظ ہو جائے گا۔

دو چیزیں ہیں۔ ایک حصن اور ایک حصار۔ حصار کے معنی چار دیواری کے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس کی نگرانی و حفاظت کی جائے یا نہیں۔ اور حصن اُس چار دیواری کو کہتے ہیں جسے بنانے کے بعد اس کی نگرانی و حفاظت کا بھی

اہتمام کیا جاتا ہے۔

حصن کی تین حالتیں ہیں۔ ظاہر، باطن، حقیقت۔ قلعہ کا ظاہر یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے امید و خوف نہ رکھے۔ پوری دنیا بھی اگر دوست یا دشمن ہو جائے، تب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کسی قسم کا نقصان یا فائدہ اور اچھائی یا برائی نہیں پہنچا سکتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
 وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِمَحْسَرٍ فَلَا دَافِعَ لَهُ - (یعنی اگر اللہ کی جانب سے تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو سوائے اللہ کے کوئی دور کرنے والا نہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ پر اپنا فضل و کرم فرمائیں، تو اس کے فضل و کرم کو کوئی روکنے والا نہیں۔)

قلعہ کا باطن یہ ہے کہ مرنے سے قبل اس بات کا جزم و یقین محکم کرے کہ اس ختم ہونے والی سرلے اور دنیا میں جو کچھ پیش آنے والا ہے، وہ سب عارضی اور وقتی ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں کسی چیز کو ثبات و قیام اور بقا و دوام حاصل ہی نہیں۔ اور اس دنیا کو ختم کرنے کے لئے تقدیر کا قلم چل چکے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ“ (دنیا کی ہر شے فنا ہونے والی ہے) چونکہ خود دنیا کو ثبات و قیام نہیں، اس لئے دنیا کے ہونے اور نہ ہونے کی پرواہ کئے بغیر پوشیدہ طریقہ سے اس دنیا میں ٹھہرا رہے۔

اور قلعہ کی حقیقت یہ ہے کہ جنت کی خواہش اور دوزخ کا خوف دل سے نکال دے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے سے قرار نہ پائے، اور
 فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ کا مصداق بنے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب خاص سے مشرف ہو جائے۔ جب اس مقام کے لائق ہو جائے گا

تو جنت خود بخود اس کی طلبگار بن کر اس کے پیچھے پیچھے آئے گی اور دوزخ اس سے دور بھاگ جائے گی۔

نیز آپ کے وصیت نامہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-
 ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا“

اے ایمان والو! ذکر الہی کثرت سے کیا کرو جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو نیک بختوں میں لکھ کر زبان سے ذکر کرنے کی توفیق کے ساتھ ساتھ دل کی موافقت کی قوت بھی عطا فرمادیتے ہیں۔ پھر سانی ذکر میں ترقی عطا فرما کر تسلی ذکر تک پہنچا دیتے ہیں تاکہ اگر زبان خاموش ہو جائے تو دل جاری رہے۔ اسی کو ذکر کثیر کہتے ہیں۔ اس ذکر تک انسان اُس وقت سانی حاصل کرتا ہے جب ہر قسم کے نفاق (فسق و فجور) سے بری ہو جاتا ہے۔ جس کا لطیف اشارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں ملتا ہے کہ :-

”اَكْثَرُ مَنَافِقِي أُمَّتِي قُرْأَتُهُمْ“ (میری اُمّت کے اکثر منافق قرآن (علماء) ہوں گے۔)

منافقوں کی اس منافقت سے وہ نفاق مراد ہے جو غیر اللہ کے ساتھ میل جول اور باطنی تعلق کی وجہ سے ہو۔ اور جب کسی انسان کو ان غیر محمودہ (نامشروع) چیزوں سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے تو یہ انسان برے خیالات اور ناپسندیدہ اخلاق سے علیحدہ ہو کر اپنے باطنی کمالات کے ذریعہ ممتاز ہوتا ہے۔ تو وہ وقت قریب آ جاتا ہے جبکہ اُس کے باطن میں ذکر اللہ کا نور تابانی و درخشانی کرتا ہے، پس وہ وقت

ایسا ہوتا ہے کہ اس بندے سے شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات دور ہو جاتی ہیں اور اس کے باطن میں ذکر اللہ کے نور کے اتنے جوہر نمایاں ہوتے ہیں کہ ذکر کو ذکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ اور یہی وہ بلند مرتبہ اور نعمت عظمیٰ ہے جس کے حصول کے لئے صاحبِ بہمت اور اہل بصیرت لوگ اپنی گردنوں کو ان نور والوں کے سامنے جھکاتے اور خم کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

وفات

آپ نے ۶۸۳ھ میں اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی
(اخبار الاخیار ص ۳)

حضرت الشیخ احمد ابوالعباس المرسی رحمہ اللہ المتوفی

آپ اکابر عارفین میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کے علم کا ان کے سوا کوئی وارث نہ ہوا۔

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ اس طائفہ کے علوم تحقیقی ہیں اور عوام کی عقلیں علوم تحقیقی کی تحمل نہیں ہو سکتیں۔

فرماتے تھے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش رحمت ہے مگر ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو عین رحمت ہی ہیں۔

فرماتے تھے کہ اللہ کا ولی، اللہ کے ساتھ اس طرح رہتا ہے جیسے شیر فی کالجہ اس کی گود میں رہتا ہے۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ شیر فی اپنے بچے کو اچکنے والوں کے لئے اپنی گود سے الگ چھوڑ سکتی ہے؟ نہیں، قسم اللہ کی۔ (اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی حفاظت فرماتے ہیں۔)

حدیث مَنْ عَرَفَ فَفُسَّه فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٖ کے معنی یہ بیان فرماتے تھے کہ جس نے اپنے نفس کو ذلت اور عجز کے ساتھ پہچان لیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو عزت اور قدرت کے ساتھ پہچان لے گا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

عہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔

فرماتے تھے کہ شیخ ابوالحسن فرماتے تھے کہ اگر گنگا مومن کا نور ظاہر کر دیا جائے تو زمین و آسمان کا درمیانی حصہ نور سے بھر جائے۔ پھر مطیع و فرمان بردار مومن کے نور کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے کہ کیسا ہوگا۔ ؟

فرماتے تھے کہ جو ظہور کو محبوب رکھے تو ظہور کا بندہ ہے اور جو خفا کو پسند کرے تو وہ خفا کا غلام ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اس کے لئے برابر ہے خواہ اس کو ظاہر فرمائیں یا مخفی رکھیں۔

فرماتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے جنھوں نے راستہ میں ایک عورت کے محاسن پر نظر ڈالی تھی، تو فرمایا کہ تم میں کا ایک شخص میرے پاس اس حال میں داخل ہوتا ہے کہ اس کے چہرے پر زنا کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ ف: اسی کا نام نور فرماست ہے جو مومن کو دیا جاتا ہے۔ (مرتب) آپ جب اثنائے سفر میں کسی شہر میں قیام فرماتے اور معلوم ہوتا کہ بستی کا چودھری صبح آپ سے ملاقات کرے گا تو فجر سے پہلے ہی وہاں سے رخصت ہو جاتے۔ ف: اس سے اُمرار سے استغنائے تام کا پتہ چلتا ہے جو اس زمانہ میں کمیاب ہوتا جا رہا ہے۔ (مرتب)

آپ اپنے کسی مرید کی تعریف اپنے مریدوں کے سامنے بھی نہ کرتے اس لئے کہ ان کو اس میں باہم حسد کا اندیشہ ہوتا تھا۔

ف: اس زمانہ میں تو یہ مرض عام ہے۔ بلکہ شیخ سے بظن کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ اس مرض میں اکثر خدام و مقررین مشائخ مبتلا نظر آتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

آپ کی نماز مختصر ہوتی تھی مگر نہایت مکمل و جامع ہوتی تھی۔ (طبقات ص ۱۲)

اپنے شیخ کا قول نقل فرماتے تھے۔ کہ میری صحبت میں رہو اور میں دوسروں کی مصاحبت سے منع نہیں کرتا۔ لہذا اگر تم کو اس چشمہ سے زیادہ شیریں چشمہ میسر ہو تو ضرور وہاں جاؤ (اور سیراب ہو)۔

ف: سبحان اللہ، کس قدر خلوص و فراخ دلی کی بات ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے۔ اس لئے کہ مقصود اللہ رب العزت کی رضا ہے نہ کہ کوئی شیخ و پیر۔ کاش یہ حقیقت عوام بلکہ خواص پر منکشف ہو جاتی تو بہت سی ضیق و تنگی سے سب کو نجات مل جاتی۔ اور توحید مطلب کا مقصد بھی صحیح طور پر سامنے آجاتا۔ (مرتب) آپ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ جب کسی قوم کا رئیس آئے تو مجھے خبردار کر دیا کرو۔ تاکہ میں اس کے استقبال کے لئے باہر نکلوں۔ پھر جب وہ نہیں واپس جاتا تو اس کے ساتھ چند قدم پہنچانے کیلئے جاتے۔ اس کے بعد واپس تشریف لاتے۔

ف: سبحان اللہ، کس قدر اتباع سنت کا خیال تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جب تمھارے پاس کسی قوم کا سردار آئے تو اس کا اکرام کیا کرو۔ مگر ہاں چالیسویں و خوشامد کی حد تک پہنچنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔ (مرتب) فرماتے تھے کہ مشائخ کیلئے ضروری ہے کہ مرید کے احوال کا تفقہ (نگہبانی) کریں۔ اور مریدین کو جائز ہے کہ اپنے باطنی احوال سے شیخ کو مطلع کریں۔ اس لئے کہ شیخ مثل طبیب کے ہے۔

فرماتے تھے کہ لوگوں نے صوفی کے اشتقاق میں اختلاف کیا ہے تو ان میں سب سے احسن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فعل کی طرف منسوب ہے یعنی صَافَاہُ اللہ تعالیٰ فَصُوفِی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو صاف کیا تو وہ صاف ہو گیا۔ لہذا ان کا نام صوفی رکھ دیا گیا۔ (طبقات ج ۲ ص ۱۷۱)

فرماتے تھے کہ جس نے تیل والے سے تیل خریدا پس اس نے اسکی طلب پر ایک دھاگہ کا اضافہ کر دیا، تو خریدنے والے کا دین اس دھاگہ سے بھی زیادہ باریک و کمزور ہو گیا۔ اور جس نے کوئلہ والے سے کوئلہ خریدا، جب فاختہ ہوا تو کہا کہ ذرا کوئلہ اور دیدو۔ تو اس کا قلب اس کوئلہ سے بھی زیادہ سیاہ ہو گیا۔

ف: اس سے کس قدر احتیاط کی ضرورت مفہوم ہوئی کہ معمولی معمولی چیزیں کیلئے اپنے دین و دل کو ضائع نہ کرنا چاہئے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خلفائے رسالت ہیں اور حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما خلفائے نبوت۔

فرماتے تھے کہ عوام الناس اگر کسی جنگلی و صحرائی آدمی کو ولایت کی طرف منسوب پاتے ہیں تو تعظیم و تکریم سے ان کی طرف جھکتے ہیں۔ حالانکہ ان کے درمیان بہت سے ابدال و اولیا ہوتے ہیں مگر ان کی طرف مطلق التفات نہیں کرتے۔ حالانکہ یہی حضرات ان کا بار اٹھائے رہتے ہیں اور اغیار کو ان سے دفع کرتے رہتے ہیں۔ پس اول الذکر کی مثال جنگلی گدھوں کی طرح ہے کہ جب وہ شہر میں آتے ہیں تو شہر کے لوگ ان کے ساتھ ساتھ چکر لگاتے ہیں اور ان کے چلد کی دھاریوں اور خوبصورتی کو پسند کرتے ہیں، اور جو گدھے ان کے پاس رہتے ہیں ان کے بوجھوں کو منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں اور ان کی مٹی کو ہٹاتے ہیں اور انکی عمارتوں کے سامان ڈھوتے ہیں تو انکی قدر نہیں کرتے۔ (طبقات ج ۲ ص ۸۷)

وفات

آپ کی وفات ۶۸۶ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(طبقات ص ۱۳)

حضرت الشیخ ابراہیم جعیری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی

نام، نسب، ولادت | نام ابراہیم، والد کا نام معضاد، دادا کا نام شدا ہے۔
ارزی الحجہ ۵۹۹ھ میں ولادت ہوئی۔

تعارف | آپ نیک، صالح اور صاحب احوال و صاحب مکاشفات
غریبہ تھے۔ آپ مسلک شافعی تھے۔

آپ نے شام میں شیخ ابوالحسن السخاویؒ سے علم حدیث حاصل کیا، اسکے
بعد قاہرہ (مصر)، تشریف لے گئے، آپ نے وہاں پر شیخ ابوحیان وغیرہ سے
احادیث سنیں اور فقہ شافعی میں تفقہ حاصل کیا۔

آپ کی مجلس | آپ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے۔ آپ کی مجلس میں شرکت
کرنے والوں کو ایک عجیب و غریب کیفیت حاصل ہوتی

تھی اور کرامات کا ظور ہوتا تھا۔ (طبقات الشافعیہ ص ۳)

ف: فیض صحبت اسی کو کہتے ہیں، جس کے عموماً آجکل لوگ منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ
زیادہ سے زیادہ اس زمانہ میں صاحب تاثیر اور صاحب جہد و ہمت حضرات پیدا
فرمائیں اور ہم کو ان کی صحبت میں حاضری کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین! (مرتب)
احوال غریبہ اور مکاشفات عجیبہ کے ساتھ متصف تھے۔ آپ کی مجلس وعظ سامعین
کو کیف و حال بخشی تھی اور گنہگاروں کو کھینچ لیتی تھی۔ آپ ظالموں اور والیوں
پر دہکتی ہوئی آگ تھے۔ امر بالمعروف میں بہت ہی سرگرم تھے۔

وفات: ۶۰۰ھ میں حرم شریف کے اندر وفات پائی۔ باب النفر کے باہر مدفون ہوئے۔
آپ کی قبر ظاہر ہے جسکی زیارت کی جاتی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (طبقات ص ۲)

حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب نام رکن الدین، کنیت ابو الفتح، والد کا نام شیخ صدر الدین ابن شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا

ولادت آپ کی ولادت ۶۳۵ھ میں ہوئی۔

تعارف آپ شیخ صدر الدین ابن شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے فرزند اور اپنے دادا شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا کے

براہ راست جانشین تھے۔ منادی صوفیہ جو آپ کے ایک مرید کی تصنیف ہے اس میں آپ کا کثرت سے تذکرہ کیا ہے۔ ”مجمع الاخیار“ میں آپ کے ملفوظات اور خطوط درج ہیں جو آپ نے اپنے مریدوں کے نام لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک نہایت بصیرت افروز خط طالبین کے نفع کے لئے نقل کرتا ہوں۔

مکتوب مفید

عزیزم! خوب یاد رکھنا چاہئے کہ انسان دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے ایک صورت اور دوسری صفت۔ اور قابل تعریف صرف صفت ہے، صورت کی کوئی قیمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ صورتوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمھارے اعمال اور دلوں کو دیکھتا ہے۔ صفت کا ظہور حقیقی طور پر صرف آخرت ہی میں ہوگا وہاں پر صفت ایک ظاہری صورت میں نظر آئے گی۔ کیونکہ آخرت ہی وہ عالم ہے جہاں ہر چیز کی حقیقت ظاہری لباس میں ملبوس کر دی جائے گی۔ اور یہ صورتیں اپنے موصوف کو نظر آئیں گی۔ اور جس کی جو صورت ہوگی

اُسی صورت میں اس کو اٹھایا جائیگا۔ جیسا کہ بلعم باعور کو اتنی عبادت اور زہد کے باوجود کتے کی شکل و صورت میں اٹھایا جائے گا، چونکہ کتے کی صفت ایسی موجود تھی اس لئے کتے کی شکل و صورت میں اٹھایا جائیگا۔ العباد باللہ تعالیٰ۔

اسی طرح قیامت کے دن ظالم و سرکش اپنے کو بھیڑیے کی شکل و صورت میں دیکھے گا۔ متکبر و مغرور کی صورت چیتے کی مانند اور لالچی کنجوس کی شکل خنزیر جیسی ہوگی۔ اس لئے کہ ان جانوروں کی صفات خبیثہ ان لوگوں کے اندر ہوں گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فَكشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ۔ (سواب ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا، سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے) فرماتے تھے کہ آپ جب تک اپنے قلوب سے اوصافِ رذیلہ کو دور نہ کریں گے، اُس وقت تک آپ جانوروں اور درندوں میں شمار کئے جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: أُولَٰئِكَ كَانُوا لَكُمْ اَعْنَامًا بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ (وہ جانوروں کے مثل ہیں، بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں)۔

قلوب کی صفائی اور پاکی اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب اللہ کے دربار میں استعانت اور التجا کی جاتی ہے۔ اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا، کیونکہ نفس ہمیشہ سرکشی پر اُکساتا ہے۔ مگر جن لوگوں پر اللہ نے اپنا فضل کیا وہ نفس کی سرکشی سے علیحدہ اور کنارہ کش رہتے ہیں اور میرا

عہد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ ”سواب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ (غفلت اور انکار کا) ہٹا دیا (اور قیامت کا معائنہ کروادیا) سو آج (تو) تیری نگاہ بڑی تیز ہے (کہ کوئی امر مانعِ ادراک نہیں، کاش دنیا میں بھی اس مانعِ غفلت کو رفع کر دیتا تو تیرے بھلے دن بنتے)

پروردگار بڑا ہی غفور رحیم ہے۔ یعنی جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال نہ ہو، اُس وقت تک تزکیہ نفس اور قلوب کی صفائی ناممکن ہے۔

اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کسی وقت بھی پاکیزہ صفت نہ بن سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی نشانی یہ ہے کہ انسان اپنے ذاتی عیوب پر نظر رکھے اور اُنہیں بُرا تصور کرے اور انوار الہی کے پر تو سے اُس کا باطن اس طرح درخشاں ہو جائے کہ تمام دنیا اور دُنیا کی شان و شوکت اُس نیک مرد کی نظر میں کوئی وقعت نہ رکھے اور دنیا داروں کی کوئی منزلت و قدر اس کے دل میں سنگریزے کی مقدار تک بھی نہ رہے۔ جب کسی مومن کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو دنیا دار جن حیوانی و شہوانی صفات میں مبتلا اور گرفتار ہیں وہ ان تمام چیزوں سے نفرت کرنے لگتا ہے اور پھر اس نیک مرد کی خواہش یہ رہتی ہے کہ دنیا دار بھی فرشتہ صفت بن جائیں چنانچہ ظلم، غصب، غرور، سخل اور طمع لالچ کے بجائے اُن کے اندر غفو، بردباری، تواضع، سخاوت اور ایثار کی خوبیاں پیدا ہو جائیں۔ یہ ذکر کردہ اوصاف آخرت کے طلبگاروں کے ہیں۔ رہے طالبانِ حق، سو اُن کے اوصاف بہت بلند و بالا تر ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے۔

تخلقوا باخلاق اللہ (اخلاق الہی کو اپنے اخلاق بناؤ) یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہوتی۔

عہدِ لیست مر مرا کہ نگبیرم بغیر تو دوست

شرطِ لیست مر مرا کہ نخواہم بغیر تو بیج

(میں نے اپنی ذات سے یہ عہد کر لیا ہے کہ بغیر تیرے کسی کو دوست نہیں

بناؤں گا، اور اپنے نفس سے یہ شرط کر لی ہے کہ تیرے بغیر اور کسی کو نہیں چاہوں گا۔

ف: سبحان اللہ، یہ مکتوب کتنے معارف و اسرار پر مشتمل ہے۔ اور اسمیں انتہائی مفید فصل و مواضع مندرج ہیں۔ لہذا ہر سالک کو بلکہ ہر مسلمان کیلئے اسکا پڑھنا اور سمجھنا اور عمل کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی توفیق مرحمت فرمائے۔

واللہ الموفق - (مرتب)

نصیحت امیر مکتوب [”مجمع الاخیار“ میں ہے کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح نے ایک خط میں اپنے ایک مرید کو لکھا کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں نے نہ کسی کے ساتھ نیکی کی اور نہ ہی بدی کی۔ امیر المؤمنین حضرت علیؑ سے یہ بات سُنکر تمام حاضرین مجلس تعجب سے انگشت بندال ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ اے امیر المؤمنین! ممکن ہے کہ آپؑ کسی کے ساتھ برائی نہ کی ہو، لیکن اچھائی اور نیکی کے بارے میں آپ کیا فرما رہے ہیں۔ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا“ (جس نے نیک عمل کیا تو اسکی جزا اسی کو ملے گی، اسی طرح اگر کسی نے برا کام کیا تو اسکا عذاب بھی اسی کو دیا جائے گا)۔ نیکی اور بدی جو کچھ بھی مجھ سے سرزد ہوئی اس کا بدلہ مجھے ہی ملے گا، دوسروں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ باقی اللہ تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں۔

اسی بنیاد پر بزرگوں نے کہا ہے ”صلاح دین کس صلاح اور بس است“ یعنی ہر شخص کے دین کا بہترین ہتھیار اس کی اپنی صلاح و نیکی ہے۔

چومیدانی ہر آنچہ کاری دردی

آخر بہم حال نیس کو کار بہ

جب تجھے یہ معلوم ہے کہ جو بولے گا وہی کاٹے گا، تو پھر ترے لئے ہر حال میں نیکی ہی کا بیج بونا بہتر ہے۔

اس کے بعد شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ بطور نصیحت یوں قلمطراز ہیں:-
عقلانہ کے لئے تو یہی نصیحت دنیا و آخرت کے تمام کاموں کی سعادت کے لئے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نیکی اور بھلائی کی توفیق دیتے ہیں۔

شیخ نے اعمال پر متابعت کے لئے ایک نصیحت یہ بھی فرمائی ہے کہ اپنے تمام اعضاء کو تمام تر ممنوعات اور مکروہات شرعیہ سے باز رکھا جائے اور فضول آدمی کی نشست و برخاست سے علیحدگی اختیار کی جائے۔ اور ہر وہ چیز جو اللہ سے تعلق توڑ دے اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اور مہمل و بیکار لوگوں کی صحبت سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ جو شخص حق کا طلبگار نہیں درحقیقت وہی بطل یعنی مہمل و بیکار ہے۔

ف: سبحان اللہ کیا خوب نصائح ہیں جو لاکھ عمل بنانے بلکہ صفو قلب پر لکھے جانے کے لائق ہیں۔ (مرتب)

وفات

۶۹۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(اخبار الانبیاء ص ۱۲۱)

حضرت خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب، ولادت نام علاء الدین علی احمد، والد کا نام عبدالرحیم، لقب صابر ہے۔ ۱۰۵۲ھ میں آپ کی پیدائش ملتان کے ایک مقام کو توال میں ہوئی۔ آپ سباحتی ہیں۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ آپ کے جد امجد میں سے ہیں۔

صابر کی وجہ تسمیہ حضرت خواجہ فرید الدینؒ کے لنگر خانہ کی ذمہ داری بارہ سال تک آپ ہی کے ذمہ تھی۔ لیکن صبح اجازت نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے کبھی اس میں سے خود نہیں کھایا، بلکہ آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ بارہ سال کے بعد آپ کی والدہ نے آکر آپ کو دیکھا تو آپ کمزور ہو چکے تھے، تو آپ کی والدہ نے بابا صاحبؒ سے وجہ پوچھی، تو اس وقت حضرت نے آپ سے دریافت فرمایا، تو آپ نے عرض کیا کہ بندہ کی کیا مجال کہ بغیر حضرت اقدس کے ارشاد کے اس میں تصرف کرتا، جنگل سے گولہ لاکر بیٹ بھرتا ہوں۔ آپ نے یہ جواب سن کر انھیں صابر کے خطاب سے نوازا۔

غلبہ استغراق ایک خادم نے حضرت فرید الدین گنج شکرؒ سے اجازت طلب کی کہ آپ کے خلفاء سے ملنے کو جی چاہتا ہے پھر وہ اجازت لے کر حضرت علاء الدین علی احمد صابر کے پاس آئے۔ آپ غلبہ استغراق کی وجہ سے کسی آنے والے سے واقف نہیں ہوتے تھے۔ حضرت شمس الدین ترک نے جو آپ کی خدمت میں رہتے تھے باواز بلند ہوشیار

کیا اور عرض کیا کہ حضرت پیرو مرشد کا خادم آیا ہے اور حضرت کا سلام لایا ہے۔ تو آپ نے شیخ کے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ کیسے ہیں؟ اور ساتھ ہی حضرت شمس الدین کو تاکید فرمائی کہ ان کی عزت کرو اور فرمایا کہ آج گوروں میں نمک ڈال دینا۔ یہ گویا حق صیافت تھا۔ یہ فرما کر پھر استغراق طاری ہو گیا۔ اس کے بعد وہ خادم حضرت سلطان الاولیاء کے یہاں حاضر ہوا، یہاں شاہی دربار تھا، بہت تعظیم ہوئی اور حضرت نے عمدہ اور لذیذ کھانے کھائے اور بہت سے تحفے دیے۔ جب وہ خادم حضرت فرید الدین گنج شکر کے یہاں حاضر ہوا، تو آپ نے دونوں صاحبوں کا حال دریافت فرمایا، تو خادم نے سلطان الاولیاء کی بہت ہی زیادہ تعریف کے پل باندھے اور خادم علاؤ الدین احمد صابر کے بارے میں کہا کہ وہ تو کسی سے گفتگو ہی نہیں کرتے۔

حضرت نے دریافت کیا کہ میرے بارے میں کچھ کہا تھا؟ تو کہا، کچھ بھی نہیں۔ آپ نے دوبارہ دریافت کیا کہ آخر کچھ تو کہا ہو گا؟ خادم نے عرض کیا کہ صرف یہ پوچھا تھا کہ میرے شیخ کیسے ہیں؟ تو آپ چشم پر آب ہو کر فرمانے لگے کہ آج وہ ایسے درجہ میں ہیں کہ وہاں کسی کی گنجائش نہیں ہے یہ میرے ساتھ کمال محبت کی علامت ہے کہ ایسی حالت میں بھی مجھے پوچھا اور یاد کیا۔

محرمات مشہور ہے کہ آپ کے وصال کے بعد کلیر پر غیر مسلموں کا غلبہ ہو گیا تھا اور بعض لوگوں نے مقبرہ میں بت خانہ بنا دیا تھا اور کچھ بے حرمتی کا ارادہ تھا۔ تو اتفاقاً جنگل سے ایک شیر آیا اور بہت سی جانوں کا نقصان کر گیا۔ اور باقی لوگ بھاگ گئے۔

آپ پر جلال غالب تھا۔ وصال کے بعد بھی مزار پر ایک شعلہ چمکتا تھا،

جس کی وجہ سے کسی شخص کی مجال مزار پر جانے کی نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالقدوس نور اللہ مرقدہ مزار پر حاضر ہوئے، تو آپ کی درخواست پر وہ چمک موقوف ہو گئی۔ (تاریخ مشدح چشتیہ مولفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکیہ صاحب)

بیعت و خلافت ابتدائی تعلیم کے بعد آٹھ سال کی عمر میں پاک پٹن گئے اور ۶۰۲ھ میں بابا فرید الدین گنج شکر سے بیعت ہوئے

والدہ صاحبہ نے آپ کے سپرد کر دیا۔ تعلیم و تربیت کے بعد صابر لقب سے نوازا کہ جو کچھ مرشد سے پایا تھا عطا فرما کر کلیر شریف کا شاہِ ولایت بنا کر روانہ فرما دیا کہ وہاں تبلیغ دین فرمائیں۔

ایک بار جمعہ کے دن اپنے ساتھیوں کے ساتھ جامع مسجد پہنچ کر پہلی صف میں بیٹھ گئے جو شہر کے معززین نے اپنے لئے مخصوص کر رکھی تھی، جب وہ آئے تو آپ سے اٹھ جانے کو کہا کہ یہ ہماری جگہ ہے۔ حضرت کو اس پر جلال آگیا اور نظر ڈالی تو مسجد لرز گئی، زلزلہ سا آگیا۔ (قطب الاولیٰ مولفہ فاضلہ سیدہ عابد علی بھوپالی)

اظهار حقیقت صابریہ سلسلہ کے ابتدائی حالات لکھتے وقت تاریخ کے ایک طالب علم کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے

اول تو بانی سلسلہ کے حالات کسی مرید یا عقیدت مند کے لکھے ہوئے نہیں ملتے دوسرے تمام معاصر تذکرے اور تاریخیں ان کے معاملہ میں بالکل خاموش ہیں "سیر الاولیاء" میں جو چند سطریں ایک بزرگ علی صابر کے حالات میں درج ہیں، ان کے متعلق بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی "یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ انہی کے متعلق ہیں یا کسی اور کے، سترہویں اٹھارہویں صدی کے مذہبی تذکروں میں ان کے حالات تفصیل سے درج ہیں، لیکن

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تذکروں نے کہاں سے یہ حالات فراہم کئے ہیں ان کے مآخذ کیا ہیں اور انکی تاریخی افادیت کہاں تک ہے؟ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کے تذکروں کی بنیاد یا تو کشف پر ہے یا محض سنی سنانی روایات پر۔ دونوں صورتوں میں ان پر اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ میں نے احتیاط سے کام لیا ہے۔ (تاریخ مشائخ چشت،^۲ پروفیسر خلیق احمد نظامی)

سلسلہ صابریہ کے نامور مشائخ | ابو الحسن علی ندویؒ نے اس سلسلہ

سے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:-
”شیخ کبیر عطاء الدین علی احمد صابر نسباً اسرائیلی تھے، ترک و تجرید اور زہد و مجاہدہ میں انکی نظیر نہ تھی۔ پیران کلیر میں عرصہ تک عبادت و افادہ میں مشغول رہے اور وہیں وفات پائی۔ حضرت شمس الدین ترک پانی پتی آپ ہی کے خلیفہ تھے۔“

اس کے بعد حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو شبہ ہے کہ یہ حضرت شیخ علی احمد صابرؒ پیران کلیری کا تذکرہ ہے یا اسی نام کے کسی اور بزرگ کا۔ امیر خور دیکھتے ہیں:-

بندہ از خدمت والد خود رحمۃ اللہ علیہ	بندہ نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے
سماع دارد کہ درویش بود بزرگ صاحب	سنا ہے کہ ایک عالی مرتبہ درویش تھے
نعت کہ اورا شیخ علی صابر گفتندے	جنکو شیخ علی صابر کہتے تھے، درویشی میں
در درویشی قدمے ثابت و نفسے گیرا	راسخ اور صاحبِ بخت و تاثیرِ قصیدہ دگری
داشت، ساکن قصیدہ دگری بوندے	کے رہنے والے تھے، حضرت شیخ فرید الدین

و پیوندِ خدمتِ شیخِ شیوخِ العالم سے نسبتِ ارادت رکھتے تھے اور آپ فرید الحق والدینِ قدس سرہ العزیزؒ نے ان کو اجازتِ بیعت دی اور از حضرت شیخ شیوخِ العالم اجازتِ بیعت ہو کر رکھی تھی۔

معاصرِ زمانہِ قریب کے تذکروں میں خواہ ان کا تذکرہ بالکل نہ ہو یا سری و مختصر ہو، ان کے سلسلہ کے مشائخِ کبار کے حالات، ان کا علوشان، ان کے علوم و مقامات، اہل بصیرت کا اس سلسلہ کی مقبولیت پر اتفاق اور عالم میں اس کے فیوضِ برکات و آثارِ شاہد ہیں کہ بانی سلسلہ نہایت عالی مقام، عالی نسبت اور عند اللہ مقبول تھے۔ اس سے بڑھ کر خود تاریخ کی شہادت بھی نہیں ہو سکتی اور نہ تاریخ کی یہ پہلی غفلت اور چوک ہے، زمانہ سابق میں بھی بہت سی باکمال شخصیتیں تاریخ کی تیز نگاہوں سے بچ گئیں اور زاویہٴ خمول میں رہیں۔

اس سلسلہ (صابر یہ چشتیہ) میں بڑے نامور مشائخ، عارف و محقق و مصلح پیدا ہوئے، مثلاً حضرت مخدوم احمد عبد الحق ردو لویؒ جن کی ذاتِ بابرکات کو بعض اہل نظر نے نویں صدی کا مجدد بھی شمار کیا ہے، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ، حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ، شیخ العرب العجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کیؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، قائم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، ربانی دارالعلوم دیوبند، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

حضرت کی وفات ۱۳ ربیع الاول ۱۲۹۰ھ میں کلیر میں ہوئی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ لفظ ”مخدوم“ آپ کی تاریخ وفات ہے۔

وفات

(تاریخ مشائخ چشت ص ۱۸)

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی المتوفی ۶۹۱ھ

نام و نسب نام شرف الدین، لقب مصلح الدین، تخلص سعدی والد کا نام شیخ عبد اللہ ہے۔ شیراز کو وطن ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ شیراز جو صدیوں تک ایران کا دار الحکومت اور پایہ تخت ہونے کے علاوہ تمام علوم و فنون کا مرکز رہ چکا ہے۔

ولادت آپ کی ولادت شیراز میں ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ء کے لگ بھگ ہوئی۔

سعدی کی وجہ تسمیہ شیخ کے والد عبد اللہ شیرازی اناک سعد زنگی کے ملازم تھے، اور چونکہ شیخ کو بچپن ہی سے ادب و شعر گوئی کا شوق تھا، اس لئے بچپن ہی میں حاکم وقت سعد زنگی کے نام کی مناسبت سے اپنا تخلص سعدی تجویز کر لیا۔

بچپن شیخ کے والد ایک خدا رسیدہ اور دیندار آدمی تھے، اسی لئے شیخ کو بچپن ہی میں نماز، روزہ، تلاوت کلام اللہ، عبادت و ریاضت وغیرہ کی نہ صرف مشق کرائی جا چکی تھی، بلکہ شیخ کی طبیعت میں ان چیزوں کا خاص ذوق و داعیہ پیدا ہو گیا تھا، تہجد گزاری اور قرآن خوانی کے بڑے حریص تھے۔ چنانچہ شیخ اپنے والد کی تربیت اور تادیبانہ سرزنش اور مریبانہ نگرانی کا ایک واقعہ گلستان میں نقل کرتے ہیں کہ:-

ایک رات میں اپنے والد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور مستام شب

شب بیداری اور قرآن پڑھنے میں گزار دی، اور درویشوں کی ایک جماعت ہمارے گرد سوار ہو گئی، میں نے والد صاحب سے کہا کہ کوئی اٹھ کر دو رکعت پڑھنے کی توفیق نہیں رکھتا۔ اُس وقت والد صاحب نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا۔ ”اے جان پیر! اگر تو نیز بختی ازاں بہ کہ در پستین خلق افتی“ (یعنی اے بیٹے! اگر تو بھی سو جاتا تو لوگوں کی عیب جوئی سے بہتر ہوتا۔)

تعلیم و تعلم | شیخ شیراز سے نکل کر بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوئے اور علامہ ابوالفرج عبدالرحمن ابن جوزیؒ کی خدمت میں تحصیل علم کی اور وہیں سارے علوم و فنون کی تکمیل فرمائی۔ منقولات اور معقولات میں آپ نے امتیازی شان حاصل کی۔ البتہ شیخ کی طبیعت پر تصوف و درویشی کا زیادہ غلبہ تھا۔

تصوف اور شیخ | شیخ بچپن ہی سے تصوف پسند اور درویش دوست قانع طبیعت کے واقع ہوئے تھے، زہد و انقار کا طبیعت پر غلبہ تھا، تصوف میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کو اپنا رہبر و رہنما منتخب کیا اور آپ کی تعلیم و تربیت کی بنا پر آپ شیخ کامل بن گئے۔ شیخ نے اپنی زندگی کے تیس برس علم حاصل کرنے میں، تیس سال فیر ساحت میں اور تیس سال تصانیف میں اور تیس سال عزت و گوشہ نشینی اور رضائے الہی والے امور میں گزار دیئے۔

سیر و سیاحت | ایک مدت دراز تک سیر و سیاحت میں رہے، انھوں نے ایشیائے کوچک، عراق، آذربائیجان، عرب، شام، فلسطین، بیت المقدس، دمشق اور ہندوستان وغیرہ ممالک کا سفر کیا۔

ہندوستان میں آپ نے سومنات (ویرا اول) میں کچھ عرصہ قیام کیا، وہاں کے
ہندوؤں کے سارے کروت دیکھے، اس کے بعد آپ نے بہت سی
اصلاحات فرمائیں۔

تصانیف | شیخ کی تصانیف میں گلستاں، بوستاں، پند و نصائح
اور حکمت و سیاست کے موضوع پر اس قدر مقبول ہوئیں
کہ ایسی مقبولیت معدودے چند کتابوں کو ہی نصیب ہوئی ہوگی۔ ان کتابوں
میں شیخ کا انداز بیان اس قدر شیریں اور اتنا دلنشین ہے کہ اس قسم کی دوسری
کسی کتاب میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ ان کتابوں میں اصلاح اخلاق
اور تزکیہٴ نفوس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، بلکہ اگر بغور دیکھا جائے تو
بتمامہ اصلاح اخلاق و احوال ہی مبنی ہے۔

(بہار بوستاں ص ۹۰ از مولانا فضل الرحمن دھرم کوٹی)
دلی تقاضا کے مطابق ”گلستاں“ کے نہایت مؤثر و جامع حمد و ثناء کے
ابتدائی حصہ کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں :-

حمد و ثناء

شکر احسان منت مر خدائے راعز و جل کہ طاعتش موجب قربت است و شکر
اندرش مزید نعمت، ہر نفسے کہ فرومی رود ممد حیات است و چوں برمی آید
مفرج ذات پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است و در ہر نعمتے شکرے واجب۔
ترجمہ : اُس خدائے بزرگ و برتر کا احسان ہے (وہی احسان کے لائق ہے)
کہ جس کی بندگی نزدیکی کو واجب کرنے والی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی

اسکی نزدیکی کا سبب ہے اور اسکی شکر ادا کرنے میں نعمت کی زیادتی ہے۔ جو سائنس کو اندر جاتا ہے زندگی کو بڑھانے والا ہے یعنی مددگار ہے، اور جب وہ باہر آتا ہے تو ذات یعنی روح کو فرحت بخشے والا ہے۔ پس ہر سائنس میں دو نعمتیں موجود ہیں اول ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے۔

ہیت

از دست و زبان کہ بر آید کز عمدہ شکرش بدر آید
اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ

قطعہ

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدر گاہ خدا آورد
ور نہ سزاوار خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد
ترجمہ: کس کے ہاتھ اور زبان سے یہ کام پورا ہووے کہ اُس مالک کے شکر کی ذمہ داری سے عمدہ برآ ہو سکے۔ یعنی یہ بات ناممکن ہے کہ بندہ پر اللہ تعالیٰ کے احسانوں کا جتنا شکر واجب ہے وہ ادا کر سکے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: اے آل داؤد! تم شکر کیا کرو، کیونکہ میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں۔ وہی بندہ بہتر ہے جو کہ اپنی کوتاہی کا عذر اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں لاوے، ورنہ اُس کی خداوندی کے لائق کوئی شخص بھی شکر نہیں بجا لا سکتا۔
اب ہم محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمہ اللہ کی کتاب ”ایمان الحجاج“ سے شیخ سعدیؒ کے چند سفر حج کے واقعات نقل کرتے ہیں:-
واقعاتِ سفر حج | شیخ کو حج سے بڑا شغف اور اس پاک سرزمین سے ان کو وابہانہ عقیدت تھی۔ اکثر تذکرہ نویسوں نے

لکھا ہے کہ اُنھوں نے چودہ حج پاپیادہ کئے ہیں۔ اور خود شیخ کے کلام سے تعذر اد کی تو نہیں مگر پاپیادہ حج کرنے کی تصدیق ہوتی ہے۔ شیخ گلستاں میں فرماتے ہیں کہ مکہ کے بیابان میں ایک رات جلتے جلتے چلنے کی سکت نہیں رہ گئی تو میں زمین پر سر رکھ کر پڑ رہا۔ اور شتر بان جو قافلہ میں تھا اس سے میں نے کہا کہ بس اب ہم سے ہاتھ اٹھا لے۔

پائے مسکین پیادہ چند رود کر تجل ستودہ شد سختی
تا شود جسم فرہے لاغر لاغر۔ مردہ باشد از سختی
یعنی پیدل چلنے والے مسکین کے پیر کب تک چلیں گے، کہ اب تو سختی اونٹ کے برداشت سے بھی باہر ہو گیا۔ جب تک کسی موٹے کا جسم لاغر ہوگا، اتنے دنوں میں تو دُلا آدمی سختی کی وجہ سے مر جائیگا۔

شتر بان نے کہا کہ بھائی! حرم مکہ سامنے ہے اور ڈاکو چور پیچھے ہیں، اگر ہمت کر کے تھوڑا اور چلو تو میدان مار لو گے، اور اگر پڑے سو گئے تو ہلاکت کے سوا دوسرا کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ کہا گیا ہے کہ

خوش است زیرِ مغیلاں براہِ بادِ خفت شبِ رحیل ولے ترکِ جاں بباہِ گفت
یعنی بول کے درخت کے نیچے جنگل کے راستہ میں سوتے ہوئے بہت اچھا لگتا ہے
مگر اس کیلئے جان دینے کا ارادہ نہیں کرنا چاہئے۔ (گلستاں ب)

بوستاں میں بھی اسی طرح کا ایک قصہ لکھا ہے، جو بیابان فید میں انکو پیش آیا تھا۔ شیخ نے اپنے سفر حج کے متعدد واقعات خود بیان کئے ہیں جو سننے کے قابل ہیں۔ گلستاں میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص ننگے پاؤں اور

ننگے سر پیادہ پاچھ کرنے کا ارادہ کر کے کوفہ سے حجاز جانے والے قافلہ کے ساتھ
ہوا، میں نے جو معلوم کیا تو اس کے پاس روپیہ پیسہ بھی نہیں تھا، بایں ہمہ
بالکل مستانہ چال سے قافلہ کے ساتھ یہ کہتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

نہرا شتر بر سوارم نہ چوا شتر زبر بارم نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم
غم موجود و پریشانی معدوم ندارم نفسمی ز غم آسودہ و عمرے بسر آرم
یعنی میں نہ اونٹ پر سوار ہوں، نہ اونٹ کی طرح بوجھ سے دبا ہوں۔ نہ کسی رعیت
کا بادشاہ ہوں اور نہ کسی بادشاہ کا غلام ہوں۔ نہ مجھے حاضر کا غم ہے نہ غائب کی پریشانی
ہے۔ آرام سے جی رہا ہوں اور عمر پوری کر رہا ہوں۔

ایک شتر سوار نے اس سے کہا کہ اے درویش! کہاں جا رہا ہے، لوٹ جا
ورنہ تکلیف سے مر جائے گا۔ اس نے ایک نہ سنی اور چلتا رہا۔ جب نخلہ بنی محمود
میں قافلہ پہنچا تو اتفاق دیکھئے کہ وہ شتر سوار مالدار مر گیا۔ اس وقت اس
درویش نے اس کے سر ہانے جا کر کہا۔ ”ما بسختی نمر دیم و تو بز سختی بمر دی“ یعنی
ہم تو سختی سے نہیں مے اور تم سختی اونٹ پر مر گئے۔ (گلستان ب)

ایک دوسرا واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ سفر حجاز میں چند ہمدم و ہمقدم
اور صاحب دل جوانوں کا ساتھ ہو گیا تھا۔ وہ کبھی کبھی جوش میں آ کر کوئی محققانہ
شعر تو نظم کے ساتھ پڑھ دیا کرتے تھے۔ قافلہ میں ایک عارف و متقی بزرگ بھی تھے
وہ ٹوکا اور ڈانٹا کرتے تھے۔ جب ہم نخیل بنی ہلال میں پہنچے تو وہاں کی آبادی
سے ایک حبشی بچے نے نکل کر ایسی پُر درد اور دل ہلادینے والی آواز سے
ایک شعر پڑھا کہ اُرُطی ہوئی چڑیاں فضا میں رک گئیں اور ان بزرگ کا
اونٹ ناچنے لگا۔ وہ دھم سے زمین پر آگئے اور اونٹ جنگل کی طرف نکل گیا۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ہمارے ساتھ حجاز جانے والے قافلہ میں ایک خرقہ پوش بزرگ بھی تھے۔ ان کے عرب کے ایک امیر نے منی میں قربانی کرنے کیلئے سو دینار دیئے تھے۔ جاتے جاتے ایک مقام پر قبیلہ بنو خفاجہ کے چوروں نے ہم پر حملہ کر دیا اور جتنا کچھ تھا سب لوٹ لے گئے۔ دوسرے تمام لوگوں نے تو رونا دھونا چیخنا چلانا اور بیکار و اویلا مچانا شروع کیا، مگر اس خرقہ پوش پر کوئی اثر نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ میں نے اس سے کہا شاید وہ رقم (جو امیر عرب نے دی تھی) چور نہیں لے گئے؟ فرمایا، لے کیوں نہیں گئے، لیکن مجھ کو اس سے ایسی الفت نہیں تھی کہ اس کے جانے کا قلق ہو۔

نباید تن اندر حیض و کس دل کہ دل برداشتن کار سیت مشکل
کسی چیز اور کسی آدمی سے دل کو وابستہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وابستگی کے بعد علیحدگی دشوار ہوتی ہے
ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک بدو کو دیکھا جو اپنے لڑکے سے کہہ رہا تھا
يَا بَنِيَّ اِنَّكَ مَسْئُولٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَاذَا اَكْتَسَبْتَ وَلَا يُقَالُ بِعَمْرِ اَنْتَبْتَ
یعنی قیامت میں تم سے یہ سوال ہوگا کہ تمھارے پاس ہنر کیا ہے؟ یہ سوال نہ ہوگا کہ
تمھارا پدر کون تھا۔

جامہ کعبہ را کہ می بوسند او نہ از کرم پیلہ نامی شد

باعزیزے نشست روزے چند لاجرم ہچواو گرامی شد

ترجمہ: کعبہ کے غلاف کو جو بوسہ دیتے ہیں تو اس کو یہ عزت و شیم کے کیڑے کی وجہ سے نہیں ملی ہے بلکہ
ایک بل عزت و احترام شے (کعبہ) کے ساتھ اس کو چند دن صحبت کا شرف حاصل ہوا اس لئے
وہ بھی معظّم و محترم ہو گیا۔ (گلستان ب)

ساتویں باب میں فرماتے ہیں کہ ایک سال پیدل جانے والے حاجیوں میں جھگڑا

ہو گیا۔ اس سفر میں میں بھی پیدل تھا۔ حق بات یہ ہے کہ ہم خوب لڑے اور فسق و جدال کی بھی طرح داد دی۔ ہمارا یہ حال دیکھ کر ایک حاجی جو کجاہ میں سوار تھا اپنے ساتھی سے بولا کہ علاج (ہاتھی) کا پیکادہ تو شطرنج کی بساط میں مسافت طے کر کے فرزین (یعنی پہلے سے بہتر) ہو جاتا ہے اور علاج (حاجی) کا پیادہ اپنا راستہ قطع کر کے پہلے سے بدتر ہو گیا ہے۔

ازمن بگوئی حاجی مردم گزائے را کہ پوستین خلق بہ آزار می درد
حاجی تو نیستی، شتر است از برائے آنکہ بیچارہ خارجی خورد و باری برد
یعنی آدمیوں کو کاٹ کھلنے والے حاجی سے جو مخلوق خدا کو آزار دیتا ہے میری طرف سے کہہ دے کہ تو حاجی نہیں ہے بلکہ اونٹ حاجی ہے کہ وہ بیچارہ کانٹے کھاتا ہے اور بوجھ ڈھونڈتا ہے۔
اور سب سے زیادہ مؤثر اور رقت خیز و درد انگیز یہ واقعہ لکھا ہے کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ وہ آستان کعبہ پر اپنا سر رکھ رہا تھا اور رور و کر کہہ رہا تھا کہ اے غفور رحیم! تو جانتا ہے کہ ظلم و جہول انسان سے ظلم و نادانی کے سوا اور بھی کیا سکتا ہے۔

عذر تقصیر خدمت آوردم کہ نہ دارم بطاعت استظہار
عاصیاں از گناہ توبہ کنند عارفاں از عبادت استغفار

یعنی میرے پاس طاعت و عبادت نہیں ہے کہ اس سے مجھ کو تقویت حاصل ہو۔ اس لئے میں خدمت میں کوتاہی کی صرف معذرت لایا ہوں۔ گنہگار گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور عارف لوگ اپنی عبادتوں کی خامیوں سے استغفار کرتے ہیں۔

عبادت گزار بندے عبادتوں کا ثواب مانگتے ہیں، اور تاجر لوگ سودے کی قیمت، لیکن میں ایک بیس غلام ہوں۔ امید لایا ہوں نہ طاعت، اور

بھیک مانگنے آیا ہوں، تجارت کیلئے نہیں۔ اَصْنَعْ لِي مَا اَنْتَ اَهْلُهُ
وَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَا نَحْنُ اَهْلُهُ۔ (تو ہمارے ساتھ وہ کر جو تیرے لئے
سزاوار ہے اور وہ نہ کر جس کے ہم مستحق ہیں)۔ ۵
گر کشتی درجہم بخشی ہوئے و سر بر آستانم بندہ را فرماں نباشد ہر چہ فرمائی بر آنم
یعنی تو چاہے تو ہلاک کر دے اور چاہے تو بخشی دے، ہمارا منہ اور تیری آستانہ پر ہے۔ بندہ
حکم نہیں دے سکتا، جو تیرا حکم اور مرضی ہو ہم اس پر راضی ہیں۔

قطعہ

بر در کعبہ سائلے دیدم کہ ہی گفت و می گریستی خوش
من نگویم کہ طاعتیم بپذیر و تلم عفو برگناہم کش
یعنی کعبہ کے دروازہ پر میں نے ایک سائل کو دیکھا کہ خوب رو رہا تھا اور یہ کہہ رہا
تھا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعت مسعادت قبول فرما۔ بلکہ میری عرض صرف یہ ہے
کہ میرے گناہوں پر معافی کا خط کھینچ دے۔
شیخ نے اپنی کتاب بوستان میں بھی بعض واقعات ج لکھے ہیں
ایک جگہ لکھتے ہیں ۵

مرا حاجے شانه عاچ داد کہ رحمت بر اخلاق حجاج باد
شنیدم کہ بارے سگم خواندہ بود کہ از من بنوعے دلش ماندہ بود
بیندا ختم شانہ کیس استخوان نہی بایدم دگریم سگم خواں
مپندار چون سرکہ خود خورم کہ جو بخداوند حلوا برم
یعنی ایک حاجی نے مجھ کو ہاتھی دانت کی ایک گنگھی دی (حجاج کے اخلاق پر خدا کی
رحمت ہو)۔ میں نے سنا تھا کہ کبھی اس کو مجھ سے شکایت ہو گئی تھی اور اس نے مجھ کو

کہا کہ دیا تھا۔ اس لئے میں نے کنگھی اس کی طرف پھینک دی اور کہا کہ مجھ کو یہ
 بڑی نہیں چاہئے، ہاں آئندہ آپ مجھ کو گتہ نہ کہیں۔ جب میں اپنے سر کے پرقتاعت
 کرتا ہوں تو یہ نہ سمجھے کہ حلوے والے کا ستم برداشت کروں گا۔ (بے)،
 شیخ نے بوستانِ کدوسوں باب میں ایک شوریدہ سر حاجی کی درد و سوز
 سے بھری ہوئی مناجات نقل کی ہے جس کو پڑھ کر ممکن نہیں کہ کوئی آنکھوں پر
 قابو رکھ سکے۔ (ایمان الحلاج ص ۱۳۱)

اب ہم وہ مناجات مع اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب
 کو گریہ و زاری کے ساتھ اس دعا کو کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ (مترتب)

حکایت

مناجات شوریدہ در حرم
 حرم کے اندر ایک دیوانے کی دعا

میفکن کہ دستم نگیں رکے
 مجھ نہ گرا، کیونکہ میرا ہاتھ کوئی نہیں کھٹکا

ندارد بجز آستانِ سرم
 میرا سر تیرے سوا کوئی آستانہ نہیں رکھتا

فروماندہ بالفس امارہ الیم
 نفس امارہ سے عاجز آئے ہوئے ہیں

کہ عقلش تواند گرفتِ عنقا
 کہ عقل اس کی باگ تھام سکتی ہو

تم می بلزد چو یاد آمد
 میرا جسم کانپ جاتا ہے جب مجھ یاد آتی ہے

کہ می گفت با حق بزاری بسے
 جو حق تعالیٰ سے رورو کے کہ رہا تھا

بلطفم بخاں یا براں از درم
 مجھے مہربانی سے بلا لے یا درد والے سے بھگاؤ

تو دانی کہ مسکین و بیچارہ الیم
 تو جانتا ہے کہ ہم مسکین اور بیچارے ہیں

نمی تازد این نفس سرکش چنان
 یہ سرکش نفس اس طرح نہیں دوڑتا

نبرد پلنگاں نیاید ز مہر
چیتوں کی لڑائی چیسوٹی نہیں لڑ سکتی

وزیر دشمنانم پناہ ہے بدہ
اور ان دشمنوں سے مجھے پناہ عطا فرما!

باوصاف بے مثل و مانندیت
اپنی بے مثل اور بے مثال صفتوں کے طفیل

بمدفون یثرب علیہ السلام
یثرب میں مدفون علیہ السلام کے طفیل

کہ مرد و غار اشرار نذران
جو جنگی مردوں کو عورتوں کی طرح سمجھتے ہیں

بہ صدق جو انان نو خاستہ
نوخستہ جوانوں کی سچائی کے طفیل

زننگ دو گفتن بفریاد رس
دو کہنے کی ذلت سے فریاد رس کی

کہ بے طاعتاں را شفاعت کنند
کہ بے عبادتوں کی سفارش کریں گے

وگر زلتے رفت معذور دار
اگر کوئی لغزش ہو گئی ہے تو معذور دار

ز شرم گنہ دیدہ بر پشت پا
گناہوں کے شرم سے جنگی آنکھیں قدموں پر ہیں

کہ بانفس و شیطان براید بزور
نفس اور شیطان کیساتھ زور میں کن پورا کر سکتا

بمردان راہمت کہ را ہے بدہ
اپنی راہ کے مردوں کے طفیل مجھے بھی راستہ دے

خدا یا بذات خداوندیت
اے خدا، اپنی خداوندی کے طفیل

بہ لبیک حجاج بیت الاحرام
بیت الاحرام کے حاجیوں کے لبیک کے طفیل

بہ تکبیر مردان شمشیر زن
تلوار باز مردوں کی تکبیر کے طفیل

بہ طاعات پیران آراستہ
پیروں کی آراستہ عبادت کے طفیل

کہ مارا دریں ورطہ ایک نفس
کہ ہمیں اس ایک سانس کے بھنور میں

امید است از انال کہ طاعت کنند
جو لوگ عبادت کرتے ہیں ان سے امید ہے

بہ پاکاں کز آ لایشم دور دار
پاک لوگوں کا واسطہ، مجھے گندگیوں سے دور رکھ

بہ پیران پشت از عبادت دوتا
اُن بزرگوں کے طفیل جن کی کمریں عبادت سے دھری ہیں

زبانه بوقت شہادت مہند
 شہادت کے وقت میری زبان کو بند نہ کر
 زبید کر دہم دست کوتاہ دار
 بدکاری سے میرا ہاتھ کوتاہ کر دے
 مددہ دست برنا پسندیدہ ام
 ناپسندیدہ کاموں پہ مجھے قدرت نہ دے
 وجود و عدم در ظلام کیست
 تاریکیوں میں میرا وجود اور عدم برابر ہے
 کہ جز در شعاغت نہ بیند کسم
 کیونکہ تیری کرن کے بغیر مجھ کوئی نہیں دیکھ سکتا
 بنا لم کہ عفو نہ ایں وعدہ داد
 تو میرا دیکھو گا کیونکہ تیری بخشش نے تو یہ وعدہ نہیں کیا
 کہ صورت نہ بند در دیگرم
 کیونکہ میرے لئے دوسرے کسی دروازے کی ضرورت نہیں تھی
 کنوں کا مدم در برویم مہند
 تو اب جبکہ آگیا ہوں، مجھ پر دروازہ بند نہ کر
 مگر عجب نہ پیش آورم کالے غنی
 سوائے اس کے عاجزی لے کر آؤں کہ اے غنی!
 غنی را ترحم بود بر فقیر
 مالدار کو تو فقیر پر رحم کیا کرتا ہے

کہ چشم ز روئے سعادت مہند
 نیک بختی کے چہرے سے میری آنکھیں نہ ہٹا
 چراغ یقینم فراہ دار
 یقین کا چراغ میرے راستہ میں کھلے
 بگرداں ز نادیدنی دیدہ ام
 نہ دیکھنے کی چیزوں سے میری آنکھیں بھیرے
 من آن ذرہ ام در ہوائے توانیت
 میں تیری فضا کا ذرہ ہوں جو نیست ہے
 ز خورشید لطف شعاعے بسم
 تیری مہربانی کے سورج سے مجھے ایک شعاع کافی ہے
 مرا اگر بگیری با نصاب و داد
 تو اگر مجھے عدل و انصاف سے پرکھے
 خدا یا بذلت مرا از درم
 اے خدا، مجھے ذلت کے ساتھ اس دروازے سے نہ ہٹا
 ورا از جہل غائب شدم روز چند
 اگر نادانی کی وجہ سے میں چند دن غیر حاضر رہا
 چہ عذر آرم از ننگ تردامنی
 گنہگاری کی شرم کا میں کیا عذر پیش کروں
 فقیرم بجرم گناہم مگر
 میں فقیر ہوں، مجھے گناہوں کے جرم میں نہ پرکھ

اگر من ضعیفم پناہم تو لیست
اگر میں کمزور ہوں تو میری پناہ مضبوط ہے
چہ زور آور د باقضاء دست جلد
کوشش کا ہاتھ تقدیر کے سامنے کیا زور دکھائے
ہمیں نکتہ بس عذر تقصیر ما
ہماری خطا کے عذر میں ہی نکتہ کافی ہے
چہ قوت کند با خدائی خودی
خدا کی قوت کے ساتھ خودی کیا مقابلہ کرے
کہ حکمت چنیں می رود بر سرم
کیونکہ تیرا حکم میرے سر پر یونہی چل رہا ہے۔

(بہار بوستان ص ۳۳)

سبحان اللہ! حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ نے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ
کا تذکرہ خوب سے خوبتر ارقام فرمایا ہے جو اب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے تاہم
جی چاہتا ہے کہ شیخ کے ارشادات مزید درج کئے جائیں تاکہ مزید بصیرت حاصل ہو
بلکہ ممکن ہے کہ موجب نصیح و موعظت ثابت ہو۔

حضرت الشیخ کی گلستان و بوستان پوری کی پوری دفتر معرفت اور
گنجینہ حکمت ہے۔ حضرت مرشدی مصلح الامت عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ
صاحب قدس سرہ کے نزدیک ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اس لئے اپنی
 مجالس میں ان کے مضامین مفیدہ کو سنا کر حاضرین کو مستفیض فرماتے تھے۔
چنانچہ مندرجہ ذیل حکایت برابر سناتے تھے:-

چرا باید از ضعف عالم گریست
میں اپنے حال کی کمزوری سے کیوں رونوں
خدا یا بغفلت شکستیم عہد
اے خدا، ہم نے غفلت سے عہد کوڑا
چہ برخیزد از دست تدبیر ما
ہماری تدبیر کے ہاتھ سے کیا بنے
ہم ہر چہ کردم تو بر ہم زدی
میں نے جو کچھ کیا تو نے اسے درہم برہم کر دیا
نہ من سر ز حکمت بدر می برم
میں تیرے حکم سے سر باہر نہیں لے جاسکتا

یکے از ملوک عرب شنیدم کہ
بامتعلقان ایوان می گفت کہ مرسوم
فلاں را چند آنکہ ہست مضاعف
کنید کہ ملازم در گاہ است و
مترصد فرمان و دیگر خدمتکاراں
بلو و لعب مشغول و در ادائے خدمت
مہتاوان -

عرب کے ایک بادشاہ کے بارے میں سنا
میں نے کہ وہ دفتر والوں سے کہہ رہا تھا کہ
فلاں شخص کی تنخواہ جس قدر ہے اس سے دو گنی
کر دو کہ وہ دربار کا حاضر باش ہے اور حکم کا
منتظر رہتا ہے۔ اور دوسرے خدمتکار لہو و
لعب میں مشغول اور خدمت میں
مست ہیں۔

صاحب دے بتنید و فریاد
و خروش از نہادش بر آمد
پرسیدندش کہ چہ دیدی ؟ گفت
مراتب بندگان بارگاہ خدائے تعالیٰ
ہمیں مثال دارد۔

ایک صاحب نے یہ بات سن لی اور
ان سے فریاد اور چیخ نکال گئی۔ لوگوں نے دریافت
کیا کہ آخر تم نے کیا دیکھا (جس سے اس قدر مجروح
میں آگئے؟) فرمایا کہ بندوں کے مرتبے اللہ تعالیٰ کے دربار
میں اسی طرح ہیں (یعنی جو جتنا عمل و فرمانبرداری کرتا ہے)

ویسے ہی قرب و قبول اور مرتبہ سے نوازاجاتا ہے۔)

دوبارہ اگر آئید کہے بخد مت شاہ
یعنی دو صبح بھی اگر کوئی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو یہ سرور بادشاہ کی طرف نظر کر رہا ہے
امید ہست پرستندگان مخلص را
کہ ناامید نہ گردند ز آستان الہ
امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص مابدول کو اپنے آستانہ سے ناامید نہ فرمائیں گے۔

نصائح

اب ذرا حضرت شیخ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے جس میں توحید باری تعالیٰ کی
تعلیم دی ہے، اگر آدمی اس کو کامل طور پر اپنائے تو بہت سی کلفتوں سے

نجات پا جائے۔ وہ یہ ہیں : ۱۔

گر گزندت رسد ز خلق مرنج کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج
یعنی اگر مخلوق کی جانب سے کوئی سختی کی بات، تم کو پہنچے تو رنجیدہ نہ ہو، بلکہ یہ یقین کر لو
کہ راحت و رنج و حقیقت مخلوق کی طرف سے نہیں پہنچتا۔

از خدا داں خلاف دشمن و دوست کہ دل ہر دو در تصرف اوست
یعنی دوست اور دشمن کی مخالفت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھو، کیونکہ دونوں کے دل
اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

گر چہ تیر از کمان می گذرد از کمان دار بیند اہل خسرو
اگرچہ تیر بظاہر کمان سے نکلتا ہے مگر عقلمند آدمی اس کو کمان والے کی طرف سے سمجھتا ہے
حکمت : خبر ہے کہ دانی دل بیازارد تو خاموش باش تا دیگرے بیار دے
بلکہ مشرودہ بہار بسیار خبر بد یہ بوم شوم گزار
یعنی جس خبر کے متعلق تم کو معلوم ہے کہ وہ دل آزار ثابت ہوگی تو خاموش رہی تاکہ کوئی
دوسرا اس کو پہنچائے۔ اے بیل ! تو بہار کی خوشخبری سنا اور بری خبر کو منحوس اُلٹو
کے لئے چھوڑ دے۔ (گلستاں ص ۲۱۹)

طریقہ صوفیہ صافیہ قطعہ

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا دل دشمنان ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود این مقام کہ بادوستانت خلاف است و جنگ
(میں نے سنا ہے کہ مردانِ راہِ خدا نے دشمنوں کے دل کو بھی تنگی میں نہیں ڈالا ہے
پھر تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ اپنے دوستوں کے ساتھ بھی
جنگ و جدال ہے۔

”مودت اہل صفا چہ در روئے وجہ در قفا، نہ چناں کہ از پست

عیب گیرند و در پیشست میرند“

یعنی اہل خلوص کی دوستی و محبت سامنے اور پیچھے برابر ہے۔ ایسا نہیں کہ تمھارے پیچھے تو عیب گیری کریں اور تمھارے سامنے مرے جاتے ہوں، یعنی نہایت عجز و انکسار اور جاں نثاری کا رسمی اظہار کرتے ہوں۔

فرد
در برابر چوں گو سپند سلیم در قفا ہمچو گرگ مردم در
یعنی سامنے تو مسکین بکری کی طرح ہوں اور پیچھے مجھے مردم غور بھیڑیے کے مثل ہوں۔
(گلستاں ب)

ف: آج اس زمانہ میں ایسی دوستی اور محبت کا شیوع ہے۔ اسی کو نفاق کہتے ہیں، جو اس دور میں سکڑا راج الوقت کی طرح رواں دواں ہے۔ دوست و دشمن میں امتیاز مشکل ہے، سامنے ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہیں مگر دل میں بغض و عداوت کو چھپائے رکھتے ہیں۔ (الامامہ اللہ تعالیٰ)۔
(مرتب غنی عنہ)

حقیقت تصوف

حکایت: یکے را از مشائخ پرسیدند کہ حقیقت تصوف چیست؟ گفت
ازیں پیش طائفہ بودند در جہاں، بصورت پراگندہ و بلعنی جمع، و اکون خلقے
اند بظاہر جمع و بدل پراگندہ۔

ترجمہ: ایک شیخ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا کہ
اب سے پہلے دنیا میں ایک جماعت تھی جو بظاہر پریشان ہوتی تھی مگر باطن مطمئن تھی

اور اب ایک ایسی مخلوق ہے جو بظاہر تو مطمئن نظر آتی ہے مگر باطن پریشان ہے۔
 چوں ہر ساعت از تو بجلے رود دل قطعہ بہ تنہائی اندر صفائے نہ بینی
 ورت مال مجاہست وزلع و تجارت چوں با خدایت خلوت نشینی
 ترجمہ: جب ہر وقت تیرا دل مختلف جگہوں پر بھٹکتا پھرتا ہے تو خلوت و تنہائی میں
 بھی صفائی قلب محسوس نہ کیگا۔ اور اگر تیرے پاس مال مجاہ اور زراعت و تجارت سب کچھ ہے
 مگر دل خدا کے ساتھ ہے تو پھر تو خلوت نشین ہے۔ (گلستان ب)

ترجم بر پلنگ تیز دندان ستمگاری بود بر گو سفندال
 تیز دانت والے چیتے پر رحم کرنا بکریوں پر ظلم کرنے کے مراد ہے
 ف: اس سے ظلم اور ظلم پر اعانت کی کیسی کچھ مذمت ثابت ہوئی۔ اند تعالٰی
 ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین! (مرتب)

شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف شیخ سعدی کو

خود شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۷

مرا پیر داناے فرخ شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب
 مجھ کو پیر دانا حضرت شہاب الدین نے دو سختیں سفر دریا کے اشار میں فرمائیں
 یکے آں کہ بنویش خود ہیں مباحش دوم آں کہ بر غیر بد ہیں مباحش
 اول یہ کہ خود پسندی اور خوب بینی سے پرہیز کرنا، دوم یہ کہ دوسروں کو برائی نہ دیکھنا
 ف: سبحان اللہ، کیسی عمدہ نصیحت ہے جو صفحہ قلب پر لکھے جانے کے قابل
 اور لائق عمل بنانے کے لائق ہے۔ سچ پوچھیے تو یہ روح تصوف اور طریقی صوفیہ کا
 خلاصہ ہے۔ (مرتب)

پانگاہِ علوم کے ساتھ محاسنِ اخلاق

تو اس شناخت بیک وقت در شامل مرد کتا کجاش رسیدت پانگاہِ علوم
(ایک ہی کونڈی کی خصلتیں معلوم کیجا سکتی ہیں کہ اس کے علم کا مرتبہ کہاں تک پہنچا ہے (ب ص ۲۳۵))
یقیناً گلستان کے قطعات میں یہ قطعہ لفظ اور معنی کے اعتبار سے نہایت
بلوغ قطعہ ہے اور اس زمانہ کے حال زار کا مکمل ترجمان ہے، اور خود پڑھنے والے
کے لئے اصلاحِ اخلاق کی طرف براہِ گنجتہ بلکہ کمر بستہ کرنے کے لئے بہترین
مہینر و محرک ہے۔

اس لئے اولاً گزارش ہے کہ ہر شخص کو خود اپنے قلب و باطن میں نگاہ کرنی
چاہئے کہ ہمارے ظاہر کے مطابق ہمارا باطن ہے یا نہیں۔ اور یہ بھی دیکھنا ہوگا
کہ ہماری رسانی اب تک صرف لفظ ہی تک ہوئی ہے یا اس کے معنی
و حقیقت کی ہوا بھی لگی ہے؛ مگر اس کا اندازہ و سراغ اسی وقت لگے گا
جبکہ ہماری چشم بصیرت کھل جائے جب ہی اپنی حقیقت عیاں ہوگی۔ اسی
کے متعلق حضرت مرشدی مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ
یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

اوروں پہ معترض تھے لیکن جب آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنجِ غیوب دیکھا
اور اسی مفہوم کو مرشدی حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڈھلی نے
اپنے نہایت معنی خیز شعر میں یوں واشگاف فرمایا ہے۔
کھل گئی جب سے چشم بصیرت اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم

اور جب چشم بصیرت کھل جائے گی تو انشاء اللہ اس کی برکت سے نور فراست بھی نصیب ہوگا، جس سے اپنی بھی اور دوسروں کی بھی حقیقت عیاں ہوگی اس طرح نہ اپنے باطن سے آدمی مطمئن ہوگا اور نہ دوسرے کے ظاہری علوم کو دیکھ کر اس کے باطنی اخلاق سے مطمئن رہے گا۔

جیسا کہ ایک یہودی نہایت بزرگ درویش کی شکل میں شیخ کامل خوجا عبدالخالق غجدوانی جو کی خدمت میں گیا اور سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اَتَقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ کا کیا مطلب ہے؟ تو معاف فرمایا کہ تمہارے جبہ کے تحت جو زُنار ہے اس کو توڑ دو، تو وہ واویلا کرنے لگا کہ بھلا مجھ کو اس سے کیا تعلق؟ شیخ نے فرمایا کہ اس کے جبہ کو اُتارو تو حقیقت اُس کے نیچے زُنار تھا۔ اس کے بعد وہ یہودی تابع ہو کر مسلمان ہو گیا۔ پس اے مسلمانو! ہم سب کو اصلاح باطن کی فکر رکھنی چاہئے اور دوسروں کے ظاہری ورسی علوم کو دیکھ کر کلی طور پر اعتقاد نہ کرنا چاہئے، بلکہ پُر حذر رہنا چاہئے اور اس نورانیت کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ ذکر کی کثرت اور طاعت پر مداومت کی جائے، اور اس کے ساتھ ہی صالحین کی صحبت کا اہتمام کیا جائے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے یہ دولت عنایت فرمائیں۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے خوب دعا کرنی چاہئے۔

وما ذا لك على الله بعزير۔ (مرثیہ)

عابدنا پارسا کی حکایت

بوتساز میں حضرت مصلح الدین شیرازیؒ نے ”عابدنا پارسا“ کے

عنوان سے ایک حکایت نقل فرمائی ہے جس کو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اکثر بیان فرماتے تھے، اور اپنی کتاب "اعتراف ذنوب" میں تفصیل سے مع شرح کے نقل فرمایا ہے اور عجیب نکتے تحریر فرمائے ہیں جس کو شوق ہو وہ "اعتراف ذنوب" میں دیکھ لے۔ اس حکایت کے آخر میں شیخ سعدی نے جو نصیحت فرمائی ہے، اُس کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ فرماتے ہیں سہ

گنہ گار اندیشہ ناک از خدائے بہ از پار سائے عبادت نمائے
(یعنی اللہ تعالیٰ سے اندیشہ کرنے والا گنہگار بہتر ہے اُس پار سائے جو عبادت کو دکھلنے کیلئے کرتا ہے۔)

اس کے بعد حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ سعدیؒ کا مقابلہ فرماتے ہیں کہ یہ عبادت پرست ایسا ہے کہ سلوک کو اس سے زیادہ اُس گنہگار نے سمجھا۔ کیونکہ عبادت سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو، اور معصیت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے۔ چونکہ اُس پار سائی عبادت ریائی تھی، اور اس نے اس کے اندر کبر شامل کر لیا تھا، اس لئے یہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ سے بُعد (دوری) کا ذریعہ بن گئی۔ اور اُس گنہگار نے چونکہ اللہ تعالیٰ کا خوف اختیار کیا اور اللہ کی پکڑ سے ڈرا، اور اپنے گناہوں پر نادم ہوا، اور حق تعالیٰ کے سامنے رویا۔ ان سب آثار نے اس کو حق تعالیٰ سے قریب کر دیا۔ عبادت کرنے کے بعد اگر عبادت پر نظر ہو اور خود پسندی پیدا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ یہ شخص عبادت پرست ہے، خدا پرست ہرگز نہیں

عابد پارسانہیں ہے بلکہ ناپارسا ہے۔ (اعتراف ذنوب ص ۱)

کلام معرفت

شیخ سعدی نے ایک درویش کی ایک بات نہایت عارفانہ نقل فرمائی ہے جو ہم سب کے لئے موجب بصیرت ہے۔ وہ یہ ہے:-

چرخ خوش گشت درویش کوتاہ دست کہ شب توبہ کرد و سحر گشت
گرا و توبہ بخشد بماند درست کہ پیمان ما بے ثبات است و گشت
اس کوتاہ دست درویش نے کیا ہی عمدہ بات کہی جبکہ رات میں توبہ کرتا تھا اور صبح کو
توڑ دیتا تھا، کہ اگر اللہ تعالیٰ ہی توبہ کی توفیق دیں اور قبول فرمائیں جی بھی وہ ثابت درست
رہ سکتی ہے، ورنہ تو ہمارا عمدہ و پیمان نہایت کمزور ہوتا ہے۔

ف: یعنی اپنی توبہ میں بھی اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور عجز
و انکسار کو اپنا شعار بنانا چاہئے۔ (مرتب)

اب ہم اس تذکرہ سعدی کو شیخ سعدی ہی کی دعا پر ختم کرتے ہیں جس پر خود
انھوں نے بوستان کو ختم فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے:-

نہ یوسف کہ چنڈاں بلادید و بند چو حکمش رواں گشت و قدرش بلند
گنہ عفو کرد آل یعقوب را کہ معنی بود صورت خوب را
بکر دار بدشان مقید نہ کرد بضاعت مزجات شان رد نکرد
یعنی کیا ایسا نہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب بر سر حکومت آئے تو انھوں نے
آل یعقوب علیہ السلام کی خطاؤں کو معاف فرمادیا جبکہ ان کی طرف سے بے انتہا بلا
و مصیبت اور قید و بند میں گرفتار ہو چکے تھے۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ عموماً اچھی صورت

میں عمدہ سیرت پنہاں ہوا کرتی ہے۔ لہذا ان لوگوں کے بُرے سلوک مجھے ہرگز میں انکو
قید و بند میں نہ رکھا اور نہ انکی معمولی پونجی کو رد فرمایا۔

زلطفت ہی چشم داریم نیز بدیں۔ بے بضاعت بہ بخش لے عزیز
بضاعت نیا و روم اِلَّا اُمید خدایا ز عفو م ممکن نا امید
اے اللہ! اے عزیز! آپ کے لطف و کرم سے ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ
اس بے بضاعت مفلس کو بخش دیں گے۔ آپ کے پاس سوائے امید کے اور کچھ بھی
لے کر نہ پہنچا ہوں۔ پس اے اللہ! اپنی عفو سے مجھے نا امید نہ فرمائیے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ آمین

وفات

حضرت شیخ سعدی حکی وفات ۶۹۱ھ میں ہوئی۔ شیراز میں
آپ کا مزار ہے۔ رَحْمَةُ اللهِ رَحْمَةً وَّاسِعَةً وَتَوَدَّ اللهُ مَرْقَدَهُ۔

(ایمان الحجاج ص ۳۰ ج ۲)

حضرت ابراہیم بن احمد کینعی علیہ السلام

کلمات طیبات

اولیائے مین میں سے ہیں۔ ان کے ایسے بہت سے کلمات طیبات ہیں جو قلوب قاسیہ کے لئے دوا و علاج ہیں۔ جیسے ان کا قول: لیس الزاهد من لا یملك شیئاً انما الزاهد من لا یملک شیء۔ یعنی زاہد اسے نہیں کہتے کہ وہ کسی چیز کا مالک نہ ہو، بلکہ زاہد وہ ہے جس پر کوئی چیز مالک نہ ہو۔
ف: اسی کو مولانا روم نے فرمایا ہے

چیت دنیا از خرد اغافل یمن نے قماش و نقشہ و فرزند و زن
 (یعنی دنیا کے مال و متاع میں پڑ کر اللہ سے غفلت برتنا یہ دنیا داری ہے اگر
 ایسا نہیں ہے تو یہ مال و دولت اور اہل و عیال رکھنا مذموم نہیں ہے بلکہ
 عین صواب اور موجب اجر و ثواب ہے۔ (مرتب)

انھوں نے ارشاد فرمایا کہ: اے اخي جدد السفينة فان البحر
 عمیق و اکثر الزاد فان الطريق بعيد و اخلص العمل فان الناقد
 بصیر (یعنی اے بھائی! کشتی کی خوب اچھی طرح مرمت کر لو، اسلئے کہ سمندر
 نہایت گہرا ہے۔ اور توشہ خوب زیادہ لے لو، اسلئے کہ سفر بہت ہی لمبا اور
 دور دراز کا ہے۔ اور عمل کو خالص (پُرسد) کر لو، اسلئے کہ پرکھنے والا نہایت دانا
 و بینا ہے۔)

وفات وہ دنیا سے ۷۱۳ھ میں رحلت فرما گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(تقصیر جود الاحرار ص ۷)

حضرت خواجہ علی رامیتنی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۷۲۱ھ

تعارف آپ خواجہ محمود الخیر فغنوی کے خلفا نامدار میں سے ہیں۔ آپ اپنے اس سلسلے میں حضرت عزیزاں کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ آپ بڑے بلند مقامات کے حامل اور کرامات ظاہری رکھنے والے تھے۔ بافندگی (نساچی) کی صنعت میں مشغول رہتے تھے۔ اس فقیر (جامی) نے ایک بزرگ سے سنا تھا کہ بیشک حضرت جلال الدین رومی قدس سرہ العزیز نے اپنی غزل کے اس شعر میں آپ ہی کی طرف اشارہ کیا ہے ۵

گر نہ علم حال فوقی قال بودے کے شد بندہ اعیساں بخارا خواجہ نساج را
(یعنی اگر علم حال علم قال سے بلند مرتبہ نہ ہوتا تو بخارا کے اعیان و بزرگ خواجہ نساج کے کب خادم بن سکتے تھے) (نفحات الانس ص ۶۱)

پیر از حکمت بر جستہ جواب

حضرت علاء الدولہ سمنانیؒ آپ کے معاصر تھے۔ انھوں نے کسی درویش کی زبانی حضرت خواجہ علی رامیتنی کو کھلا بھیجا کہ آپ اور میں دونوں کئے جانے والوں کی خدمت کرتے ہیں۔ آپ کھانے میں تکلف نہیں کرتے اور میں کرتا ہوں یعنی عمدہ عمدہ غذائیں کھاتا ہوں، مگر آپ کی سب تعریفیں کرتے ہیں اور میری شکایت کرتے ہیں۔ اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت عزیزاں رامیتنیؒ نے جواب دیا: خدمت کرنے والے اور احسان کرنے والے بہت ہیں، مگر خدمت

سے کپڑا بننے کا کام ۱۲

کر کے احسان مند ہونے والے بہت کم ہیں۔ دوم یہ کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کی تربیت حضرت خضر علیہ السلام نے کی ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ جو اللہ تعالیٰ کے عاشق ہوتے ہیں، خضر اُن کے عاشق ہوتے ہیں۔ سوم یہ کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ ذکر جہر کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا، ہم نے سنا ہے کہ آپ ذکر خفیہ کرتے ہیں۔ پس آپ کا ذکر بھی جہر ہو گیا۔

ف: سبحان اللہ، کیا ہی خوب برجستہ جوابات ارشاد فرمائے۔ اس لئے کہ اہل اللہ کے سامنے حقائق عیاں ہوتے ہیں۔ (مرتب) ارشادات: آپ سے کسی نے دریافت کیا، ایمان کس کو کہتے ہیں؟ آپ نے اپنے پیشہ کے مناسب فرمایا: کنڈن و پیوسٹن۔ یعنی توڑنا اور جوڑنا۔ معنی خلق سے توڑنا اور خالق سے جوڑنا۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کی صحبت رکھو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایسے کے ساتھ صحبت رکھو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھتا ہو۔ اور فرمایا، اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے سامنے عاجزی کیا کرو، تاکہ وہ تمہارے لئے دعا کریں۔

فرمایا: مجھ سے بعض دور والے نزدیک اور نزدیک والے دور۔ دور والے نزدیک وہ ہیں کہ بصورت ظاہر دور ہیں، لیکن دل و جان سے حاضر ہیں اور نزدیکان دور وہ ہیں کہ بصورت ظاہری میرے پاس ہیں، لیکن دل و جان سے میرے ساتھ نہیں ہیں۔ یعنی دل و جان سے کار دنیا و ہوا و ہوس میں مشغول ہیں۔ (ماخوذ از: تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ)

مؤلف: عزیزم مولوی محبوب محمد قرمان ندوی (آبادی)

اللہ اکبر۔ آپ فرماتے ہیں کہ بندہ خدا نہیں ہو سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔

اللہ اکبر۔ حضرت عزیزاں قدس سرہ سے کسی نے اس حدیث شریف کے معنی پوچھے ”شَكَفُوا وَتَصَحَّحُوا وَاعْتَنِمُوا“ (سفر کرو، صحت پاؤ گے اور اس کو غنیمت جانو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ سفر کرو اپنی خودی سے وجود حق تعالیٰ کی طرف تو صحت پاؤ گے حوادثِ حدوث سے، اور اس کو غنیمت جانو، یعنی جب تم اپنے نفس کے عالم صحرائیں سفر کرو گے اور ہر مقام کی ہوائیں لطیف حاصل کرو گے تو اپنے وجود کی صحت حاصل کر لو گے، پس شک و شبہ کے مرض سے اور ریاکاری و بکاری اور حرص و امید، بغض و کینہ، حسد و نفاق، بخل و کبر، عجب خود پسندی خود نمائی و بداندیشی اور آزار و ستم اور تمامی بُرے اخلاق کے رنجوں سے اس سفر کی وجہ سے رہائی پاؤ گے۔ پس ایسی صحت کو غنیمت سمجھو اور عمر چند روزہ کو طاعت اور عبادت میں صرف کرو۔

اللہ اکبر۔ حضرت عزیزاں قدس سرہ سے کسی نے پوچھا کہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مرد تین طرح کے ہوتے ہیں۔ پورا مرد، آدھا مرد اور نامرد۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ پورے مرد کی صفت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے ”رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ“ (یعنی وہ ایسے مرد ہیں جن کو اللہ کی یاد سے تجارت اور خرید و فروخت غافل نہیں کر سکتی)۔ اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہی حال وارد تھا جس کو آپ نے بیان فرمایا ہے کہ فَتَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي (یعنی میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا)۔ اور آدھا مرد وہ ہے جس کے زبانی شغل میں ذکرِ قلبی کی

بھی لذت آتی ہو، مگر وہ اتنی ہی بات پر قانع ہو گیا ہو۔ یعنی یہ کیفیت کہ جب تک اُسکی زبان ذکر میں مشغول رہے اس کا دل بھی اس ذکر سے لذت پاتا رہے اور جب وہ ذکر کو چھوڑ دے تو دل بھی ذکر سے باز رہ جائے۔ اور نامرد وہ ہے جو منافق ہو یعنی ذکر کرے مگر اللہ کے لئے نہ کرے۔

اللہ اکبر۔ حضرت عزیزاں قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”مَنْ أَخْلَصَ لِلَّهِ تَعَالَى أَرْبَعِينَ صَبَاحًا ظَهَرَ رُتْ يَتَابِعُ الْحِكْمَةَ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِهِ“ (یعنی جو شخص چالیس دن صبح کو خالص اللہ کے لئے پورے اعتقاد کے ساتھ دل سے بے غش و غل روح کی آگاہی یقین کی درستی اور پوری توجہ و رجوع سے عبادت کرے، کسی اور غرض سے نہیں تو حکمت کے چشمے اُس کے دل سے نکل کر اُس کی زبان پر جاری ہو جائیں گے۔ بہت لوگوں نے اس پر عمل کیا مگر اکثر کو یہ بات حاصل نہ ہوئی، اس کی وجہ کیا ہے ؟

حضرت عزیزاں قدس سرہ نے فرمایا کہ وہ لوگ اس راستہ میں سچے نہ تھے اور ان کا مقصود چالیس دن کی عبادت سے یہ تھا کہ حکمت کے چشمے اُن کے دل سے ان کی زبان پر آجائیں۔ خالص اللہ تعالیٰ ان کا مقصود نہ تھا۔ اس لئے اُن کا مقصد حاصل نہ ہوا۔

اللہ اکبر۔ حضرت عزیزاں قدس سرہ کی خدمت میں عقلمندوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور آپ کی مجلس میں شریک ہوئی۔ اثنائے کلام میں ان میں سے ایک شخص نے کہا، کہ علماء بوست ہیں اور فقراء مغز۔ حضرت عزیزاں قدس سرہ نے فرمایا کہ مغز بوست کی حمایت و حفاظت میں رہتا ہے۔

ف: اسی کو حضرت مرشدی مولانا محمد احمد رضاؒ برابر فرماتے تھے کہ جیسے کیسا ہے، اگر اس کا چھلکا دور کر کے مغز کو اکیلا رکھا جائے تو تھوڑی دیر میں بگڑنا شروع ہو جائیگا۔ (مرتب)

اللہ اکبر۔ آپ فرماتے ہیں کہ فقیر اگر ہاتھ میں کچھ نہ رکھتا ہو اور دل میں کسی چیز کا خواہاں نہ ہو تو وہ فقیر اچھی صفات والا ہے۔ اور اگر یہ کہے کہ فقیر میرا غریب ہے تو سچا ہے۔ اور اگر فقیر ہاتھ میں کچھ نہ رکھتا ہو مگر دل میں کسی چیز کا خواہاں ہو تو وہ مجھ کا فقیر ہے نہ کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا والا۔ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا والا تو نہ دل سے کسی چیز کا خواہاں ہو بلکہ نہ زبان سے اور اگر فقیر ہاتھ میں کچھ چیز رکھتا ہو اور پھر اور کا طلب گار ہو، تو وہ بُری صفات والا فقیر ہے۔ جسکی نسبت ”الْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ“ (فقیر رو سیاہی ہے) ارشاد ہوا ہے۔ یاسی کا مصداق ہے اور حدیث شریف ہے کہ کَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا (فقیر کفر کا باعث ہے) اسی کی شان میں لکھی ہے۔

اللہ اکبر۔ آپ کے فرزند ارجمند نے آپ سے پوچھا کہ یہ حدیث ”الْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ“ فِي الدَّارَيْنِ وَكَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا“ (فقیری دو جہاں میں رو سیاہی ہے اور فقر کفر سے قریب کرتا ہے) اس حدیث کے کہ الْفَقْرُ فَخْرِي (فقیر میرا فخر ہے) مخالف ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں حدیثیں اس فقیر کی شان میں ہیں جو مخلوق کی طرف متوجہ ہو یعنی وہ درویش جو فقر کو خلق پر ظاہر کرے اور خلق سے کچھ چاہے اور اپنے فقر کو آلہ گدائی اور کمائے کا وسیلہ بنائے۔ (انوار العارفین ص ۱۵۷)

ف: سبحان اللہ، بہت ہی معرفت کے ارشادات ہیں اللہ تعالیٰ عمل کا توفیق مرحمت فرمائے۔ (مرتب)

وفات: آپ کا انتقال بروز روزِ شنبہ ۲۸ ذوقعدہ ۱۳۷۲ھ ایک سو تیس برس کی عمر میں خوارزم (روس) میں ہوا۔ آپ کا مدفن خوارزم ہی ہے۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَاسِعَةً (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۵۷)

حضرت شیخ بوعلی قلندر پانی پتیؒ المتوفی ۷۲۴ھ

نام و نسب نام شیخ شرف الدین اور لقب بوعلی قلندر تھا۔ والد کا نام سالار فخر الدین ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے۔ والد ماجد ۶۳۵ھ میں عراق سے ہندوستان آئے، وہ بڑے متبحر اور جید عالم تھے۔ ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ لیکن وہ لا ولد فوت ہو گئیں۔ اس کے بعد مولانا سید نعمت اللہ صاحب بدائیؒ کرمانی کی ہمیشہ بی بی حافظہ جمال سے عقد ہوا، جو حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ کی ماں تھیں۔

ولادت و ابتدائی حالات شیخ بوعلی قلندر ۶۵۳ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ کسبی میں تمام علوم ظاہری حاصل کر لئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا۔ چنانچہ بیس برس تک دہلی میں قطب بنار کے پاس اُن کے درس و تدریس کا فیض جاری رہا۔ دہلی کے اکابر و علماء، مولانا قطب الدین، مولانا وجیہ الدین پاٹلی، قاضی ظہور الدین بجاوی، قاضی حمید الدین، صدر شریعت مولانا فخر الدین پاٹلی وغیرہم اُن کے عملی تجراؤ فیضیت کے معترف تھے۔

جذب و سکر لیکن جب تصوف کے کوچہ میں قدم رکھا اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوئے تو جذب و سکر کی حالت میں علوم و فنون کی تمام کتابوں کو دریائیں ڈال کر جنگل کی راہ لی اور پانی پت کے

مضافات یا گونی اور کرنال کے نواح بڑھا کھیرہ میں آخر وقت تک مقیم رہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۲۲۸) (ازبزم صوفیہ ص ۲۴۹)

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ "معارج الولايت" کے مؤلف نے شیخ بوعلی قلندر کو خواجہ بختیار کاکی جو خلیفہ لکھا ہے۔ لیکن ان کی ارادت اور خلافت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی طرف بھی منسوب ہے۔ اخبار الاخیار میں ہے بعض گویند کہ خواجہ بختیار کاکی بعضے گویند ارادت داشت و بعضے گویند بختیار کاکی سے ارادت رکھتے تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ خواجہ بختیار کاکی سے ارادت رکھتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ شیخ نظام الدین اولیاء اور بعض کہتے ہیں کہ شیخ نظام الدین اولیاء و بیچ کیے ازین دو نقل بصحت زسده است۔ سے (ارادت رکھتے تھے) اور ان دونوں سے کوئی بھی روایت صحت کو نہیں پہنچی ہے۔

سکرا و مستی کی حالت میں ایک بار مونچھیں شرعی حدود سے بہت بڑھ گئی تھیں، کسی کو تراشنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اُن کے معصوم بزرگ مولانا ضیاء الدین سامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا۔ انھوں نے شیخ کی ریش مبارک کو پکڑ کر مونچھوں کو شرعی حد کے مطابق تراش دیا۔ جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ بوعلی قلندر اپنی ڈاڑھی کو پکڑ کر بار بار فرماتے کہ یہ ڈاڑھی کیسی مبارک ڈاڑھی ہے کہ شرع محمدی کی راہ میں پکڑی گئی۔

حضرت شمس الدین ترک اور حضرت بوعلی قلندر ج جب حضرت شمس الدین ترک کا نزول اجلال

پانی پت میں ہوا تو دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ اپنے خادم کے ہاتھ شیخ بوعلی قلندر کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ بوعلی قلندر خادم کو دیکھ کر مسکرائے گلاب کے

چند بھول اُن کے سامنے پڑے تھے، اُن کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اُسے حضرت شمس الدین ترک کے پاس واپس کر دیا۔ وہ پیالے میں گلاب کی پنکھڑیاں دیکھ کر متبسم ہوئے۔ حاضرین مجلس نے تبسم کی وجہ پوچھی۔ فرمایا کہ شیخ بوعلی قلندر کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھینچنے سے مراد یہ تھی کہ یہ شہر میرے شیخ نے مجھ کو عطا کیا ہے جو مجھ سے پُر ہو گیا ہے۔ اس لئے آپ کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ تو شیخ بوعلی قلندر نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر دودھ کا پیالہ جو واپس کر دیا تو اُس سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے اس شہر سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور یہاں سی طرح رہیں گے جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں۔ شیخ بوعلی قلندر سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی یہی فرمایا۔ چنانچہ دونوں میں آخر وقت تک اعلیٰ محبت قائم رہی۔

ف: سبحان اللہ، اُن دونوں ہی حضرات کے اشارہ و کنایہ کے بطور سوال و جواب میں جو لطف و لطافت ہے وہ اہل ذوق پر محقق نہیں۔ (مرتب)

شیخ بوعلی قلندر کا فیض اکبر الاولیاء حضرت شیخ جلال الدین بانی پتی، شیخ بوعلی قلندر ہی کے فیض نظر سے راہ طریقت پر گامزن ہوئے۔ ایک دن شیخ بوعلی قلندر میرا بیٹھ ہوئے تھے کہ کسی کے زمانہ میں شیخ جلال الدین گھوڑے پر سوار اُدھر سے گزرے۔ اُن کو دیکھ کر شیخ بوعلی قلندر نے فرمایا:-

”زہے اسپ زہے سوار“ (یعنی گھوڑا اور سوار دونوں ہی کیا خوب ہیں)

کانوں میں آواز پڑی تھی شیخ جلال الدین بیخود ہو گئے، گھوڑے سے اتر پڑے اور اُسی وقت گریبان چاک کر کے جنگل کی راہ لی۔ اور چالیس سال تک جنگل میں پھرتے رہے، اور اس درمیان میں مختلف درویشوں و فقیروں کی صحبت اختیار کی، پھر جب وطن واپس آئے تو شیخ بوعلی قلندر سے بیعت کے لئے مہر ہوئے۔ شیخ نے فرمایا:-

”اے فرزند عزیز! کشایش تو موقوف بر مرد دیگر است“

(یعنی اے فرزند عزیز! تمھاری کشایش دوسرے مرد (بزرگ) پر موقوف ہے۔) چنانچہ جب حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رکاورد مسعود پانی پت میں ہوا تو شیخ بوعلی قلندر نے شیخ جلال الدین کو اُنکے پاس ارادت کیلئے بھیجا۔ جو اگے چل کر اُن کے خلیفہ ہوئے۔

حضرت قلندر صاحب کے زمانہ کاسیاسی ماحول | حضرت قلندر صاحب کے بچپن میں اُس خاندان کی بادشاہت

تھی جس کو غلاموں کا خاندان کہا جاتا ہے۔ اور اتفاق سے اُس زمانہ میں وہ بادشاہ حکمران تمھاجو صرف اس خاندان میں نہیں بلکہ دہلی کے تمام بادشاہوں میں اپنی طبیعت کی نیکی اور دل کی بھلائی میں مشہور ہے۔

یہ شمس الدین التمش کا سب سے چھوٹا لڑکا ”ناصر الدین محمود“ تھا۔ اُس نے اگرچہ دولت کے پوتروں میں جنم لیا تھا، بادشاہت کے گوارے میں پلا بڑھا۔ اور ہمیشہ شان و شوکت کے جھولوں میں جھولتا رہا تھا، مگر طبیعت فقیرانہ پائی تھی۔ ۱۲۴۶ء (۶۴۴ھ) میں اُس کو بادشاہ بنایا گیا۔ بائیس سال حکومت کی، مگر اس پورے دور میں اُس نے خزانہ شاہی سے اپنے لئے ایک پیسہ بھی کبھی نہیں لیا۔ اسلامی تعلیم کے مطابق اُس کا عقیدہ یہی تھا کہ جس کو خزانہ شاہی کہا جاتا ہے وہ بادشاہ کا نہیں، بلکہ رعایا کا ہے۔ بادشاہ صرف امانت دار ہے اور محافظ۔

بادشاہ اگر اُس میں سے لے سکتا ہے تو صرف اتنا جتنا کوئی ایک کارپرداز حکومت یا رعایا کا کوئی ایک فرد لے سکتا ہے۔ بعنوان دیگر جو اوسطاً ملک کے کسی ایک باشندہ کی گزران ہو سکتی ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اتنا بھی نہ لے۔ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ - (نساء آیت ۶)

(یعنی جو مستغنی ہو) ضرور تمند نہ ہو) اُس کو پاکدامن رہنا چاہئے۔ (اس دولت کو ہاتھ نہ لگانا چاہئے) اور جو ضرور تمند ہے وہ کھا سکتا ہے عام گزران کے بموجب۔)

ناصر الدین نے اسی پہلی صورت کو اختیار کیا تھا۔ اُس نے ملکی خزانہ سے کبھی بھی اپنے یا اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ لینا گوارا نہیں کیا۔ وہ بہترین خطاط اور اعلیٰ درجہ کا خوشنویس تھا، اُس زمانہ میں خوشخطی بھی ایک شریفانہ اور اہل بیتہ تھا چھاپہ اسوقت تک ایجاد نہیں ہوا تھا۔ کتابیں کتابوں سے اُجرت پر لکھوائی جاتی تھیں۔ ناصر الدین عمر بھر یہی پیشہ کرتا رہا۔ وہ بہترین خطا سے قرآن شریف لکھ کر اُجرت حاصل کرتا اور اپنا خرچ چلاتا تھا۔ اُس نے اپنے لئے کبھی نوکر نہیں رکھا۔ کھانا اسکی بیوی خود بناتی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی اور گھر کا تمام کام خود کرتی تھی۔ ایسے بادشاہ کا دور حکومت جسقدر بھی آسودہ اور پُر امن ہو کم ہے چنانچہ اُس کے بائیس سالہ دور حکومت میں چین اور آرام ہی کی رنگ رلیاں رہیں۔ (بزرگانِ پانی پت ص ۱۷)

ف: سبحان اللہ! یہ ہیں سلاطین اُمت۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عبرت حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

ارشادات | اے بھائی! تجھ پر اللہ کی عنایت ہوئی، تو اس نے تیرے اندر ایک جذبہ پیدا کر دیا اور تجھے خود رانی سے بچا لیا۔ اور پھر تم میں عشق پیدا کر کے حسن کا جلوہ دکھا دیا۔ جب تم عشق کو پہچان لو گے تو لامحالہ معشوق کو بھی پہچان لو گے، اور تم بھی معشوق کے حقیقی عاشق بن جاؤ گے۔ اور جب معشوق اور عاشق ایک دوسرے سے ملیں تو تجھے معشوق کے طریقہ اور عاشق کے فریضہ پر چلنا ہوگا۔

اے بھائی! اللہ نے جنت اور دوزخ دونوں کو پیدا فرما کر ان دونوں سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میں تم کو بھروں گا اور پُر کروں گا۔ معشوق کو اُس کے

عاشقوں سمیت جنت میں داخل کیا جائے گا اور شیطان کو اُس کے چیلوں سمیت دوزخ میں جھونکا جائے گا۔

اے بھائی! جنت اور دوزخ میں عاشق ہی اپنے حسنِ عشق اور خرابِ عشق کی وجہ سے داخل کئے جائیں گے۔ بہشت دوستوں سے وصال کا مقام ہے اور دوزخ دشمنوں سے فراق کا۔ یہ فراق کافر اور منافق لوگوں کیلئے ہوگا۔ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کے لئے وصال ہوگا۔

اے بھائی! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھ کہ اللہ نے کیا کیا پیدا کیا اور دنیا کو کیا تماشا گاہ بنایا، اور اپنے حسن کو ہر درخت میں پنہاں رکھا، اور مختلف الاقسام میوہ جات پیدا فرمائے اور ہر میوے کا علیحدہ علیحدہ مزہ بنایا اور اس درخت کو خود اپنی اور پھول و پھل کی خبر تک نہیں۔ اور اسی طرح اس نے گنے کو تیرے لئے شیریں بنایا اور اس کو اپنے مٹھاس کی خبر نہیں۔ اسی طرح ہرن کی ناف میں مُشک رکھا اور اُس کو بھی اس کی خبر نہیں، سمندر کی گاوڑی سے عنبر پیدا کیا اور اس کو اس کی خبر نہیں، اور مُشک بلاؤ سے تمھارے لئے زباد پیدا کیا اور اس کو اس کا علم نہیں۔ اور ایک قسم کے درخت سے کافور پیدا کیا اور کافور کو اس کی خبر نہیں۔ صندل کو تمھارے لئے پیدا کیا اور اس کو اس کا علم نہیں۔

ف: شاید اسی قسم کے مضمون کو مولانا محمد راحد صاحب نے اس

شعر میں فرمایا ہے

حسن کا انتظام ہوتا ہے عشق کا یونہی نام ہوتا ہے
اے بھائی! عاشق بنو، اور اس جہان کو معشوق کا حسن سمجھو۔ اسی طرح

اپنی ذات کو بھی معشوق کا حسن سمجھو۔

اے بھائی! اپنے نفس کو خوب سمجھ لے۔ جب تو اپنے نفس کو پہچان لیگا تو دنیا کی حقیقت خود بخود تیرے سامنے واضح ہو جائے گی۔ اسی طرح روح کو بھی پہچانو، اس لئے کہ روح کی معرفت پر آخرت کی معرفت موقوف ہے۔

اے بھائی! اس دنیا میں جو حسن ترین کفر اور اہل کفر کو دیا گیا ہے اسے عاشق لوگ ہی پہچانتے ہیں، سو جو دنیا کا عاشق ہے اس کا معشوق حسن کفر ہے۔ اور جو آخرت کا عاشق ہے اس کا معشوق حسن ایمان ہے۔

اے بھائی! اگر کا ایک ٹکڑا لو اور اُس سے سو گولیاں بناؤ اور ہر ایک کا الگ الگ نام رکھو، مثلاً اُن میں سے کسی کا نام گھوڑا، اور کسی کا نام ہاتھی وغیرہ رکھو، تو جب تک وہ چیزیں اُن ہی شکلوں میں ہیں جو تم نے بنائیں اور اُن کے نام رکھے اُس وقت تک تو اُن کے وہی نام رہیں گے، لیکن اگر ان تمام شکلوں کو ملا دو تو ان کے نام ختم ہو جائیں گے، اور وہی نام یعنی گڑ رہ جائے گا۔

اے بھائی! غور و فکر اس بات کی کرو کہ تمہیں ایک ہر دست مہم حل کرنی ہے اس لئے تمہیں اپنے لئے ایک مونس و ہمدرد کی ضرورت ہے۔ ذرا ہوش کرو اور اس بات کا یقین کرو کہ تم بحالت موجودہ اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے غلام بن چکے ہو، اس سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر کرو۔

اے بھائی! کچھ معلوم نہیں کہ خیالات و افکار تمہیں کس بد حال تک لے جائیں (اب تو کچھ معلوم نہیں ہو رہا، البتہ جب بد نصیبی اور بد قسمتی ظاہر ہوگی تو معلوم ہو گا کہ یہ بد بختی اور بد نصیبی دراصل بُرے خیالات اور نفس کی اتباع کا ہی نتیجہ ہیں)

اے بھائی! مجھے کچھ خبر نہیں کریں کیا کہہ رہا ہوں اور کیا کر رہا ہوں، مجھے اپنے کسی فعل کی خبر نہیں۔ البتہ میری زبان اللہ کے قبضہ میں ہے، اس لئے چاہتا ہوں کہ ایسی باتیں کہوں جو دو عالم میں پسندیدہ ہوں۔ (اخبار الاحیاء ص ۶۸۳)

ف: یہ ارشادات حسن و محبت کے وظائف و آداب سے پُر ہیں۔ مگر اس کو سمجھنے کے لئے فہم خاص اور ذوق صحیح کی ضرورت ہے۔ اس لئے اگر ان حضرات کی باتیں سمجھ میں نہ آئیں تو بجائے انکار کے ان کے اہل کے حوالے کرنا چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ایسا ذوق مرحمت فرمائیں کہ ان کے کلام کے رموز و اسرار کو سمجھ سکیں۔ چونکہ مثل مشہور ہے: قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید واللہ الموفق۔ (مرتب)

وفات

۹ رمضان کی شب ۱۲۷۲ھ میں بوڑھ کھیرٹہ کے جنگل میں آپ کی وفات ہوئی۔ ایک دن گزرنے کے بعد کچھ لکڑہاروں کی اطلاع پر ۱۱ رمضان کو بوڑھ کھیرٹہ سے آپ کی لاش کرنا لائی گئی اور غسل دیا گیا۔ اسی دوران پانی پیت کے لوگ کرنا ل پہنچ گئے اور جنازہ پانی پیت لائے اور حضرت قلندر صاحبؒ کی تجویز کردہ جگہ میں تدفین ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
محققین یہی لکھتے ہیں کہ آپ کا روضہ پانی پیت میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ۔
(بزرگان پانی پیت ص ۱۳۵)

سُلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب نام محمد، القاب نظام الدین اولیاء، محبوب الہی، سلطان المشائخ، سلطان الاولیاء، سلطان السلاطین۔ والد کا نام سید احمد بن علی آپ سادات حسینی میں سے تھے۔ نانہال بھی سادات میں تھا، دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں ہم جد تھے۔ اور دونوں بخارا سے آکر کچھ مدت لاہور میں رہے وہاں سے بدایوں آئے۔

ولادت ۳۳۶ھ میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی۔ بدایوں (قدیم بدایوں) شرفاء و سادات کا قدیم مسکن تھا۔ بہت سے سادات کرام اور مشائخ عظام نے ایران و خراسان سے آکر یہاں سکونت اختیار کر لی تھی۔
(تاریخ دعوت و عزیمت ص ۵)

ابتدائی تعلیم و تربیت حضرت نظام الدین یارِ پنج سال کے تھے کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی

ایک بڑی صالحہ اور باخدا خاتون تھیں اس دریتیم کی پرورش اور دینی و اخلاقی تربیت کا مردانہ ہمت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا۔ کتابیں پڑھنے کے قابل ہوئے تو مولانا علاؤ الدین اصولی کے سامنے آئے تلمذ تمہہ کیا اور فقہ کی ابتدائی کتابوں تک ان سے تعلیم حاصل کی۔ قدوری ختم کی تو مولانا علاؤ الدین نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین اب دستارِ فضیلت باندھو۔ والدہ صاحبہ سے آکر کہا کہ اُستاد نے دستار بندی کا حکم فرمایا ہے۔ میں دستار کہاں سے لاؤں؟ والدہ صاحبہ نے ۶۳۱ھ اخبار الاخیار میں تاریخ ولادت ۶۳۱ھ اور بزم صوفیہ میں صفر ۳۳۶ھ درج ہے۔ (بزم صوفیہ ص ۳۱)

کہا، بابا خاطر جمع رکھو، میں اس کی تدبیر کروں گی۔ چنانچہ روٹی خرید کر اُس کو کتوایا اور بہت جلد گڑھا پی تیار کر کے دی۔ والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علماء و صلحاء وقت کی دعوت کی، خواجہ علی مرید شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے ایک بیچ باندھا اور حاضرین مجلس نے علم نافع اور تکمیل کی دعا کی۔

ف: سبحان اللہ، والدہ ماجدہ بھی کیسی باکمال تھیں، حق پداری کو بدرجہ اتم پورا کیا، جس کی وجہ سے اُن کا بچہ ایسے کمالات پر بہرہ ور ہوا کہ کم لوگ اس مقام تک پہنچے۔ (مرتب)

فقرو فاقہ اور والدہ کی تربیت | اس چھوٹے سے شریف گھرانہ میں جو سوائے پداری سے محروم تھا، فقر و فاقہ کوئی نئی

بات نہ تھی۔ حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ: والدہ کا معمول تھا کہ جن روز ہمارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم سب اللہ کے مہمان ہیں مجھے یہ بات سن کر بڑا ذوق آتا۔ ایک دن اللہ کا کوئی بندہ ایک تنکہ غلہ گھر میں لے گیا، چند دن متواتر اس سے روٹی ملتی رہی، میں تنگ آگیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ آج ہم سب اللہ کے مہمان ہیں۔ آخر وہ غلہ ختم ہوا اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم اللہ کے مہمان ہیں۔ یہ سن کر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آسکتا۔ شولہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ بدایوں سے دہلی آگئے۔

دہلی میں طالب علمی | آپ نے دہلی آکر طالب علمی کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ مدت تین چار سال کی تھی۔ دہلی میں اُس وقت

بڑے نامور اساتذہ جمع تھے۔ یہ سلطان ناصر الدین محمود کا عہد حکومت اور غیاث الدین بلبن کا عہد وزارت تھا۔ اور مولانا شمس الدین خوارزمی جو کہ

مستوفی الممالک ہو کر شمس الملک کے لقب سے مشہور روزگار ہوئے، استاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ سلطنت کے ایک اہم ترین عہدے کی ذمہ داری و مشغولیت کے ساتھ اُس زمانہ کے علماء کی طرح درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا۔ حضرت خواجہ جو اُن کے حلقہٴ درس میں شامل ہوئے اور اُس تاذ کے محبوب نظر ہو گئے۔

علمی امتیاز و تفوق | حضرت خواجہ جو نے اپنی ذہانت، مناسبتِ خدا داد اور محنت سے اپنے رفقاء کے درمیان

علمی امتیاز اور تفوق پیدا کر لیا، علمی مباحثوں اور سوال و جواب میں (جو قیام نظام تعلیم کا ایک اہم جزو اور علمی استعداد و ذکاوت کی علامت سمجھی جاتی تھی) آپ کی طلاقت لسانی اور قوت استدلال کا ایسا اظہار ہوا کہ آپ جس علمی مسئلہ پر بحث کرتے طلبہ لا جواب ہو جاتے اور محفل پر آپ کے علم و ذہانت کا سکہ بیٹھ جاتا۔

حدیث کی اجازت | آپ نے حدیث اپنے زمانہ کے مشہور محدث شیخ محمد بن احمد الماریکی مشہور کمال الدین زاہد

(م ۶۸۴ھ) سے پڑھی جو مصنف "مشارق الانوار" علامہ حسن بن محمد الصغانی کے براہ راست شاگرد تھے، فقہ میں اُن کو بیک واسطہ صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین المرغینانی سے تلمذ تھا، آپ نے اُن سے "مشارق الانوار" کا درس لیا اور حدیث کی اجازت حاصل کی۔ (دعوت و عزیمت ص ۱۵)

بیعت | آپ شیخ فرید الدین جو کی خدمت میں اجودھن حاضر ہوئے، شیخ کبیر نے حضرت خواجہ جو کی بڑی خاطر فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ اس پر دیسی طالب علم

کیلئے جماعت خانہ میں چارپائی بکھائی جائے۔ حضرت خواجہ جہ فرماتے ہیں کہ جب چارپائی بکھ گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہرگز اس چارپائی پر آرام نہ کروں گئے معزز مسافر، کتے حافظ کلام اللہ، کتے عاشقان خدا زمین پر سو رہے ہیں میں چارپائی پر کیسے لیٹوں؟ یہ خبر منتظم خانقاہ مولانا بدر الدین اسحق کو پہنچی انھوں نے فرمایا کہ اُن سے کہہ دو کہ تمہیں اپنے دل کی کرناہے یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل کرناہے؟ میں نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا فرمایا کہ جاؤ، چارپائی پر سو جاؤ۔

اسی حاضری میں کسی وقت حضرت خواجہ جس ارادہ سے آئے تھے، اس کی تکمیل کی اور شیخ کبیرؒ سے بیعت ہو گئے۔ اُس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔

شیخ کبیرؒ کی یہ خصوصی عنایت اور اختصاص تھا کہ آپ نے شیخ کبیرؒ سے درس | حضرت خواجہ کو بنفس نفیس بعض چیزیں پڑھانا شروع کیں۔ فرمایا کہ نظام! تم کو کچھ کتابیں مجھ سے بھی پڑھنی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصوف کی مشہور کتاب عوارض المعارف کا درس شروع کیا اور چھ باب اُس کے پڑھائے۔ مزید براں تجوید کی تعلیم بھی دی اور چھ پارے کامل تجوید کے ساتھ پڑھائے۔ (دعوت و عمریت ص ۱۴)

ف: معلوم ہوا کہ مقام شیخوخت پر فائز ہونے کے بعد بھی درس و تدریس کے سلسلہ کو جاری رکھا اور کئی کئی اسباق پڑھاتے تھے۔ اس لئے اس سلسلہ کو جاری رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا شاہ وحی اللہ صاحبؒ کا یہ دستور رہا ہے

ایسا نہیں تھا کہ ”پیر بن کر بیٹھ جاؤ ڈٹ کے قوالی سنو“ بلکہ تعلیم و تربیت میں لگے رہے اور اُمت کو صحیح راہ دکھلاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب و سنت کی تعلیم و تدریس پر قائم رکھے اور قبول فرمائے۔ آمین! (مرتب)

درس کی لذت | حضرت خواجہ زمانہ گزرجانے کے بعد بھی اُس درس کی لذت کو یاد فرماتے رہے۔ فرماتے تھے کہ عوارف کے درس میں جو

حقائق اور نکات حضرت کی زبان سے سُنے وہ پھر کبھی سننے میں آئیں گے۔ بیان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت تقریر فرماتے تھے تو یہ آرزو ہوتی تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آجاتی تو بڑا اچھا ہوتا۔

فنا و نیستی کی تربیت | ”عوارف“ کا جو نسخہ درس کے وقت شیخ کبیر کے ہاتھ میں ہوتا تھا وہ کچھ سقیم بھی تھا اور خط بھی باز

تھا۔ چند ہی اسباق کے بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو کچھ دیر تامل رہا، خواجہ نے (سادگی اور نوعری میں) کہا کہ میں نے شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا وہ نسخہ صحیح تھا۔ شیخ نے فرمایا ”درویش راقوت تصحیح نسخہ سقیم نیست“ (فقیر کو سقیم نسخہ کی تصحیح کی طاقت نہیں) بار بار شیخ نے یہ فقرہ دہرایا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہ آیا، لیکن بار بار یہ الفاظ شیخ کی زبان سے نکلے تو سبق کے دوسرے ساتھی مولانا بدرالدین اسحق نے بتلایا کہ خطاب تمھاری طرف ہے۔ حضرت خواجہ کے ہوش اُڑ گئے۔ فرماتے ہیں کہ ”سربرہنہ کردم و درپائے شیخ افتادم“ اور کہتے جاتے تھے۔ نعوذ باللہ! میرا اس سے حضرت پر تعریض کرنا ہرگز مقصود نہ تھا۔

عہ یعنی سرکونٹھا کر کے شیخ کے قدم پر گر پڑا۔ (مرتب)

خواجہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہر چند معذرت کی لیکن حضرت کا ملا ل خاطر نہ گیا۔ فرماتے ہیں کہ: میں اُٹھ گیا، لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ وہ دن جیسا مجھ پر گزرا اور جس حزن و غم کا پہاڑ مجھ پر ڈٹا شاید کبھی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آیا ہو سراسیمہ و پریشان باہر آیا۔ ایک مرتبہ تو یہ جی چاہا کہ کنوئیں میں گر کر جان دے دوں، لیکن کچھ سوچ کر باز رہا۔ اسی سراسیگی اور پریشانی کی حالت میں جنگل کو نکل گیا اور بہت رویا۔

شیخ کبیر کے ایک صاحبزادے شہاب الدین نامی سے خواجہ کا خاص میل ملاپ تھا، انھوں نے شیخ کبیر سے خواجہ کا یہ حال کہا، جو مقصود تھا پورا ہو چکا تھا، حاضری کی اجازت مرحمت ہوئی۔ ”بآدم سر بر قدم مبارک آوردم۔“ معافی ہوئی دوسرے روز طلب فرمایا اور ارشاد ہوا۔ یہ سب میں نے تمھاری تکمیل حال کے لئے کیا۔ پیر مشاطہ مرید ہوتا ہے۔ اس ارشاد کے بعد خلعت و کسوت خاص سے سرفراز فرمایا گیا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ شیخ تعلیم و تربیت کے لئے مرید کے ساتھ سختی کا معاملہ کر سکتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس کے بغیر اصلاح ہوتی ہی نہیں۔ (مرتبہ)

شیخ کی نصائح | شیخ کبیر نے ارادت و خلافت کے ساتھ کئی باری تاکید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی پوری کوشش کرنا

اور اہل حقوق کو راضی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگراشت نہ کرنا۔ (دعوت و عزیمت ص ۳۲)

اجودھن سے دہلی کو | خواجہ نظام الدین اپنے مرشد و مربی سے رخصت ہو کر ہندوستان انڈی کی مخلوق کے ارشاد و تربیت اور تبلیغ و ہدایت کی عظیم و مقدس مہم پر روانہ ہوئے۔ یہ ایک بے نوا جو ہندوستان بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالم اسلام کے سب سے مستحکم اسلامی سلطنت کے

دار السلطنت کو جا رہا تھا۔ اُس کے پاس اخلاص، اعتماد علی اللہ اور استغناء عن الخلق کے سوا کوئی زار و راہ اور کوئی ہتھیار و سلاح نہ تھا۔ الغرض اس شان کے ساتھ سب کچھ جلا کر بھسم کر کے وہ اجد و دھن سے روانہ ہوئے اور جس علاقہ کی ولایت آپ کے سپرد ہوئی تھی اُسی کے پایہ تخت میں آپ پہنچ گئے۔ (دعوت و عزیمت ص ۶۹)

حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے اوصاف و خصوصیات کا خلاصہ اور ان کا صحیح ترین و جامع ترین تعارف ان الفاظ میں ہے جو عطائے خلافت کے وقت اُن کے صاحب نظر شیخ و مرشد (شیخ کبیر حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی زبان سے نکلے۔ انھوں نے فرمایا:-

باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق اللہ تعالیٰ نے تم کو علم و عقل و عشق کی دادہ است و ہر کہ بدیں صفت موصوف دولت عطا کی ہے اور جو ان صفات کا جامع باشد ازو خلافت مشائخ نیکو آید۔ ہو وہ مشائخ کی ذمہ داریاں خوب ادا کر سکتا ہے۔

حضرت خواجہؒ کی سیرت اسی جامعیت کا مرقع ہے، یہاں علم و عقل و عشق تینوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ محبت و معرفت حقیقی اور مشائخ کبار کی تربیت و صحبت جو بہترین اثرات و نتائج پیدا کرتی ہے اور جن کے بہترین مجموعہ کا نام دور آخر میں تصوف پڑ گیا ہے۔ یعنی اخلاص و اخلاق اس کی بہترین نمود انکی زندگی میں نظر آتی ہے۔ (دعوت و عزیمت ص ۷۱)

اُن کی زندگی کا بہترین جوہر جس نے اُن کو اپنے معاصرین ہی میں **اخلاص** نہیں بلکہ مشائخ اسلام میں ایک بلند مقام اور اپنے زمانہ ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں قبول عام اور بقاء دوام عطا کیا،

اور اُن کو محبوبیت کے خاص انعام سے نوازا، وہ توحید و اخلاص کی وہ خاص کیفیت اور ذوق ہے جس میں محبت و رضائے الہی کے سوا کوئی چیز مطلوب و مقصود نہیں رہی محبت و یقین کے شعلہ نے ہر طرح کے خس و خاشاک کو جلا کر رکھ دیا تھا، حبیبِ نبی حبیبِ جاہ اور اس طرح کی تمام محبتوں اور طلبوں کا استیصال کئی ہو چکا تھا۔
 شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما اے طیبِ جسدِ علتھائے ما
 اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس ما
 (اے عشق جو ہمارا اچھا جنون ہے، اے ہمارے تمام (اخلاقی و روحانی) امراض کے طیب تو خوش رہ۔ اے (عشق جو) ہمارے تکبر اور عزت طلبی کی دوا ہے، اے (وہ کہ) تو ہمارا افلاطون و جالینوس ہے۔)

امیر حسن علاسجری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ مسجد میں قیام کرتے ہیں اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور نوافل پڑھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اپنے گھر ہی رات کو قیام کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ آدمی اپنے گھر میں ایک پارہ پڑھے وہ مسجد میں ایک قرآن ختم کرنے سے بہتر ہے۔

ف: اس لئے کہ مسجد میں پڑھنے سے ریا و شہرت طلبی کا خطرہ ہے بخلاف گھر کے کہ وہاں اس کا ڈر نہیں، دوسرے گھر اور گھر والوں کو بھی تلاوت قرآن کے برکات حاصل ہوں گے۔ (مرتب)

شہرت کیلئے مسجد میں عبادت | اس پر یہ ذکر آگیا کہ گزشتہ زمانہ میں ایک صاحب جامع مسجد دمشق میں رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے، اس لالچ میں کہ اس کی شہرت عام ہوگی اور شیخ الاسلامی کے عہدے پر (جو اُس زمانہ میں خالی تھا) اُن کا تقدّر ہو جائے گا

یہ سن کر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو بھج آئے اور اپنے فرمایا:-
 بسوز اول شیخ الاسلامی را آگ لگاؤ ایسی شیخ الاسلامی کو، پھر
 واپس خانقاہ را و بعد ازاں خود را۔ خانقاہ کو پھر اپنے کو خاک کر کے رکھ دو۔
 حضرت خواجہ کی ساری زندگی اسی "دل سوختگی" اور "سودختگی" کا
 نمونہ ہے۔ اور اسی چیز نے اُن کی صحبت میں کیمیا اور اکیر کی خاصیت پیدا
 کر دی تھی۔ اپنے ہی بارے میں نہیں، اپنے خلفاء اور جانشینوں کے بارے میں
 بھی (جن سے تہذیبِ خلاق اور تزکیہٴ نفس کا کام لینا تھا) اس کا لحاظ فرماتے
 تھے کہ وہ اخلاص کے اُس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ حبِ جہاہ کا اُن کے
 دل سے خاتمہ ہو چکا ہے۔

مولانا فیض الدین نے سوال کیا کہ: مشائخ کی خلافت
 خلافت کا اہل | کا اہل کون ہوتا ہے؟ فرمایا:-

کے را کہ در خواطرات توقع وہ شخص جو خلافت کا متوقع
 خلافت نباشد۔ اور منتظر بھی نہ ہو۔

صاحب "سیر الاولیاء" کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک ممتاز
 خادم کے متعلق، جن کو اجازت دی جا چکی تھی، معلوم ہوا کہ وہ کئی کبیل تہہ کے
 بچھا کر اُس پر مشائخ کی طرح بیٹھتے ہیں، اور اُمراء و عوام و خواص ان کی
 خدمت میں معتقدانہ حاضر ہوتے ہیں۔ آپ اس سے اتنے آزر دہ ہوئے
 کہ جب وہ آئے تو آپ نے اُن سے منہ پھیر لیا اور اُن کو اجازت سے
 محروم کر دیا۔ عرصہ تک اُن سے ایسی ہی بے رخی رہی، جیتک کہ اُن کا عذر
 ظاہر نہیں ہوا اور اُنھوں نے معافی نہیں مانگی، اُن پر نظرِ عنایت

مبذول نہیں ہوئی۔ (دعوتِ دعوت: بیت ص ۱۵)

شفقت و تعلق اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ محمد کو عام انسانوں اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں اور اپنے اہل تعلق کے ساتھ ایسی شفقت و محبت

عطا فرمائی تھی جس کو اگر ماں کی شفقت سے تشبیہ یا اُس پر بھی ترجیح دی جائے تو واقعات کے لحاظ سے اُس میں کوئی مبالغہ اور شاعری نہ ہوگی۔ شیوخ کا ملین کی یہ شفقت دراصل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُس شفقت کی وراثت اور نیابت ہے جس کی حقیقت اس آیت میں بیان کی گئی ہے:-

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبة ع ۱۲)

اے لوگو! تمہارے پاس ایسا پیغمبر آیا جو تمہاری جنس سے ہے جو تمہاری کیفِ مصرت کی بات گراں گزرتی ہے، جو تمہاری مصلحت کا بڑا خواہشمند رہتا ہے، ایسا اندازوں کے ساتھ بڑا ہی شفیق و مہربان ہے۔

اور اُس حکم کی تعمیل جس کا خطاب رسول سے ہے:-

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الشعراء ج ۱۱)

اُن لوگوں کے ساتھ فروتنی کے ساتھ پیش آؤ جو مسلمانوں میں داخل ہو کر تمہاری راہ پر چلیں۔

اس شفقت اور تعلق نے وہ "اتحاد" پیدا کر دیا تھا کہ دوسروں کی جسمانی اذیت سے اپنے کو جسمانی طور پر اذیت اور دوسروں کی قلبی راحت سے اپنے کو قلبی راحت ملتی تھی۔ امیر حسن علاء سنجر راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ہو رہی تھی، سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے۔ اپنے سایہ میں بیٹھے والوں

سے فرمایا: ”بھائی ذرا اہل بل کر بیٹھو، تاکہ اُن بھائیوں کیلئے بھی جگہ ہو جائے۔ دھوپ میں یہ بیٹھ گئے ہیں اور میں جلا جا رہا ہوں۔

ایک مرتبہ آپ نے کسی بزرگ کا مقولہ نقل کیا جو درحقیقت اپنے ہی حال کی ترجمانی تھی کہ اللہ کی مخلوق میرے سامنے کھانا کھاتی ہے اور میں اُس کھانے کو اپنے حلق میں پاتا ہوں۔ جیسے وہ کھانا میں ہی کھا رہا ہوں۔

امیر حسن علار سجری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بے وقت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اس طرف عزیزوں سے ملنے آیا ہوا تھا، حاضری کو جی چاہا۔ بعض دوستوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی اور کام سے آیا ہو اور شروع سے حاضری گزرت نہ کی ہو، تو شیخ کی خدمت میں نہیں حاضر ہونا چاہئے۔ میں نے دل میں کہا کہ اگرچہ قاعدہ یہی ہے لیکن دل نہیں مانتا کہ یہاں اگر حضرت کی زیارت کئے بغیر واپس چلا جاؤں۔ میں آج قاعدہ کے خلاف ہی کر دل گا۔ حضرت نے فرمایا، اچھا کیا۔ پھر یہ شعر پڑھا:

در کوئے خرابات دسر ائے اوباش منع بود بسا و بنشیں و بہ باش
پھر فرمایا کہ مشائخ کا معمول یہی ہے کہ کوئی اُن کے پاس اشراق سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نہیں جاتا، لیکن میرے یہاں یہ قاعدہ نہیں۔ جس وقت جس کا جی چاہے آئے۔ (دعوت و عزیمت ص ۱۹)

یہ اہل قلوب ہم دنیا سے فارغ البال لیکن دنیا والوں کے غم غمخواری عام اور خلق اللہ کی فکروں سے نڈھال اور خستہ حال رہتے ہیں۔ وہ

اپنا غم بھلا دیتے ہیں اور ساری دنیا کا غم اپنا غم بنالیتے ہیں۔ یہ کہنے کا حق درحقیقت اُنہی کو ہے کہ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے
خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے نواسے خواجہ شرف الدین سے کسی مجلس میں

کسی صوفی نے کہا کہ خواجہ نظام الدین عجب فارغ البال بزرگ ہیں، مجرد ہیں، اہل و عیال و اطفال کا کوئی تردد ان کو نہیں ہے، اُن کو ایسا فرخ خاطر حاصل ہے کہ ایک ذرہ غم بھی اُن کو چھو نہیں گیا ہے۔ وہ عزیز اُس مجلس سے اُٹھے تو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، چاہتے تھے کہ خود اس کا ذکر کریں، حضرت خواجہؒ نے خود ہی ارشاد فرمایا:-

”میاں شرف الدین! وہ رنج و غم جو میرے دل کو قافقتا ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اُس سے زیادہ ہوتا ہو۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے، اُس سے دو چند فکر و تردد اور غم و الم مجھے ہوتا ہے۔ بڑا سنگدل ہے وہ جن پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے۔ اس کے علاوہ یہ جو کہا گیا ہے، الْمُخْلِصُونَ عَلَى خُطْبِ عَظِيمٍ (مخلصین کو بڑا خطرہ درپیش رہتا ہے) اس سے بھی سمجھ سکتے ہو کہ عِز نزدیکان را بیش بود جیسا کہ

حضرت خواجہؒ کے نزدیک مسلمان کا دل خوش کرنا اور اُس کی دلجوئی و راحت سانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ تھا۔ ”سیر الاولیاء“ میں ہے کہ فرمایا:-

”مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اُس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچاؤ، کہ مومن کا دل اسرارِ ربوبیت کا مقام ہے کسی بزرگ نے خوب کہا ہے

میں کو کوشش کر راحت بجانے برسد یادست شکستہ بنانے برسد
 (کوشش کرو کہ کسی انسانی جان کو تم سے آرام پہنچے، یا جو دست شکستہ ہے اس کو تھام لے۔)
 ذریعہ سے رونی ملے۔)

ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

” قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگا جتنا
دل کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا۔“ (دعوت و عزیمت ص ۱۱۱)
ف: سبحان اللہ، کیسی نادربات ارشاد فرمائی، مگر افسوس! ہم منتسبین کے
تذریک ایسی باتوں کی کوئی قیمت نہیں ہے، تا بل جہ رسد اللہ تعالیٰ
عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

ارشادات

منقول ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اپنے شیخ کے
ساتھ کشتی میں سوار تھا۔ شیخ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ میرے سامنے آؤ، مجھے تم سے
یکھ کر کہنا ہے۔ سنو! جب دہلی پہنچو تو مجاہدہ کرتے رہنا، بیکار رہنے میں کوئی فائدہ
نہیں ہے۔ روزہ رکھنا آدھی منزل ہے، اور بقیہ اعمال مثلاً نماز، حج یہ دوسری
آدھی منزل ہے۔ خلیفہ بناتے وقت شیخ فرید الدینؒ نے فرمایا کہ سلوک کے راستہ
پر مستعد رہنے کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا۔

منقول ہے کہ ایک روز خواجہ نظام الدین اولیاؒ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا
کہ ایک واقعہ میں مجھے ایک خط دیا گیا جس میں لکھا تھا کہ جب تک اور جتنا ممکن ہو
لوگوں کے دلوں کو آرام پہنچاؤ، کیونکہ مسلمان کا دل حقیقت میں اللہ کے ظہور کا
مقام ہے۔ قیامت کے بازار میں کوئی سامان اتنا مقبول نہیں جتنا کہ دلوں کو
آرام پہنچانا مقبول ہے۔

فرماتے تھے کہ تصوف کی کتب میں لکھا ہے کہ سلوک کے تئو درجے ہیں، جن میں

ستر ہواں درجہ کشف و کرامات کا ہے، اگر سالک اُسی میں رہ جائے تو باقی تر استی
درجوں کو کب حاصل کرے گا۔ اس لئے درویش کو اپنی نظر کشف و کرامت تک
محدود نہ رکھنی چاہئے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب میرے مخدوم نے مجھے خلافت سے نوازا تو ارشاد
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم و عقل اور عشق کی دولت سے نوازا ہے اور جس میں
یہ تینوں چیزیں موجود ہوں وہ خلافت شیخ اور مشائخ کا مستحق ہے۔ اور حقیقت یہ
ہے کہ انہی تینوں چیزوں سے کام بحسن و خوبی پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ حضرت
محبوب سبحانیؒ اور تمام مشائخ اور بزرگوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں
نازل فرمائے۔ (اخبار الانبیاء ص ۱۲۶)

عزیمت | آپ نے فرمایا کہ سالک کو ہر خطہ کے حال میں اللہ تعالیٰ کی پناہ کا
جویاں ہونا چاہئے۔ اس کا نام عزیمت ہے۔ اور پھر اس عزیمت کو
عمل میں منتقل کر دینا چاہئے۔

جب سالک عبادت اور ریاضت کا آغاز کرتا ہے تو اُس کو نفس پر گرانی
محسوس ہوتی ہے، لیکن جب وہ صدقِ دل سے اُس کو جاری رکھتا تو اللہ تعالیٰ
کی طرف سے اُس کو توفیق ہوتی ہے اور اس کی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

ف؛ سبحان اللہ، کیا خوب حقیقت و اشکاف فرمایا جو ہمارے
جیسے کسندہ لوگوں کیلئے تسلی بخش اور بہت افزا ہے۔ (مرتب)

فراغتِ قلب | آپ نے فرمایا کہ اس راہ میں عاشق وہی ہے جو حضور اور غیبت
کی حالت میں یکساں معشوق کی محبت کا دم بھرتا ہوا اور اس کے
وصال کا ہمیشہ طالب رہتا ہو۔ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محبتِ ذات، دوسری

محبت صفات۔ اول الذکر موہبت الہی ہے اور آخر الذکر کسب سے حاصل ہوتی ہے موہبت الہی کا تعلق بندہ کے عمل سے نہیں، مگر محبت صفات کو کسب سے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے قلب کو فارغ کر کے اُس کو ذکر و اہم میں مصروف رکھنا چاہیے۔ فارغ قلب کو روکنے والی چار چیزیں ہیں۔ (۱) خلق (۲) دنیا (۳) نفس (۴) شیطان۔ مگر دفع خلق کے لئے عزالت، دفع دنیا کے لئے قناعت، اور دفع نفس و شیطان کے لئے اللہ جل شانہ سے التجا، فریاد گریہ وازی ہو، تو فراغت قلب حاصل ہو جاتی ہے۔ (بزم صوفیہ ص ۲۷)

عشق و محبت آپ نے فرمایا کہ درویش اہل عشق ہوتے ہیں اور علماء اہل عقل جب تک اللہ جل شانہ کی محبت قلب کے خلاف میں ہوتی ہے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے، لیکن محبت جب قلب کے گرد و نواح میں آجاتی ہے تو پھر گناہ صادر نہیں ہوتا۔ اہل محبت کے دل میں نماز کے وقت دنیا کا خیال آجاتا ہے تو وہ پھر سے نماز پڑھتے ہیں۔ اور اگر عاقبت کا خیال آجاتا ہے تو سجدہ سہو بجالاتے ہیں۔

صبر، رضا، توکل آپ نے فرمایا کہ اس راہ میں صبر، رضا اور توکل لازمی چیزیں ہیں۔ ہمارا اور مصیبت کے وقت شکایت نہ کرنا صبر ہے، اور ہمارا اور مصیبت کے وقت اپنی کراہت کا اظہار نہ ہونے دینا رضا ہے، جو بظاہر ناممکن العمل معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ مثلاً تیز رو مسافر کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے تو وہ کلنٹے کی پروا کئے بغیر اپنی راہ طے کرتا چلا جاتا ہے، یا ایک سپاہی جنگ میں مشغول ہوتا ہے تو پھر اُس کو اپنے زخم کا خیال مطلق نہیں ہوتا۔

توکل کی تین قسمیں رہتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنے حال کا عالم دانا سمجھ کر اُس سے سوال کرے۔ دوسرا توکل بچوں کا ہے کہ وہ ماں سے دودھ نہیں مانگتا ہے لیکن پھر بھی اُس کو دودھ مل جاتا ہے۔ تیسرا توکل مُردوں کا ہوتا ہے وہ اپنے غسالوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں، جس طرح غسال چاہتے ہیں اُن کو غسل دیتے ہیں۔ محبوب الہی کے نزدیک سب سے اعلیٰ توکل یہی ہے۔

فرمایا کہ ایک شخص کا ایمان مکمل اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو اونٹ کی یلنگنی کے برابر سمجھتا ہو، اور اللہ کے سوا کسی اور پر اعتماد نہ کرتا ہو۔

جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے اور اسی کے ساتھ دنیا کی دوستی بھی رکھتا ہے وہ کاذب ہے۔

عارف کے ستر مقامات ہیں۔ اُن میں سے ایک اس دنیا کی مرادوں سے محرومی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے کو نیک اور اچھا انسان سمجھنے لگے اور اُس میں رعونت پیدا ہو جائے، تو وہ بدترین آدمی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ: سالک کے لئے یادِ حق کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے۔
بنیادِ حق (۱) وہ خلوت نشین ہو، کہ اس سے اُس کا نفس مغلوب ہوگا۔

(۲) وہ ہمیشہ با وضو رہتا ہو، اگر اُس کو نیند آجائے تو جاگنے کے بعد پھر وضو کر لے۔

(۳) صوم دوام رکھنے کی کوشش کرتا ہو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو غذا میں تقلیل کرے،

(۴) غیر حق سے ہمیشہ سکوت اختیار کرتا ہو۔ (۵) شیخ سے قلبی لگاؤ اور محبت

رکھتا ہو۔ (۶) حق کی خاطر تمام خواہر کی نفی کر دیتا ہو۔

ف : سبحان اللہ، یادِ حق کی بنیادیں جو بیان فرمائیں وہ اہل حق کو ملحوظ

رکھنا چاہئے تاکہ یاد حق وصول حق تک پہنچا دے۔ (مرتب)

سالک کا پرہیز | ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ سالک کیلئے چار چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ (۱) دنیا، خصوصاً صحبت

اغنیاء (۲) ماسوی اللہ کا تذکرہ (۳) غیر اللہ کی طرف التفات و توجہ (۴) دل کا میل، یعنی دل میں دنیا کی کسی قسم کی محبت نہ ہو۔

توبہ | ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ سالک جب کسی چیز سے توبہ کرے تو اسکی نیت خالص ہو۔

گناہ سے ایک مرتبہ توبہ کی جاتی ہے مگر طاعت سے ہزار مرتبہ۔ جس طاعت میں ریا کی آمیزش ہو وہ گناہ سے بھی بدتر ہے۔

ظاہری اخلاق | حضرت محبوب الہیؑ نے سالک کے ظاہری اخلاق پر بھی پورا زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ سالک میں چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے۔ کم کھانا، کم بولنا، کم سونا، لوگوں سے میل جول کم رکھنا۔ (دبزم صوفیہ ص ۲۷)

حقوق العباد | مخالفت طلق سے پرہیز کی تاکید جا بجا ہے، مگر اسی کے ساتھ خلق اللہ کے حقوق کی بھی تعلیم ہے۔ فرمایا کہ مومن کے دل کو ستانا اللہ تبارک و تعالیٰ تو تکلیف پہنچاتا ہے۔ مومن وہ شخص ہے کہ اگر وہ مشرق میں ہے اور مغرب کے ایک مومن کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو اُس کو یہاں درد محسوس ہو۔

عیب پوشی | درویش کو جب کسی سے تکلیف پہنچے تو اُس کے دل سے کسی حال میں بھی بددعا نہ نکلے۔ اور درویش کو بردہ پوش

ہونا چاہئے۔ پردہ پوشی تمام عبادتوں میں افضل ہے۔

حقوق ہمسایہ | قرض دو، اُس کو کوئی ضرورت ہو تو پوری کرو، بیماری میں اُس کی عیادت کرو، مصیبت میں غمخواری کرو، اُس کا انتقال ہو جائے تو اُسکی میت کے ساتھ جاؤ اور اُس کے جنازہ کی نماز پڑھو۔

پابندی شریعت | شریعت کی پابندی ہر حال میں ضروری بتائی ہے۔ اپنے خواجگان ہی کی طرح فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی مقام سے گرے تو شروع میں گرے، اور اگر یہاں سے گر گیا تو پھر اُس کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ ”آپنج نام شروع است ناپسندیدہ است“ (یعنی جو شے شرعاً ناجائز ہے، وہ بُری ہے۔)

وجد و حال، ذوق و کیف اور استغراق و تخیل سے شریعت ساقط ہو جاتی ہے تو اُس کو کسی حال میں گوارا نہیں فرماتے۔ ارشادات عالیہ میں ہے کہ وہی لوگ مشائخ ہیں جن کے ظاہر و باطن دونوں راستہ ہیں۔

اسی لئے ملفوظات میں ذوق و کیف اور استغراق و تخیل کے ساتھ نماز روزہ، سنن و نوافل، تلاوت قرآن پاک، تراویح، احترام شریعت، اور اتباع سنت کی جائز تاکیدیں ہیں۔ خصوصاً نماز باجماعت کی بڑی تاکید ہے۔

خود بھی جماعت کا بڑا اہم مقام رکھتے تھے، ضعیفی اور کبرسنی کے باوجود آخر وقت تک نماز باجماعت کے لئے خانقاہ کے کوٹھے پر سے نیچے تشریف لاتے۔

ف: ہمارے اکابر کی یہی تو خصوصیت ہے کہ ہر حال میں ظاہر شریعت کی مکمل پابندی فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

وفات

۱۸ ربیع الآخر ۱۲۵۰ھ کو طلوع آفتاب کے بعد زہد و عبادت حقیقت و معرفت اور ہدایت و ارشاد کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ ساری عمر تجرد میں گزری، اس لئے کوئی اولاد نہیں تھی۔ روحانی سلسلہ سائے ہندوستان میں پھیلا۔ اور ابھی تک جاری ہے۔ (دعوت و عزیمت ص ۱۸)

آپ کی مزار پر انوار دہلی میں ہے، جہاں آج بھی عوام و خواص کا ہجوم رہتا ہے۔ اور زائرین کو بڑی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ وصیت یہ تھی کہ ان کو صحیح دفن کیا جائے اور قبر کے اوپر کوئی عمارت نہ بنائی جائے۔ اور ایسا ہی کیا گیا تھا، لیکن بعد میں سلطان محمد بن تغلق نے روضہ مبارک کی عمارت بنوائی۔ (بزم صوفیہ ص ۲۶۵)

ف: اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رکھے۔ الحمد للہ، آپ کی مزار کی زیارت ہوئی ہے۔ (مرتب)

حضرت امیر خسرو دہلوی رحمہ اللہ علیہ

ولادت حضرت امیر خسرو ۱۲۵۴ء میں پٹیا لی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ترک تھے اور والدہ ہندوستانی۔ دونوں اپنے مخصوص سماجی اور تہذیبی روایات کے حامل تھے۔ والد سپاہی پیشہ تھے، لیکن بڑی نیک اور پاک سیرت پائی تھی۔ امیر سیف الدین محمود کے معرکہ میں شہید ہو گئے تو ماں نے اپنی محبت سے بچپن کے اس صدمہ کو دھونے کی کوشش کی اور حقیقت یہ ہے کہ آغوشِ مادری ہی تھی جس نے اُن کو سایہٴ پدری سے محرومی کے شدید احساس سے بچایا۔ خسرو کو اُن سے اتنی محبت تھی کہ ذرا بھی نظروں سے اوجھل ہوتے تو ان کی طبیعت بے چین ہو جاتی۔

چنانچہ جب ماں کا انتقال ہوا تو خسرو کی عمر ۴۸ سال کی تھی، وہ بچوں کی طرح ہلکتے تھے اور کہتے تھے ۵

اے مادرِ من کجائیِ آخر
رُوا از چہ نمی منائیِ آخر
(ترجمہ: اے میری ماں! تو آخر کہاں چلی گئی؟ آخر تو اپنا چہرہ کیوں نہیں دکھاتی)
گیرم کہ شدی ز دیدہ مستور
از سینہٴ من کجاستوی دور
(ترجمہ: ماما کہ تو میری نظروں سے چھپ گئی، لیکن میرے دل سے کیونکر دور ہو سکتی ہے؟)
(تاریخی مقالات مولفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی)

ف: سبحان اللہ، کیسی باصلاحیت ماں تھیں اور کیسے باادب صاحبزادے، جس کی وجہ سے باطنی شرا اور جواہر سے ہمکنار ہوئے۔ (ترج)

مرشد کی تلاش | چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے چشتمہ فیض پر پہنچے اور بقول خود اب محسوس کیا

مرده بر چشمہ حیاں رسید

ع

(ترجمہ: مردہ آب حیات کے چشمہ پر پہنچ گیا)

شیخ نے پہلی ہی نظر میں اُن کے دل کی دھڑکنوں اور صلاحیتوں کی پیکار کو سُن لیا، اور اس انداز سے تربیت کی خسرو کی شخصیت کے سارے جوہر نکھر کر سامنے آ گئے۔ حضرت محبوب الہی کی تعلیم و تربیت کا ایک اہم نکتہ یہ تھا کہ وہ کسی کی شخصیت کو دبا کر یا اس کی حقیقی صلاحیتوں کو پامال کر کے تربیت نہیں دیتے تھے۔ بلکہ وہ فکر و عمل کے سرچشموں کو متاثر کر کے بعد خدا و صلاحیتوں کو خود ان کے رُخ پر چلنے دیتے تھے۔ کہ انسانی شخصیت اسی طرح اپنے کمال کو پہنچ سکتی ہے۔ ف: مرشد کا کمال ہے کہ تربیت میں طالب کی استعداد کا لحاظ کرے۔ (مرتب)

حضرت محبوب الہی کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ جس مرید کو خلافت دیتے تھے اسے شاہی دربار سے علیحدہ رہنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ دربار داری کی زندگی اہم روحانی ذمہ داریوں کو پورا کر لے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ لیکن اُنھوں نے خسرو کی صلاحیتوں کے پیش نظر ان کو شاہی دربار سے نہیں روکا کیونکہ ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کے لئے وہ میدان ضروری تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ شیخ نے اُن پر دوسروں کی روحانی تربیت کی ذمہ داری بھی نہیں ڈالی۔

ف: معلوم ہوا کہ بعض حضرات میں انفرادی طور پر صلاح و نیکی تو ہوتی ہے، مگر اصلاح و تربیت اور خلافت کے لئے جس صلاحیت کی ضرورت

ہوتی ہے وہ انہیں نہیں ہوتی، تو انہیں مشائخ محققین خلعت خلافت سے نہیں نوازتے۔ (مرتب)

شیخ سے خصوصی تعلق | خسر و جب دہلی میں ہوتے تو ہر روز بعد نماز
عشاء شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

جبکہ شیخ کے علاوہ کوئی دوسرا نہ ہوتا تھا اور شیخ سے بلا تکلف باتیں کرتے تھے۔

چشتیہ کی خصوصیت | چشتیہ سلسلہ کے مشائخ اپنے وابستگان میں
دردِ محبت اور عشق کی چنگاری روشن کرتے

تھے، چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مرشد حضرت بابا فرید گنج شکرؒ
جب کسی سے خوش ہوتے تو عادی تھے کہ اللہ تعالیٰ تجھے درد عطا فرمائے۔ یعنی
ایسا دل جو عشقِ حقیقی کی آگ میں ہمیشہ سلگتا رہے۔ (تاریخی مقالات صفحہ ۱۰۰)

ف: اسی درد کے متعلق حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحبؒ
یوں فرما رہے ہیں

شکر ہے دردِ دل مستقل ہو گیا اب تو شاید مرا دل بھی دل ہو گیا
اور حضرت خواجہ عزیز الحسن محذوب یوں نغمہ سرا ہیں

اب تو آزارِ محبت کے مزے آنے لگے
صدقے اُس ساقی کے جس نے درد پیدا کر دیا

نیز حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اسی درد کے پیدا ہونے کی
دعا فرما رہے ہیں

دردِ دل سینہ میں رہ رہ کے ٹھہر جاتا ہے
جو نہ ٹھہرے مجھے وہ دردِ خدا یاد دے (مرتب)

آپ کی عبادت و ریاضت | امیر خسرو کے دربار سے تعلق اور شاعر

ہو سکتا ہے کہ شاید وہ عبادت و ریاضت میں کوئی گہری دلچسپی رکھتے ہوں، مگر ایک دن محبوب الہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے دریافت کیا کہ تمہاری مشغولی کا کیا حال ہے؟ عرض کیا، مخدوم! چند روز سے یہ ایک اتفاق پیش آیا ہے کہ جب تکھلی رات ہوتی ہے تو خود بخود گریہ غالب آجاتا ہے اور آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا:

الحمد للہ، اب کچھ ظاہر ہونا شروع ہو گیا ہے۔ (تاریخی مقالات ص ۵۵)
ف؛ سبحان اللہ، جب یہ ابتدائی حال تھا، تو انتہا کا کیا حال ہوا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا ایک شمع نصیب فرمادے۔ (مرقب)

اشعار عارفانہ

خدایا چو دانائے رازم تویی بہرنیک بدچارہ سازم تویی
 (ترجمہ: اے اللہ! جب تو ہی میرا راز داں ہے تو ہی میرے بے بھلے میں کام آنے والا ہے)
 بداں گو نہ کن چارہ کار من کہ رحمت برد آں درت بار من
 (ترجمہ: تو میری چارہ سازی اس طرح کر کہ جیتے در پہ چاہوں تو تیری رحمت میرے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر دے)
 درے باز کن بر من از گنج راز کہ گردم ز گنج کساں بے نیاز
 (ترجمہ: رازوں کا ایسا خزانہ مجھ پر کھول دے کہ دوسروں کے خزانوں سے بے نیاز ہو جاؤں)
 نگویم کہ کن بردرخویش خاص ہی گویمت کہ خودم کن خلاص
 (ترجمہ: میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے اپنا خاص بنالے، عرض اتنی ہے کہ مجھے خود بینی سے نجات دے)

اشعار دعائیں

خدائے گدایاں و شاہاں توئی پناہ ہمہ بے پناہاں توئی
(ترجمہ: فقیر وں و بادشاہوں سب کا تقسیم ہے، تمام بے سہاروں کا سہارا تو ہی ہے)
پناہ ہے مدہ جسزہ براہ خودم دگر سومراں از نیاز خودم
(ترجمہ: اپنے سوا کسی اور کی پناہ میں مجھے نہ دے، مجھے اپنی حاجت کے لئے در بدر نہ گھما)
چون خاکم کنی خاکسارم مکن دراں خاک چوں خاک خوارم مکن
(ترجمہ: جب خاک میں مجھے ملائی تو مجھے آپ ذلیل نہ فرمائیں مجھ کو مٹی میں مٹی کی طرح ذلیل و خوار نہ فرمائیں)
ف: سبحان اللہ، کیسی رقت آمیز دعا ہے جو اپنے خاص ورد و وظیفہ میں
شامل کئے جانے کے لائق ہے۔ واللہ الموفق۔ (درتب)

عبادت کی دو قسمیں ہیں

عبادت کی دو قسمیں ہیں: لازمی اور متعبدی۔
ماشاء اللہ، حضرت امیر خسر و نے دونوں طرح کی عبادتیں کی تھیں۔
طاعت لازمی پر محنت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے انسان کے کردار
میں پختگی پیدا ہوتی ہے، جب وہ ایک اللہ رب العزت کے آگے سر
بھکا دیتا ہے تو ہزاروں سجدوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ دنیاوی مشاغل
میں الجھ کر اس عبادت لازمی کو بھول جانا انسان کی سب سے بڑی بد بختی ہے
انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ جانوروں تک کا یہ حال ہے کہ
قطرہ آب نخورد مایاں تانہ نکلند و سوئے آسماں

(ترجمہ: مرغی پانی کا قطرہ بھی نہیں پیتی، جب تک کہ آسمان کی طرف نظر نہیں کر لیتی)
طاعت متعدی کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ جو شخص دوسروں کی مدد نہ کرے
اس کا شمار جمادات میں ہونا چاہیئے۔ چاہے وہ کتنا ہی عزت و جاہ والا ہو۔

یک شلخ کہ میوہ دھند تر بہتر ز ہزار باغ بے بر
(ترجمہ: ایک شلخ جو تازہ میوہ دیتی ہو، بے پھل کے ہزار باغوں سے بہتر ہے)
خود اُن کا حال یہ تھا کہ اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ دوسروں پر صرف
کر دیتے تھے۔ ایک جگہ کہتے ہیں ۵

شیرم در بخ از پیے یاران برم نے چوسگ خانہ کہ تنہا خرم
(ترجمہ: میں شیر ہوں اور دوستوں کے لئے شکار کی تکلیف اٹھاتا ہوں۔ گھر کے
گئے کی طرح نہیں ہوں کہ تنہا کھالوں۔)

ان کے نزدیک ”آدمیت“ عبارت تھی احترام انسانیت سے۔ یعنی
امیر خسرو کے نزدیک آدمیت کے معنی و مراد انسانیت کا احترام تھا۔
دیباچہ ”غرة الکمال“ میں لکھتے ہیں کہ:-

”اگرچہ آدمی بے حساب ست و لیکن در دیوان آدمیت ہمہ رادر
حساب آدمیت نتوان شمرد“

(ترجمہ: اگرچہ آدمی بے شمار ہیں، لیکن آدمیت کی فرست میں سب کو شمار نہیں
نہیں کیا جاسکتا) اسلئے کہ ان میں احترام انسانیت نہیں ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ”احسن تقویم“ میں پیدا کیا ہے
اس لئے کہ وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ اس کو نیابت اور خلافت کا حق ادا کیا ہے
اس دینائے آب و گل میں اُلجھ کر نہیں رہ جانا چاہیئے۔

امیر خسرو نے انسان کی سیرت اور کردار کی تعمیر کے سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:-

اپنے آبا و اجداد کے کمالات پر فخر کرنا اور خود تہی دامن ہونا خسرو کی نظر میں بزرگوں کی اپنی خواہاں فروشی سے کم نہ تھا۔ کیونکہ انسان کو اپنے کمالات سے اپنے بزرگوں کا نام روشن کرنا چاہئے، نہ کہ اُن سے مستعار لی ہوئی بڑائی سے اپنی شہرت کا سامان مہیا کرے۔ ف: سبحان اللہ کیا خوب نصیحت فرمائی۔ (ترجمہ) نسب کے متعلق لکھتے ہیں کہ: یہ بے معنی چیز ہے۔ اصل قدر و قیمت انسان کے ذاتی کردار اور اوصاف کی ہے۔ نیز سطحی علم کی مذمت کرتے ہیں اور جس علم پر عمل نہ کیا جائے اسے بیکار بتاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ عالم عمل کی مثال ایسی ہے جیسے کہ آدمی کا سوتے میں بڑبڑانا۔

ان کا عقیدہ تھا کہ محنت اور جدوجہد ہی انسان کی کامیابی اور ترقی کی ضامن ہو سکتی ہے۔ اسی اصول کے پیش نظر انھوں نے اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں بڑی سبق آموز باتیں کہی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ناز و نعم کی پرورش اولاد کو بگاڑ دیتی ہے۔

رنج کش طفل شکیبا بود پرورش ناز نہ زیبا بود
(ترجمہ: رنج و غم کو برداشت کر نیوالا بچہ کامیاب ہوتا ہے، بچوں کی ناز و نعمت میں پرورش مناسب نہیں ہے۔)

۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو وفات ہوئی۔

وفات

رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ

(اخبار الاخیر ص ۲۱۵)

حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ المتوفی ۷۲۸ھ

نام و نسب | نام احمد تقی الدین، کینت ابو العباس، لیکن خاندانی لقب ابن تیمیہ
سب پر غالب آیا اور اسی سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام شہاب الدین
عبد الحکیم، دادا کا نام ابو البرکات مجد الدین ہے۔

خاندان | ابن تیمیہ کا خاندان جو پہلے سے اسرۃ ابن تیمیہ (خاندان ابن تیمیہ)
کے نام سے مشہور تھا، حران کا مشہور علمی اور دینی خاندان تھا۔
یہ خاندان (جب سے اس کی تاریخ معلوم ہے) حنبلی العقیدہ اور حنبلی المذہب تھا
اپنے دیار میں اس کو مذہب حنبلی میں پیشوائی کا منصب حاصل تھا اور اس کے
صاحب علم افراد ہمیشہ درس و افتاء اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

(دعوت و عزیمت ص ۳۲)

ولادت اور نقل سکونت | آپ کی ولادت دو شنبہ ۱۰ ربيع الاول ۶۹۱ھ
میں ہوئی۔ باپ نے تقی الدین نام رکھا۔ بڑے
ہو کر انھوں نے ابو العباس کینت اختیار کی، لیکن خاندانی لقب ابن تیمیہ سب
پر غالب آیا اور وہ اسی نام سے مشہور ہیں۔

یہ زمانہ تاتار گردی کا زمانہ تھا، سارا عالم اسلام ان کی ہیبت سے لرزہ برانداز

عہ ابن تیمیہ سے چار پشت اوپر ان کے جد امجد محمد بن الحنفیہ کے وقت سے یہ نسبت شروع
ہوئی تھی۔ اس وجہ تیمیہ میں مورخین کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ محمد بن الحنفیہ والد کا نام
(جو حافظ تھیں) تیمیہ تھا۔ اس لئے یہ خاندان تیمیہ کی طرف منسوب ہو گیا۔ (دعوت و عزیمت ص ۳۲)

تھا، لیکن عراق و جزیرہ کی سرزمین خاص طور پر اُن کی جولانگاہ تھی۔ ابن تیمیہؒ سات برس کے تھے کہ اُن کا وطن حران تاتاری حملہ کی زد میں آگیا۔ اس لئے آپ کے خاندان نے دمشق کی طرف ہجرت کی، اور باوجود وقت و مشقت کے اپنے قیمتی کتب خانہ کو بھی ساتھ لے گیا۔

دمشق میں دمشق پہنچتے ہی اس علمی گھرانے کی آمد کی خبر ہو گئی۔ اہل علم ابو البرکات مجد الدین ابن تیمیہ کے نام اور کام سے واقف تھے عبد الحلیم ابن تیمیہ کا علم و فضل بھی معروف تھا، چند دن کے اندر ہی جامع اموی اور دار الحدیث السکریہ میں اُن کا درس شروع ہو گیا اور وہ طلبہ اور حبشی علماء کا مرجع بن گئے اور اس خاندان کو اس نئے شہر میں کوئی غربت و اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔

مکمل احمد ابن تیمیہ نے جلد قرآن مجید کے حفظ سے فراغت کر لی اور حدیث و فقہ و عربیت کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ اس عمر میں اپنی نوعمری کے باوجود اپنے والد کی مجالس درس و وعظ اور علماء کے حلقوں میں شرکت کرتے تھے اور علمی مذاکرات میں شریک رہتے تھے، جس سے اُن کا اخاذ ذہن و وسعت و ترقی حاصل کرتا تھا۔

تعلیم و تکمیل ابن تیمیہؒ نے بڑی محنت اور توجہ اور انہماک کے ساتھ علوم کی تحصیل شروع کی۔

اُنھوں نے خاص طور سے تفسیر قرآن میں چھوٹی بڑی ستوں سے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا، اس فن سے اُن کو فطری مناسبت تھی۔ قرآن مجید کی تلاوت، تدریس اور مطالعہ کی کثرت سے اللہ تعالیٰ نے اُن پر علوم قرآن کا خاص افاضہ فرمایا تھا، کتابوں کے علاوہ خود صاحب کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس سے

فہم قرآن اور شرح صدر کی دولت مانگتے تھے۔ اپنی طالب علمی اور اپنے تدبیر قرآن کے طریقہ کے متعلق وہ خود بیان کرتے ہیں۔

ربما طالعت علی الایۃ
الواحدۃ نحو مائة تفسیر
ثم اسئل الله الفهم واقول
یا معلّم ادم و ابراہیم علمنی
و کنت اذهب الی المساجد
المهجورة و نحوها و امترغ
وجہی فی التراب و اسئل
الله تعالی و اقول یا معلّم
ابراہیم و فہمی۔

بعض اوقات ایک آیت کے لئے میں
نے سو سو تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے۔ مطالعہ
کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ مجھے اس
آیت کا فہم عنایت ہو، میں عرض کرتا کہ اے
آدم و ابراہیم کے معلم! میری تعلیم فرما۔ میں
سنان اور غیر کباب مسجدوں اور مقامات
کی طرف چلا جاتا، اپنی پیشانی خاک پر
مٹاتا اور کہتا کہ اے ابراہیم کو تعلیم دینے والے
مجھے سمجھ عطا فرما۔ (دعوت و عزیمت ص ۳۱)

جیل کے اندر اصلاح و تعلیم اور اس کے اثرات | صاحب "الکوکب الدریہ"
شیخ الاسلام کے معاصر

اور رفیق درس شیخ علم الدین البرزالی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ :-

"شیخ جب مجلس میں پہنچے تو دیکھا کہ قیدی ہو و لو لعب تفرجات
میں مشغول ہیں اور اسی طرح اپنا دل بہلاتے اور وقت کاٹتے ہیں۔
شطرنج، چوسر وغیرہ کا زور ہے، نمازیں بے تکلف قضا ہوتی ہیں،
شیخ نے اس پر اعتراض کیا، اور قیدیوں کو نماز کی پابندی، اللہ تعالیٰ
کی طرف توجہ، اعمال صالحہ، تسبیح و استغفار اور دعا کی طرف متوجہ
کیا اور سنت کی تعلیم اور اعمال خیر کی ترغیب شروع کر دی، یہاں تک

کہ علم دین کی ایسی مشغولیت شروع ہو گئی کہ یہ جیل خانہ بہت سی خانقاہوں اور مدارس سے زیادہ بارونق اور بابرکت نظر آنے لگا۔ لوگوں کو ان کی ذات سے ایسا تعلق اور جیل کی اس دینی و علمی زندگی سے ایسی لچسپی ہو گئی کہ بہت سے قیدی رہائی پانے کے بعد بھی ان کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے، اور ان ہی کی خدمت میں رہنا پسند کرتے تھے۔ (دعوت و عزیمت ص ۳۷)

ابن تیمیہ کی اخلاقی بلندی | اس عرصہ میں ابن تیمیہ کی سیرت کی بلندی اور نمایاں ہوئی۔ انھوں نے کسی طاقت کے سامنے گردن نہیں خم کی، اور نہ کسی دنیاوی ترغیب یا مالی منفعت سے ان کا دامن انظار ہوا، انھوں نے سلطانی خلعت اور عطایائے سلطانی کے قبول کرنے سے بھی صاف انکار کر دیا۔

ان کا دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے جیل سے باہر آتے ہی اور تمام مخالفین کو اور ان تمام لوگوں کو جنھوں نے ایذا رسانی کی کوشش کی تھی بلا اشتہار معاف کر دیا اور اس کا صاف اعلان کر دیا کہ ان کو کسی سے کوئی شکایت نہیں، اور نہ وہ کسی سے مواخذہ کریں گے۔ اپنی رہائی کے بعد انھوں نے شام جو خط لکھا تھا، اُس میں فرماتے ہیں:-

”تعلیمون رضی اللہ عنکم
انی لا احب ان یوذی احد
من عموم المسلمین فضلہن
اصحابنا شیء اصلاً ولا ظہراً
اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو، آپ کو معلوم ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ عام مسلمین میں سے کسی کو بھی ایذا پہنچے، کسی طرح کی بھی ظاہری یا باطنی، چہ جائیکہ یہ پسند کردوں

اوباطنا ولا عندی عتب
 علی احد منهم ولا لوم
 اصلا، بل لهم عندی
 من الکرامة والجلال
 والمحبة اضعان ما کان
 کل بحسبه، ولا یخلوا
 الرجل اما ان یمکن
 یجتهدا او یخطئا او مذنباً
 فالاول ما جور مشکور
 والثانی مع اجره علی
 الاجتهاد معفو عنه
 والثالث فان الله یغفر لنا
 وله ولسائر المؤمنین۔

کہ ہمارے اجاب (علماء و اہل دین) کو میری
 وجہ سے کوئی ایذا پہنچے، مجھے نہ کسی سے
 شکایت ہے، نہ کسی پر ملامت، بلکہ واقعہ
 یہ ہے کہ ان کی عزت و عظمت اور محبت
 میرے دل میں پہلے سے کئی گنا زیادہ ہے
 اور وہ ہر ایک کے مرتبہ کے مطابق انسان
 (کسی شخص کے ساتھ اختلاف و نزاع کرنے
 میں) یا تو مجتہد ہوتا ہے یا غلط کار یا گنہگار
 مجتہد تو ثواب اور شکر یہ دونوں کا مستحق
 ہے، غلط کار قابل معافی ہے۔ رہا
 گنہگار، تو اللہ تعالیٰ ہماری
 اس کی اور تمام مومنین کی
 مغفرت فرمائے۔

لا احب ان ینتصر من
 احد بسبب کذبہ علی او
 ظلمہ او عدوانہ، فانی قد
 احللت کل مسلوا وانا احب
 الخیر لکل المسلمین وارید
 لکل مؤمن من الخیر ما
 اریذہ لنفسی والذین کذبوا

میں نہیں چاہتا کہ کسی شخص سے
 اس وجہ سے انتقام لیا جائے کہ
 اُس نے مجھ پر بہتان باندھا، یا ظلم
 یا زیادتی کی، اس لئے کہ میں نے ہر مسلمان کو
 معاف کر دیا ہے اور میں تمام مسلمانوں کے لئے
 بھلائی چاہتا ہوں اور ہر مومن کے لئے
 اُسی چیز کا طالب ہوں جس کا اپنے لئے ہوں

و ظلموا ہم فی حل وہ تمام لوگ جو جھوٹ بولے اور جھوٹے ظلم کیا
من جھتی۔ وہ میری طرف سے بری الذمہ اور آزاد ہیں
میری طرف سے کوئی مواخذہ نہیں۔

ابن تیمیہ کا مسلکی اعتدال | اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے
صاف لکھا ہے کہ وہ نہ صرف سنی العقیدہ
اور سلفی المسلک عالم تھے، بلکہ شریعت کے بہت بڑے مرجحان اور وکیل اور
کتاب و سنت کے مخلص خادم اور اُمت محمدیہ کے جلیل القدر عالم تھے، انکا
وجود نوادہ روزگار میں سے تھا جو صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے اس تزکیہ و شہادت اور ان بلند توصیفی کلمات
کے بعد کسی ایسے عالم یا مصنف کی جرح جس کی ابن تیمیہ کے آفاق علم و فکر
تک رسائی نہ ہو، کوئی علمی وزن نہیں رکھتی۔ حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب
کو اللہ تعالیٰ نے جو بحرِ علمی، تنوع کمالات، مجتہدانہ فکر و نظر، اختلافات میں مسلک
اعتدال اور علمائے اسلام کی مرتبہ شناسی کا ملکہ عطا فرمایا تھا، اس کے بعد انکا
قول اس بارے میں قول فیصل ہے۔ ع

داستان فصل گل خوش می سراید عند لیب
(ترجمہ: موسم بہار کا حال بیل ہی بہتر طریقے سے بیان کر سکتی ہے۔)
(تالیف دعوت و عزیمت ص ۳۳)

آپ عارف باللہ تھے | جن لوگوں نے عام سوانح نگاروں اور تذکرہ نویسوں
کی مدد سے شیخ الاسلام کو سمجھنے کی کوشش
کی، وہ ان کو ایک محدث خشک اور ایک عالم ظاہر ہیں

سے زیادہ مقام نہیں دے سکے۔ لیکن ”مدارج السالکین“ میں ابن قیمؒ نے جستہ جستہ شیخ الاسلام کے جو اقوال و احوال پیش کئے ہیں اور علامہ ذہبیؒ وغیرہ نے ان کے تذکرہ میں بر سبیل تذکرہ ان کے اخلاق و اذواق و عادات و شمائل اور اشغال و اعمال کا تذکرہ کیا ہے اس کو سامنے رکھنے سے ایک نہ نصف شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ شیخ الاسلام کا شمار اس امت کے عارفین اور اہل اللہ میں کیا جانا چاہئے اور اس کو اس بات کا وجدان حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ان مندرجہ پرفاؤں اور ان مقاصد سے بہرہ مند تھے جن کے حصول کے لئے سالہا سال ریاضت مجاہدہ المہم فن سلوک کی صحبت اور دوام ذکر و مراقبہ کا راستہ بالعموم اختیار کیا جاتا ہے، اور جس کو متاخرین صوفیہ نسبت مع اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُوَفِّیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ (تاریخ دعوت و عزیمت ج ۲ ص ۱۶۷)

حضرت ملا علی قاریؒ مراقہ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔ ”جو شخص منازل السائرین کی شرح ”مدارج السالکین“ کا مطالعہ کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ اہل سنت و الجماعت کے اکابر اور اس امت محمدی کے اولیاء اللہ میں سے تھے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے تھے کہ ابن تیمیہؒ بھی بہت بڑے صوفی تھے۔ مگر خشن صوفی تھے۔ اہل کمال کا رنگ مختلف ہے۔ بعد اصلاح اخلاق کے بھی مزاج کا فطری رنگ ضرور رہتا ہے۔

(رسالہ المبلغ ملفوظات حصہ ہفتم ص ۲۳)

محدث کبیر حضرت شاہ محمد انور صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ”ہمارے علمائے دیوبند کا یہ مسلک ہے کہ ہمارے ایک ہاتھ میں حافظ ابن تیمیہؒ کی

کتائیں ہیں اور دوسرے ہاتھ میں شیخ اکبر کی۔ کیونکہ حافظ کی تصانیف سے اجلال و جبروت الہی ظاہر ہوتا ہے اور شیخ اکبر کی کتب سے زیادہ تر رجا و انبساط و انس وغیرہ امور نکلتے ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ”مجھ سے ابن تیمیہؒ نے ارشاد فرمایا کہ، ان دونوں اسمائے الہیہ یعنی الحق، القیوم کی حیات قلب کے سلسلہ میں تاثیر عظیم ہے۔ اور اشارۃً فرماتے تھے کہ اسم اعظم یہی دونوں اسماء ہیں اور میں نے انہی سے یہ بھی سنا کہ جو شخص فجر کی سنت و فرض کے درمیان یا حَیُّ یا قَیُّوْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ چالیس مرتبہ پڑھنے پر مواظبت کرے گا تو اس کو حیات قلب نصیب ہوگی۔ اور اس کا قلب مردہ نہ ہوگا۔

(مدارج السالکین ج ۲۶۴)

ف : سبحان اللہ، یہ تھا حضرت شیخ الاسلام کے وظیفہ ذکر کا کمال، او اس سے پہلے آپ کے بلندی اخلاق کا حال آپ پڑھ چکے ہیں کہ اپنے مخالفین کی خطاؤں بلکہ ایندائوں کو کیسے معاف کرنے کا اعلان فرمادیا۔

اسی کے ساتھ ساتھ آپ کا یہ سبق آموز قول بھی بہت ہی مشہور و معروف ہے کہ جب قوم اُن کے پیچھے پڑ گئی اور شکایات کا سلسلہ شروع کر دیا، تو کسی نے کہا، حضرت! آپ کی بیجا شکایت کر کے یہ لوگ آپ کو جیل بھیج رہے ہیں، آپ بھی اُن لوگوں کی شکایت کر دیجئے۔ تو فرمایا: پھر اُن میں اور مجھ میں کیا فرق رہ جائے گا۔

پھر اُس کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ میرا کیا کریں گے؟ اگر جیل بھیج دیں گے تو یہ میرے لئے خلوت ہے۔ اللہ کے ذکر کا موقع ملے گا، اگر شہر بدر کر دیں گے تو

یہ میرے لئے سیاحت ہوگی اور ”سیروا فی الارض“ پر عمل ہوگا۔ اور اگر یہ لوگ مجھے قتل کریں گے تو یہ میرے لئے شہادت ہوگی۔ اس سے زیادہ میرے دشمن کیا کریں گے؟ میں سب پر راضی ہوں۔ انتہی۔ (مرتب)

ابن تیمیہؒ کے واقعات بتلاتے ہیں کہ اُن کو یقین و مشاہدہ **ذوق عبودیت** حاصل تھا اور اس نے ان کے اندر ایک افتقار و اضطراب

اور ایک انابت و عبودیت کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ جب اُن کو کسی مسئلہ میں اشکال یا کسی آیت کے سمجھنے میں دقت ہوتی تھی تو وہ کسی سنان مسجد میں چلے جلتے تھے اور پیشانی خاک پر رکھ کر دیر تک یہ کہتے رہتے کہ ”یا معلّم ابراہیمو فہمّنی“ (اے ابراہیم کو علم عطا کرنے والے! مجھے اس کی سمجھ عطا فرما)

ذہبیؒ کہتے ہیں :-

”لمراد مثله فی

میں نے گریہ و زاری، اللہ تعالیٰ سے استمداد

اور فریاد اور توجہ الی اللہ میں انکی نظیر نہیں دیکھی۔

ابتہالہ واستغاثہ وکثرۃ توجّہہ“

وہ فرماتے ہیں :-

کسی وقت کسی مسئلہ میں میری طبیعت

بند ہو جاتی ہے یا کسی معاملہ میں مجھے اشکال

پیش آ جاتا ہے تو میں ایک ہزار بار استغفا

کرتا ہوں یا اس سے کم یا زیادہ یہاں تک

کہ طبیعت کھل جاتی ہے اور بدلی چھٹ

انہ لیقف خاطوی فی

المسئلة او الشیء او الحالة

التي تشکل علی فاستغفر اللہ

تعالی الف مرة او اکثرا و

اقل حتی ینشرح الصدر

وینجلی اشکال ما اشکل جاتی ہے اور اشکال رفع ہو جاتا ہے۔
اس کیفیت میں جلوت، جمع، بازار، شور و شغب کوئی چیز مانع نہوتی
فرماتے ہیں:-

واكون اذ ذلك في السوق
ایسی حالت میں کبھی بازار میں کبھی
اوالمسجد والدربا والمدرسة
مسجد میں یا گلی یا مدرسہ میں ہوتا ہوں لیکن
لايمنعني ذلك من الذكر
ذکر و استغفار میں کوئی رکاوٹ نہیں
اوالاتستغفار الى ان
پیش آتی اور برابر مشغول رہتا ہوں ہانگ
أنال مطلوبی۔
کہ مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ یقین اور ذوق عبودیت جب پیدا ہو جاتا ہے اور باطن میں سرایت کر
جاتا ہے تو انسان میں اپنی بے بسی و بے چارگی، اپنی تہی دستی و بے بضاعتی کا
ایسا احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ آستانہ شاہی پر کشکول گدائی لے کر کھڑا
ہو جاتا ہے اور خدائی کا صدقہ اور رحمت کی بھیک مانگتا ہے، اُس وقت
اُس کے روئیں روئیں سے یہ صدا آتی ہے کہ سہ

مفلسا نیم آمدہ در کوئے، تو شیئا لله از جمال روئے تو
دست بکشاجانب زمیل ما آفریں بردست و بر بازوئے تو

ابن تیمیہؒ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو یہ دولت فقر اور یہ
عزت تذلل حاصل تھی۔ ابن قیمؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے شیخ الاسلام
ابن تیمیہؒ کا اس بارے میں ایسا حال دیکھا ہے جو کسی کے یہاں نظر نہیں آیا
وہ فرماتے تھے: نہ میرے پاس کچھ ہے نہ میرے اندر کچھ ہے۔ وہ اکثر یہ شعر
پڑھتے تھے سہ

انا المکذی انا المکذی وھکذاکان ابی وجدی

دہاں! میں تیرے درکا بھکاری ہوں، ہاں! میں تیرے درکا بھکاری ہوں،
اور کوئی نیا بھکاری نہیں، خاندانی بھکاری ہوں اور پشتینی سائل میرا باپ
بھی تیرے درکا بھکاری تھا، اور میرا دادا بھی۔ (دعوت و عزیمت ص ۱۲۹)

ذوق عبادت و انہماک | عبادت کا ذوق اور اس میں انہماک اُس وقت

یک نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان کو اسکی
لذت اور اس کا حقیقی ذائقہ نہ نصیب ہو، اور وہ اُس کے درد کی دوا، قلب کی غذا
اور روح کی قوت نہ بن جائے، اور اس کو مقام ”جعلت قرۃ عین فی الصلوۃ“
اور ”رحنا یا بلال“ سے مناسبت نہ بخشی جائے۔ ابن تیمیہ کے معاصرین اور
واقفین حال اس کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کو اس دولت بیدار سے حصہ ملا
تھا، اور اُن کو خلوت و مناجات اور نوافل و عبادات کا خاص ذوق تھا، اور
ان کا انہماک اس سلسلہ میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ ”الکواکب الدریۃ“ میں ہے:

”وکان فی لیلہ منفردا عن الناس کلہم، خالیاً بربہ
عز وجل ضارعا الیہ مواظبا علی تلاوۃ القرآن العظیم
مکرواً لا انواع التعبات اللیلیۃ والنہاریۃ وکان اذا دخل فی
الصلوۃ ترتعد فرائضہ واعضاؤہ حتی یمیل یمینہ
رات کو وہ تمام لوگوں سے علیحدہ رہتے
تھے، اُس وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں
ہوتا تھا، وہ تھے اور گریہ و زاری، برابر
قرآن مجید پڑھتے رہتے، رات اور دن مختلف
قسم کے نوافل و عبادات میں مشغول رہتے
جب نماز شروع کرتے تو ان کے
شانے اور اعضاء کا پنیسے لگتے،
یہاں تک کہ اُن کو داہنے اور بائیں

ولیسرۃ۔ (الکواکب ۱۵۲) لرزش ہوتی۔

ایسے اہل قلوب اور اہل ذوق کی طاقت اور نشاط، ذکر و عبادت سے قائم ہوتا ہے، اگر اُس میں فرق واقع ہو تو اُن کی قوت جواب دے جاتی ہے اور ان کو محسوس ہوتا ہے کہ فاقہ ہوا۔ ابن قیمؒ لکھتے ہیں :-

وكان اذا صلى الفجر
يجلس في مكانه حتى يتعالي
النهار جدا يقول هذه غدوتي
لو لم اتعد هذه الغدوة
سقطت قواي۔ (الرد الوافر ص ۳۱)
نماز فجر کے بعد اپنی جگہ بیٹھ لیتے
یہاں تک کہ دن اچھی طرح سے چڑھ آتا
کوئی پوچھتا تو فرماتے کہ یہ میرا ناشتہ
ہے، اگر میں یہ ناشتہ نہ کروں تو میری قوت
میں سقوط ہو جائے اور میرے قوی کام نہ کریں۔
اس ذوق و اہتمام کے بعد اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرما دیتا ہے اور ذکر
و عبادت اور معمولات طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں۔
ذہبیؒ لکھتے ہیں :-

له اورداد و اذكار يد منها
بكيفية و جمعية۔
(الرد الوافر ص ۳۱)
وہ اپنے اورداد و اذکار کی پوری پابندی
کرتے تھے اور ہر حالت میں جمعیت خاطر
کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

سخاوت و ایثار | اہل اللہ اور اخلاق نبویؐ کی میراث میں حصہ پانے والوں
کی خاص صفت سخاوت و ایثار ہے۔ ابن قیمؒ نے
”زاد المعاد“ میں ”الذکر شرح“ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ شرح صدر کی دولت اور
ایمان و یقین کا نتیجہ سخاوت و ایثار ہے، اس لئے جس کو اُس دولت سے حصہ
ملے گا، سخاوت و ایثار اُس کا شعار ہوگا۔ شیخ الاسلامؒ کے معاصرین و احباب

اُن کی سخاوت کے بجد معترف اور ثنا خواں ہیں۔ "الکواکب الدریہ" میں ہے :-
 وهو احد الاجواد الاسخياء وہ اُن معدودے چند اہل سخاوت
 الذین یضرب بهم المثل۔ میں سے ہیں، جن کی سخاوت ضرب المثل ہے۔
 الحافظ ابن فضل اللہ العمری جو اُن کے معاصر ہیں، اُس سخاوت کا حال
 اس طرح بیان کرتے ہیں :-

كانت تاتيہ القناطير اُن کے پاس ڈھیروں سونا، چاندی
 المقنطرة من الذهب والفضة اعلیٰ اسیل گھوڑے، جانور، املاک و اموال
 والخیل المسومة والانعام آتے، وہ سب کا سب اُٹھا کر دوسروں
 والحرث فيهب ذلك باجمعه کو دیدیتے، یا اہل ضرورت کے پاس کھوائیتے
 ويضعه عند اهل الحاجة اور صرف دوسروں کو دینے کے لئے لیتے
 في موضعه لايأخذ منه شيئا اور صرف عطا کرنے کے لئے
 الا ليهبه ولا يحفظ الا اٹھا رکھتے۔
 ليذهبه۔ (الکواکب ۱۵۸)

اُن کی سخاوت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ اگر دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا
 تو کپڑا اتار کر دیدیتے۔

كان يتصدق حتى اذا وہ صدقہ کرتے تھے، اور جب کچھ پاس
 لم يجد شيئا من بعض ثيابه نہ ہوتا تو اپنا کوئی کپڑا ہی اتار کر دیدیتے
 فيصل به الفقراء (الکواکب ۱۵۹) اور اہل حاجت کی کار بر آری کرتے۔
 ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں :-

وكان يتفضل من قوته کھانے سے ایک روٹی، دو روٹیاں

الرجیف والرغیفین فیوثر بچا لیتے اور اپنے اوپر ایشار کر کے
بذلک علی نفسہ - (ایضاً) دوسروں کو دے دیتے۔

ایشار کا ایک نازک مقام یہ ہے کہ آدمی اپنے دشمنوں اور حریفوں کے ساتھ
فراخ دلی بلکہ عفو و احسان اور اس سے آگے بڑھ کر دعا و خیر خواہی کے ساتھ
پیش آئے۔ یہ مقام انہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، جو انانیت اور حظوظ نفس
سے بہت آگے بڑھ چکے ہوں، اور ان پر نعمائے الہی کی ایسی بارش ہو اور
سیکنت و سرور اس درجہ کا حاصل ہو کہ وہ ان سب مخالفوں کو ان کے مقابلہ میں
بیچ اور پرکاش سمجھتے ہوں۔ اور جن کے اندر اپنے دشمنوں اور مخالفین کے لئے
بھی خیر طلبی و رحم کا جوش پیدا ہوتا ہو۔

ان کے تلیذ رشید اور ہر وقت کے ساتھی حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ وہ
اپنے دشمنوں کے لئے دعا و خیر کرتے تھے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ وہ ان میں سے کسی
کے لئے بد دعا کرتے ہوں۔ میں ایک روز ان کے سب سے بڑے حریف اور ایک ایسے
شخص کی وفات کی خبر لے کر آیا جو عداوت اور ان کو ایذا پہنچانے میں سب سے آگے
تھے، انہوں نے مجھے جھڑک دیا اور منہ پھیر لیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون
پڑھی، پھر فوراً ان کے مکان پر گئے، ان کی تعزیت کی اور فرمایا کہ مجھے ان کی
جگہ پر سمجھنا، جس چیز کی تم کو ضرورت پڑے گی میں تمہاری اس میں مدد کر دوں گا،
اسی طرح ان سے ایسی ملاطفت و دلجوئی کی باتیں کیں جن سے وہ نہایت
مسرور ہوئے اور ان کو بڑی دعائیں دیں۔ اور ان کو اس پر سخت
استعجاب ہوا۔

عفو و احسان، اعداء و مخالفین کے ساتھ شفقت و مرحمت کا یہ مقام

مالی ایثار سے بہت بلند اور آگے کا مقام ہے۔ یہ وہ مقام ہے جو صدیقین و خواص اولیاء کو ملتا ہے۔ ابن تیمیہؒ اس مقام پر فائز تھے۔ اور گویا زبانِ حال سے وہ کہتے تھے جو اسی مقام کے کسی صاحبِ حال شاعر نے فارسی میں کہا ہے

ہر کہ مارا یار نبود ایزد اور ایا یار باد ہر کہ مارا رنج دادہ را حتش بسیار باد
ہر کہ اندر راہ ماخلے نمد از دشمنی ہر گلے کز بلغ عمرش بشگفتہ خار باد

فروتنی وبے نفسی | فروتنی وبے نفسی اہل اللہ کی خاص صفت اور وہ مرتبہ کمال ہے جو ہزار کرامتوں سے بلند اور ہزار فضیلتوں سے بالاتر ہے۔ یہ مقام اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب خودی مٹ جاتی ہے اور نفس کا کامل تزکیہ ہو جاتا ہے۔ شیخ الاسلامؒ کو اپنے کمالاتِ علمی اور عروجِ دینی و دنیاوی کے ساتھ یہ کمال بھی حاصل تھا، اُن کے اقوال پتہ دیتے ہیں کہ وہ بے نفسی و للہیت اور مضہم نفس اور انکار ذات کے درجہ علیا پر پہنچے ہوئے تھے۔

ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ وہ اکثر فرماتے تھے کہ "مَا لِي شَيْءٌ وَلَا مِثْلِي شَيْءٌ وَلَا فِيَّ شَيْءٌ" اگر کوئی اُن کے منہ پر ان کی تعریف کرتا تو فرماتے کہ اللہ کی قسم، ابھی تک برابر اپنے اسلام کی تجدید کرتا رہتا ہوں، اور ابھی تک نہیں کہہ سکتا کہ کامل طور پر مسلمان ہوں۔

کبھی کوئی تعریف کرتا تو یوں بھی فرماتے کہ "اَنَا رَجُلٌ مَلَّةٌ لَا رَجُلٌ دَوْلَةٌ" (میں اُمت کا ایک عام آدمی ہوں، سلطنت و حکومت کا آدمی نہیں۔)

بے نفسی اور عبودیت کے اس درجہ پر پہنچ کر آدمی کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنا نہ کسی پر کوئی حق سمجھتا ہے نہ اس کا کوئی مطالبہ کرتا ہے، نہ اُس کو کسی سے کوئی شکایت ہوتی ہے، نہ اپنے نفس کا انتقام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں؛ کہ میں نے شیخ الاسلام قدس اللہ روحہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ عارف اپنا کسی پر کوئی حق نہیں سمجھتا، اور نہ یہ جانتا ہے کہ اُس کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ اسی لئے نہ وہ کسی کی کوئی شکایت کرتا ہے نہ مطالبہ کرتا ہے، نہ مار پیٹ کرتا ہے۔

ولذا لك لا يعاتب ولا يطالب ولا يضارب۔ حاصل یہ ہے کہ اسی لئے نہ وہ کسی کی شکایت کرتا ہے، نہ مطالبہ کرتا ہے (مدارج السالکین ص ۳۹۲) ہے اور نہ مار پیٹ کرتا ہے۔

ان کے حالات سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ ”حدیث دیگران“ میں وہ اپنا ہی حال بیان کر رہے ہیں۔

اس ایمان و یقین اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس صحیح سکینت و سرور | تعلق اور مخلوق سے آزادی اور قلب کی درستگی اور بے تعلقی کے بعد انسان کو وہ سکینت و سرور حاصل ہوتا ہے کہ اس زندگی ہی میں اس کو حنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے جیسا کہ ابن قیمؒ نے نقل کیا ہے، خود ایک بار فرمایا کہ :-

ان فی الدنیا جنة من لم دنیا میں (مومن کیلئے) ایک ایسی جنت ہے یدخلها لم یدخل جنة کہ جو اسیں یہاں داخل نہیں ہوا، وہ آخرت

الآخرۃ۔ (الرد الوافر ص ۳) کی جنت سے بھی محروم رہے گا۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے مخلص بندوں کو اس زندگی میں بھی "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" کی دولت عطا فرماتا ہے اور وہ اُس کا نمونہ (بقدر وسعت دنیا) یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں۔ شیخ الاسلامؒ اور اُن کے رفقاء کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو یہ دولت حاصل تھی خود بھی ایک بار جوش میں آکر فرمایا:-

ما یصنع اعدائی بی، ان میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں
جنتی و بستانی فی صدہای ان میری جنت اور میرا باغ میرے سینے میں
دخت فحیحی لا تقادقنی ہے، جہاں جاؤں گا وہ میرے ساتھ ہے۔

یہ نسبت سکینت و رضا زندگی میں اور بعد وفات اُن کے ساتھ ہی
ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ان کو خواب میں دیکھا، میں نے
اُن سے بعض اعمال قلبیہ کا ذکر کیا، اس پر شیخؒ نے فرمایا:-

اما انا فطریق الفرح
والسرور بہ۔ (افاتۃ اللہ فان)
بھائی! میری نسبت تو فرحت و سرور کی ہے۔

ابن قیمؒ لکھتے ہیں:-

وہکذا کانت حالہ فی
الحیاء یبدو ذالک علی
ظاہرہ و ینادی بہ
علیہ حالہ
یہی حالت انکی زندگی میں بھی تھی
کہ اُن کے چہرہ پر فرحت و سرور کے
آثار نظر آتے تھے اور ان کی کیفیت
اس کا اعلان کرتی تھی۔

کمال اتباع سنت | اس مقام (قبولیت و صدیقیت) کی ابتداء اتباع سنت سے ہے۔ اور اس کی انتہا بھی کمال اتباع سنت

پر ہے۔ حدیث و سنت کے ساتھ ابن تیمیہؒ کا شغف و اہتمام ان کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے۔ لیکن یہ شغف و اہتمام محض علمی و نظری نہ تھا، علمی اور ظاہری بھی تھا۔ اُن کے معاصرین شہادت دیتے ہیں کہ مقام رسالت کا جیسا ادب و احترام اور اتباع سنت کا جیسا اہتمام ابن تیمیہؒ کے یہاں دیکھا، کسی اور کے یہاں نظر نہیں آیا۔ حافظ سراج الدین البزار قسم کھا کر کہتے ہیں :-

لا والله ما رأيت احدا
اشد تعظيما لرسول الله صلى الله عليه وسلم
ولا احرص على اتباعه ونصو
مجاوبه منه (الكوكب اللديه ص ۳۹)
رکھنے والا ابن تیمیہؒ سے بڑھ کر نہیں دیکھا
یہ چیز اُن پر اتنی غالب اور اُن کی زندگی میں نمایاں تھی کہ دیکھنے والوں کا قلب
شہادت دیتا تھا کہ اتباع کامل اور سنت کا عشق اس کا نام ہے۔ علامہ
عبداللہ بن الواسطیؒ فرماتے ہیں :-

ما راينا في عصرنا هذا
من تستجلى النبوة المحمديّة
وسننها من اقواله وافعاله
الا هذا الرجل يشهد القلب
الصحيح ان هذا هو الاتباع
حقيقة - (جلال العيين م)

میں نے اپنے زمانہ میں ابن تیمیہؒ
کو ایسا پایا کہ نبوت محمدیؐ کا نور انکی زندگی
میں اور سنتوں کا اتباع ان کے اقوال و افعال
میں عیاں تھا۔ قلب سلیم اسکی شہادت دیتا تھا
کہ حقیقی اتباع اور کامل پیروی اس کا نام ہے۔

(دعوت و عزیمت ص ۱۴۸)

فراست و کرامت | ہر چند کہ کشف و کرامت نہ بزرگی و مقبولیت کا جز ہے نہ اُس کی دلیل۔ محققین نے صاف لکھ دیا ہے کہ :-

الاستقامة فوق الكرامة (یعنی شریعت پر ثابِت قدمی کرامت سے بڑھ کر ہے) اور یہ سلسلہ اب کسی بحث کا محتاج نہیں۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے مقبول بندوں کو بطریق انعام یہ دولت بھی عطا فرماتے ہیں اور اُن کے ہاتھوں یا زبان سے ایسے واقعات کا ظہور ہوتا ہے جو اُن کی مقبولیت و وجاہت کے مؤیدات و آثار میں سے ہوتے ہیں۔ اہل سنت کا متفق علیہ سلسلہ ہے کہ ”کرامات الاولیاء حق“ اور قرآن و حدیث میں اس کے متعدد شواہد و واقعات ہیں۔ اور خود شیخ الاسلام کی کتابوں میں اس سلسلہ کی تقریر اور اس حقیقت کا اثبات ہے۔

ان واقعات کی شہادت جو بطریق کرامت و خرق عادت پیش آئے، اُن کے تلامذہ و احباب و معاصرین نے دی ہے اور متاخرین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ اس قدر مشہور اور بکثرت منقول ہیں کہ اُن کا انکار ممکن نہیں۔ علامہ عینی و صاحب ”عمدة القاری“ شرح البخاری تقریظ ”الرد الوافر“ میں لکھتے ہیں :-

وهذا الامام مع جلالة قدره في العلوم نقلت عنه على لسان جم غفیر من الناس کرامات اور ان میں شبہہ کی گنجائش نہیں۔ (الرد الوافر ص ۵۹)

انہی کرامات کا ایک شعبہ ”فراست صادقہ“ ہے جو اکابر مومنین اور اولیائے متقین کو حاصل ہوتی ہے۔ اس فراست کے عجیب و غریب واقعات نقل کئے جلتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے ”مدارج السالکین“ اور دوسری کتابوں میں اس ”فراست“ کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں۔ ”مدارج السالکین“ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

ولقد شاهدت من فراست شیخ الاسلام
فراستہ شیخ الاسلام
امورا عجیبة ومالہ
عجیب وغریب واقعات کا مشاہدہ کیا ہے
نشاہدہ منہا اعظم
اور جو واقعات میرے مشاہدہ میں نہیں آئے
واعظم، ووقائع فراستہ
(بلکہ میں نے معتبر لوگوں کی زبانی سنے ہیں)
تستدعی سفراضخما۔
وہ اور بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ان کی فراست
کے واقعات کے نقل کرنے کے لئے
(مدارج السالکین صفحہ ۲۵)
ضخیم کتاب چاہئے!

مسئلہ وحدۃ الوجود، فنا، بقا، معرفت، اعمال قلبیہ وغیرہ پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عملی طور پر بھی ان منازل سے گزرے ہوئے تھے اور اس سلسلہ میں ان کو ”اذواق عالیہ“ اور ”احوال صحیحہ“ حاصل تھے، اور جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں وہ محض عام ذہانت، قوت علم یا زور قلم کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ ان کے تجربات و مشاہدات ہیں۔ ان مسائل و مباحث میں بعض مرتبہ ان کا کلام اور تحقیقات محققین صوفیہ اور مجتہدین فن سلوک (مثلاً مخدوم شیخ ثروت الدین بکھی میریؒ اور امام ربانیؒ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ) کے کلام و تحقیقات سے مل جاتی ہیں۔ (دعوت و عزیمت ص ۱۸)

انتبہا: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی رح نے آپ کی تصنیف کی خصوصیات پر سیر حاصل کلام فرمایا ہے، مگر ہم بغرض اختصار بادل نخواستہ اسے حذف کرتے ہیں۔ لہذا جو حضرات اسے دیکھنے کا ذوق رکھتے ہوں ضرور دیکھیں، اس لئے کہ نہایت مفید ہیں۔
فجر اہم اللہ احسن الحرام۔ (مرتب)

زندگی کے آخری ایام اور وفات

شیخ الاسلام کے بھائی زین الدین عبدالرحمن کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے اسی دور ختم کرنے کے بعد جب نیا دور شروع کیا اور سورہ قمر کی اس آیت پر پہنچے،
إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ فِي مَقْعَدٍ صَدُوقٍ حِثُّهُمْ هَلِيكٌ
مُقْتَدِرَةٌ تَوَجَّاهُ مِيرے عبداللہ بن محب اور عبداللہ الزرعی کے ساتھ دور شروع فرمایا۔ یہ دونوں نہایت صالح شخص تھے اور آپس میں حقیقی بھائی تھے، شیخ کو ان کی قرأت بہت پسند تھی۔ ابھی یہ دور ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ زندگی کے دن پورے ہو گئے۔

وفات

انتقال سے ۲۰، ۲۲ روز پہلے طبیعت خراب ہوئی تو پھر درست نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ ۲۲ ذی القعدہ ۱۴۲۵ھ کی شب میں اس مجمع کمالات ہستی نے ۶۷ سال کی عمر میں دنیا سے کوچ کیا۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَإِنْ وَمِنَّا وَحِبُّ مَرِيكَ
دُؤَالَجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (دعوت و عزیمت ص ۱۳۳ ج ۲)

حضرت الشیخ حسین الجاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی

فصل و کمال | آپ جاکی کی جامع مسجد کے امام و خطیب تھے، نہایت صلاح و نیک و اعظمت تھے، لوگوں کو وعظ و تذکیر فرماتے تھے۔ اور لوگوں کو بھی ان سے نفع پہنچ رہا تھا۔ مگر ایک دن (ان کے مخالفین) مجتمع ہوئے اور بادشاہ سے کہا کہ یہ وعظ میں بہت سی غلط باتیں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ نے ان کے پاس وعظ سے ممانعت کا فرمان لکھ بھیجا۔ شیخ حسین نے اپنے شیخ ایوب کناسؒ سے اس کی شکایت کی، تو بادشاہ جس وقت بیت الخلاء میں تھا، اچانک شیخ ایوب دیوار سے بڑے شیر کی صورت میں نکلے جبکہ جھاڑو ان کے کندھے پر تھا اور اپنے منہ کو کھولا کہ سلطان کو نکل جائیں۔ تو بادشاہ کانپ گیا اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ شیخ حسین کو وعظ کے لئے اجازت نامہ بھیج دوں۔ ابھی تم کو ہلاک کئے دیتا ہوں، پھر دیوار کے اندر چلے گئے۔ اس کے بعد بادشاہ شیخ حسین کے پاس گیا اور شیخ ایوب سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا تو شیخ نے اجازت نہ دی۔

وف: ایوب کناسؒ کی یہ کھلی کرامت تھی۔ اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک کرامات اولیاء کے حق ہونے پر اتفاق ہے۔ اس لئے امر عجیب میں کچھ بھی اشکال و تعجب نہیں۔ حضرت مرشدی مولانا وصی اللہ صاحب قس سہرہ اکثر یہ واقعہ سنایا کرتے تھے اور سامعین کو محظوظ فرمایا کرتے تھے۔ (مرتب)

وفات | شیخ حسین نے ۳۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ

حضرت سید یوسف حسینی المعروف شاہ راجو قتالؒ

نام و نسب | آپ کا نام یوسف حسینی ہے۔ اور عام طور پر شاہ راجو قتال کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ حضرت سید محمود بندہ نواز المعروف گیسو دراز حسینی کے والد بزرگوار ہیں۔

تعارف | آپ مشاہیر اولیاء سے ہیں اور صوفیانہ زندگی رکھتے تھے۔ ویسے ہی عالم باعمل، صاحب زہد و تقویٰ، ریاضت مجاہدہ میں مشہور تھے۔ آپ سے کسی وقت فرض تو کیا سنت اور نفل تک قصا نہیں ہوتی تھی۔ آپ ظاہری علوم فقہ، حدیث، تفسیر میں بڑے ماہر تھے۔ تصانیف میں ”تحفۃ النصائح“ بھی آپ کی تصنیف ہے جسے آپ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت خواجہ بندہ نواز کیلئے ”مرتب فرمائی تھی جو فارسی اشعار میں بصیحت اور حکمت کا خزانہ ہے۔ کتاب مختلف عنوانات پر ۴۵ ابواب میں تقسیم ہے۔ ہم ناظرین کے لئے چند اشعار کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

تعلیمات | (۱) اوقات نماز کی پابندی کرو۔ نماز چھوڑ دینے سے ملعون ہو جاؤ گے۔ مستقل طور پر نماز چھوڑ دینے والا کافر ہے اور اس کی جگہ دوزخ میں ہے۔

(۲) اذان کی آواز سنو تو خاموش ہو جاؤ، بات نہ کرو اور کسی کام میں مشغول نہ رہو۔ اذان کا جواب دیتے رہو، اگر اذان کا جواب نہ دو گے، یا

اُسوقت باتیں کو گئے تو بجلت ممکنہ بلائیں آتی رہیں گی۔

(۳) چاشت کی نماز پڑھو اور اشراق بھی نافذ نہ کرو، تو تم تو نگر ہو جاؤ گے اور بہت سامال و زر پاؤ گے۔

(۴) نصف رات میں تہجد کے وقت خلوص دل سے نماز ادا کرو۔ یقیناً حق کو دیکھ لو گے اور فتنوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہو گے۔

(۵) نماز ختم کرتے ہی آیتہ الکرسی پڑھو۔ اس سے جنت تمہاری مشتاق ہوگی حور اور جنت کے پھل بھی پاؤ گے۔

(۶) جب تک عشاء کی نماز سے فارغ نہ ہو جاؤ، بستر پر نہ لیٹو، تکیہ پر نہ رکھو۔

وَفَاتَا

۵ شوال ۷۳۱ھ میں آپ نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔
إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

”طیب باب چشت“ تاریخ رحلت ہے۔ آپ کے مکان کے بیرونی حصہ میں تدفین عمل میں آئی۔

آپ کا مزار حضرت شیخ منتخب الدین زر زری بخش کی درگاہ کے مغرب کی جانب کوہ شامخ کے دامن میں واقع ہے۔ فَوَیْلَہُ قَدْرَہُ
(گلستان حیدر آباد ص ۲۲۱)

حضرت ابوالبرکات امین بن محمد المتوفی ۷۳۲ھ

تعارف

چودہ پشتوں تک آپ کے آباؤ اجداد کا نام محمد بیان کیا جاتا ہے۔ تونس (ٹیونس) کے باشندہ تھے۔ وہاں سے قاہرہ آئے اور قاہرہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے شاعر تھے، اور ہجو بکثرت لکھتے تھے، مدینہ پہنچ کر وہیں کے مجاور ہو گئے۔ اور ہجو گوئی سے توبہ کر کے عہد کیا کہ آئندہ سے صرف نعت لکھوں گا۔ چنانچہ اس عہد کو انھوں نے مدۃ العز نباہ۔

ایک مبارک خواب | ایک دفعہ انھوں نے مدینہ سے کسی دوسری جگہ منتقل ہونے کا ارادہ کیا، تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ابوالبرکات! تم ہماری جدائی کیسے گوارا کرو گے؟ اس خواب کے بعد وہ مرتے دم تک مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ انھوں نے اپنا نام عاشق النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) رکھا تھا۔

ٹیونس کے سلطان نے ان کو اپنے وطن واپس چلے آنے کی بہت ترغیب دی مگر انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر مشرق و مغرب کی سلطنت بھی مجھے دیدی جائے تو میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوار و ہمسائیگی کو نہیں چھوڑ سکتا۔ انھوں نے جس دن یہ جواب دیا، اسی دن خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ نے ان کو جو کے دل کے تین لقمے کھلائے، اور ایسے کلمات سے ان کو نوازا کہ ابوالبرکات کہتے تھے کہ میں ان کلمات کو کسی سے

بیان نہیں کر سکتا۔ ہاں اتنا بتا سکتا ہوں کہ آخری بات یہ تھی۔ اَعْلَمُ اِنِّیْ
عَنْكَ رَاضٍ (یعنی تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں تم سے خوش ہوں۔)
ایک بار انھوں نے اُن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا
تو آپ کے حضور میں اپنا یہ شعر پڑھا۔

لَوْلَاكَ لِمَادَرِ الْهَوَىٰ لَوْلَاكَ لِمَادَرِ الطَّرِيقِ
(یعنی آپ نہ ہوتے تو مجھ کو پتہ نہ چلتا کہ عشق کیا چیز ہے۔ آپ نہ ہوتے تو مجھ کو راستہ
ہی نہ معلوم ہوتا۔)

وفات

حضرت ابوالبرکات کی وفات ۳۴۷ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعۃ۔
(ایمان المجلد ۱۲۶)

شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب نام احمد، کنیت ابو المکارم، لقب رکن الدین علاء الدولہ اور والد کا نام محمد البیابانکی ہے۔

فضل و کمال آپ کی اصل سلاطین سمنان سے ہے۔ آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی کہ سلطان وقت کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ ایک

بار بادشاہ وقت اپنے دشمن سے نبرد آزما تھا کہ اسی دوران آپ میں جذب کی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ ترک تعلق کر کے ۶۸۷ھ میں بغداد چلے گئے۔

اور وہاں شیخ نور الدین عبدالرحمن کسرتی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ خانقاہ سکاکیمہ میں سولہ سال بسر کر چکے تھے۔ آپ کے چلوں کی تعداد ایک سو چالیس تھی۔ اور شیخ نور الدین کی خدمت میں رہ کر مسند ارشاد تک پہنچے۔

ارشادات ایک درویش نے شیخ سے سوال کیا کہ جب بدن خاک میں رکھ دیا تو اس میں کچھ عقل باقی نہیں رہتی اور جو بدن کہ روح

سے فائدہ حاصل کرتا تھا روح سے جدا ہو گیا، اور عالم ارواح میں کوئی پردہ نہیں، تو پھر کیا ضرورت ہے کہ قبروں پر جایا جائے؟ کیونکہ کسی بزرگ کی وجہ سے جہاں بھی توجہ کی جائے وہ اسی طرح ہوگی جیسے ان کی مزار پر ہوگی۔

شیخ نے فرمایا: وہاں جاتے ہیں بہت سے فائدے ہیں۔

۱۔ ایک تویہ کہ جب کوئی بزرگ کی زیارت کو جاتا ہے تو وہ جس قدر راستہ

طے کرے گا اسی قدر اس کی توجہ زیادہ ہوگی۔ اور جب زائر اس کی قبر پر پہنچے گا اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا تو اس کی جس بھی اس کی طرف مشغول اور کامل طور پر متوجہ ہوگی۔ اور اس سے بہت بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ ارواح کے لئے حجاب نہیں ہے اور ان کو تمام جہاں یکساں ہے، لیکن جس بدن میں ستر سال تک وہ مقیم رہی ہے اور اس کا بدن جو حشر کے بعد ہمیشہ ہمیش رہے گا، اسی قبر میں ہوتا ہے اس لئے اس جگہ پر بہ نسبت دوسری جگہ کے اس کی نظر اور اس کا تعلق دوسرے مقام سے بڑھ کر ہوگا۔

آپ کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ عجیب قسم کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ درویش کو چاہئے کہ وہ محتاج و گدانا ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی کسی درویش کو مخلوق کا محتاج نہیں بنایا۔ اور ایسا ہو ہی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے محتاج ہوں۔ آخر اس دنیا کو باوجود اس نعمت کے کہ انہی کی برکت سے دنیا کو قائم رکھا ہے، بلکہ تخلیق سے مقصود ہی یہی لوگ ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ شیخ بھی اس لئے ہے کہ وہ مریدوں کو ان باتوں سے آگاہ کرے، تو مرید جس قدر اپنے اثبات کمال زیادہ سعی اور زیادہ عمل کرے گا، تا کہ اس کا کمال ظاہر ہو تو شیخ اس سے اتنا ہی رنجیدہ اور آزرده ہوگا۔ کیونکہ شیخ تمام تکالیف اس لئے برداشت کرتا ہے تاکہ وہ اپنے مریدین کی ان آنکھوں کو سیدھے جن سے وہ اپنا کمال نفس دیکھتا ہے، اور اس آنکھ کو کھول دے جو کمال حق کا مشاہدہ کرے، اور ہر لمحہ اپنے کمال سے دوسروں

کی آنکھ کھولتا رہے، پس ایسا شخص شیخ کے رنج کو دور کرنے میں کوشش کرتا ہے۔
 درویش کو چاہیے کہ اپنے نفس کی گھات میں لگا رہے، تاکہ جیسے ہی اپنا
 کمال دیکھنے کے لئے آنکھ کھولے اس کو بند کر دے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کو
 معلوم ہو جائے گا کہ نفس اپنے ہر بن موسے ایک آنکھ اپنا کمال دیکھنے کے لئے
 کھول لے گا اور اللہ کے دیکھنے سے اس کو اندھا کر دے گا، کہ نفس کی خاصیت
 ہی یہی ہے۔ **ف:** اس لئے نفس سے کتنا پر حذر اور چوکتار رہنا چاہئے۔ (مرتب)
 آپ کا ارشاد ہے کہ جو درویش کام میں مشغول ہیں ان کو چاہئے کہ اپنے اندر
 بیکاری نہ آنے دیں۔ کیونکہ ایک بیکار شخص تنہا گزار بندوں کو کام
 کرنے سے باز رکھتا ہے۔ (نفحات الانس ص ۶۷)

سمنان کے شہزادے تھے، بادشاہ کی خدمت میں منصب اور اہم کام کے ذمہ دار تھے۔
 مگر اسکو ترک کر دیا اور بغداد جا کر شیخ نور الدین کی خدمت میں ہر مسند ارشاد تک پہنچے۔
 ان کے ارشادات میں سے ایک یہ ہے کہ پوری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ غفلت
 کے ساتھ کوئی لقمہ پیٹ میں نہ جائے۔ اور جو شخص اپنے اعمال کے تخم کو غفلت کے ساتھ
 ڈالتا ہے تو اس کیلئے ممکن نہیں ہے کہ وہ جمعیت اور فہم و دانش کا شمر ہو۔ نیز فرمایا کہ درویش
 جو کہ ہر وقت کام میں مشغول رہتے ہیں ان تک بیکار و مہمل لوگ ہرگز نہ پہنچیں اس لئے
 کہ بیکار آدمی سینکڑوں باکار اشخاص کو راستے سے ہٹا دیتا ہے۔

فرمایا کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس لئے مبعوث ہوئے ہیں کہ امت کی آنکھوں
 کو کھول دیں، تاکہ وہ اپنے عیوب کو دیکھیں اور جمال حق کا مطالعہ کریں نیز اس لئے
 کہ اپنے عجز اور قدرت الہیہ کو دیکھیں، اور اپنے ظلم اور حق تعالیٰ کے عدل کا مشاہدہ کریں
 نیز اپنے جہل اور حق تعالیٰ کے علم اور اپنی ذلت اور حق تعالیٰ کی عزت کا معائنہ کریں

نیز اپنی فنا و نیستی اور اللہ تعالیٰ کی بقا و مستی کے تقصیر ہو جائیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔
اسی طرح شیخ کا کام یہ ہے کہ وہ مریدین کی آنکھوں کو کھولے (تاکہ وہ اپنے نقائص
و عیوب کو دیکھیں) اسلئے کہ اگر کسی مرید کی نگاہ اپنے کمال کی طرف ایک لمحہ کیلئے بھی
پڑ جائے گی تو وہ کمال حق کے دیکھنے سے اندھا ہو جائیگا۔

نیز فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام گناہوں کے ارتکاب سے عمداً معصوم ہوتے ہیں اور
اولیاء کرام گناہوں کو بیچ در بیچ سمجھنے کی وجہ سے محفوظ رہتے ہیں، اور اس سے
بڑھ کر کوئی گناہ نہیں کہ آدمی اپنے کو بے گناہ سمجھے۔ (تقصار جیود الاحرار)

وفات

آپ کا انتقال ۳۶۶ھ میں برج احرار صوفی آباد میں ہوا اور قطب الزماں
عماد الدین عبدالوہاب کی خانقاہ میں دفن ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔
(نغمات الانس ص ۶۷)

عہ یہی مفہوم ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا ”مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ
فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ“۔ (یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔)
(مرتب)

حضرت شیخ حسام الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

تعارُف

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ، اور جو لوگ آپ کی تربیت سے کامل ہوئے ان میں بہت بلند پایہ تھے۔ شیخ ان کے باب میں فرماتے تھے کہ شہر دہلی انہی کی حفاظت میں ہے۔ زہد و تقویٰ میں سلف صالحین کے طریقہ پر تھے، فقر و طریقت کے ساتھ علم شریعت میں بھی ان کا درجہ بہت اونچا تھا، ہدایہ اور بزدوی ان کو گویا زبانی یاد تھی۔ یہی حال علم تصوف میں قوت القلوب اور احیاء العلوم کا بھی تھا۔ (ایمان الجلیج ص ۴۶)

خلافت کے وقت شیخ سے نصیحت کی درخواست

سلطان المشائخ نے جب ان کو خلافت سے سرفراز فرمایا تو انھوں نے عرض کیا کہ کوئی وصیت فرمائیے۔ شیخ نے ہاتھ باہر نکال کر انگشت شہادت سے ان کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا ”ترک دنیا، ترک دنیا، ترک دنیا، پھر فرمایا کہ مریدوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش نہ کرنا۔ انھوں نے عرض کیا کہ حکم ہو تو شہر کے باہر بیابان میں دریا کے کنارے ایک چھوٹا ڈال کر رہوں شہر میں کنوؤں کے پانی سے وضو کرنا پڑتا ہے جس کی طہارت پر اطمینان نہیں شیخ نے فرمایا، ایسا کر دے تو چرچا ہونے لگے گا کہ فلاں درویش فلاں جگہ

بیٹھ گیا ہے۔ پھر شہری اور مسافر پوچھتے پوچھتے وہاں پہنچیں گے اور تمھارا وقت خراب کریں گے۔ رہا کنویں کا مسئلہ، تو اس میں علماء کا اختلاف ہے اور شرعاً اس کے استعمال میں وسعت و رحمت ہے۔ انھوں نے عرض کیا، میرا معمول ہے کہ جب خدا کچھ بھیجتا ہے تو اس میں سے کچھ بچوں کے فرج کیلئے دے دیتا ہوں، کچھ مہمانوں کیلئے اٹھا رکھتا ہوں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کہیں سے کچھ نہیں آتا، اس وقت بیوی بچے بھی تنگ کرتے ہیں اور مہمان بھی محروم واپس جاتے ہیں، ایسے موقع پر قرض لوں یا نہیں؟ فرمایا، تب تو تدبیر و انتظام کے چکر میں پھنس جاؤ گے۔ درویش تو وہ ہے کہ پاس ہو تو خرچ کرے ورنہ صبر کرے۔ اور نامرادی کی وجہ سے اسکی پیشانی پر پل نہ آئے۔ اسی سلسلہ میں آگے فرمایا کہ درویش کو ہر دردی (ہر جانی) نہ ہونا چاہئے۔ ایک ہر دردی تو وہ ہوتے ہیں جو دروازے دروازے گھوم کر مانگتے پھرتے ہیں۔ یہ صوری (ظاہری) ہر دردی ہیں۔ دوسرے ہر دردی وہ ہیں جو پائے گھر کے گوشہ میں بیٹھے ہوئے یا خدا کر رہے ہوں مگر دل میں یہ سوچ رہے ہوں کہ زید و عمر کے یہاں سے میرے گھر کچھ آئے گا۔ پھر فرمایا کہ ظاہری ہر دردی اس معنوی (پچھے ہوئے) ہر دردی سے اچھا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔ اور چھپے ہوئے ہر دردی بظاہر تو حق کے ساتھ مشغول ہیں اور باطن میں در بدر گھوم رہے ہیں۔ (ایمان بجا ص ۱۳۳)

تواضع

ایک دفعہ شیخ حسام الدین کندھے پر مصلّا ڈالے ہوئے کہیں چلے جا رہے تھے، اتفاق سے مصلّا گر گیا اور ان کو خبر نہیں ہوئی۔ ایک شخص نے کئی بار

شیخ شیعہ کہہ کر ان کو آواز دی مگر یہ متوجہ نہیں ہوئے، اس لئے وہ مصلیٰ لے کر دوڑا ہوا ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے کئی دفعہ آواز دی کہ شیخ اپنا مصلیٰ اٹھا لیجئے، مگر آپ نے سنا نہیں۔ فرمایا، بھائی! میں تو ایک فقیر ملاہوں میں شیخ نہیں ہوں۔

ف: سبحان اللہ، کیسی تواضع تھی کہ اپنے کو شیخ کہلانے کو تہق نہیں سمجھتے تھے۔ مگر اب معاملہ برعکس ہے۔ عیب غفلت رہ از کجاست تا کجا۔ (درتہ)

گجرات کا سفر

محمد تفلق کے عہد میں جب اس نے دولت آباد کو بسانے کے لئے دہلی خالی کرادی تھی، آپ گجرات کے شہر نہروالہ پٹن چلے گئے تھے، اور جامع مسجد کے ایک حجرہ میں قیام کر کے عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے تھے۔ مگر اپنی درویشی کو چھپاتے تھے۔ ایک تہذیب بانڈھتے اور ایک کپڑا اوپر کے حصہ پر ڈال لیتے۔ سر پر ایک ٹوپی، اس پر رسی کا ایک ٹکڑا لپیٹا ہوا رہتا تھا۔ تمام روز طلبہ کو دینی کتابوں کا درس دیتے تھے۔

مدینہ کا سفر

شیخ عبدالحقؒ نے لکھا ہے کہ آپ جب حج اور زیارت خانہ کعبہ کر کے ہندوستان واپس آئے اور اپنے پیر سلطان المشائخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ نے فرمایا کہ جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف

ہو چکے تو اس کو چاہئے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی علیحدہ نیت کر کے مستقل سفر کرے تاکہ طفیل والی زیارت کا شرف حاصل کرنے والا نہ رہے۔ مولانا حسام الدین نے سننے کے ساتھ زیارت مدینہ کا عزم مصمم کر لیا اور دوسرے دن روانہ ہو گئے۔
(اخبار الاخبار، برکات الاولیاء، نذرہ)

وفات

آپ کی وفات ۳۶ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار نہر والہ پٹن میں ہے۔ رَحِمَہُ اللہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً۔
(اعیان الحجج - ج ۲ ص ۱۴۵)

حضرت شیخ برہان الدین غریب المتوفی ۱۳۸ھ

نام و نسب اسم گرامی شیخ برہان الدین، لقب غریب و خطاب سدا اولیاء والد کا نام شیخ محمد محمود ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب گیارہ واسطوں سے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ملتا ہے۔

ولادت اور تعلیم و تربیت آپ کی ولادت باسعادت ۱۵۴ھ میں شہر ہانسی میں ہوئی۔ پیار سے لوگ آپ کو ”برہانی“ کہا کرتے تھے۔ آپ کی تمام تربیت والد بزرگوار کے زیر سایہ ہوئی، کمسنی ہی میں آپ تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے عم بزرگوار سے قسری پڑھی، اور دیگر علوم مثل فقہ، حدیث، تفسیر میں پوری تعلیم حاصل کی، فقہ نافع کو حفظ کر لیا۔ (تاریخ اولیاء کرام برہان پور ص ۵۷)

عبادت بچپن ہی میں آپ کو عبادت کا شوق پیدا ہوا۔ سات سال کی عمر میں ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر کلمہ طیبہ کا ورد کیا کرتے تھے۔ ابتداء ہی سے آپ کے چہرے سے شان بزرگی عیاں تھی ۵

بالائے سرش زہوشمند می تاقت ستارہ سر بلند می

دہلی میں قیام آپ کو کیمیا کا بہت شوق تھا۔ بہ تلاش مرشد آپ دہلی آکر ایک مسجد میں فروکش ہوئے۔ اگرچہ آپ غریبانہ زندگی بسر کرنے لگے، مگر لوگوں نے آپ میں بڑی جاذبیت پائی اور اہل شہر بکثرت آپ کی طرف رجوع ہوئے اور مسجد کی رونق بڑھ گئی۔

لقب ”غریب“ ہونے کی وجہ آپ نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا

غلغلہ سنا کہ آپ کا دسترخوان باوجود فقری کے بے انتہا وسیع ہے، بھلا فقری کے ساتھ یہ تمول کیسا؟ ضرور کیمیا یا دست غیب ہے۔

ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ ایک خندق میں گرے ہوئے ہیں، باہر نکلنا چاہتے ہیں مگر باہر نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ یکایک حضرت نظام الدین اولیاء نظر آئے اور اپنا ہاتھ دے کر ان کو خندق سے باہر نکالا۔ بیدار ہوئے تو اس بشارت کی بنا پر حضرت نظام الدینؒ کی خانقاہ میں آئے۔ حضرت محبوب الہیؒ کے خادم خاص اقبال نے اطلاع دی کہ برہان الدین غریب حاضر ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ساری خلقت تو ان کی طرف جھک پڑی ہے، ابھی تک وہ غریب ہی ہیں! اُسی دن سے آپ غریب کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۵

غریب است این محب حق بدینا حبیب اللہ فی الدنیا غریب است
(یعنی یہ محب حق دنیا میں غریب ہے اور اللہ کا حبیب دنیا میں غریب ہی ہوتا ہے۔)
بیعت و خدمت رفتہ رفتہ تقرب حاصل ہوا۔ اور باورچی خانہ کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی۔ ایک دن حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ باورچی خانہ کی طرف آنکلیے، مولانا غریب سے کہا کہ ایک مٹی کا ڈھیلا تو استنجا کے لئے لاؤ! آپ نے بھیٹ کر ایک ڈھیلا اٹھایا تو سونا تھا، دوسرا اٹھایا تو وہ بھی سونا بن گیا۔ غرض مٹی کا ڈھیلا نہ ملا تو مجبوراً واپس ہو کر یہ واقعہ عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ برہان! جو چیز استنجا کے کام بھی نہ آئے اس کی خواہش بحث ہے۔ آپ نے اُسی وقت سے کیمیا کی جستجو چھوڑ دی اور فقر کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ ۶۹۳ھ میں حضرت سلطان المشائخ کے مرید ہوئے۔

مقبولیت و عظمت | تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت شیخ اپنے معصروں میں

ہر دلعزیز اور محبوب ہو گئے۔ حضرت سلطان المشائخؒ کے مشہور مریدوں میں سے حضرت امیر خسرو، حضرت امیر حسن سنجر، خواجہ مبشر، میر سید خاموش، سید حسن اور اقبال خادم وغیرہم آپ کی صحبت میں رہتے اور آپ کی بذلہ سنجر اور شیریں کلامی سے لطف اندوز ہوتے۔ حضرت سلطان المشائخؒ بھی آپ کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایک روز مجلس میں بایزید بسطامیؒ کی بزرگی کا ذکر ہو رہا تھا تو حضرت محبوب الہیؒ نے فرمایا ہم بھی ایک بایزید رکھتے ہیں۔ دریافت کرنے پر بت لایا کہ جماعت خانہ میں ہے۔ جب خواجہ اقبال نے جا کر دیکھا تو حضرت شیخ برہان الدین کو جماعت خانہ میں پایا۔

مرشد کا عتاب ایک مرتبہ آپ کی مرشد سے کچھ اس قسم کی گفتگو ہوئی جو مرشد کو ناگوار گزری اور وہ آپ سے ناراض ہو گئے۔ مولانا غریب نہایت منحنی اور ضعیف الجنتہ تھے۔ اول تو ستر برس کا سن، اوپر سے ریاضت اور بھی کمزور ہو گئے، سخت زمین پر بیٹھنے سے تکلیف ہوتی تھی، اس لئے آپ اپنے مکان میں چادر یا کمبل کی دو تین تہہ کر کے بیٹھتے تھے۔ چند حاسدوں نے حضرت سلطان المشائخؒ کو یہ خبر غلط پہنچائی کہ مولانا برہان الدین مشائخؒ کی طرح سجادہ پر بیٹھتے ہیں نہ سر کی یہ طریقہ سنکر حضرت سلطان المشائخؒ بہت ناراض ہوئے اور جب آئے تو رُخ نہ کیا۔ اور جب جماعت خانہ میں آئے اسی وقت اقبال خادم نے کہا کہ آپ کو اسی وقت یہاں سے چلے جانے کا حکم ہوا ہے۔ آپ متحیر اور سر اسیم ہوئے اور کہا

ماچہ کرویم دگر بار کہ شیریں لب دوست

بسخر باز نہی باشد و چشم از نازش

ترجمہ: ہم سے کیا خطا سرزد ہوئی کہ محبوب کے شیریں لب ہکلامی کے لئے کھل نہیں رہے ہیں اور آنکھیں اس کے ناز سے اوپر نہیں اٹھ رہی ہیں۔
اور گھر جا کر سوگ میں بیٹھے اور رات دن روتے رہتے۔ جو لوگ اُن کی ملاقات کو آتے تھے اُن کی حالت زار دیکھ کر خود بھی روتے تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد امیر خسرو نے اس معاملہ کو ہاتھ میں لیا اور اپنی گردن میں دستار ڈال کر حاضر ہوئے۔ حضرت نے پوچھا، ترک کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا مولانا برہان الدین کی عفو تقصیرات کا خواستگار ہوں۔ مسکراتے ہوئے پوچھا ”وہ کہاں ہیں؟“ حضرت امیر خسرو کے اشارے سے حضرت برہان الدین بھی گڑھی گلے میں ڈال کر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت سلطان المشائخؒ مسرور ہوئے اور بغلیں ہوئے اور تجدید بیعت فرمائی۔

خلافت جب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے چند خاص مریدوں کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا تو میر سید حسین ابن سید محمد کرمانی (متوفی ۵۲ھ)، میر سید خاموش اور خواجہ اقبال نے خدمت میں عرض کیا کہ مولانا برہان الدین کا اخلاص و اعتقاد سب مریدوں سے بڑھا ہوا ہے، اس لئے وہ بھی امیدوارِ مرحمت ہیں۔ حضرت سلطان المشائخؒ نے اُسی وقت اپنا بقیچہ خاص منگو کر کلاہ و پیر بن نکالا اور حضرت شیخ برہان الدین کو عنایت کر کے درجہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اس لئے آپ کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ تھا۔

دکن کو روانگی حضرت سلطان المشائخؒ کا سن شریف ۹۵ سال کا تھا، ایک روز اقبال خادم سے فرمایا کہ نقد و جنس جو کچھ ہے لاؤ۔ اقبال نے عرض کیا، نقد تو کچھ نہیں ہے، البتہ غلہ بہت سہ ہے۔ آپ نے

حکم دیا کہ آج ہی تقسیم کر دو، اُس کے بعد کپڑوں کی گٹھری منگو کر اُس میں سے ایک دستار اور پیراہن اور مصلیٰ برہان الدین صاحب کو دے کر دکن جسنے کی اجازت دی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جس دن شاہ منتخب الدین خلد آباد میں رحلت فرما گئے، آپ وضو کر رہے تھے، برہان الدین آفتابہ لے پانی ڈال رہے تھے، یکایک آپ نے پوچھا، تمہارے بھائی منتخب الدین تم سے چھوٹے تھے یا بڑے؟ آپ سمجھ گئے کہ ضرور اُن کا انتقال ہو گیا۔ کیونکہ آپ کی زبان مبارک سے ”تھے“ کا لفظ نکلا ہے۔ چنانچہ دوسرے دن حضرت برہان الدین کے مکان پر رسم تعزیت ادا کرنے تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کہ ہم نے تم کو منتخب الدین کی جگہ مقرر کیا، فوراً دولت آباد چلے جاؤ۔

برہان الدین یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا، کیوں تامل کیا ہے، برہان الدین نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ حضرت کا حکم میرے سر آنکھوں پر، مگر پس و پیش یہ ہے کہ آپ کی جوتیوں سے دور ہو جاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا، اچھا جوتیاں بھی لے جاؤ۔ برہان الدین نے نعلین مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیں، لیکن پھر بھی درد جدائی سے بے تاب ہو گئے۔ پھر حضرت نے پوچھا۔ اب کیا پس و پیش ہے؟ برہان الدین نے عرض کیا کہ میں اس مجلس سے منزلوں دور ہو جاؤں گا۔ آپ نے نہایت التفات سے فرمایا، یہ بھی سہی تم سارے خلفاء کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ برہان الدین بادل ناخواستہ سفر کی تیاری کرے لگے، مگر آخری کوشش ایک دفعہ اور کی اور عرض کیا کہ خادم کو کسی طرح حضرت کی جدائی گوارا نہیں ہے۔ حضرت نے چندے مراقبہ فرمایا اور کہا کہ

برہان الدین! تم بے تامل چلے جاؤ کہ میرے مختارے درمیان کوئی پیردہ نہ ہوگا۔ حضرت سلطان المشائخ نے آپ کے ہمراہ چار سو خلفاء اور ہر واجب دیگر سات خلفاء دے کر دکن روانہ کیا۔

رخصت کے وقت خر قہائے خلافت و نعمتہائے باطنی سے سرفراز فرمانے کے بعد پانچ نصیحتیں کیں :-

- ۱۔ جو خر قہائے خلافت تم کو امانتاً دیئے گئے ہیں مولانا دوحسین کی پیروی کرنا۔
- ۲۔ والد کی خوشی ہر کام پر مقدم رکھنا اور اس کو رحمت حق تصور کرنا۔
- ۳۔ جمعہ کی نماز کبھی ترک نہ کرنا۔
- ۴۔ ہمیشہ مجرد رہنا۔

۵۔ میری پیرزادی صاحبہ (عائشہ بی بی) کی خدمت اور خبر گیری سے (جو دولت آباد میں ہیں) غافل نہ رہنا۔ (تاریخ اولیاء کرام برہانپور ص ۱۱۱)

دریائے تابیتی کے کنارے قیام | سیرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ارشاد کے

مطابق آپ دہلی سے دولت آباد آئے، اور یہ وقت وہ تھا کہ دہلی اجماعاً دولت آباد آباد ہوا تھا۔ اور شک نہیں کہ آپ کے ساتھ ایک جماعت کثیر راستہ میں ٹھہرتی ٹھہرتی آئی، ایک روز دریائے تابیتی کے کنارے ایک فیج بخش جنگل میں ایک چھوٹا سا گاؤں نظر پڑا۔ رات کو آپ وہیں ٹھہر گئے اور ندی کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھ کر آپ نے وضو کیا اور وہیں جماعت سے نماز ادا کی، اور دعا کی کہ خدایا! اس مقام پر ایک شہر آباد کر۔ آپ کی دعا مقرون اجابت ہوئی اور کچھ عرصہ بعد وہ مقام آباد ہو کر آپ ہی کے اسم مبارک پر

برہان پور نام رکھا گیا۔

ایک دوسری روایت ”گلزار الابرار“ میں اس طرح درج ہے کہ سات سو پانچ سو اربزرگان دین کا قافلہ منزل بمنزل قیام کرتا ہوا راستہ میں دریائے تپتی کے کنارے ٹھہرا، اُس وقت یہاں ایک معمولی گاؤں تھا جس کو دسانہ کہتے تھے منقول ہے کہ خاندیش کے شاہان فاروقیہ کے آبلے کرام میں سے ایک شخص اس خطہ کا ناظم و حاکم تھا، اس نے آپ کی دل و جان سے خدمت کی اور ہر طرح کا آرام پہنچایا، ایک دن صبح کے وقت جب حضرت شیخ کو بیچ کنے لگے تو ناظم موصوف نے دعائے خیر اور فاتحہ کے لئے التماس کیا۔ حضرت شیخ نے دعائے خیر پڑھنے کے بعد فرمایا کہ بحکم ازلی اس جگہ ایک شہر آباد ہوگا اور تھلے فرزند اس علاقے کے حکمران ہوں گے۔ بہتر ہوگا کہ اس نو آباد مقام کا نام اس دیوش کے نام پر رکھا جائے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد حضرت شیخ زین الدین داؤد بخاری کے اشارے کے مطابق شہر کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور حضرت شیخ برہان الدین کے نام سے اُس مقام کا نام برہان پور رکھا گیا۔

دولت آباد پہنچنا اور خلد آباد میں مستقل سکونت اختیار کرنا

حضرت شیخ برہان الدینؒ کی تشریف آوری دولت آباد میں بروایت ۱۱۸۷ھ میں ہوئی اور بروایت دیگر ۱۱۸۸ھ میں آپ پہلے محلہ اکرام آباد میں کاکا کے مکان پر اترے۔ مگر وہ جگہ پسند نہ آنے سے بعد میں شمس الملک کے مکان پر آئے، وہاں سے جب آپ خلد آباد تشریف لائے تو پہلے جلال الدین صاحب کی درگاہ کے شمالی نالے کے قریب ایک باؤلی پر ٹھہرے اور یہ برہان باؤلی کے نام سے مشہور ہے

برہان باؤلی سے اٹھ کر اُس جگہ تشریف لے گئے جہاں آپ کامزار ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے علم و فضل اور کشف و کرامات کی شعاعیں اطراف دکن میں چمکنے لگیں۔ سینکڑوں لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں شریک ہوئے اور خدمت میں رہ کر فیض معنوی سے سرفراز ہونے لگے۔

رشد و ہدایت اور اسلام کی اشاعت | حضرت شیخ اور اُن کے مصاحبوں کی مساعی جمیلہ

سے بہت سے غیر مسلم مشرف باسلام ہوئے، عام مسلمانوں نے بھی ہر طرح کا استفادہ کیا۔ اور حضرت رکن الدین کاشانی کی وساطت سے ایک ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔ آپ کی ذات اہل دکن کے لئے باعث برکت و رحمت ثابت ہوئی۔

مجاہدہ اور ریاضت | تبلیغ اسلام اور رشد و ہدایت کی مصروفیت کے باوجود حضرت شیخ نے ریاضت و عبادت میں کوئی

کمی نہ کی، دن رات عبادت الہی میں مشغول رہتے اور ریاضت شاقہ کرتے۔ منقول ہے کہ آپ نے متواتر پچیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی، اور کبھی شب کو نہیں سوئے۔ مصلیٰ ہی اوڑھنا اور پچھونا ہوتا تھا۔ تیس سال تک داؤدی روزے رکھے، یعنی ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ روزانہ صبح کی نماز کے بعد اوراد و وظائف میں مشغول رہتے اور چاشت کی نماز کے بعد کلام پاک کے تین پارے تلاوت فرماتے۔ قبرستان میں تشریف لے جاتے تو وہاں کبھی پانچ سو بار اور کبھی ہزار بار سورہ اخلاص پڑھتے۔

غذا | مندرجہ بالا بیان میں ذکر آیا ہے کہ حضرت شیخ نے تیس سال تک داؤدی روزے رکھے، تو افطار کبھی یا نی سے اور کبھی صرف سرکہ سے

اور کبھی صرف دہی سے فرماتے تھے۔ ہفتہ میں دو دن آدھا پیٹ کھاتے تھے۔ لوبیا اور جوئی روٹی پسند تھی۔

ف: حصول کرامات و فتوحات کے لئے ریاضات و مجاہدات لازم و ضروری ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مشقت برداشت کریں گے ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھائیں گے۔ (مرتب)

لباس و اسباب | اُس پر عبا، اور نیچے تہبند اور جوتیاں جیسے کہ اُس زمانہ میں تھیں۔ نجف و لان، قد لمبا، واڑھی مرسل۔ آپ تارک الدنیا تھے، سلاطین و امراء سے قطعاً نہیں ملتے تھے۔

سلطان محمد تغلق نے تین ہزار تنکے ملک نائب کا فور کے ہاتھ حضرت کی خدمت میں بھیجے۔ آپ نے کا کا سے کہا کہ فقیر کے گھر میں اگر کچھ ہے تو وہ بھی لاؤ اور ملک نائب کے سامنے ہی دونوں کو ملا کر تقسیم کرو۔ بعد تقسیم آپ نے تھوڑی کھجوریں اور ایک مصلیٰ بادشاہ کو بھیجا۔ (تاریخ اولیاء کرام برہانپور ص ۳۱)

ارشادات

حضرت شیخ ج کے اقوال بیشمار ہیں۔ مولانا عطاء الدین نے ایک رسالہ بنام ”احسن الاقوال“ لکھا ہے۔ ان سے چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں:-

۱۔ فقیر کسی کی امانت نہ رکھے، کسی کا ضامن نہ ہو، اور کسی دستاویز پر گواہی نہ دے۔

۲۔ فقیر وہ ہے کہ جو کچھ ہاتھ میں ہو اور جو کچھ سر (دماغ) میں ہو دونوں کو دور کرے
ف؛ یقیناً دل و دماغ میں تو مال رکھنا ممنوع ہے۔ مگر ہاتھ اور جیب میں
 بقدر ضرورت رکھ سکتے ہیں تاکہ دوسروں کا دست نہ گرنے ہو۔ (مرتب)

۳۔ فقیر کو باریک کپڑا نہ پہننا چاہئے۔

۴۔ فقیر سوائے اللہ کے کسی پر تکیہ (بھروسہ) نہ کرے۔

۵۔ **طلبِ دین**؛ آپ کے پاس ایک مسافر آیا اور عرض کیا کہ میں دو چیزوں
 کے لئے آپ کی خدمت میں آیا ہوں۔ ایک تو دین حاصل کرنے کے لئے کیونکہ آپ
 مذہبی پیشوا ہیں، دوسرے دنیا حاصل کرنے کے لئے کیونکہ سلاطین و امراء
 آپ کے معتقد ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک اللہ تم کو دونوں چیزیں بہم پہنچائے گا
 اللہ تعالیٰ کو حاصل کرو، ساری چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی۔

۶۔ پھر فرمایا: جس گھر میں کُتّا رہے یا تصویر وہاں فرشتہ رحمت نہیں آتا۔
 تیرا نفس کُتّا ہے اور تو جس گھر کو ماسوائے خدا دوست رکھتا ہے اُس دل میں
 شیطان کی تصویر ہے۔ پس ایسے شخص کے دل میں اللہ کی محبت کس طرح
 داخل ہو سکتی ہے۔ اللہ کی محبت کے لئے نفس کو پاک اور دل کو ماسوا اللہ
 یعنی دنیا کی محبت سے دور رکھو، اللہ کی قربت حاصل ہوگی تو دین
 و دنیا دونوں پائے گا۔

۷۔ **دنیا کی حقیقت**؛ ایک موقع پر مریدوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ
 دُنیا سایہ کے مانند ہے۔ جب آدھی سایہ کی طرف منہ کر کے چلتے ہو تو سایہ
 آگے آگے چلتا ہے۔ اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو پیچھے پیچھے آتا ہے۔ اسی طرح
 جو دُنیا کی طرف رخ کرتا ہے، دُنیا اُس سے بھاگتی ہے، اور جو دنیا کی طرف سے

منہ موڑتا ہے دنیا اُس سے پیٹتی ہے۔

۸۔ پھر فرمایا کہ تمام دنیا مشرق سے مغرب تک اس درویش کی نظریں ایسی ہے جیسے ہتھیلی پر مٹی کا انڈا ہو۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کی محبت؛ فرمایا: دل ایک ظرف کے مانند ہے۔ جتنا برتن خالی ہے ہوا سے پُر رہتا ہے۔ لیکن جب کسی چیز سے بھر جاتا ہے تو ہوا سے خالی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دل دنیا کی خواہش سے پُر ہوتا ہے، لیکن جب اُس میں محبت بھر جاتی ہے تو دنیا کی ہوس دور ہو جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی محبت بھر جاتی ہے۔ (تاریخ اولیاء کرام برہان پور ص ۲۵)

۱۰۔ راحت رسانی؛ معتقدین کو تلقین کی کہ لوگوں کی راحت رسانی میں کوشاں رہیں۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ درخت خود تو دھوپ میں کھڑا رہتا ہے لیکن دوسروں کو سایہ دیتا ہے۔ اسی طرح لکڑی خود تو جلتی ہے لیکن اوروں کو آرام پہنچاتی ہے۔ اسی طرح انسان کو چاہئے کہ خود تکلیف اٹھالے، اپنی تکلیف کا خیال نہ کرے لیکن دوسروں کو فائدہ اور آرام پہنچائے۔

ف؛ یعنی نباتات و جمادات میں نفع رسانی کا مادہ ہے تو پھر انسان کے اندر تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہئے۔ (مرتب)

۱۱۔ عیب جوئی؛ لوگوں کی عیب جوئی کے سلسلہ میں مریدوں کو بتایا کہ اگر تمہارا عیب کوئی ظاہر کرے تو یہ دیکھو کہ تم میں وہ عیب ہے یا نہیں اگر ہے تو اُس سے باز آؤ، اور عیب ظاہر کرنے والے سے کہو کہ تم نے مجھ پر کرم کیا کہ میرا عیب مجھ کو بتادیا۔ اور اگر تم میں وہ عیب نہیں ہے تو دعا کرو کہ الہی! اس عیب ظاہر کرنے والے کو عیب جوئی سے بچا۔ اور مجھ کو بھی

بدکلامی سے محفوظ رکھ۔

۱۲۔ **بخل و سخاوت:** فرمایا: ایک سخی ہوتا ہے اور ایک بخیل۔ سخی وہ ہے جو مہمان کو دوست رکھتا ہے اور بخیل وہ ہے جو دولت کو مہمان رکھتا ہے۔

۱۳۔ **چہلہ:** ایک مرید آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا، میں چہلہ کرنا چاہتا ہوں۔ تو دریافت کیا کہ چہلہ زناں یا چہلہ مرداں؟ اُس کے بعد فرمایا:- چہلہ زناں وہ ہے کہ چالیس دن تک ایک گوشہ میں بیٹھے۔ اور چہلہ مرداں وہ ہے کہ درویش ظاہر لوگوں میں بیٹھے، لیکن اس کا باطن یا دالہ میں مستغرق ہے۔
ف: خلوت در انجمن اسی کو کہتے ہیں۔ (مرتب)

۱۴۔ **تلاوت قرآن:** فرمایا کہ ایک درویش کامل راستہ سے جا رہا تھا، دیکھا کہ ایک مقام پر لوگ چنگ بجا رہے تھے۔ درویش وہاں ٹھہر گیا، اور کہا:- اے چنگ! اگر تو یہ بات جانتا ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے، تو تیرے تمام تار ٹوٹ جاتے۔ اُسی وقت چنگ کے تمام تار ٹوٹ گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ چنگ سے کیا آواز آرہی تھی؟ تو درویش نے بتلایا کہ ایک تار سے یا حنّ اور دوسرے تار سے یا رحیم کی آواز نکل رہی تھی۔ چنانچہ اسی بات پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ بعض لوگ قرآن پڑھتے تو ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔

۱۵۔ **اہل و عیال کے حقوق:** بیوی اور بچوں کے حقوق کے بحال لانے کی بھی تاکید کی اور فرمایا، بیوی بچے باغ اور بوستان ہیں۔ جب خداوند تعالیٰ کی عبادت سے ملول ہو تو اس کو اپنا دل بیوی بچوں سے ہی بہلانا چاہئے کیونکہ یہ بھی عبادت ہے۔ **ف:** سبحان اللہ، کیسی معرفت کی بات ارشاد فرمائی۔ (مرتب)

عادات و اخلاق

آپ نہایت پرہیزگار و عبادت گزار تھے اور صوم و صلوٰۃ کے سخت پابند تھے۔ آپ فصیح و بلیغ اور شیریں کلام تھے۔ آپ کی مجلس میں جو کوئی بھی جاتا آپ کا اسیر محبت ہو جاتا۔ اور آپ کی صحبت پر فیض سے قلب کو پاکیزہ اور ذہن کو مصطفیٰ پاتا۔ آپ صاحب کشف و کرامات تھے۔ اور ہمیشہ ذکر الہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ مدت العمر مجرد رہے۔ آپ صاحب تصنیف بھی تھے۔

اقتباسات

نماز: ظاہری نماز کا تعلق شریعت کے مطابق اعضاء سے ہے۔ اور باطن کی نماز طریقت کی رو سے دل کا تفکر ہے۔ اور قلب و روح کی نماز فیض سے حاصل ہوتی ہے اور وہ حقیقت کی نماز ہے۔ خواص ظاہر میں تو کعبہ کی طرف رخ کرتے ہیں، لیکن اُن کی توجہ رب کعبہ کی طرف ہوتی ہے۔ حضور دل کے ساتھ تھوڑی نماز بے حضوری کی بہت سی نمازوں سے افضل ہے۔

ف: یا اللہ! ہم سب کو نماز خواص کی توفیق ارزانی فرما۔ (مرتب)
روزہ: فرمایا کہ روزہ حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ روزہ سے حیوانی صفات دور ہوتی ہیں اور حق تعالیٰ کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ ہر اطاعت و عبادت کی جزا تو بہشت ہے، لیکن روزے کی جزا خود حق تعالیٰ ہیں۔ روزہ داروں کی مخصوص جگہ ریان ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جنت کی راہ آسان فرمائے۔ آمین! (مرتب)

زکوٰۃ: فرمایا: اللہ تعالیٰ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے خاص و عام بندوں کو سفر میں چار رکعت کے بجائے دو ہی رکعت پڑھنے کو کہتا ہے۔ وہ اپنی غفاری سے بخش دیتا ہے۔ اور اپنی رحمانی سے رحمت نازل کرتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنی نعمت و نبوت کی وجہ سے خلق اللہ کو اوامر و نواہی سے آگاہ کرتے ہیں۔ برگزیدہ اولیاء کرام کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ تصفیہ دل سے و تجلیہ بروج کے ذریعہ سے عشق و محبت اور معرفت حاصل کرتے ہیں۔ مشائخ عظام کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو علم سلوک کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ علماء ربانی کی زکوٰۃ یہ ہے کہ کلام پاک اور احادیث نبویؐ اور فقہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ اغنیاء کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو دینار میں سے پانچ دینار غریب کو دیتے ہیں۔

حج: فرمایا: عام حاجیوں کا حج دینی و دنیوی مقاصد کے لئے ہوتا ہے وہ خانہ کعبہ کا طواف اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں۔ لیکن عاشقان الہی حج رب کعبہ سے قربت حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ وہ احرام اس لئے باندھتے ہیں کہ اسرار الوہیت معلوم کریں۔ ایک حاجی حج میں اپنی مغفرت کے خیال سے خوش ہوتا ہے، لیکن ایک عاشق حق اپنی جان نذر کرنے میں فرحت و مسرت محسوس کرتا ہے، کیونکہ کعبہ ہی میں اس کو مقصود اعلیٰ و مطلوب کلی نظر آتا ہے۔

عبادت: فرمایا: بلا عذر عبادت کا ترک کرنا فسق ہے اور عبادت سے منہ موڑنا کفر ہے۔

ف: سبحان اللہ، شریعت کے ہر عمل کے ظاہری و باطنی آداب اسرار کو ایسی وضاحت سے بیان فرمایا کہ دل کو فرح و سرور اور وجد و کیف

نصیب ہوا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

شریعت، طریقت، حقیقت: فرمایا: اوامر و نواہی کا پابند ہونا شریعت ہے۔ دل کی صفائی کرنا اور برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دینا طریقت ہے۔ اور ماسوی اللہ کی باتوں کو دفع کر کے روح میں تجلی پیدا کرنا حقیقت ہے۔

فرمایا: ذکر چار قسم کا ہوتا ہے۔

(۱) لسانی۔ جس سے دل پراثر ہوتا ہے۔

(۲) قلبی۔ جس سے تمام اعضاء متاثر ہوتے ہیں۔

(۳) طبعی۔ یعنی اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے میں بھی ہر عضو سے ذکر ہو اور کان میں جو آواز پڑے وہ بھی ذکر ہو۔

(۴) مستولی۔ یعنی ذکر کا ایسا استیلا (غلبہ) ہو کہ نہ ذکر رہے نہ ذاکر، بلکہ صرف

مذکور (حق تعالیٰ) رہے۔ (یعنی سب کی طرف سے توجہ مٹ جائے

اللہ ہی اللہ باقی رہے۔ وذاک فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔ (مرتب)

موت: موت تین قسم کی ہوتی ہے۔ صوری، معنوی، حقیقی۔ صوری

تو یہ ہے کہ جسم سے روح نکل جاتی ہے، یہ شرعی موت ہے، جس کو موت

صغریٰ کہتے ہیں۔ معنوی یہ ہے کہ ایک مرید کسی غیر شخص سے کچھ التجا کرے

یہ موت طریقت اور موت کبریٰ ہے۔ اور موت حقیقی یہ ہے کہ کوئی مرید

غیر حق سے کچھ التجا کرے، اور یہ موت اکبر ہے۔

رضاء و صبر: رضاء یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے تو اس سے

کراہیت پیدا نہ ہو۔ اگر اس سے کراہیت پیدا ہو تو اس کا اظہار

نہ کرے تو یہ صبر ہے۔ یعنی مصیبت کو شوق سے برداشت کرنا صبر ہے۔

ف: سبحان اللہ، کیسے کیسے حقائق و اسرار ارقام فرمائے جو قلوب پر نقش کئے جانے کے لائق ہیں، اور جن کا علم انشاء اللہ ناظرین کرام کے ازدیادِ علم و معرفت ہی نہیں بلکہ ازدیادِ ایقان و حلاوتِ ایمان کا سبب ہو گا۔ الحمد للہ، اس سے اس حقیر کے افسردہ و ناکارہ دل کو بھی حیات حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مزید ان کیفیات سے بہرہ ور فرمائے۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ (مرتب)

علالت آپ کا سن شریف جب اسی سال کا ہوا تو ۳۵۳ھ میں آپ بہت بیمار ہوئے لوگ متردد ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ دو بار ۳۵۳ھ میں صاحبِ فراش ہو گئے۔ لیکن علالت کے زمانہ میں بھی ہدایت و عبادت سے غافل نہیں رہے۔

وفات آخر وقت میں مریدوں کو بلا کر چند نصیحتیں کیں اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے دست مبارک سے کپڑے اور تبرکات عنایت کئے۔

اور اپنے مرشد کی تسبیح لے کر سامنے رکھی اور دستار گلی میں ڈال کر کہا، "مسلمان ہوں، اُمّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، شیخ کا مرید ہوں، اگر میں خود نیک خواہ نہ تھا تو نیکوں سے ملا ہوں۔ اس کے دوسرے دن ۱۲ صفر ۳۵۳ھ مطابق ۱۳۳۸ء بوقت چاشت یومِ شنبہ کو وفات ہوئی اور دولت آباد سے چھ میل کے فاصلہ پر خلد آباد میں مدفون ہوئے، جس کو روضہ بھی کہتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ

(تاریخ اولیاء کرام برہان پور ص ۲۷۷)

حضرت قاضی شرف الدین باز می التوفی ۳۸۱ھ

تعارف بہتہ الشہد بن عبد الرحیم بن ابراہیم شافعی قاضی حماہ بہت سی مفید کتابوں کے مصنف اور اپنے عہد کے اُستاذ الفقہار تھے۔ حدیث میں مختصر جامع الاصول، تفسیر میں روضات الجنان (۱۰ جلدوں میں) اور فقہ میں حاوی کی شرح وغیرہ اُنکی تصنیفات میں ہیں۔

اخلاق فاضلہ ذہبی نے شیخ العلماء، بقیۃ الاعلام کے اوصاف کے ساتھ اُنکا ذکر کیا ہے۔ اور اُن کے تواضع وانکسار، حسن اخلاق، دینداری، عبادت گزار کی تعریف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ اولیاء و صلحا سے اُنکو سیر عفتیت تھی بزرگوں کی زیارت کو اکثر جاتے تھے اور نہایت تواضع اور ادب تعظیم سے ملتے تھے تکبر اُن میں ذرہ برابر بھی نہ تھا۔ مذہب شافعیہ کی امامت و سیادت اُن پر ختم تھی۔

کتابوں کا شوق کتابوں کا ایسا شوق تھا کہ اُس زمانہ میں جہاں کسی نے کوئی کتاب لکھی اور اُنکو علم ہوا، فوراً اس کے پاس کتابت و نقل کی اجرت بھیج کر باہر اُتر آ کر کہتے کہ جلد نقل کر کے بھیج دے، یہ بھی ہمارے کام کی دینی کتابوں کی قدر دانی و تہذیب منصب قضا اچالیس برس تک وہ حماہ کے قاضی رہے مگر کبھی تنخواہ نہیں لی، نہ کبھی اپنے پاس درہ رکھا نہ کسی کو مرادی۔ اُنکے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، انہیں ایک بڑی تعداد اُن فقہار کی ہے جنکو انھوں نے فتویٰ دینے کی اجازت دی ہے۔ ذہبی و برزالی وغیرہ ہمارے اُن سے حدیثیں سنی ہیں۔ انھوں نے متعدد درج کے تھے از انجملہ ایک ج ۳۸۱ھ میں اور ایک ۳۸۱ھ میں اور ایک ۳۸۱ھ میں انھوں نے کیا تھا۔ (ابن کثیر)

وفات آپ کی وفات ۳۸۱ھ میں ہوئی۔ رولاند رحمۃ واسمہ۔ (ایمان الحجج ص ۳۲)

حضرت صاحب کرامات ظاہرہ محمد مرشدی المتوفی ۳۸۷ھ

تعارف | محمد بن عبداللہ ابن ابی المجدابرہم نام تھا۔ مینسہ بنی مرشد (نواح مصر میں) کی پکا قیام تھا۔ قرأت سبعہ اور علم فقہ کی تحصیل کے بعد آپ اپنے زاویہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔

مہمان نوازی | خدمت خلق اور مہمان نوازی کا بہت بلند حوصلہ آپ میں تھا اور اس باب میں بحد حیرت انگیز واقعات کا ظہور آپ سے ہوا ہے ہر کس و نا کس اور چھوٹا بڑا جو آپ کے پاس سے گزرتا تھا سب کو آپ کھلاتے تھے بلکہ جس کو جس چیز کی خواہش ہوتی تھی اس کو وہی کھلاتے تھے۔ اس پر لطف یہ کہ کسی سے کوئی ہدیہ یا نذرانہ قبول نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سلطان وقت نے بہانہ سے اُن کو کچھ دینا چاہا تو بھی نہیں لیا۔ اس بے نیازی کے ساتھ اس غیر معمولی مہمان نوازی کے واقعات اس درجہ متواتر ہیں کہ جن حضرات کی تنقیدی نگاہ بہت تیز ہے وہ بھی انکار کی جرات نہ کر سکے۔ ابن تیمیہؒ و ذہبیؒ جیسے محقق نقاد بھی واقعات کی صحت کا انکار نہ کر سکے، تو اُن کی تاویل یہ کی کہ جنات اُن کے تابع تھے، مگر تذکرہ نویسوں نے واقعات کی جو تفصیل بیان کی ہے، اُس کو پڑھنے کے بعد اس تاویل کو قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔

مسالک لا لبصار کے مصنف ابن فضل اللہ نے لکھا ہے کہ اُنکی مہمان نوازی کے جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں، پچھلی تاریخ میں اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک شخص جو ایک چھوٹے سے گاؤں میں مقیم ہو جہاں کی ریتیلی زمین میں کچھ زیادہ پیداوار بھی نہ ہوتی ہو، پھر وہاں کوئی بازار بھی نہ ہو، وہاں ہر وقت انواع و اقسام کی

ان چیزوں کا مہیا ہو جانا جو قاہرہ یا دمشق کے سوا کہیں دستیاب نہ ہو سکتی ہوں
پھر لطف یہ کہ نہ کوئی خادم نہ بادرچی، نہ ہانڈی نہ چو لھاء، پھر بھی جس وقت جتنے
مہمان آجائیں سب کی خاطر خواہ مہماں نوازی حد درجہ حیرت انگیز ہے۔

ابن فضل اللہ کہتے ہیں کہ بیان کرنے والوں نے بہت کچھ مبالغہ سے بھی کام
لیا ہے، مگر یہ واقعات اس قدر مشہور و متواتر ہیں کہ بالکلہ انکار کی کوئی گنجائش
نہیں اور ماننا پڑتا ہے کہ اسکی اصلیت ضرور ہے۔ چنانچہ مجھ سے مختلف جماعتوں نے
بیان کیا ہے جن کو بلا واسطہ اس طرح کے واقعات۔ بے سابقہ پڑا ہے۔

سفر حج | ابن حجر کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مریدین و معتقدین کی ایک
بڑی جماعت کے ساتھ حج کیا تھا، اُس سفر میں ہر رات کبھی
ایک ہزار درہم اور کبھی اس سے زیادہ لوگوں کے کھلانے پلانے میں صرف کرتے
تھے۔ بلکہ ایک دفعہ تین راتوں کا حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک ہزار دینار کی
مالیت کا کھانا خرچ ہوا۔ دوسری دفعہ پانچ راتوں کا حساب لگایا گیا تو پچیس ہزار
درہم کی لاگت کا کھانا خرچ ہوا۔

الملک الناصر سے ملاقات | سلطان الاسلام الملک الناصر (بادشاہ مصر شام)
سے آپ کی ملاقات ہوئی، تو آپ نے اس کی
بہت تعظیم کی، مگر کوئی نذرانہ قبول نہیں کیا، نہ کسی دوسرے ہی کے لئے کوئی سفارش
یا کسی چیز کی درخواست کی۔ اور ارکان دولت میں کسی کے حق میں کوئی کلمہ خیر نہیں کہا
۔ بجز ناظر الجیش کے کہ اُس کے حق میں ضرور چند کلمات کہے، چنانچہ الملک الناصر کو
اس کی نواہری ہوئی کہ انھوں نے میری تعظیم تو بہت کی، مگر کسی کے لئے کچھ نہ مانگا
نہ کچھ کہا۔ باقی رہا ناظر الجیش تو وہ ان کی تعریف کرتا ہے اور وہ اُسکی تعریف کرتے

ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس واقعہ پر بہت عمدہ نوٹ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں تو شیخؒ نے بہت خوب کیا، اسلئے کہ ناظر الجیش کے حالات سے جو واقف ہے وہ جانتا ہے کہ وہ بڑا عدل پرور، ظالمانہ احکام و رسوم کو مٹانے والا اور رعیت کا خیر خواہ و حمایتی تھا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ: اُن کے معاصرین میں جو جو لوگ دور دور سے حالات سن کر اُن پر معترض اور اُن سے بدعتیہ تھے جب انھوں نے اُن کو نزدیک سے دیکھا تو انکی بدعتیہ عقیدت مندی میں بدل گئی ہے، جیسے علامہ ابن سیلانس اور ابن جبلی وغیرہما۔

ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ وہ صاحبِ حال بزرگ تھے۔ لمبے چوڑے دعوے نہیں کتے تھے نہ اُنکی زبان سے شیطیات دایسے کلمات جنکا ظاہر ثمرِ لیت کے مطابق نہ ہو کا صدر ہوتا تھا۔ اور اُنکے عقائد درست تھے۔ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ وہ بہت کثیر السلاوت تھے۔

اہم یا فعیؒ نے بھی اُنکی زیارت کی ہے اور اُنکی کرامات کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ اپنی ملاقات کا حال انھوں نے مرآۃ الجنان میں تفصیل سے لکھا ہے۔

ذہبیؒ جو فرماتے ہیں کہ حکومتِ وقت اُن سے مرعوب تھی۔ وہ بڑے بڑے امیر و وزیر کو جو لکھ بچھتے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ اسکو رد کر دے۔

ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ انھوں نے بہت سی دفعہ حج کیا ہے۔ ازاجلہ ۳۷۵ھ میں جس سال ابن کثیرؒ و ابن قیمؒ گئے تھے اُس سال وہ بھی حج میں تھے۔

وفات

آپ کی وفات ۳۷۵ھ میں ہوئی۔ (دور، مرآۃ، شذرات، ابن کثیر)

(اعیان الجنان ص ۱۲۱)

حضرت حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ

نام و نسب نام شمس الدین محمد، والد کا نام احمد، دادا کا نام عثمان ہے۔

ولادت ماہ ربیع الآخر ۶۳۷ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ ترکمانیہ الاصل تھے۔ اور آپ کا سلسلہ نسب بنی تمیم تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ذہب (سولے) کا کام کرتے تھے، اسی وجہ سے آپ کو ذہبی کہتے ہیں۔

تعلیم و تربیت جب آپ اٹھارہ سال کے ہوئے تو حصول علم کی طرف پوری طبع قرات، دوسرے حدیث نبوی شریف۔ تو آپ قرأت کی تعلیم کے لئے شیخ القراء جمال الدین ابوالحسن، ابراہیم بن داؤد عقلانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس کے بعد آپ نے اُس وقت کے مشہور و معروف قراء سے تجوید سیکھی۔ اور بہت جلد آپ ماہر بن ہو گئے۔ اور اٹھارہ سال ہی کی عمر میں حدیث نبوی الشریف کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ (مقدیر سیر اعلام النبلاء)

فضل و کمال دمشق آپ کا مسکن تھا، اپنے زمانہ میں بعض حیثیتوں سے فن حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ سبکی نے سچ کہا ہے کہ وہ امام وجود (ہفت اقلیم کے تنہا امام) اور اُس دور کے زرقا لئ تھے۔ معرفت رجال کے باب میں اُن کا یہ حال تھا کہ حدیث کے سارے راوی گویا ایک میدان میں جمع ہیں اور وہ سب اُن کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔

علمی خدمات ابن حجر نے لکھا ہے کہ وہ اپنے عصر کے سب سے بڑے مصنف تھے۔ اُنھوں نے ۲۱ جلدوں میں تاریخ الاسلام لکھی ہے (جو اس وقت مصر سے شائع

ہو رہی ہے) اور میزان الاعتدال (۳ جلدوں میں) اور تذکرۃ الحفاظ (۲ جلدوں میں) مشتبہ النسبہ، تجرید اسماء الصحابہ، تلخیص المستدرک اور دول الاسلام چھپ چکی ہیں۔ ان کے علاوہ تذہیب التذہیب، کاشف، مغنی، سیر اعلام النبلاء، العبر اور طبقات مشاہیر القراء وغیرہ انکی بہت سی تصنیفات ہیں، جن سے چوٹی کے علمائے استفادہ کیا ہے۔

عملی کیفیت | اس علمی جدالت کے ساتھ عمل میں بھی ان کا مقام بہت بلند تھا۔ سبکی کا بیان ہے کہ جس دن انکی وفات ہوئی ہے اُسی دن قبیل مغرب

ہمارے والد انکی عیادت کو گئے۔ ذہبی نے والد سے پوچھا، کیا مغرب کا وقت ہو گیا؟ والد نے کہا، کیا آپ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے؟ فرمایا، عصر تو پڑھ چکا ہوں، مغرب نہیں پڑھی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے والد سے پوچھا کہ کیا مغرب ہی کے وقت عشر بھی پڑھ لوں؟ والد نے فتویٰ دیا کہ ہاں! پھر انھوں نے اسی طرح دونوں نمازیں پڑھیں اور عشر کے بعد آدھی رات سے پہلے وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ابن تغری بردی نے لکھا ہے کہ اُن کے اور ادو وظائف کی تفصیل حیرت انگیز ہے۔ امام ذہبی نے اپنے حج کے موقع پر توزاری وغیرہ محدثین مکہ سے حدیثیں سُنی ہیں۔

وفات | ذہبی کی وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة

(اعیان الحجاز ص ۳۶)

مولانا فخر الدین زرادعیؒ

فضل و کمال

آپ بھی شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ممتاز خلفاء میں ہیں۔ آپ علم و تقویٰ اور ذوق و عشق کے جامع تھے۔ دین کے معاملہ میں بہت سخت تھے۔ پہلے مولانا فخر الدین ہانسوی کے پاس علم ظاہر کی تحصیل و تکمیل میں مشغول تھے اور اپنی ذکاوت، فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے شہر کے ممتاز لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ بعد میں شیخ المشائخ کے مرید ہو کر درویشی اختیار کر لی۔ آپ اکثر سفر میں رہتے اور سنان مقامات میں عبادت کیا کرتے تھے۔ صوم دوام کے عادی تھے۔

ذکر کی فضیلت

آپ نے شیخ المشائخ سے دریافت کیا کہ ذکر میں مشغول رہنا افضل ہے یا تلاوت کرنا افضل ہے؟ شیخ نے فرمایا۔ ذکر بہت جلد خدا رسیدہ ہو جاتا ہے مگر زوال کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ اور تلاوت کرنے والا دیر میں اس مرتبہ کو پہنچتا ہے مگر زوال کا خطرہ نہیں رہتا۔ سبحان اللہ کیا ہی خوب فیصلہ فرمایا، فخر اللہ تعالیٰ (مرتب) حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ فرماتے تھے کہ ہم لوگوں کو مہینہ دو مہینہ میں جو حاصل ہوتا تھا وہ مولانا فخر الدین کو ایک گھڑی میں حاصل ہو جاتا تھا۔

آپ سلطان محمد تغلق کے دربار میں

منقول ہے کہ سلطان محمد تغلق نے دہلی کے تمام امراء کو حکم دیا کہ وہ حاضر ہوں، اُسی روز مولانا فخر الدین زرادعی، شیخ شمس الدین عینی اور شیخ فاضل الدین

دہلوی کو طلب کیا۔ خواجہ قطب الدین وزیر تعلیم جو خواجہ نظام جو کے مرید اور مولانا فخر الدین جو کے شاگرد تھے وہ مولانا کو دربار شاہی میں لائے۔ مولانا بار بار فرما رہے تھے کہ بادشاہ کے سامنے جانا مناسب نہیں سمجھتا، میں کسی طرح اُس کی موافقت نہ کروں گا۔

غرض کہ بادشاہ نے مولانا سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ملعون چنگیزیوں کو ختم کر دیں، کیا آپ اس سلسلہ میں ہماری مدد کریں گے؟ مولانا نے فرمایا: انشاء اللہ! بادشاہ نے کہا کہ یہ کلمہ شک ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مستقبل کے لئے یہی ہوتا ہے۔ بادشاہ نے یہ بات سُننے کے بعد پیچ و تاب کھاتے ہوئے مولانا سے کہا، ہمیں کچھ نصیحت فرمائیے! مولانا نے فرمایا کہ غصہ پیتے رہو۔ بادشاہ نے پوچھا، کونسا غصہ؟ مولانا نے فرمایا کہ اس سے پہلے سات سلطان غصہ کی نذر ہو چکے ہیں۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۱۴۵)

تذکرہ شہادت

مولانا فخر الدین بھی اسی زمانہ میں جب دولت آباد بسایا جا رہا تھا دہلی سے ہجرت چلے گئے تھے۔ اور وہاں سے خانہ کعبہ کی زیارت کو گئے۔ واپسی میں بغداد ٹھہر کر علم حدیث حاصل کیا۔ اس کے بعد دہلی کے شوق میں وہاں سے کشتی پر سوار ہو کر چلے، راستہ میں کشتی ڈوب گئی اور آپ کو شہادت کا درجہ نصیب ہوا۔ آپ کی وفات ۸۴۷ھ میں ہوئی۔ (رحلۃ فقہ (ایمان انجم صفحہ ۱۴۵))

عہ شایع کا مطلب ہے کہ اسی بے موقع غصہ کی بنا پر اپنے کو ہلاکت گھات آتا رہے ہیں۔ اسی لئے ایک صحابیؓ کے تین مرتبہ نصیحت طلب کرنے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (لَا تَغْصِبُ) فرمایا (یعنی غصہ نہ کرو) اس لئے کہ اسی کی وجہ سے عموماً تباہی و بربادی آتی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔ (مرتب)

حضرت مولانا ضیاء الدین نجشبی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۱ھ

نام و نسب :-

امم گرامی ضیاء الدین تھا۔ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ اصل وطن نجش (بخارا) تھا۔ اسی مناسبت سے اپنی شاعری میں نجشی تخلص کرتے تھے۔ گورنگی گوشہ تنہائی میں گزاری، لیکن اپنی استعداد کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی۔

ولادت :- آپ کی ولادت ۶۲۵ھ میں ہوئی۔

بیعت :- بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے مرید تھے۔ لیکن ”اخبار الاخیار“ میں ہے کہ :-

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے زمانہ میں تین شخص ضیاء کے نام کے تھے
(۱) ضیاء سامی جو منکر شیخ تھے۔ (۲) ضیاء برنی، جو شیخ کے معتقد اور مرید تھے
(۳) ضیاء نجشی، جو شیخ کے نہ منکر تھے اور نہ معتقد۔ (اخبار الاخیار ص ۹)

”خزینۃ الاصفیاء“ میں ہے کہ مولانا ضیاء الدین نجشیؒ کی ارادت سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوریؒ کے پوتے حضرت شیخ فرید سے تھی۔

حضرت ضیاء الدین نجشیؒ نے خواص و عوام دونوں سے عزت نشینی | الگ تھلگ رہ کر اپنی فقیرانہ زندگی تراویہٴ رخصول میں گزاری اور اس گوشہٴ عافیت میں زیادہ تر تصنیف و تالیف کا مشغلہ رکھا۔ اس لئے اُن کے حالات زندگی کی کوئی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔ (بزم صوفیہ ص ۳۲)

تصانیف | آپ کی تصانیف میں سے ایک ”سلک السلوک“ ہے جو فنِ معرفت و سلوک میں ایک اہم تصنیف ہے۔ اس میں تصوف کے مسائل کو الگ الگ عنوانات میں بیان کیا ہے۔

یوں تو پوری کتاب ہی عجیب و غریب مضامین سے لبریز ہے مگر ہم اختصاراً کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے اس کی چند نصیحت آمیز باتیں درج کرتے ہیں۔
ملاحظہ فرمائیں:-

ایک دن ایک خواجہ نے ایک لونڈی خریدی۔ جب رات ہوئی لونڈی سے کہا، اے کنیزک! میرا کچھونا درست کر دے کہ میں سو رہوں۔ لونڈی نے کہا۔ اے مولا! کیا تمھارا بھی مولا ہے؟ خواجہ نے کہا، ہاں! لونڈی نے پوچھا، کیا وہ بھی سوتا ہے؟ خواجہ نے کہا، نہیں! لونڈی نے کہا، تمھیں شرم نہیں آتی؟ تمھارا مولیٰ تو جاگے اور تم سو رہو۔

اُپکا یہ انداز بیان اور بھی دلپذیر اور مؤثر ہو جاتا ہے جب ناصحانہ طور پر ایک ایک حکایت بشنو بشنو سے شروع کی جاتی ہے۔ مثلاً

سنو سنو! ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تمھاری قوم میں جتنے نیک لوگ ہیں ان کو بدوں سے الگ کر دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے آواز دی بہت سے لوگ باہر آئے۔ حکم ہوا، ان میں سے نیکوں کو چن لو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمی نکالے۔ فرمان ہوا۔ موسیٰ! ان میں سے بھی چنو، تب ان میں سے تین چنے۔ حکم آیا اے موسیٰ! میرے نزدیک تینوں سب سے زیادہ بُرے ہیں، کیونکہ جب انھوں نے سنا کہ تم نیکوں کو پکارتے ہو، تو یہ اپنے کو نیک سمجھ کر باہر آئے۔ اے عزیزو! اگر کوئی عبادت نہ کرے تو اس سے بہتر ہے کہ

عبادت کرے اور فر کرے۔ شریعت میں مدعی علیہ کو قید کرتے ہیں، لیکن طریقت میں مدعی کو قید خانہ بھیجا جاتا ہے۔ ف؛ خوب بات ارشاد فرمائی۔ (مرتب)
ایک اور حکایت ہدیہ ناظرین ہے۔ سنو سنو! ایک بزرگ نے چاہا کہ بازار جا کر کچھ خریدیں۔ دینار کو گھر میں تولد۔ جب بازار لے گئے تو دینار گھر کے وزن سے کم نکلا، رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا، کیوں روتے ہو؟ فرمایا، جب گھر کی چیز یہاں ٹھیک نہ ہوئی تو قیامت میں دنیا کی باتوں کا کیا حال ہوگا۔

(بزم صوفیہ ص ۳۵)

ف؛ سبحان اللہ، کس قدر آخرت کا استحضار تھا جو کسی وقت عین سے بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس فکر آخرت سے بہرہ ور فرمائے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (مرتب)

سنو سنو! حضرت وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ حضرت کعب بن احبار نے مسجد میں نماز پڑھتے وقت پچھلی صف میں کھڑے ہو کر تے تھے۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ اخیر صف میں کھڑے ہونے میں کیا راز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو رات میں پڑھا ہے کہ اُمت محمدیہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ جب اُن میں سے کوئی ایک اللہ کے حضور سربسجود ہوگا، تو ابھی اُس نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُس سے پیچھے والے لوگوں کو بخش دیں گے۔ میں اسی لئے سب سے آخر میں کھڑا ہوتا ہوں کہ اگلے لوگوں کے سجدوں کے طفیل میرا مقصد پورا ہو جائے (یعنی میں بخش دیا جاؤں)۔ قطعہ

نخشب درمیاں میں خود را قطرہ را چہ سیل می خوانی
ہمہ کس در طفیل تو گردد گر تو خود را طفیل کس دانی

(ترجمہ: اے مخمشی! لوگوں کے درمیان (یعنی لوگوں جیسا) نہ دیکھو خود کو، ایک قطرہ کو سیلاب کون بھٹاتا ہے، تمام دنیا تمہاری مطیع و فرمانبردار اس وقت ہو سکتی ہے جب تم بھی کسی کے فرماں بردار بن جاؤ۔)

شیخ محمد واسع وہ بزرگ تھے جن کو یہ وسیع و عریض دنیا ایک جونیٹ کی آنکھ سے بھی کم نظر آتی تھی، اُن سے منقول ہے کہ اگر گناہ اور معصیت میں بدلو ہو تو کوئی آدمی میرے پہلو میں نہ بیٹھ سکتا۔

کہتے ہیں کہ ایک روز زبیدہ کے دروازے پر ایک آدمی نے آکر کہا کہ میں زبیدہ کا عاشق ہوں، زبیدہ کو اُس کی خبر دی گئی تو اس نے اُس آدمی کو اندر بلا کر کہا کہ خبردار! آئندہ ایسی بات کی جرأت نہ کرنا۔ تو اُس نے کہا کہ میں اس بات سے کسی صورت میں باز نہیں آ سکتا۔ زبیدہ نے کہا کہ اچھا دو ہزار درہم لے لو اور عشق کا اظہار چھوڑ دو۔ مگر اس آدمی نے انکار کیا۔ وہ انکار کرتا اور زبیدہ رقم اوپر بڑھا دیتی۔ یہاں تک کہ جب زبیدہ نے دس ہزار درہم دینے کا وعدہ کیا، تو اُس نے تسلیم کر لیا اور عشق کے اظہار کے ترکے رضامند ہو گیا۔ زبیدہ نے جب اُس کی یہ کیفیت دیکھی تو اپنے خادموں اور ملازمین سے کہا کہ اسکی گردن اڑا دی جائے، کیونکہ یہ اوپر سے ہماری محبت کا دعویٰ کر رہے اور فی الواقع اس کو ہماری محبت نہیں ہے۔

سنو سنو! ایک بزرگ تھے جو کبھی بھی دائیں بائیں جانب مڑ کر نہ دیکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو انھیں کسی نے آواز دی اور پکارا۔ اُنھوں نے مڑ کر دیکھنا چاہا کہ کون پکار رہا ہے تو اچانک فضا سے آواز آئی کہ جو ہمارے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ

کرے وہ ہمارا نہیں۔

اے عزیز! اگر ہزار برس بھی اس راستے پر چلتے رہو اور پھر تمھارے دل میں یہ خیال آئے کہ تمھاری دعا قبول ہونی چاہئے، تو یقین کرو کہ تم جاہ پرست ہو اور راہ حق کے طالب نہیں ہو۔

بھلا جو پیشاب کے پلید راستے سے دنیا میں آیا ہے، اسے شان و شوکت کیسے زیب دے سکتی ہے۔ وہ بیچارہ تو گندے نطفہ اور مٹری ہوئی مٹی سے بنایا اور پیدا کیا گیا ہے۔

سنو سنو! جب ابراہیم علیہ السلام اس گکے قریب پہنچے جو آپ کیلئے جلائی گئی تھی تو آگ کو اتنا مسکین اور بے بس پایا کہ اٹھا آپ کو آگ پر رحم آیا۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لَوْلَا لَمْ اَخْلَقْتَ الْاَفْلَاکَ فرماتے ہیں کہ کسی کو راہ حق میں اتنی مصیبتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا جتنا کہ مجھے مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں چلا جانا، زکریا علیہ السلام کا پارہ پارہ ہو جانا یہ اتنی مصیبتیں نہیں جتنی ہمارے اوپر ڈالی گئیں۔ ہمیں اہل زمین و آسمان سے مقدم رکھا گیا، اور نبی آدم کے گناہوں کو ہماری شفاعت کے ذیل سے وابستہ کر دیا گیا۔ بے راہوں کو ہماری راہ اختیار کرنی چاہئے، مجرموں کو ہماری طرح عذر کرنا چاہئے اور کاہل اور سست لوگوں کو ہماری طرح کام کرنا چاہئے۔ میرے پروردگار نے مجھے کبھی تو قاب تو سین اودنی کی مسند پر بٹھایا اور کبھی ابو جہل جیسے ظالم و جابر کے پاس بھیج دیا، اور کبھی مجھ کو شاہد اور مبشر کے لقب سے ملقب کیا، اور کبھی لوگوں نے مجھے پاگل اور ساجر

عہدہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے (اگر آپ نبوت لے تو میرا آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔)

کہا، کبھی جبریل امین کو میرا رکاب دار اور ساتھی بنادیا، اور کبھی بغیر اجازت نامہ کے مکہ میں داخل نہ ہونے دیا، کبھی ملکوت کے خزانے میرے حجرے میں لائے گئے۔ اور کبھی ایک جوگی خاطر ابو سحمتہ کے در پر بٹھتے ہیں کبھی آپ کے غلاموں سے خیر مفتوح کرواتے ہیں، اور کبھی ظالموں کے ہاتھوں بذریعہ پتھر دندان مبارک شہید کرواتے ہیں۔

یہ سب کچھ اس لئے کرواتے ہیں تاکہ اہل دنیا یہ یقین کر لیں کہ ہمارا راستہ پر خارا راستہ ہے، جس پر چلنے کے لئے پاؤں کو سر پر رکھ کر چلنا پڑتا ہے۔ اور اگر کسی سے یہ نہ ہو سکتا ہو، تو وہ اس راہ پر چلنے کا نام تک نہ لے۔ اس راستہ کو عام راستوں کی طرح عبور اور طے نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت بشر حافی رح جن کو سر دیا برہنہ کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ سخت تازیانہ اور ڈنڈا حسن بصریؒ کی لڑکی نے مارا تھا، اُس کی صورت اس طرح پیش آئی کہ میں ایک دن حضرت حسن بصریؒ کے گھر گیا، اور ان کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی، اُن کی لڑکی نے پوچھا، کون؟ میں نے کہا بشر حافی (ننگے پاؤں والا) لڑکی نے کہا، یہاں سے سیدھے بازار چلے جاؤ اور وہاں سے جو تاخیر کر پاؤں میں پہن لو، اور اس کے بعد اپنے کو بشر حافی (ننگے پاؤں والا) مت کہنا۔

ف: حضرت حسن بصریؒ کی صاحبزادی نے حضرت بشر حافیؒ کے اس جواب میں عجب وینڈاری کی بومحسوس کی ہوگی اسلئے اُس کی یہ علاج تجویز فرمایا۔ (مرتب) سنو سنو! حضرت آدم علیہ السلام کو آٹھ ہشت عطا کئے گئے اور وہ ایک روز اُس سے بھاگ گئے، لیکن عشق کا جو ذرہ اُس میں رکھ دیا گیا تھا وہ اس سے

متصل رہا۔ جی ہاں! آدم علیہ السلام کی لغزش بھی مشغولیتِ حق کی وجہ سے تھی، اور شیطان کا گناہ فالِ غ البالی کی وجہ سے۔

قطعہ

نخشی از سراق بیروں است غم دل جز چسراغ دل نہ بود
دل فاسخ نشان بیکاری است عاشقان را فاسخ دل نبود
(توجہ: نخشی فراغت سے باہر ہو گیا ہے، دل کا غم بجز چراغ دل کے نہیں ہوتا
فراغت قلبی بیکاری کی علامت ہے۔ عاشقوں کا دل فاسخ نہیں رہتا۔)

حضرت رابعہ بصریؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ ابلیس کو دشمن سمجھتی ہیں؟ فرمایا، نہیں! لوگوں نے پوچھا، کیوں؟ فرمایا: میں دوست کے خیال میں اتنی مشغول ہوں کہ مجھے دشمن کی خبر ہی نہیں۔

کسی بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ دنیا کس چیز کے مانند ہے؟ فرمایا کہ دنیا اتنی حقیر اور ذلیل چیز ہے کہ اسکو کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

ایک آدمی ایک فقیر (درویش) کے پاس گیا اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں کچھ زمانہ آپ کی صحبت میں گزاروں۔ اُن بزرگ نے دریافت کیا کہ جب میں مر جاؤں گا تو تم کس کے ساتھ رہو گے؟ اُس نے جواب دیا کہ خدا کے ساتھ رہوں گا، تو بزرگ نے فرمایا کہ یہ سمجھ لو کہ میں معدوم ہوں، اس لئے ابھی خدا ہی کے ساتھ ہو جاؤ۔

ایک روز کسی دنیا دار نے کسی بزرگ کے گھر سے پانی طلب کیا، اُس درویش بزرگ نے بد مزہ اور گرم پانی پیش کیا۔ دنیا دار نے کہا کہ یہ پانی تو بد ذائقہ اور گرم ہے، درویش نے جواب دیا کہ اے خواجہ تم قیدی ہیں اور قیدی اچھا پانی نہیں پیا کرتے۔

کسی نے یہ بھی متعاذ کو فوت ہو جانے کے بعد خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ عالم بالا میں آپ کے ساتھ کیا گیا؟ فرمایا، جب میں پیش کیا گیا تو مجھ سے پوچھا گیا کہ دنیا سے کیا لائے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جیل خانہ سے آ رہا ہوں، وہاں سے کیا لانا، اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو ستر برس تک قید و بند میں نہ رہتا۔

ایک پیر کے کچھ مریدوں نے اپنے پیر سے دریافت کیا کہ ہم کو نسا راستہ اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور وصال نصیب ہو جائے، شیخ نے جواب دیا کہ کس راستہ سے تم آئے ہو کہ تم راہ بھی نہیں جانتے (مقصود اُن پر تعریض تھی کہ تمہیں تو اُس راستہ کی بھی خبر نہیں جس پر اب چل رہے ہو تو آگے والے راستہ کی کیا خبر ہوگی۔) کہتے ہیں کہ بامروت آدمی وہ ہے جو بامروت لوگوں کی باتوں سے بکیر خاطر اور رنجیدہ نہیں ہوتا۔ ایک ننگ کا مقولہ ہے کہ فضیل کی وفات کے بعد زمین سے غم نہ چلا گیا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت فضیلؒ کی خاص صفت حزن و غم تھی جو نہایت مبارک صفت ہے۔ (مرتب)

اخبار الانبیاء اور خزینۃ الاصفیاء میں سال وفات ۱۵۷ھ

سال وفات | درج ہے۔ مرتد بدایوں ہی میں ہے۔ خود اللہ عزوجل۔

(بزم صوفیہ ص ۳۴)

حضرت خواجہ محمد بابا اسماعیلی قدس سرہ المتوفی ۵۵۵ھ

تعارف آپ حضرت خواجہ عزیزا علی رامیتنی کے خلیفہ ہیں۔ اور حضرت خواجہ بہار الدین کو آپ نے اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا تھا۔ آپ جب ہندواں کے محلہ سے گزرتے تو فرماتے کہ اس زمین سے مردمی کی خوشبو آتی ہے اور بہت جلد محل ہندواں محل عارفاں ہوگا۔ چنانچہ ایک دن امیر کلال کے مکان سے جو آپ کے خلیفہ تھے قصر عارفاں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ آج وہ خوشبو بڑھ گئی ہے، شاید وہ مرد پیدا ہو چکا ہے۔ جب مکان پر اترے تو حضرت خواجہ بہار الدین کی ولادت کو تین دن گزر چکے تھے۔ خواجہ بہار الدین کے جد بزرگوار بڑے نیاز کے ساتھ ان کو خواجہ محمد بابا اسماعیلی کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ ہمارا فرزند ہے، ہم نے اسکو اپنی خدمت میں قبول کر لیا ہے۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ”یہ وہی مرد ہے جس کی خوشبو ہم نے سونگھی تھی، یہ اپنے زمانہ کا پیشوا ہوگا۔“ اور امیر سید کلال سے فرمایا کہ تم میرے اس فرزند بہار الدین کی تربیت و شفقت میں فرق نہ کرنا۔ اگر تم نے اس میں قصور کیا تو میں تم کو معاف نہیں کروں گا۔ امیر کلال نے جواب دیا کہ میں مرد نہیں اگر خواجہ کی وصیت میں فرق کروں۔

حضرت بہار الدین کی دعا | حضرت بہار الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے متاہل زندگی آغاز کرنے کا ارادہ کیا تو میرے محترم دادا نے مجھے

محمد بابا ساسی کی خدمت میں بھیجا کہ عرض کروں کہ میں آپ کے قدموں کی بکرت سے ان منازل تک پہنچا ہوں، اس مرحلہ پر بھی میری مدد فرمائیے۔ چنانچہ حضرت بہار الدینؒ فرماتے ہیں کہ جب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا تو میں نے آپ کی پہلی کرامت یہ دیکھی کہ اس شب میں مجھ پر نیاز اور عاجزی کا ظہور ہوا۔ میں حضرت کی مسجد میں آیا اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ سر کو سجدے میں رکھ کر بڑے خضوع و خشوع سے نماز مکمل کی۔ اور اس وقت میری زبان سے یہ دعا نکلی کہ الہی مجھے اپنی بلا کے اٹھانے کی طاقت عطا فرما اور اپنی محبت کی محنت کی برداشت عطا کر۔

جب میں صبح کو حضرت خواجہ کی خدمت میں پہنچا، تو مجھے دیکھ کر فرمایا اے فرزند بہاؤ الدین! دعا اس طرح مانگنا چاہئے کہ الہی! جو کچھ تیری رضا ہے اس ضعیف بندے کو اپنے فضل و کرم سے اس پر قائم رکھ۔ اگر خداوند تعالیٰ اپنی حکمت سے اپنے کسی دوست پر بلا نازل کرتا ہے تو اپنی عنایت سے اس کو بوجھ کو اٹھانے کی قوت بھی اس دوست کو دیتا ہے۔ ورنہ اپنے اختیار سے بلا کی طلب مشکل ہے۔ یہ گستاخی نہیں کرنا چاہئے۔ (لفحات الانس ص ۶۱)

وفات

آپ کی وفات ۱۲۵۵ھ میں قریہ سمسہ میں ہوئی جو روس کا ایک حصہ ہے۔ رَحْمَةُ اللهِ رَحْمَةً وَاسِعَةً۔

حضرت خواجہ سید نصیر الدین محمود چراغ دہلی المتوفی ۷۵۷ھ

نام و نسب نام محمود، نصیر الدین محمود گنج اور چراغ دہلی القاب تھے۔ والد کا نام شیخ محمود بھی ہے۔ جد بزرگوار شیخ عبد اللطیف یزدی خراسان سے لاہور آئے۔ والد ماجد شیخ محمود بھی اسی شہر میں پیدا ہوئے، اور سن شعور میں اودھ منتقل ہو گئے تھے۔ یہاں وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے جس میں اُن کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اُن کے پاس بہت سے غلام تھے۔

ولادت حضرت نصیر الدین محمود کی ولادت باسعادت اسی خطہ میں ہوئی بعض تذکرہ نگاروں نے مقام پیدائش اجداد اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ہے۔ اسی لئے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ نسباً سادات حسنی میں سے تھے۔

ابتدائی تعلیم نو سال کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ تعلیم و تربیت کا فرض والدہ ماجدہ نے انجام دیا۔ اُن کے زہد تقویٰ کے اثر سے بچپن ہی میں نماز باجماعت کے پابند ہو گئے تھے جو کسی حال میں بھی فوت نہیں ہوتی تھی۔ خیر المجالس کے ایک ملفوظ میں ہے کہ فقہ کی مشہور کتاب ”برزدی“ قاضی محی الدین کاشانی سے پڑھی۔ لیکن سیر العارفین میں ہے کہ ابتدائے میں مولانا عبد الکریم شیروانی علامہ زماں سے ہدایہ اور بزودی کو پڑھا، بعد وفات مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے جمع علوم حاصل کئے۔

(بزم صوفیہ ص ۳۵۶)

ترک تجرید | پچیس سال کی عمر میں ترک و تجرید اختیار فرمائی اور محاسبہ نفس میں مشغول ہوئے۔ گرد و نواح کے جنگل و بیابان میں ایک درویش کے ہمراہ آٹھ سال تک گھومتے رہے۔ اس صحرا نوردی میں بھی نماز، جماعت کے پابند رہے، روزے بھی ترک نہیں ہوئے۔ بزرگ سنبھالوسے افطار کیا کرتے تھے۔ (سیر العارفین ص ۴۴)

بیعت | سیر العارفین اور مرآۃ الاسرار میں ہے کہ تینتالیس سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا۔ بیعت کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ محمود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی قیامگاہ کے پاس ایک درخت کے نیچے متحیر کھڑے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بالا خانہ سے نیچے اتر رہے تھے کہ شیخ محمود پر ان کی نظر پڑی، خادم خاص کے ذریعہ خلوت میں ملنا کر دل کی کیفیت پوچھی۔ عرض کیا، بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے آیا ہوں۔ اس جواب سے مرشد کامل حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے شیخ محمود میں سچی طلب محسوس کر کے اُن کی جانب توجہ فرمائی۔ اور مرید صادق بھی بڑی دلسوزی سے مرشد کی خدمت شب و روز کر لے لگے۔

قیام دہلی | چنانچہ والد ماجدہ کی وفات کے بعد وطن چھوڑ کر مستقل طوار پر دہلی تشریف لے آئے اور مرشد کے خاص حجرہ میں سکونت اختیار فرمائی۔ یہ حجرہ جماعت خانہ میں تھا۔ مرشد کی صحبت میں فقر، صبر، تسلیم و رضا کی تمام درویشانہ صفیں پایہ تکمیل کو پہنچ گئیں۔ جیسا کہ ”سیر العارفین“ کے مولف کا بیان ہے :-

”حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلفاء اپنے مرشد

اور شیخ نصیر الدین کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے۔“ (ص ۹۵)

مرشد کی جانشینی | جب حضرت محبوب الہیؒ نے حضرت شیخ نصیر الدین میں وہ تمام باتیں بدرجہ کمال پائیں جو جانشینی

کے لئے موزوں تھیں تو اُن کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور وفات کے وقت اُن کو خواجگان سے جو خرقہ، عصا، کاسہ اور نعلین ملی تھیں، اُن کو عطا کر کے دہلی کے لوگوں کی جفاؤں کو صبر و سکون سے تحمل کرنے کی تلقین فرمائی۔

حضرت محبوب الہیؒ کی وفات کے بعد جماعت خانہ اُن کی بہن کی اولاد کو ترکریں ملا۔ اس لئے حضرت نصیر الدینؒ نے اپنی قیامگاہ کے لئے وہ جگہ منتخب کی جہاں اُن کی ابدی خواجگاہ ہے۔

تنگی معاش | جانشینی کا ابتدائی زمانہ بہت ہی تکلیف اور عسرت میں گزرا، اپنے ملفوظات میں اُن ایام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ

میں نے ایک بار روزہ رکھا، دو دن گزر گئے لیکن کچھ کھانے کو نہ ملا۔ میرا ایک آشنا تنھونامی تھا، وہ دو روٹیاں اور ترکاری دسترخوان میں لپیٹ کر میرے پاس لایا اس حال میں کہ اس کھانے نے وہ مزہ دیا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اکثر راتوں کو میرے گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا، چند دن متواتر چولھانہ سُلگتا۔ میرے اعزہ سامان معاش کرنا چاہتے، لیکن میں اُن کو کرنے نہ دیتا۔ وہ میرا مزاج پہچان گئے تھے کہ میں مشقت اور بے سرو سامانی ہی میں خوش رہتا ہوں، اس لئے میرا خیال پھوڑ دیا۔ اگر کوئی دیندار مجھ سے ملنے آتا تو میں شیخ کا جبہ پہن کر بیٹھ جاتا جب

وہ چلا جاتا تو کھاروے کا لباس پہن لیتا۔ جامعہ شیخ پہن کر وضو کرنا پسند نہ کرتا، لیکن اُس کو پہن کر لوگوں سے اپنا فقر پوشیدہ رکھتا تھا۔

فارغ البالی | کچھ دنوں کے بعد تیئنگی جاتی رہی اور اچھے دن آئے، مگر حضرت خواجہ نصیر الدین جو اُن عسرت بھرے دنوں کو برابر یاد کیا کرتے تھے دو دن کے فاقہ کے بعد اُن کو جو کی روٹی اور ترکاری ملی تھی، اُس کے مزے کو یاد کر کے سر ہلاتے اور فرماتے، سبحان اللہ، یہ فقر بھی کیا نعمت ہے۔ اس کے اول اور آخر دونوں خوب ہیں۔ وہ کیا عمدہ دن اور پُر ذوق زمانہ تھا۔ یہ کہہ کر روتے گویا وہ ذوق پھر حاصل کر لیتے۔

فارغ البالی کے زمانہ میں مہمانوں اور مریدوں کیلئے دسترخوان پر اچھے اچھے کھانے ہوتے۔ خود تو صائم الدہر ہوتے لیکن مہمانوں کو بڑے لطف و کرم سے لذیذ کھانے کھلاتے۔ کبھی کبھی کسی مہمان کی خاطر افطار کر لیتے۔ ایک دفعہ دسترخوان پر چلوے کی کئی قسمیں تھیں، ایک حاجی نے عرب کے کھانے بھی اس موقع پر پیش کئے حاضرین میں ایک صاحب نفل روزہ رکھے ہوئے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدینؒ نے ان کی خاطر افطار کر لیا اور یاروں کو خوب کھانے کی تاکید فرمائی۔ (بزم صوفیہ ص ۳۶)

تلقین | مہمانوں کو لذیذ کھانا کھلاتے وقت پند و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھتے۔ ایک بار دسترخوان پر عمدہ پلاؤ تھا، حاضرین کو بڑی شفقت و محبت سے کھلا رہے تھے، دست مبارک سے پلاؤ برتنوں میں ڈالتے جاتے اور تاکید فرماتے، یارو، خوب کھاؤ۔ جب لوگ کھا چکے تو فرمایا، طعام حلال طیب وہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ حق تعالیٰ دیکھتا ہے۔ اللہ کے واسطے کھائے اور نیت کرے کہ جو قوت اس سے پیدا ہوگی وہ طاعت و عبادت میں

صرف ہوگی، تو وہ شخص عین عبادت و نماز میں ہوگا۔

ارشادات

فرمایا ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کھانا کھاتے ہیں مگر ہمارا پیٹ نہیں بھرتا۔ آپؐ نے فرمایا، شاید تم تنہا کھاتے ہو؟ عرض کیا، ہاں! ہر شخص الگ الگ کھاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اب اکٹھا ہو کر کھایا کرو، پہلے بسم اللہ کہا کرو، اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ (خیر المجالس پنجاب، دہم شتم فارسی ص ۱۹۹)

ایک بار عیدِ راضی کے دن بہت سے لوگ ملنے آئے، اُن کی خاطر دسترخوان بچھایا گیا جس پر اچھے کھانے اور اچھے حلوے تھے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین نے اُس موقع پر یہ حکایت سنانی کہ ایک بار ایک درویش شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے سامانِ امارت میں بارگاہ شاہی، طناہماے ریشمی اور میخمائے زرین دیکھ کر سوچنے لگا کہ یہ کیسی درویشی ہے، یہ تو کسی بادشاہ کو بھی میسر نہیں۔ حضرت ابو سعید نے اس کے خیال کو نورِ باطن سے معلوم کر لیا اور اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے درویش! ہم نے خیمہ کی تیغِ دل میں نہیں نصب کی ہے، زمین میں گاڑی ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی مثال سایہ کی ہے، اگر اُس کی طرف تو رخ کرے تو تیرے پیچھے ہوگا اور اس کی طرف پشت کرے تو تیرے آگے ہوگا۔ (مجلس ۶۳ فارسی ص ۲۱۳)

ایک اور موقع پر کچھ معتقدین حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کے سامنے فائدہ نوش کر رہے تھے، حسب دستور پند و موعظت شروع کی اور فرمایا کہ ایک بار حضرت

خواجہ ابراہیم بن ادہم قدس سرہ العزیز ایک بادشاہ کے حضور پیش کئے گئے۔ بادشاہ نے اُن کے لئے کھانا منگوایا، ایک آراستہ دسترخوان پر پہلے اُن کے سامنے فالودہ کا پیالہ رکھا گیا۔ حضرت خواجہ ابراہیم نے پیالہ کو غور سے دیکھا مگر اُس میں سے کچھ کھانا پسند نہ کیا۔ بادشاہ نے پوچھا، فالودہ کو آپ دیکھتے ہیں لیکن کھاتے نہیں ہیں؟ حضرت خواجہ ابراہیم نے فرمایا: فالودے سے قیامت یاد آتی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا، کس طرح؟ فرمایا: اُس دن دو گروہ ہوں گے، ایک فالودہ اور ایک آلودہ فَرِیقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیقٌ فِی السَّعِیرِ کا اشارہ اسی طرف ہے۔ جس نے اپنے آپ کو دنیا میں مجاہدہ، طاعت و عبادت میں پالودہ کیا تو وہ بہشت میں جائیں گے۔ اور جو آلودہ معصیت میں انکوائش و دوزخ میں پاک و صاف کر کے بہشت لے جائیں گے۔ بادشاہ نے یہ سُن کر کہا اے درویش! آپ کی باتوں سے میرا دل ہل گیا۔ (بزم صوفیہ ص ۳۶۶)

چراغِ دہلی کا لقب رفتہ رفتہ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کے رشد و ہدایت کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی۔ جب حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے شیخ امام عبداللہ دہلوی سے ایک عرصہ تک تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ ایک موقع پر شیخ مکہ نے حضرت جلال الدین سے فرمایا: اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اُٹھ گئے، تاہم اُن کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے اُن کی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے۔ وہ چراغِ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ حضرت سید جلال الدین بخاری نے جب یہ سنا تو ان کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اور وہ مکہ معظمہ سے دہلی

آئے اور حضرت خواجہ نصیر الدین کی قدمبوسی کر کے شجہ مکہ نے جو کچھ کہا تھا اسکو بیان کیا، اس کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب ”چراغ دہلی“ بھی ہو گیا اور اسی لقب سے مشہور ہوئے۔

ارشاد ہدایت | مذہبی و روحانی استفادہ کے لئے ہندو بیرون ہند کے مختلف مقامات سے ہر طبقہ کے افراد آتے اور حضرت چراغ دہلی حسب مراتب اُن کی تربیت فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب علم بیعت کے لئے آئے۔ یہ ہدایہ، بزودی اور کثافت پڑھ چکے تھے۔ بیعت کے وقت حضرت چراغ دہلی نے ارشاد فرمایا جب کوئی طریقت میں داخل ہو تو اُس کو چاہئے کہ اپنی آستین چھوٹی ٹکڑے، دامن اونچا رکھے اور سرمند اُٹائے۔ آستین چھوٹی ٹکڑے سے یہ مراد ہے کہ اُس نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے، تاکہ اُس کو مخلوق کے سامنے نہ پھیلا سکے، دامن اونچا کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اُس نے اپنا پاؤں قطع کر لیا ہے تاکہ کسی ایسی جگہ نہ جاسکے جو بڑی ہو اور جہاں معصیت ہوتی ہو۔ سرمندانے کے یہ معنی ہیں کہ راہ حق میں اُس نے اپنا سر کاٹ لیا ہے اور اُس سے کوئی بات خلاف شرع ظہور میں نہ آئے۔ (بزم صوفیہ ص ۳۷)

ارشادات

جذب و سلوک | فرمایا: سلوک میں ارادت ضروری شرط ہے، تاکہ مرشد طریقہ ذکر و فکر کی تعلیم دے سکے اور جہاں کسی سالک کو وقفہ عارض ہو، وہاں مرشد دستگیری کرے۔ ایک سالک متدارک بہ جذبہ اور ایک مجذوب متدارک بہ سلوک ہوتا ہے۔ سالک متدارک بہ جذبہ وہ ہے جو علم و عمل اور ارادت کی قوت سے پہلے سلوک، پھر بعد میں جذبہ حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے اعمال میں خونِ جگر

پیتل ہے، رنج و تعب اٹھاتا ہے، اُس کو نفسِ شیطانِ معصیت میں آلودہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ تائب ہو کر عابد و زاہد رہتا ہے۔ اور مجذوب متدارکِ سلوک وہ ہے جو پہلے جذبہ اور آخر میں سلوک حاصل کرتا ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے جذبہ کی قوت سے کرتا ہے، شیطان اور نفس دونوں کو اس کے یہاں دخل نہیں۔ حضرت چراغ کی رائے ہے کہ سالک متدارک۔ مجذوبہ اور متدارک بسلوک دونوں کی متابعت کی جاسکتی ہے۔ لیکن مجذوب مطلق اور سالک نامتدارک مجذوبہ اتباع کے لائق نہیں ہوتے۔ حضرت چراغ دہلی کے نزدیک سالک متدارک بہ جذبہ مجذوب متدارک بسلوک سے افضل تر ہے۔ سالک کی ایک قسم واقف بھی ہے جو علم اور مجاہدہ کے زور سے سلوک حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن کسی لغزش کی وجہ سے آگے نہیں بڑھنے پاتا۔ ایسی حالت میں مرشد مدد کرتا ہے۔ ورنہ اسکو شیطان طمانچے مارتا رہتا ہے۔ (بزمِ صوفیہ ص ۳۹۲)

حال و قال فرمایا: ایک بتدی تلاوتِ کلامِ پاک، نماز اور فکر میں وقت صرف کرتا ہے۔ اور جب وہ اپنے اوقات کو عبادت و ریاضت سے معمور کر لیتا ہے تو وہ صاحبِ وقت کہلاتا ہے، اس کے بعد ایک حال قائم ہوتا ہے جس میں الوار نازل ہوتے ہیں، اُس کا اثر دل پر پہنچتا ہے اور دل سے اعضا میں سرایت کرتا ہے۔ لیکن اس حال میں دوام نہیں ہوتا۔ اگر اس کو دوام حاصل ہو جاتا ہے تو یہ مقام ہے۔ اور جب مقام کو دوام حاصل ہوتا ہے تو بتدی منتہی کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے وہ صاحبِ انفاس کہلاتا ہے، اس کی ہر سانس پاکیزہ ہوتی ہے۔ اور وہ غیر حق کے تمام خیالات دل سے محو کر دیتا ہے۔

ف: سبحان اللہ، سلوک میں کیسے کیسے درجات و مقامات ہیں جو کسی

مرشد کامل کی رہبری میں حاصل اور طے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان درجات و مقامات کی نعمت سے نوازے۔ آمین! (مرتب)

صحت نفس | حضرت چراغ و نے نفس کی تربیت پر بڑا زور دیا ہے فرمایا: محافظت نفس کے لئے مخالفت نفس ضروری ہے

چنانچہ ایک موقع پر اپنی ساری تعلیم کالب لباب اس شعر میں پیش کیا ہے
صحت نفس و قوت یک روزہ بہتر از تاج و تخت فیروزہ
(ترجمہ: نفس کی صحت اور ایک دن کی روزی، تلخ و تخت فیروزہ سے بہتر ہے)

غسل کی قسمیں | فرمایا: ایک مرید کے لئے تین قسموں کا غسل ضروری ہے۔ (۱) غسل شریعت، یعنی جسم سے ناپاکی کو دور کرنا (۲) غسل نیت یعنی تجرد اختیار کرنا (۳) غسل حقیقت یعنی باطن کا توبہ کرنا۔

چار عالم | فرمایا: ایک مرید کو راہ سلوک میں حسب ذیل چار عالم سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اور اگر وہ واقف نہیں ہے تو دروغ گو ہے۔

ف: لیکن اگر تجرد سے دینی ضرر کا اندیشہ ہو تو اسے ترک کر سکتا ہے۔ (مرتب)

(۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت (۴) لاہوت

عالم ناسوت حیوانات اور نفس کی دنیا ہے۔ اس میں حواس خمسہ سے افعال صادر ہوتے ہیں۔ سالک اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے اس عالم سے گزر کر عالم ملکوت میں پہنچتا ہے، جہاں اُس کے افعال صرف تسبیح، تہلیل، قیام، رکوع اور سجدہ تک محدود ہوتے ہیں۔ اس عالم کو طے کر کے وہ عالم جبروت میں آتا ہے جہاں صرف شوق، ذوق، محبت، اشتیاق، طلب، وجد، سکر، سہو، مجد اور نحو کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ اس کے بعد وہ عالم لاہوت میں داخل ہوتا ہے جو

بالکل لامکان ہے، یہاں نہ گفتگو ہے اور نہ جستجو۔ عالم ناسوت نفس کی صفت عالم ملکوت دل کی صفت، عالم جبروت روح کی صفت اور عالم لاہوت نظر رحمن کی صفت۔ ف: ماشاء اللہ، چاروں ہی عالموں کی خوب ہی خوب تشریح فرمادی جو سالک عارف کامل ہی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عالم لاہوت کے مقام تک پہنچائے (مرتب) ایک دوسری جگہ فرمایا کہ سالک جب تک تزکیہ تصفیہ اور تجلیہ روح | تجلیہ حاصل نہیں کرتا، اُس میں دلیلی کا جوہر پیدا نہیں ہوتا، ان ہی کے ذریعہ سے شریعت، طریقت اور حقیقت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ حصول شریعت سے تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ اور اُس کے لئے کم کھانا اور رات کو نوافل پڑھنا ضروری ہے۔ حصول طریقت سے تصفیہ دل ہوتا ہے، اُس کے لئے نماز پڑھنا روزہ رکھنا اور ذکرِ جلی کرنا لازمی ہے۔ حصول حقیقت سے تجلیہ روح ہوتا ہے، اُس کے لئے روزے رکھنا اور ذکرِ خفی کرنا ضروری ہے۔ تجلیہ روح سے مراد دل کے سات گواہ کا روشن ہونا ہے۔ وہ سات گواہ یہ ہیں:-

- (۱) گوہر ذکر (۲) گوہر عشق (۳) گوہر محبت (۴) گوہر سر (۵) گوہر روح (۶) گوہر معرفت (۷) گوہر فقر۔ (بزم صوفیہ ص ۲۹۵)

اب ہم اخبارِ الانبیاء سے کچھ خاص باتیں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:-

منقول ہے کہ شیخ نظام الدین کے مریدوں نے ایک مرتبہ محفلِ سماع کا نظام بنایا۔ مریدین غزلیوں سے اشعار سن رہے تھے۔ اس محفل میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی بھی موجود تھے، آپ اٹھ کر جلنے لگے، دوستوں نے بیٹھنے کیلئے اصرار کیا تو فرمایا کہ یہ خلافِ سنت ہے۔ میں اسے ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ اس پر لوگوں نے کہا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سماع کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں

اور اپنے شیخ کے مسلک سے انحراف کرتے ہیں۔ آپ نے دوستوں کو جواب دیا کہ شیخ کا قول حجت شرعی نہیں۔ قرآن و حدیث سے دلیل پیش کرنا چاہئے۔ بعض بدخواہ و خود غرض لوگوں نے یہ بات شیخ نظام الدینؒ کی خدمت میں پیش کی اور کہا کہ شیخ نصیر الدین یوں کہتے ہیں۔ چونکہ شیخ نظام الدینؒ کو اصل واقعہ کی پہلے سے اطلاع مل چکی تھی۔ اس لئے ان لوگوں سے فرمایا کہ شیخ نصیر الدین ٹھیک فرماتے ہیں اور جو کچھ فرماتے ہیں وہی حق ہے۔

”سیر الاولیاء میں ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء کی مغل سماع میں مزامیر (بابجے) وغیرہ ہوتے تھے اور نہ ہی تالیاں بجائی جاتی تھیں۔ اگر آپ سے کوئی کہتا کہ فلاں شخص بابجے وغیرہ کے ساتھ ساتھ ہے تو اسے منع فرماتے اور فرماتے کہ بابجے وغیرہ منشاء شرعیت میں ناجائز اور ممنوع ہے۔

نہ تڑتوں ہے کہ شیخ چراغ دہلویؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں کس لائق ہوں کہ پیری مریدی کروں آج تو یہ بچوں کی کھیل تماشہ سمجھا جانے لگا ہے۔ پھر شیخ سنانیؒ کا یہ شعر پڑھا ہے
مسلماناں مسلماناں مسلماناں مسلماناں
ازیں آئین بیدیناں پشیمانی
اے مسلمانو! شریعت پر عمل کرو۔ اور جو تم نے طریقہ اختیار کر رکھا ہے یہ دراصل بے دینی کا طریقہ ہے، جس سے سوائے پشیمانی کے کچھ اور حاصل نہ ہوگا۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ایمان محفوظ رکھنے کی فکر کرو۔ اور کرامتوں کے درپے نہ ہو۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ میں نہایت پریشان ہوں کہ لوگ بغیر دیکھے پرکھے کسی کے نیچھے کیوں دوڑتے ہیں۔ ایک موقع پر یہ شعر پڑھا ہے

نظر در دید ہا ناقص فتادست وگر نہ یار من از کس نہاں نیست

(یعنی آنکھوں میں روشنی ہی کم ہوگئی ہے ورنہ تو ہمارا محبوب کسی سے پوشیدہ نہیں ہے)

اس کے بعد فرمایا کہ اس طریق میں اصل چیز نفس کی نگرانی ہے۔ مراقبہ کے وقت صوفی کیلئے ضروری ہے کہ اپنے نفس پر کڑی نظر رکھے۔ اگر اس سے غافل ہوگا تو پھر باطن پریشان ہو جائے گا۔ صوفی وہ ہے جو اپنی ہر ہر سانس کو شمار کرتا ہو اور اس کا پاس و لحاظ رکھتا ہو۔ فرمایا کہ دل پر نظر رکھ کر دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے اور ذکر اللہ میں مشغول ہو کر تمام غیر اللہ سے دل کو پاک کرنا لازمی ہے۔ (اخبار الایاد)

آپ پر قاتلانہ حملہ | ایک روز حضرت چراغ دہلی نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آکر اپنے حجرہ خاص میں مراقبہ میں مشغول تھے کہ ایک قلندر سمس تراویح مان پہنچا اور پھری سے پے درپے حملے کئے، خون حجرہ کے باہر بہنے لگا، لیکن انکے استغراق میں فرق نہیں کیا۔ خون دیکھ کر مریدین حجرہ میں گئے اور قلندر کو سزا دینی چاہی، لیکن حضرت چراغ نے روکا اور اپنے مریدین خاص بعد المقدس، شیخ صدر الدین طیبی، شیخ زین الدین علی کو پاس بلا کر قسم دی کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہ پہنچائے، پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر پھریاں مارتے وقت تھکائے ہاتھ کو تکلیف پہنچی ہو تو معاف کرنا۔ اور میں تنکے زردئے کر رخصت کیا۔ انہی اوصاف کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ میں صبر و رضا و تسلیم کا خاتمہ ان پر ہو گیا۔ ف: سبحان اللہ، یہ معنوی کرامت تھی کہ ایسے موقع پر صبر و تحمل فرمایا جو ظاہری کرامت کے ہیں بڑھ کر ہے۔ (مرتب)

وفات | اس قاتلانہ حملہ کے بعد تین سال تک مزید خلق اللہ کے رشد و ہدایت میں مشغول رہے۔ ۱۸ رمضان المبارک شب جمعہ ۵۵۷ھ میں رحلت فرمائی

اور دہلی میں مدفون ہوئے۔ خود اللہ مصلحہ۔ (بزم صوفیہ صفحہ ۳۸۹)

ف: الحمد للہ، آپ کی مزار پر حاضری ہوتی ہے۔ (مرتب)

الحمد للہ کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ پر اس سلسلہ سینہ کا حصہ سوم ختم ہوا۔ اہل سکے بعد انشاء اللہ تعالیٰ حصہ چہارم حضرت شرف الدین منیریؒ سے شروع ہوگا واللہ اعلم بالصواب

مصادر و مراجع اقوال سلف حصه سوم

نام کتاب

مصنف

حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب جامی	نفحات الانس
حضرت مولانا سید عبدالحی صاحب لکھنوی	زہرۃ الخواطر
حضرت قاری فیوض الرحمن صاحب مترجم	قاموس المشاہیر
حضرت مولانا سید ابوظفر ندوی	تاریخ اولیاء کجرات (ترجمہ آہ احمدی)
حضرت مولانا مفتی محمد پالپوری	تاریخ ہند
حضرت امام شمس الدین محمد الذہبی	سیر اعلام النبلاء
حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب الاعظمی	ایمان الحجاج
حضرت مولانا حفیاء الدین صاحب اصلاحی	تذکرۃ المحدثین
حضرت علامہ ابولعیم اصفہانی	حلیۃ الاولیاء
حضرت محمد قاسم فرشتہ	تاریخ فرشتہ
حضرت علامہ عبد الوہاب شترانی	لوائح الانوار فی طبقات الاختیار (طبقات کبریٰ)
حضرت مولانا سید صلاح الدین عبد الرحمن صاحب	بزم صوفیہ
حضرت الاستاذ محمد ابوزہرہ	تاریخ المحدثین
حضرت مولانا عرفان صاحب بیگ نوری	روح نقیون (ترجمہ رسالۃ القیشیہ)
مؤلف عفی عنہ	معارف صوفیہ
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	تاریخ دعوت و عزیمت
حضرت امام غزالی	احیاء علوم الدین
مؤلف عفی عنہ	نفیحة المسلمين
حضرت مولانا احمد مصطفیٰ رفاعمی	(ترجمہ رسالۃ المسترشدين للحاجی)
حضرت مولانا عبدالحی محدث دہلوی	تذکرہ حضرت رفاعمی
حضرت شہاب الدین سہروردی	اخبار الاختیار
	عوارف المعارف

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی
 حضرت مکرم سید قاسم محمود صاحب
 حضرت مکرم محمد عبدالمعبود صاحب
 حضرت علامتناج الدین اسبکی
 عزیزم مولوی محبوب احمد ندوی
 حضرت مولانا محمد حسن صاحب نقشبندی مجددی
 افادات حضرت سیدنا رفاعی
 حضرت مولانا سید مصطفیٰ صاحب رفاعی ندوی
 حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی
 حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
 حضرت علامہ عبدالباق شہرانی
 مترجم حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی، دیوبند
 حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم
 حضرت ذاب سید صدیق حسن خاں
 حضرت فرید الدین عطار
 حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی
 حضرت علامہ محمود آلوسی
 حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
 حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی
 حضرت شیخ حمید الدین صوفی ناگوری
 حضرت امام ابوبیخی زکریا بن شریف نودی
 حضرت ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی
 حضرت خیر الدین الزکلی
 حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
 حضرت قاضی سید عابد علی، بھوپال

بیان القرآن
 شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا
 تاریخ المدینۃ المنورۃ
 طبقات الشافعیۃ
 تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ
 مشائخ نقشبندیہ مجددیہ
 البیان المشید
 ارشادات رفاعی
 الفوائد البیہ فی تراجم الخفیفہ
 الافادات الوصیۃ
 الیواقیت والخواہر
 تفسیر رازی (اردو)
 اکابر دیوبند کیاتھ
 نقصان وجود الاحرار
 پسند نامہ عطار
 التنبیہ الطربی
 روح المعانی
 ایجابات کی حقیقت
 مناجات مقبول
 کلید مثنوی (ترجمہ مثنوی شریف)
 اصول الطریقت
 کتاب الادکار
 مشکوٰۃ شریف
 الاعلام، قاموس التراجم
 مشائخ چشت
 قطب مالوہ

پروفیسر خلیق احمد نظامی	تاریخ مشرق و چشت
حضرت شیخ سعدی شیرازی	گلستان
حضرت مولانا فضل رحمن دھرم کوٹی	بہار بوستان (ترجمہ بوستان)
حضرت شیخ سعدی شیرازی	بوستان
مولف عفی عنہ	اعتراف ذنوب مع اعتراف قصور
حضرت مولانا مفتی عبدالسلام نعمانی، بنارس	تذکرہ مشائخ بنارس
حضرت ملا علی القاری	مرقات، شریعہ مشکوٰۃ
حضرت علامہ ابن القیم	مدارج السالکین
حضرت الحاج محمد عبدالرحمن خلد آباد	گلستان خلد آباد (الموسم تذکرہ بزرگان دین)
مکرم بشیر محمد خاں ایڈووکیٹ برہان پور	تاریخ اولیاء کرام برہان پور
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب	معارف القرآن
حضرت علامہ عماد الدین ابن کثیر	البدایہ والنہایہ
پروفیسر خلیق احمد نظامی	تاریخی مقالات
حضرت مولانا قاضی شاد اللہ صاحب پانی پتی	تفسیر مظہری
حضرت صوفی محمد ایوب صاحب چشتی فاروقی	تاریخ صوفیہ ارا ناگور
حضرت مولانا محمد میاں حصا، سابق ناظم جمعیت علماء ہند	بزرگان پانی پت
حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	التکشف عن مہام التصوف
حضرت مولانا عبدالحی صاحب اکابادی	الاکلیل علی مآثر التنزیل
مکرم الدکتور محمد حسین الدہبی	التفسیر والمفسرون
حضرت مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی	ظفر المحصلین
حضرت علامہ جارا اللہ محمود زعفرانی	الکشاف
حضرت محمد بن عسکاء الشافعی	دلیل الفایحین شرح ریاض الصالحین
حضرت مولانا کرامت علی جونپوری	انوار محمدی (ترجمہ شامل ترمذی)
انتباہ: بعض عبارات میں بصورت کسی قدر تغیر و تبدیل کی گئی ہے۔ مگر الحمد للہ معنی حقیقت میں کوئی فرق نہیں ہوا ہے۔ فقط	
محمد قمر الزمان اکابادی ۵ صفر ۱۳۳۳ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۱۵ء	
مدیر مدرسہ بیت المعارف، الہ آباد	

مطبوعات مکتبہ دارالمرآۃ



شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان قادری

شیخان (عینان تجسریان)

تصفیۃ القلوب بقلبہ شفا کے دلوں
(اردو، گجراتی)

مولانا سعید احمد ندوی قاسمی

الاربعین (چالیس حدیثیں)

دیگر حضرات کی تصانیف

دینی نصاب (۲ جلدیں)

احادیث سلوکیہ
تسهیل قصد السبیل (اردو، گجراتی)

علامہ قیامت (اردو، انگریزی، گجراتی)

تذکیر آخرت

جامع الاحکام

نور درود و سلام کا مقبول وظیفہ

مکتوب گرامی امام غزالیؒ

اشکِ ندامت

میکمندی آقا علیہ السلام کی نماز

اعترافِ ذنوب (زیر طبع)

تالیفات مصلح الامتؒ

(مکمل، غلیظ) (مثل مطبوعات)

چند وصیتیں

(اردو، انگریزی، گجراتی)

حقیقی حج (اردو، انگریزی، گجراتی)

نکاح کی شرعی حیثیت

(اردو، انگریزی، گجراتی)

دس قرآن (اردو، انگریزی)

امت کی مابینہ ناز شخصیت

(مولانا علی میاں)

امت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت

(مولانا ابراہیم صاحب)

عقائد، فرائض و وظائف و تفصیل

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرباکہ علیہ السلام

روح البیان (۳ جلدیں)

اخلاق سلفؒ

کمالات نبوت (زیر طبع)

عرفانِ محبت (مثل مطبوعات)

مولانا محمد حبیب احمد صاحب ندوی

مشائخِ نقشبندیہ مجددیہؒ

احسن السیر

(اردو، انگریزی، گجراتی)

اقوال سلفؒ (چھ جلدیں)

تزئیت اولاد کا اسلامی نظام

(اردو، انگریزی، گجراتی، بنگالی)

وصیۃ الاولاد

فیضانِ محبت (شرح عرفانِ محبت)

گلدستہ اذکار

ریاض السالکین فی احادیثِ مبارکین

(اردو، انگریزی)

معارف صوفیہ

نقوش و آثار و مفکر اسلامؒ

الافاضۃ الاحسانیہ (مجموعہ غزل)

تذکرۃ مصلح الامتؒ

زیارتِ حرمین شریفین

طہارتِ قلب

ہدایاتِ نافعہ (اردو، انگریزی)

گناہوں کا وبال اور اس کا علاج

شرح صدر

جامع الحقوق

MAKTABA DARUL MAARIF

639/B, Wasiabad Allahabad U.P.

فادرمکتبہ: محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

Ph.: 0532-2550438 Mob: 9450581807